علامہ محمد احمد مصباحی

احوال و افکار

توفیق احسن برکاتی

ناشر

جماعت رضائے مصطفےٰ، برطانیہ

علامہ محمد احمد مصباحی

احوال و افکار

محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ناشر

جماعت رضائے مصطفیٰ، برطانیہ

○ علامہ محمد احمد مصباحی: احوال وافکار

تصنیف : محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی

صفحات : ۵۶۰

سنہ اشاعت : جمادی الآخرہ ۱۴۴۲ھ/فروری ۲۰۲۱ء

تزئین : مکتبہ عزیزیہ، عزیز نگر، مبارک پور

ناشر : جماعت رضاے مصطفیٰ، برطانیہ

قیمت :

Book Name	:	Allama Mohammad Ahmad Misbahi Ahwal-o-Afkar
Compited By	:	Taufiq Ahsan Barkati
Pages	:	560
Publishing Year	:	February 2021
Published By	:	Jamat-e-Razay-e-Mustafa U.K

ملنے کے پتے

- مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، 7237876095
- المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، 7007576367
- مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، مئو 9506191193

حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز مراد آبادی

اور

علامہ عبد الرؤف بلیاوی

علیہما الرحمہ

کے نام

مشمولات

پیش گفتار

زیرنظر کتاب ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت کی سوانح حیات ہے جس کی عبقریت مسلم ہے۔ علمی گیرائی وگہرائی، وسعت مطالعہ، حفظِ اوقات، امانت ودیانت، سفروحضر میں پابندیِ شریعت، ذروں کو ماہتاب بنانے کا ہنر، حُبِّ جاہ ومدح سے پرہیز، حرص وطمع اور ریا ونمود سے دوری، کم سخنی، قوتِ فیصلہ کی مضبوطی، حلم وبردباری، مولیٰ تعالیٰ کی رضا جوئی، مسلک رضا پر استقامت اور اس کی اشاعت، صاحبِ سوانح کے یہ وہ اوصاف ہیں جو اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ آپ کی تدریسی، تصنیفی، تعلیمی اور تربیتی خدمات کے احاطہ کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں۔

قارئین! حضرت صدر العلماء مدظلہ العالی کی تصنیفی خدمات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کلمات تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ فضیلۃ الشیخ علامہ خالد ثابت مصری آپ کی علمی وتحقیقی کتاب "حدوث الفتن وجهاد أعيان السنن" کے متعلق لکھتے ہیں: "انه كتاب، لو أن صاحبه الأستاذ محمد أحمد المصباحی لم يكتب غيره لكفاه، ولأصابته بشرى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حين قال: "انه سيصيب أمتی فی آخر الزمان بلاء شديد لا ينجو منه الا رجل عرف دين الله، فجاهد عليه بلسانه وبقلبه، فذلک الذی سبقت له السوابق۔" لو أن صديقی الدكتور قرأه لما خفيت عليه كنوزه وفوائده." (انصاف الامام، مطبوعہ: دارالمقطم، مصر، ص:۶)

(یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر اس کے مصنف مولانا محمد احمد مصباحی کوئی اور کتاب نہ لکھتے تو صرف یہی ان کے لیے کافی ہوتی اور ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ثابت ہوتی، جس میں آپ نے فرمایا ہے: "آخری زمانے میں میری امت کو شدید بلا پہنچے گی جس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے اللہ کا دین پہچانا، پھر اپنی زبان اور دل سے اس پر

جہاد کیا تو وہی ہے جس کے لیے سبقت کرنے والے انعامات ثابت ہوں گے۔" اگر میرے دوست ڈاکٹر صاحب یہ کتاب پڑھ لیتے تو ان پر اس کے خزانے اور فوائد مخفی نہ رہتے۔")

جب ان کی ایک تصنیف کا یہ مقام ہے تو اگر یہ مصری مؤلف تدوین قرآن، حاشیۂ مدارک، امام احمد رضا اور تصوف، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کرتے تو اس سے بھی بڑھ کر ان کا تاثر ہوتا۔ تمام عقیدت مندان وتلمیذانِ صدر العلماء کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں حضرت مولانا محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی مدظلہ العالی کہ انھوں نے ہم سب کی طرف سے ایک اہم قرض کی ادائیگی کی ہے۔ احقر کو میرے مخلص استاذ، ممتاز محقق وادیب علامہ نفیس احمد مصباحی مدظلہ العالی نے اس سوانحی کتاب کی اشاعت کی طرف راغب کیا تو میں نے اپنے چند احباب مثلاً علامہ اقبال احمد مصباحی [بولٹن]، علامہ ابراہیم مصباحی [یو، کے]، مولانا محمد حسین مصباحی [یو، کے]، مولانا محمد سلطان مصباحی [ہالینڈ]، مولانا محمد مقصود گجراتی [یو، کے] اور مولانا ناظم عدالت [ہالینڈ] سے گزارش کی تو ان حضرات نے اپنا مالی تعاون پیش کیا، اس پر میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں۔ اخیر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو اجر عظیم سے نوازے اور اس خراجِ عقیدت کو قبول فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

(مولانا) محمد نظام الدین مصباحی

[بلیک برن، یو، کے]

●●

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

صوبہ اتر پردیش کے مردم خیز ضلع مئو میں تحصیل محمد آباد گوہنہ سے قریب دو کلومیٹر جانبِ شمال دریائے ٹونس کے کنارے ''بھیرہ'' نام کی ایک قدیم آبادی ہے جو علم وادب اور فضل وکمال جیسی بہت ساری خوبیاں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ مخدوم شاہ ابوالخیر فاروقی، مخدوم شاہ اسمٰعیل، شیخ محمد، مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان، حافظ شاہ اسحاق اور مولانا شاہ علی احمد علیہم الرحمہ، یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی وجہ سے تقریباً دو سو سال پہلے یہ بستی علم ومعرفت کا مرجع تھی اور اس سے بہت پہلے ''آستانۂ بھیرہ'' کے نام سے موسوم ہو چکی تھی۔

صدر العلماء، عمدۃ المحققین علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی اسی آستانہ بھیرہ کے فردِ فرید اور رجل عظیم ہیں، اس وقت ہندوستان کی قابل اعتماد اور مرکزی دانش گاہ ''الجامعۃ الاشرفیہ''، مبارک پور کے ناظم تعلیمات ہیں۔ آپ سے میرے تعلقات تو پرانے ہیں، لیکن قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع اس وقت زیادہ میسر آیا جب آپ ۹؍شوال ۱۴۰۶ھ مطابق جون ۱۹۸۶ء میں الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور مدرسِ اعلیٰ کی حیثیت سے تشریف لائے، اس وقت جامعہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی تھے۔ حضرت مصباحی صاحب قبلہ تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ صدارتی امور میں علامہ موصوف کی معاونت بھی فرماتے اور تعلیمی اصلاحات کے لیے کوشاں بھی رہتے۔

☆ ان کی تدریس کی خوبی یہ ہے کہ طول طویل بحثوں سے پرہیز کرتے ہوئے جچے

تلے جملوں اور مختصر الفاظ میں عبارت کی توضیح فرماتے ہیں، جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ آسانی سے تقریر محفوظ کر لیتے ہیں اور کم وقت میں مقدارِ خواندگی بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ تحریر وانشا خاص طور سے عربی زبان کی تمرین وممارست پر کافی زور دیتے ہیں تا کہ طلبہ کے اندر ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا سلیقہ آئے۔

☆ تعلیمی امور میں آپ کی مہارت، اصابتِ رائے اور صالح فکر وتدبر کو دیکھتے ہوئے اربابِ اشرفیہ خاص طور سے جامعہ کے سربراہ اعلیٰ، عزیز ملت علامہ عبدالحفیظ عزیزی مدظلہ العالی نے جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق اگست ۲۰۰۱ء میں آپ کو صدرالمدرسین منتخب فرمایا۔ یکم رمضان ۱۴۳۵ھ مطابق ۳۰ر جون ۲۰۱۴ء تک آپ نے بڑی خوش اسلوبی اور دیانت داری کے ساتھ صدارتی امور انجام دیے، طلبہ کی اچھی تعلیم وتربیت کے لیے نئے طریقے عمل میں لاتے تا کہ وہ ان کی رعایت کر کے ایک نفع بخش عالم اور صالح انسان بن سکیں۔ آپ کا دورِ صدارت تاریخ اشرفیہ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر اشرفیہ کا تعلیمی معیار بلند سے بلند تر کیا، آپ ہی کے دورِ صدارت میں تربیتِ تدریس، تخصص فی الحدیث، تخصص فی الادب اور تقابل ادیان جیسے تحقیقی شعبوں کا اضافہ ہوا، امتحانی نظام منظم ہوا اور دیگر شعبوں میں خوش گوار تبدیلی آئی۔

☆ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے اندر قدیم درسی کتابوں پر حواشی اور عصری تقاضوں کے پیش نظر نئی کتابوں کی تصنیف کے لیے ''مجلس برکات'' کے نام سے ایک شعبے کا قیام عمل میں آیا، اس کی نگرانی اولاً محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی کے سپرد ہوئی، لیکن گوناگوں مصروفیات اور اسفار کی وجہ سے انھی کے ایما پر یہ کام حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت کی نگرانی میں یہ کام شروع ہوا، پہلے آپ نے رجالِ کار کا انتخاب کیا، اس کے بعد وہ کتابیں متعین ہوئیں جن پر حواشی لکھنے ہیں، یا از سرِ نو کوئی کتاب تیار کرنی ہے۔ کتاب کے معیار کے حساب سے آپ نے اسی معیار

کے عالم و فاضل کو حاشیہ نگاری اور تالیف وترتیب کی ذمہ داری سونپی تاکہ کام معیاری اور لائق قبول ہو۔ یہ کام اکثر شعبان اور رمضان کی چھٹیوں میں ہوتا اور حضرت صدر العلماء سب کی تحریریں باضابطہ پڑھتے اور مناسب اصلاح وترمیم کرتے۔ ان کی نگرانی میں آج تک سو سے زیادہ کتابیں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں، مزید کام جاری ہے۔

☆ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں جدید مسائل کے حل کے لیے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی تحریک پر جامعہ اشرفیہ میں مفتیانِ کرام کا ایک بورڈ بنام ''کل ہند شرعی بورڈ'' تشکیل پایا، جو تیس ارکان پر مشتمل تھا۔ ابتداءً بحث کے لیے دو موضوعات منتخب ہوئے: رویت ہلال اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز۔ سوال نامہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے مرتب فرمایا تھا جسے مفتیان کرام کی خدمت میں ارسال کیا گیا، ارکان اور ملک و بیرون ملک مفتیوں سے رابطہ کرنے کی ذمہ داری علامہ ارشد القادری اور عرب ممالک سے رابطے کا کام حضرت صدر العلماء کے سپرد ہوا۔ آپ نے یہ ذمہ داری خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی، حضرت اس وقت مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ میں صدر المدرسین تھے۔

☆ اس کے بعد سات سال تک تعطل رہا، پھر اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو ''مجلس شرعی'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس مرحلے میں بھی آپ ایک رکن کی حیثیت سے مجلس کا کام انجام دیتے رہے، ۱۹۹۷ء سے پہلے کسی وقت حضرت کا ناظم مجلس شرعی کی حیثیت سے انتخاب ہوا، اس وقت آپ اشرفیہ میں نائب صدر المدرسین تھے۔ آپ کی جہد مسلسل اور علمی ذوق کی برکت سے فقہی سیمیناروں کا ایک زریں سلسلہ شروع ہو گیا، جیسے مجلس شرعی میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔ حضرت نے خود بھی کافی محنت کی اور مقالہ نگاروں سے بھی خوب محنت کرائی۔

☆ ۲ر محرم ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۳ر فروری ۲۰۰۴ء میں ارکان مجلس کا ایک جدید انتخاب ہوا، جس میں حضرت کو مجلس شرعی کا صدر منتخب کیا گیا، جامعہ اشرفیہ کے عہدۂ صدارت اور مجلس برکات کی اہم ذمہ داریوں کے باعث ان کی مصروفیات میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا،

اس کے باوجود آپ کی دل چسپیوں میں کوئی کمی نہیں آئی اور آج بھی مجلس حضرت ہی کی صدارت میں کامیابیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ سالانہ سیمناروں کے انعقاد کے علاوہ صحیفۂ مجلس شرعی [دوم]، مجلس شرعی کے فیصلے [اول ودوم] اور جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے [اول، دوم، سوم] کی اشاعت آپ کے ہی دورِ صدارت میں ہو رہی ہے، گویا نتائج کے اعتبار سے یہ مجلس بہت بارآور ثابت ہو رہی ہے۔

☆ مجلس شرعی کے فقہی سیمناروں میں فیصلہ نویسی کا مسئلہ بڑا اہم ہوتا ہے، اس کے لیے مختصر اور جامع الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بحث کے سارے گوشوں کو گھیر لے اور کہیں سے کوئی سقم نظر نہ آئے، اس کے لیے کبھی کسی کو نامزد تو نہیں کیا گیا، لیکن اتفاق یہ کہ قرعۂ فال حضرت مصباحی صاحب کے علاوہ کسی اور کے نام نہیں نکلا، شروع سے اب تک تقریباً تمام فیصلے حضرت ہی نے لکھے۔

☆ ۲۰۱۴ء میں منصب صدارت سے سبک دوشی کے بعد حضرت سربراہ اعلیٰ دام ظلہ العالی نے آپ کو ناظم تعلیمات بنا کر اشرفیہ میں روک لیا، اس طرح تعلیمی امور کی دیکھ ریکھ آپ کے ذمے آگئی، آپ بڑی ذمہ داری کے ساتھ یہ امور انجام دیتے ہیں، اشرفیہ کا مکمل نظام تعلیم آپ کی نظروں میں رہتا ہے، امتحان کے دنوں میں عموماً جامعہ تشریف لاتے ہیں۔ یوں آپ کی نگرانی میں یہ تعلیمی کارواں عروج وارتقا کی منزلیں طے کر رہا ہے، اسی کے ساتھ اعزازی طور پر جماعت سابعہ کی تفسیر مدارک اور فضیلت کی تفسیر بیضاوی کا درس بھی دیتے ہیں اور پابندی ایسی کہ لگتا ہی نہیں کہ آپ اشرفیہ سے ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ اس قربانی کے پیچھے صرف یہ راز پنہاں ہے کہ اشرفیہ ان کے استاذ کریم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا لگایا ہوا علمی چمن ہے، یہ ہمیشہ شاداب رہے اور اس کی بھینی بھینی خوش بو سے اہل طلب فیض یاب ہوں۔

☆ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن تاسیس کے موقع سے "تنظیم المدارس" کا قیام عمل میں آیا، اس کے تحت کچھ کام سامنے آئے، پھر ۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء میں دوبارہ اس کی طرف پیش قدمی ہوئی، ارکان تنظیم سے رابطہ کرنے کی ذمہ داری

جن علماے کرام کو دی گئی ان میں ایک نام علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ کا تھا۔ کام تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا، ایک نصاب تیار ہوا لیکن وہ مکمل طور پر نافذ العمل نہ ہو سکا۔

ایک طویل سناٹے کے بعد ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق مارچ ۲۰۰۸ء میں جب حضرت صدر العلماء اشرفیہ کی مسندِ صدارت پر جلوہ افروز تھے انھی کی کنوینرشپ میں "تنظیم المدارس" کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور ماہرین کے مشورے سے ایک قدیم وجدید کا آمیختہ نصاب تعلیم مرتب ہوا، جسے اہل ذوق نے پسند کیا اور آج خود جامعہ اشرفیہ اور کثیر مدارس اہل سنت میں اس کے مطابق تعلیم جاری ہے۔ آپ کی خدمات جلیلہ کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے جسے آپ نے جامعہ اشرفیہ کے پلیٹ فارم سے انجام دیا۔

☆ اشرفیہ کے علاوہ اہل سنت کے دیگر دینی وقومی اداروں اور تنظیموں کی سرپرستی اور نگرانی اس پر مستزاد ہے۔

اہل سنت وجماعت کے روشن مستقبل کے لیے آپ نے اپنے احباب حضرت مولانا افتخار احمد قادری، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی اور حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی کے ساتھ مل کر ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں ایک تحقیقی، تصنیفی، تربیتی اور اشاعتی ادارے کی داغ بیل ڈالی جس کا نام "المجمع الاسلامی" تجویز ہوا۔ یہ وہ دور تھا کہ اس طرح کے ادارے کو زمین پر اتار کر اس کے اندر زندگی کی روح پھونکنا کوئی معمولی کام نہ تھا، لیکن ان پُرعزم اور باہمت حضرات نے اسے قائم کیا اور پروان چڑھایا۔ بفضلہٖ تعالیٰ آج یہ ادارہ مبارک پور کے محلہ ملت نگر میں اپنی مستقل شان دار عمارت میں مصروفِ کار ہے، اس کی ترقی میں حضرت صدر العلماء کا کلیدی کردار ہے۔

☆ رب قدیر نے آپ کے اندر تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کی بے پناہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، اس لیے آپ کے خامۂ زرنگار سے عربی اور اردو زبان میں متعدد علمی وتحقیقی کتابیں ضبط تحریر میں آئیں جو مقتضاے حال کے لحاظ سے اہم اور سودمند

ہیں، ان میں بعض نصابی ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان کی عربی کتاب "حدوث الفتن وجهاد أعيان السنن" کو ہندوستان کے ساتھ عالم عرب میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی اور وہ مصر اور بیروت سے طبع ہو کر عام ہوئی۔

اتنی عظیم شخصیت کا تعارف اس کے شایانِ شان ہونا چاہیے اور علمی و تحقیقی انداز میں ان کے فکر و فن کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اس کا آغاز جامعہ اشرفیہ کے استاذ مولانا محمد توفیق احسنؔ برکاتی نے اپنی اِس کتاب سے کیا ہے۔ کتاب کی فہرست دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے مواد کی جمع و تحقیق میں کافی محنت کی ہے اور ضرورت بھر حقائق تلاش کر لیے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کتاب حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی حیات اور افکار و تعلیمات کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوگی۔ یہ نقشِ اول ہے جس پر مزید تحقیق و تلاش اور تجزیہ کے ساتھ اضافہ کرنا آسان ہوگا، اللہ تعالیٰ مزید کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(مفتی) محمد نظام الدین رضوی

صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

[۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵ ر دسمبر ۲۰۲۰ء، جمعہ مبارکہ]

سخن اولیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

''سوانح نگاری'' تحقیق کی ذیلی شاخ اور مستقل ادبی صنف ہے، جو تاریخ کے شعور اور ماضی کے زندہ احساس سے ہم رشتہ ہے۔ دنیا کی قدیم تاریخ اور ادبیات کا ایک بڑا حصہ سوانح عمری ہی کے اردگرد گھومتا ہے۔ ایک مبسوط سوانح عمری میں تاریخی حقائق بھی جلوہ نما ہوتے ہیں اور تذکروں کا رنگ و بو بھی شامل ہوتا ہے۔ ابتدائی دور میں کبھی اسے تاریخ کی ایک شاخ سمجھا گیا اور کبھی اس کی جڑیں تذکروں میں تلاش کی گئیں، بعد میں اسے ادب کی ایک مستقل صنف کا درجہ حاصل ہوا۔ ہندوستان میں اسلامی تہذیب کے زیر اثر تاریخ نگاری اور سوانح نگاری دونوں کا فروغ ہوا۔ یہ سلسلہ آج تک قائم ہے اور تاریخ و سوانح نگاری دو مستقل ادبی صنف کی شکل میں موجود ہیں۔ ''تذکرہ نگاری'' تاریخ و سوانح کا مرکب ہوتی ہے جس میں علم و ادب کے کسی خاص میدان کے فاتحین کے حالات زندگی درج ہوتے ہیں۔ سوانح عمری میں مختلف حقائق کسی ایک مرکزی شخصیت کے تناظر میں بیان ہوتے ہیں اور پیرایۂ بیان خالص ادبی و تحقیقی ہوتا ہے۔ عمدہ سوانح عمری کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ صاحب سوانح کے تمام اہم پہلوؤں سے متعلق معلومات میں اضافہ کرے۔

زیر نظر سوانح سے متعلق راقم الحروف از خود کوئی رائے قائم نہیں کرتا کہ یہ فنِ سوانح نگاری کے بنیادی عناصر اور مسلمہ اصول کے خانے میں فٹ بیٹھتی ہے یا نہیں؟ نہ ہی یہ دعویٰ ہے کہ اس میں صاحب سوانح کے تمام احوال درج ہو گئے ہیں۔ یہ ایک زندہ انسان کا ''زندگی نامہ'' ہے جو ابھی علم و تحقیق کے مختلف جہانوں کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ ایسا باکمال

اور یگانۂ روزگار عالم و محقق جس کی ذات میں ہمہ رنگ حقائق کا ایک نگار خانہ موجود ہے، جہاں علم و ادب کا اجالا اور فکر و تدبر کی چاندنی رقصاں ہے۔

استاذ گرامی صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی [ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] کے احوال و افکار پر خامہ فرسائی کا خیال آغازِ ماہ رمضان [۱۴۴۱ھ] میں اس وقت آیا جب پوری دنیا مہلک وبا ''کورونا وائرس'' کے خطروں میں گھری ہوئی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ برس قبل شروع کیا گیا ''مقالاتِ صدر العلماء'' [انٹرنیشنل سائز کے تقریباً آٹھ سو صفحات] کے جمع و تدوین کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اسی دوران ''اربعین توبہ'' مع ترجمہ و تشریح پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مضامین و مقالات، خطوط، یادداشت اور علمی آثار کی تلاش و جستجو کے دوران ان کی بلند پایہ علمی و اخلاقی شخصیت کی کتابِ زندگی سمجھنے کا موقع میسر آیا اس لیے ارادہ ہوا کہ مبسوط انداز میں ان کا سوانحی خاکہ مرتب کیا جائے اور ادبی و تحقیقی طرز پر ان کے علم و فن کا جائزہ لیا جائے۔ مواد کی تلاش اور خاکہ بندی ۲ر رمضان ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۶ر اپریل ۲۰۲۰ء، یک شنبہ کو شروع ہوئی، پہلا باب ۲۱ر شوال ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴ر جون ۲۰۲۰ء، یک شنبہ اور پانچواں باب ۲۵ر ربیع الآخر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۱ر دسمبر ۲۰۲۰ء، شب میں مکمل ہوا۔ یہ سوانح پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) جامعہ اشرفیہ کا علمی اور ادبی ماحول (۲) صدر العلماء: اَحوال و آثار (۳) علمی اور تحقیقی یادگاریں (۴) کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ (۵) اَفکارِ عالیہ۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی لکھتے ہیں: ''اشرفیہ کی خدمات کا موضوع ایک مستقل مضمون بلکہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے اس لیے یہ کام کسی جواں سال عزیز کے لیے چھوڑتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی فرزند اس موضوع کو اپنے شاداب قلم سے سیراب کر کے دنیا کی نگاہوں کو آسودہ کرے گا۔ والتوفیق بید المولیٰ الکریم العزیز، منه البداية واليه النهاية.''(۱)

---

(۱) نوائے دل، مجموعۂ خطبات، مرتبہ مولانا جنید احمد مصباحی، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد گوہنہ، ص: ۱۲۶

حضرت کی اس تحریر نے راقم کو مہمیز کیا کہ جامعہ اشرفیہ کی علمی وادبی تاریخ کا اجمالی منظرنامہ پیش کیا جائے، حضرت صدرالعلماء اس سچی کہانی کا اہم کردار تھے اس لیے مناسب ہوا کہ ان کی سوانح کے بابِ اول میں اس موضوع کو جگہ دی جائے۔ اپنا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ موضوع کا حق ادا ہو گیا، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس سے اشرفیہ کی علمی وفقہی تاریخ کا ایک مختصر خاکہ نگاہوں میں آجاتا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی ایک بسیط علمی وادبی تاریخ سپردِ قلم کی جائے گی جو مادرِ علمی کو خراجِ محبت پیش کرے گی۔

بابِ دوم میں پچاس عناوین پر حضرت صدرالعلماء کے مفصل احوالِ زیست بیان ہوئے ہیں اور ان کی علمی وادبی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں جو بھی حقائق ہیں غیر جانب داری اور دیانت کی میزان پر جانچنے، پرکھنے کے بعد ہی انھیں جگہ دی گئی ہے، نہ مبالغہ آرائی ہے نہ اظہارِ حقیقت سے گریز، بلکہ کہیں کہیں حقیقت بھی اس لیے بیان نہیں کی گئی ہے تاکہ لوگ اسے مبالغہ نہ سمجھ لیں۔

بابِ سوم میں باعتبار سنہ اشاعت ان کی تمام مطبوعہ وغیر مطبوعہ اکتالیس [۴۱] کتابوں اور تراجم وتحقیقات کا اشاریہ دیا گیا ہے اور مختصراً ان کا تعارفی جائزہ بھی شامل ہے۔ بابِ چہارم میں ان میں سے پندرہ منتخب کتابوں کا تفصیلی تجزیہ ہے، جس میں ہر کتاب کی علمی وادبی حیثیت، اس کے مندرجات کا تعارف اور اس پر اہل علم کی رائیں، سب کو سلیقہ مندی کے ساتھ منضبط کیا گیا ہے۔

بابِ پنجم میں حضرت صدرالعلماء کی کتابوں اور مضامین سے پینسٹھ [۶۵] علمی، ادبی، لسانی، دعوتی، تعلیمی اور تنظیمی فکر پاروں کو جمع کیا گیا ہے اور آغاز میں اجمالی طور پر ضروری تبصرہ بھی شامل ہے۔

پانچوں ابواب کے اس مختصر تعارف سے معزز قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کتاب میں کن امور پر گفتگو کی گئی ہے اور کیا حقائق بیان ہوئے ہیں۔ لیکن اب بھی بہت سے گوشے تشنہ

رہ گئے ہیں جن پر ان شاء اللہ بعد میں لکھا جائے گا۔ یہ حرف آغاز ہے اور حضرت صدر العلماء کی علمی فتوحات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، اس لیے یہ مکمل سوانح عمری بھی نہیں کہی جا سکتی، ہاں اس بنیاد پر ایک مبسوط سوانح کی دیدہ زیب اور خوش نما عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔

حضرت صدر العلماء کے احوالِ حیات پر جو تحریریں راقم کی نگاہ سے گزری ہیں ان میں یہ چار قابل ذکر ہیں:

(۱) مولانا عبد الغفار اعظمی [تعارفِ مصنف، فتنوں کا ظہور، مبارک پور، ۲۰۰۷ء]

(۲) مولانا نفیس احمد مصباحی [مقدمہ، حدوث الفتن، طبع بیروت، ۲۰۱۴ء]

(۳) مولانا ساجد علی مصباحی [اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، نومبر ۲۰۱۴ء]

(۴) مفتی احمد القادری [حالاتِ صدر العلماء، غیر مطبوعہ، ۲۰ رصفحات]

مفتی احمد القادری کی تحریر میں خاندانی پس منظر اور تعلیم و تدریس پر چشم کشا حقائق درج ہیں [راقم نے اس تحریر سے کافی استفادہ کیا ہے۔]، بقیہ میں شخصی مرقع کشی کے ساتھ علمی و ادبی احوال کا ذکر تو ہے مگر ''نہ'' کے برابر، ان تحریروں میں حضرت صدر العلماء کے فکر و فن کا تجزیہ تو بالکل نہیں کیا گیا ہے۔ تقریباً ایک سال قبل استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا اختر حسین فیضی مصباحی نے ارادہ کیا کہ حضرت کی ایک دستاویزی سوانح عمری ان کی حیات میں منظر عام پر لائی جائے، ان حضرات نے ایک خاکہ بھی مرتب کر لیا۔ راقم الحروف ان کے منصوبوں سے نا آشنا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس خاکے میں رنگ بھرتے، میں یہ کام شروع کر چکا تھا۔ انھیں جب اس کی اطلاع ملی تو کافی خوش ہوئے اور وقتی طور پر اپنا کام موقوف کر دیا۔ دورانِ تالیف راقم ان دونوں حضرات کے مفید مشوروں اور علمی تعاون سے خوب فیض یاب ہوا۔ ان کی کرم فرمائی اور ذرہ نوازی کا بے حد شکریہ، ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔

کتاب کے آغازِ کار سے اب تک ہند و بیرون ہند کے جن کرم فرماؤں اور اساتذۂ کرام نے اپنا علمی و قلمی تعاون دیا یا حوصلہ افزا جملوں اور دعاؤں سے نوازا، راقم ان سب کا ممنون ہے، بالخصوص استاذ گرامی سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کا کہ

آپ نے اس کتاب پر ایک جامع اور وقیع مقدمہ تحریر فرمایا۔ ان کے علاوہ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی [چریاکوٹ] مفتی احمد القادری [امریکہ] مولانا محمد اختر کمال قادری، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا محمد صدرالوریٰ قادری، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا محمد عرفان عالم مصباحی، مفتی محمود علی مشاہدی [اساتذۂ اشرفیہ] مولانا محمد فروغ القادری [برطانیہ] ڈاکٹر سراج احمد قادری [سنت کبیر نگر] ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی [مالیگاؤں] اور مفتی محمد رئیس اختر مصباحی وغیرہم۔ استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی مدظلہ العالی کے توجہ دلانے سے فاضل گرامی مولانا محمد نظام الدین مصباحی [برطانیہ] نے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔ اللہ عزوجل ان حضرات کو دارین کی سعادتوں، برکتوں اور سرفرازیوں سے مالامال فرمائے، آمین۔ یہ کتاب ایک شاگرد کا اس کے استاذ کی بارگاہ میں خراجِ محبت ہے، اِس کی خوبیاں استاذ گرامی کی نذر ہیں اور فروگزاشت راقم حروف کے سر۔

توفیق احسنؔ برکاتی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

[۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ۷ ۲ر دسمبر ۲۰۲۰ء، شبِ دوشنبہ]

●●

بابِ اول

جامعہ اشرفیہ کا علمی اور ادبی ماحول

جامعہ اشرفیہ کا علمی اور ادبی ماحول

جامعہ اشرفیہ، کل اور آج:

''جامعہ اشرفیہ'' کا علمی وادبی ماحول ایک مسلمہ حقیقت ہے اور انتہائی متاثر کن بھی۔ لیکن یہ ماحول اتنی آسانی سے اور اتنی کم مدت میں نہیں بنا، اس کے لیے یہ تاریخی سلسلہ جاننا بہت ضروری ہے۔

۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں محلہ پورہ رانی دینابابا کی مسجد کے قریب مبارک پور میں ابتدائی دینی تعلیم کی ایک چھوٹی سی درس گاہ ''مدرسہ مصباح العلوم'' کے نام سے قائم ہوئی۔ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں محلہ پرانی بستی میں اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو نام میں ایک جز ''لطیفیہ'' کا اضافہ ہوا، اب یہ ''مدرسہ لطیفیہ اشرفیہ مصباح العلوم'' سے موسوم ہوا۔ بعد میں صرف ''مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم'' باقی رہ گیا۔ ۲۹ رشوال المکرم ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۹۳۴ء میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے شاگرد اور حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے مرید حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ مبارک پور تشریف لائے، اس وقت مدرسہ پرانی بستی میں موجود تھا اور معیار تعلیم ابتدائی فارسی اور نحو میر اور پنج گنج تک تھا۔ اساتذہ میں مولانا سید شمس الحق گجہوی، مولانا نور محمد مبارک پوری، منشی جواد علی خاں، حافظ عبدالغفور اور حافظ عبدالرحمن کا نام آتا ہے۔ یہ پانچوں افراد مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی تعلیمی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ یہاں حافظ ملت علیہ الرحمہ کو استاذ گرامی کا علمی فیض اور مرشد گرامی کا روحانی اعتماد ملا اور شبانہ روز کی محنت شاقہ اور بھرپور تعلیمی وتبلیغی جدوجہد سے یہاں کے دینی ماحول میں بیداری کی لہر

دوڑ گئی اور مدرسہ کی تعلیمی شہرت دور دراز تک خوشبو بن کر بکھرنے لگی۔ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء تک کی روداد اشرفیہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک یہاں مطبخ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ طلبہ کی ضیافت قصبہ کے دین دار مسلمان کرتے تھے، ان کی حیثیت مسلمان خاندانوں میں ایک اہم ممبر کی ہوتی تھی۔

مولانا بدرالقادری لکھتے ہیں کہ دارالعلوم میں مطبخ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں قائم ہوا۔(۱)

مدرسہ عروج پانے لگا اور تقریباً ایک سال کی ذہن سازی اور چندہ کی مہم چلانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں گولہ بازار، مبارک پور میں ایک وسیع زمین حاصل کر لی۔ ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء روز جمعہ اس کا سنگ بنیاد شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں اور صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہما الرحمہ کے ہاتھوں رکھا گیا، محدث اعظم مفتی سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ اور دیگر علما بھی موجود تھے۔ اس کا تاریخی نام ''باغ فردوس'' [۱۳۵۳ھ] ہے۔ ''دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم'' اس کا نام تجویز ہوا۔ پھر تعمیر و ترقی کا سلسلہ آگے بڑھا، چند سال بعد ہی اس کی شہرت ملک گیر ہو گئی اور اس کی علمی خدمات اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تعلیمی کام سے پورا ہندوستان متعارف ہو گیا۔

مولانا بدرالقادری مصباحی رقم طراز ہیں:

> ''شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہما الرحمہ نے مبارک پور میں مدرسہ اشرفیہ کی شکل میں علوم نبویہ کے نخلستان کی ایک قلم نصب کی تھی۔ حضور حافظ ملت جس کی آبیاری کے لیے متواتر بیالیس سال سے اپنا خون جگر نچوڑ رہے ہیں۔ مبارک پور کے مسلمان جان و مال ہتھیلی پر رکھ کر جس کی پاسبانی پر مستعد ہیں۔ الحمد للہ! کہ وہ نرم و نازک قلم ملک ہند میں علوم اسلامیہ کا شجر طوبیٰ

(۱) اشرفیہ کا ماضی اور حال، طبع شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۵ء، ص: ۱۱

بن چکی ہے۔ بیرون ملک تک جس میں علوم نوازیاں جاری ہیں۔''(۱)

[اشرفیہ کا نصابِ تعلیم جو ہندوستان کے دینی مدارس میں ممتاز اور معقولات ومنقولات کا جامع ہے حافظ ملت علیہ الرحمہ کے استاذ گرامی حضرت صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کا مرتب کردہ ہے۔ جو معمولی ترمیم کے ساتھ جاری رہا۔ بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کے زمانۂ صدارت میں جامعہ کا نیا نصاب تعلیم تیار ہوا اور درجات تخصص کا اضافہ ہوا اور عملاً تخصص فی الفقہ کی تعلیم بھی شروع ہوئی۔ اس شعبے میں الاشباہ والنظائر، مسلم الثبوت، شرح فواتح الرحموت، البدایہ والنہایہ، رسم المفتی، شرح معانی الآثار وغیرہا کتابیں شامل نصاب تھیں۔ ان میں کی اکثر کتابیں آج بھی شعبۂ تخصص میں داخل درس ہیں۔ پھر ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق مارچ ۲۰۰۸ء میں استاذ گرامی صدرالعلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی سربراہی میں جب تنظیم المدارس کی بنیاد پڑی تو اس کے زیر اہتمام نیا نصابِ تعلیم مرتب ہوا۔ یہ نصاب ماہ نامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے، مجلس برکات کی فہرستِ کتب میں بھی ہر سال شائع کیا جاتا ہے۔]

''دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم'' نے نظام تعلیم کی پختگی اور نصاب تعلیم کی جامعیت پر زیادہ توجہ دی جو کسی بھی دانش گاہ کے عروج وکامیابی کا مضبوط زینہ ہوتا ہے۔ اشرفیہ کے ذمہ داران کو یہ کلید حاصل ہو چکی تھی اور اشرفیہ بڑی تیزی سے شہرت کی بلندیاں چھو رہا تھا۔ اشرفیہ کا معیار تعلیم اب رودادوں کی زینت بن رہا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں رودادِ اشرفیہ ۱۳۶۵ھ:

''یوں تو دارالعلوم ہٰذا میں قاعدہ بغدادی سے لے کر دورۂ حدیث تک جملہ علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم باقاعدہ جاری ہے۔ درجۂ حفظ القرآن وناظرہ واردو، فارسی، تجوید وقراءت، درجات عربی، ضروریات زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے انگریزی تعلیم بھی دی جاتی

---

(۱) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء، ص: ۴

ہے۔ طلبۂ درجات فوقانیہ کو تقریر وتحریر، مکالمہ ومناظرہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ تعلیم دین کے ساتھ ساتھ صحیح مذہبی ودینی تربیت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ مدرسہ سے کچھ دور ایک مسجد ہے۔ طلبہ نماز باجماعت اس مسجد میں ادا کرتے ہیں اور مدرسین حضرات اس امر کی خاص نگرانی رکھتے ہیں۔ خلق نبوی وعادت مصطفوی کے ساتھ آراستہ ہو کر ایک ایک فارغ التحصیل یہاں سے باہر نکلتا ہے اور اسی مشعل کی روشنی اطراف واکناف ہند میں پھیلاتا ہے۔ یوپی، سی پی، حیدر آباد، بنگال، بہار، مارواڑ، اڑیسہ، پنجاب، غرض کہ تمام ہندوستان میں یہاں کے تعلیم یافتہ آج مسند تدریس وافتا وارشاد پر متمکن ہیں۔ رات دن ہمارے پاس ہندوستان کے تمام اطراف سے یہاں کے فارغ التحصیل کی طلبی کے خطوط آتے رہتے ہیں، مگر ہم ان کی آرزو پوری نہیں کر سکتے۔ تقریر وتحریر میں جو ملکہ ہمارے دار العلوم کے طلبہ کو حاصل ہے وہ باید وشاید ہی کسی مدرسہ میں ہو۔"

اشرفیہ آج بھی اسی روش پر گامزن ہے اور مختلف شعبوں میں معیاری تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری ہے۔

تعاون کی اپیل:

دار العلوم اشرفیہ کی قدیم روددادوں [اپریل ۱۹۸۵ء اور اپریل ۱۹۸۶ء، مرتبہ: مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری ومولانا محمد شفیع اعظمی] میں مصنف بہار شریعت صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی اور تاج الاصفیاء مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف کچھوچھوی علیہما الرحمہ کی یہ تاثراتی اپیل نظر سے گزری۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور اعظم گڑھ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ مدرسہ کی دینی خدمات، اس میں تعلیم وتربیت، تبلیغ دین ومذہب کا کام بفضلہٖ تعالیٰ باحسن وجوہ انجام پارہا ہے۔ مدرسہ کی امداد دین وملت کی امداد ہے، اس ماہ مبارک میں جو کہ نیک کام کے

کرنے کا بہترین زمانہ ہے مدرسہ کی امداد اعانت کی طرف ضرور توجہ دی جائے۔"(۱)

اور حضرت تاج الاصفیاء علیہ الرحمہ یوں اپیل کرتے ہیں:

"مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اعظم گڑھ کی بنیاد حضرت والد ماجد، اعلیٰ حضرت سید ابو احمد محمد علی حسین صاحب [اشرفی میاں] قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دی [رکھی] تھی۔ جب سے الحمد للہ یہ مدرسہ بڑی ترقی پر ہے، سال بہ سال طلبہ کی دستار بندی بھی ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔ آپ حضرات کو چاہیے کہ مدرسہ میں شرکت فرما کر داخل حسنات ہوں۔"(۲)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری علیہ الرحمہ نے ۲۶ر رمضان ۱۳۹۲ھ میں لوگوں سے یہ اپیل کی تھی:

"دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کو ایک عظیم سنی یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی نیک کوشش کا میں خیر مقدم کرتا ہوں اور حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز صاحب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ انھیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے اور حضرات اہل سنت کو توفیق بخشے کہ وہ اشرفیہ عربی یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔"(۳)

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ امجدی بھی تھے اور اشرفی بھی، امام احمد رضا کے خلیفہ بھائی حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے شرفِ ارادت حاصل تھا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے شاگرد و خلیفہ تھے۔ یہ دونوں علمی و روحانی فیضان اور سیکڑوں علما و مشائخ کی دعاؤں اور تمناؤں کا مرکز بن کر دین و ملت کی نگہ بانی کا فریضہ ادا فرماتے رہے۔

---

(۱) فقیر امجد علی عفی عنہ [۱۰ر ماہ مبارک ماہ رمضان شریف ۱۳۶۷ھ]

(۲) سید مصطفیٰ اشرف کچھوچھہ شریف، حال وارد مبارک پور [۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ]

(۳) مولانا بدر القادری، اشرفیہ کا ماضی اور حال، فروری ۱۹۷۵ء، ص: ۵۸

کل ہند تعلیمی کانفرنس:

۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء تک دار العلوم کے سارے اخراجات کی کفالت اہل مبارک پور کرتے رہے۔ تقریباً چالیس سال تک اشرفیہ اسی عمارت میں فروغ پاتا رہا اور حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے رفقا کے ساتھ ایک وسیع وعظیم دانش گاہ کا منصوبہ تیار کرتے رہے۔ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں قصبہ مبارک پور کے جنوب میں سٹھیاؤں روڈ پر کافی وسیع وعریض زمین حاصل کی گئی اور پھر علم وفن کا ایک شہرستان [الجامعۃ الاشرفیہ] بسانے کی تاریخ ساز کوشش شروع ہوئی۔

اس اہم اور تاریخی کام کے لیے ۲۰/۲۱/ ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۵/۶/۷/ مئی ۱۹۷۲ء کو ایک کل ہند تعلیمی کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان ہوا اور ہنگامی طور پر اس کی تیاری شروع ہوئی۔ لگاتار ایک ماہ کی شب وروز محنت کے بعد پانچ سو علما و مفکرین کے لیے ایک خوب صورت اسٹیج اور تین لاکھ سامعین کے لیے ایک وسیع پنڈال تیار ہوا۔ معینہ تاریخ میں ملت اسلامیہ کا اعلیٰ دماغ اور ہمدردان قوم کا ایک عظیم قافلہ مبارک پور میں موجود تھا۔ آج جہاں جامعہ اشرفیہ کی پرشکوہ مرکزی عمارت ہے وہیں اور اس کے آس پاس یہ کانفرنس ہوئی۔

بر سبیل تذکرہ عرض کر دوں کہ علما و مشائخ کے علاوہ کئی ایسے نوجوان سخن فہموں کی بھی شرکت رہی جنھوں نے بعد میں عالم گیر سطح پر شہرت پائی اور علمی وتحقیقی دنیا میں نام کمایا۔ ایسا ہی ایک نام ممتاز محقق و دانش ور محترم عنبر بہرائچی کا ہے، جو مئی ۱۹۷۲ء کی تعلیمی کانفرنس میں پاسبان ملت مولانا مشتاق احمد نظامی کے ہمراہ بہ حیثیت نعت خواں شریک رہے۔ یہ بعد میں سول سروس میں منتخب ہو کر اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے، تحریر وقلم سے اپنا رشتہ قائم رکھا اور کئی اہم علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف کیں۔ اپنے تحریری سفر کی یادداشت میں لکھتے ہیں:

> ”اسی دوران ۱۹۷۲ء میں ہی عربی یونیورسٹی، مبارک پور کے افتتاحی جلسے میں ہزاروں علما کی موجودگی میں حافظ ملت حضرت مولانا

عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں حاصل ہوئیں۔ یہیں حضرت مولانا ارشد القادری صاحب اور دوسرے اہم علماے کرام نے میری حوصلہ افزائی کی۔ مولانا قمرالزماں صاحب، مولانا بدر القادری صاحب اور مولانا شمیم گوہر سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ یہیں میرے ہمدم دیرینہ محمد سلیمان سے ملاقات ہوئی جن کی دیوانگی میں بچوں جیسی شوخی ابھی تک برقرار ہے، آشوبِ زمانہ ان پر آج تک حاوی نہیں ہوسکا۔" (۱)

عنبر بہرائچی نے اپنی تحریر میں جن ناموں کو ذکر کیا ہے وہ جامعہ اشرفیہ کے باذوق اربابِ سخن ہیں اور شاعری اور اسلامی ادب کی دنیا میں ان حضرات کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ تذکرہ ادبی بنیاد ہی پر ہے، جو یہاں کے علمی وادبی ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ گویا یہ کانفرنس تعلیمی ماحول بھی سازگار بنا رہی تھی اور ادبی امنگوں کو بھی بیدار کر رہی تھی۔

موضوعاتِ مذاکرہ:

مجلس علما میں درج ذیل موضوعات پر سنجیدگی سے غور ہونا تھا:

(۱) مقتضاے وقت کے مطابق ایک جامع اور جدید نصاب تعلیم کی تدوین پر غور۔

(۲) بین المدارس تعلقات کے لیے اخلاقی اور ادارتی ضابطوں کی تشکیل پر غور۔

(۳) موجودہ معاشرہ کی اخلاقی، اصلاحی، تبلیغی، اجتماعی، علمی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر عربی مدارس کے طلبہ کی ذہنی، علمی اور عملی تربیت کے لیے ایک جامع نظام کی ترتیب پر غور۔

(۴) عربی مدارس کے درمیان تعلیمی معیار کی حد بندی پر غور۔

(۵) دینی مدارس کے نظام عمل میں مناسب تبدیلیوں کے لیے مدارس کے نمائندگان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل۔

مولانا بدر القادری لکھتے ہیں: " کانفرنس کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۶ رمئی

---

(۱) ماہ نامہ تحریر نو، پنویل، نئی ممبئی، شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء، ص: ۳۷

۱۹۷۲ء ۸ بجے دن میں ان تمام مسائل پر صاحب الرائے حضرات نے نہایت سنجیدگی سے غور وخوض کر کے ایک ایک موضوع کا واضح حل تلاش کیا۔ جس پر بحمد اللہ عملی کارواں بڑی سبک خرامی سے رواں دواں ہے۔"(۱)

واقعی یہ بڑے اہم نکات تھے جن پر شرکاے کانفرنس نے غور وخوض کیا اور انھیں اشرفیہ کے دستور اساسی میں جگہ دی گئی۔

الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد:

۶ رمئی ۱۹۷۲ء کی شام کو حضور مفتی اعظم ہند اور دیگر علما و مشائخ نے الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کے تابناک مستقبل کے دعائیں کیں۔ تینوں شب اجلاس عام منعقد ہوئے جن میں علما و مشائخ کے ولولہ خیز بیانات ہوئے اور اس دانش گاہ کی تعمیر وترقی کے لیے پوری ملت اسلامیہ کی ذہن سازی ہوئی، مستقبل کا پلان تیار ہوا۔ آخری شب کے اجلاس میں عام چندہ ہوا تو چشم فلک نے دیکھا کہ قوم نے اپنا قیمتی سرمایہ، ملت کی نگہبانی کے لیے وقف کر دیا۔ ایسا لگتا تھا گویا اسٹیج پہ روپیوں کا مینہ برس رہا ہے۔ مرکزی عمارت کے اٹھائیس کمروں کی تعمیر کی ذمہ داری لوگوں نے ایک ایک کرکے اپنے سر لی اور ہزاروں روپے نقد پیش کیے۔

اس تعلیمی کانفرنس میں بطور خاص مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا نوری، سید العلماء مولانا مفتی سید آل مصطفی قادری، مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمن قادری، امین شریعت مفتی رفاقت حسین کان پوری، شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین جعفری، خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی، مفتی مالوہ مولانا محمد رضوان الرحمن فاروقی، سلطان الواعظین مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہم الرحمہ شریک رہے۔ کانفرنس کا پورا پلان رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے تیار کیا تھا اور حافظ ملت علیہ الرحمہ سرپرستی فرما رہے تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ مکمل حمایت و وفاداری اور قدم قدم پر تعاون

---

(۱) اشرفیہ کا ماضی اور حال، طبع شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۵ء، ص: ۴۰

کرنے والے مقامی علما میں بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، فخر القراء حضرت قاری محمد یحییٰ مصباحی اور مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی کا نام سرفہرست ہے۔

مولانا بدر القادری مصباحی لکھتے ہیں:

''۵ رمئی کو بعد نماز عشا جلسہ عام کا آغاز ہوا۔ جس میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے صدر حضرت مولانا سید آل مصطفی صاحب نے ایک بصیرت افروز تقریر کی جس میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے اجتماع کی اہمیت اور ایک یونیورسٹی کے قیام پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے فرمایا کہ سنی یونیورسٹی کے قیام کا مقصد قرآن کی روشنی میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں سے ایسے طالب علم پیدا کرنا ہے جو اگر ایک طرف اسلام کی تصویر ہوں گے تو دوسری طرف عصر جدید کے تقاضوں سے اس طرح ہم آہنگ ہوں گے کہ جدیدیت سے مرعوب ہونے کے بجائے مذہب اور دین کے لیے سپر کا کام بھی کریں گے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں بار بار قرآن کی اہمیت پر زور دیا اور کہا کہ صرف قرآن کی تعلیم ہی ایک یونیورسٹی کے قیام کے تقاضوں کو پورا کردے گی۔ انھوں نے تقریر کے دوران میں ان لوگوں کو بار بار تنبیہ کی جو اس عظیم اجتماع اور یونیورسٹی کے مقصد میں رخنہ انداز ہونا چاہتے ہیں۔ انھوں نے عوام کو یقین دلایا کہ کوئی بھی مخالفت عوام کے عزم محکم کو روک نہ سکے گی۔''(۱)

تعمیری کام کا آغاز:

بفضلہٖ تعالیٰ ۵ رجولائی ۱۹۷۲ء سے تعمیری کام کا آغاز ہو گیا اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سربراہی میں اتر پردیش کے علاوہ جمشید پور، بمبئی، بھیونڈی وغیرہ کا دورہ ہوا، ان دوروں

---

(۱) مولانا بدر القادری، اشرفیہ کا ماضی اور حال، فروری ۱۹۷۵ء، ص:۵۸

میں علامہ ارشد القادری، مفتی عبد المنان اعظمی، علامہ قمر الزماں اعظمی اور بیکل اتساہی بطور خاص شریک سفر رہے۔ان حضرات کی قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ملک کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کی طرف متوجہ فرما دیا اور اشرفیہ کا تعمیری سلسلہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

دوسری تعلیمی کانفرنس:

۱۶ر۱۷ر نومبر ۱۹۷۳ء کو دوسری کانفرنس منعقد ہوئی۔اس عرصہ میں جامعہ کی درس گاہی دو منزلہ بلڈنگ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی تھی۔ جسے پورے ملک نے بہ نظر استحسان دیکھا۔تاریخ اشرفیہ کے اولین مورخ مولانا بدر القادری لکھتے ہیں:

> ”اسی کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی زبان عربی ہوگی۔ عربی ادب کے علاوہ چار مستقل زبانیں اردو، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کی تعلیم دی جائے گی، تاکہ دوسرے طبقاتِ مذاہب سے افہام وتفہیم آسان ہو اور اسلام کے پیغام حق کو مختلف زبانوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔“(۱)

یہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دور اندیشی اور وسعت ذہنی تھی جو اس وقت ایسا منصوبہ نہ صرف بنا رہے تھے بلکہ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی جد وجہد بھی فرما رہے تھے۔ اِس کانفرنس میں مزید تعمیر، نظام تعلیم ونصاب تعلیم اور دستورِ اساسی پر غور وخوض ہوا۔

اسی موقع پر سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفی قادری صدر آل انڈیا سنی جمیۃ العلماء نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا:

”اشرفیہ اور حافظ ملت کے ساتھ آل رسول ہے اور جس کے ساتھ آل رسول ہے اس کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ضرورت پیش آئی تو آل رسول اپنے مریدین ومخلصین

---

(۱) اشرفیہ کا ماضی اور حال، طبع شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۵ء، ص: ۶۰

کو ساتھ لے کر اس کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کرے گا۔''

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے زندگی بھر اس گلشن کو اپنے خون جگر سے سینچا اور اپنے بے مثال تعمیری مزاج اور شخصیت ساز طرز حیات سے ایک ایسی تحریک کو جنم دیا جس نے علمی دنیا میں ایک انقلاب کی سی دھمک چھوڑی اور اشرفیہ کا آوازہ دور دور تک سنا گیا۔

ڈاکٹر شفیق اجمل قادری اپنی پی ایچ ڈی کے مقالے میں لکھتے ہیں:

''الجامعۃ الاشرفیہ نے علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا، جس کا اندازہ اشرفیہ کے تعلیمی ماحول کو دیکھ کر بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ بلا شبہہ ایک تحریک ہے جو اسلامی افکار ونظریات اور قرآنی تعلیمات کی ترویج واشاعت میں ایک مثالی کارنامہ انجام دے رہا ہے۔ اس ادارہ کے فضلا دینی، علمی، ادبی اور سیاسی تمام شعبوں میں ملت کی رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند میں بھی اس ادارہ کی تعلیم کی شہرت ہوئی جس کے سبب دوسرے ممالک کے طلبہ نے بھی اس ادارہ کی طرف رخ کیا۔''(۱)

اشرفیہ آج بھی شہزادۂ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی کی سربراہی میں ارتقا کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

حافظ ملت کی سیاسی بصیرت:

تعلیمی وتعمیری ترقی کے ساتھ علمی وتحقیقی، صحافتی ونشریاتی جہت پر بھی حافظ ملت علیہ الرحمہ نے دھیان دیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند ہوئی اور یہاں سے مسلمانوں کی پاکستان ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو دیگر شہروں کے ساتھ مبارک پور کے مسلمانوں میں ذہنی قلابازی نے جنم لیا۔ اس موقع پر قصبہ میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی آمد ہوئی اور آپ نے مسلمانان مبارک پور کے سامنے ترک وطن کے خلاف زبردست تقریر فرمائی اور کہا کہ ہمیں اسی ملک میں رہنا ہے اس عزم وحوصلہ کے ساتھ کہ ہمارے اسلامی شعائر کے تمام گوشے حسب سابق قائم

(۱) بیسویں صدی میں علمائے اہل سنت کی علمی وادبی خدمات، القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ، دسمبر ۲۰۱۵ء، ص: ۵۳۴

ودائم رہیں گے اور مستقبل میں دین حنیف اور اس کے ارکان پر کسی بھی حملے کا مقابلہ ہمیں یہیں رہ کر کرنا ہے، ہندوستان ہمارا وطن ہے۔" اسی موقع پر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے "ارشاد القرآن" نامی ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا اور استقلال و پامردی اور صبر وضبط کے ساتھ قرآنی اصول نمایاں فرمائے۔ ان کوششوں سے یہاں کے مسلمانوں کے پراگندہ خیالات بہتر ہوئے اور ان کے بھاگتے قدم رک گئے۔ یہ حافظ ملت تھے جو تعمیر ملت کا سچا فریضہ نبھا رہے تھے اور امت مسلمہ کی صحیح قیادت ورہنمائی کر کے انھیں مضبوط بنیادیں فراہم کر رہے تھے۔

سنی دارالاشاعت کا قیام اور فتاویٰ رضویہ:

تاریخِ اشرفیہ کا ایک سنہرا باب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے کتب ورسائل وفتاویٰ کی اشاعت وفروغ ہے، یہ کوشش اس دارالعلوم میں رضویات کے نقش اول کے طور پر درج ہے۔ یہیں سے سلسلۂ تحقیق وتدوین بھی شروع ہوتا ہے۔

۱۹۵۹ء میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں "سنی دارالاشاعت" قائم ہوا۔ عملی طور پر مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی اس کے روح رواں تھے اور مفتی عبدالمنان اعظمی، قاری محمد یحییٰ مصباحی اور مولانا محمد شفیع اعظمی سنی دارالاشاعت کے دست وباز تھے۔ یہ شعبہ مسلمانان ہند کے سامنے مفید علمی ودینی لٹریچر فراہم کرنے کی غرض سے قائم ہوا تھا۔ بطور خاص امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے فتاویٰ رضویہ کی تحقیق وتدوین اور طباعت واشاعت اس کا اولین مقصد تھا۔ ناظم سنی دارالاشاعت مولانا عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کی یہ تحریر ملاحظہ ہو:

> "مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفی رضا خاں صاحب دام ظلہم الاقدس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، ان سے عرض کی گئی، فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا؟ آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہوسکتی ہے۔ اس کرامت آثار جملے نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی اور دارالعلوم اشرفیہ کی

رہنمائی میں کام شروع ہوا اور سنی دار الاشاعت کی بنیاد رکھی گئی۔''[۱]

فتاویٰ رضویہ کی پہلی اور دوسری جلد چھپ چکی تھی، تیسری جلد کا مسودہ مفتی اعظم ہند کے پاس سے آیا جو غیر مربوط بھی تھا اور غیر مبوب بھی، تبویب کا کام مولانا مجیب الاسلام نسیم اعظمی نے کیا اور بقیہ جاں گسل اور تحقیق وتدوین کا صبر آزما مرحلہ حضرت حافظ عبد الرؤوف بلیاوی نے مکمل فرمایا۔ اس کے نتیجے میں صفر ۱۳۸۱ھ مطابق اگست ۱۹۶۱ء میں ۸۱۶ صفحات میں یہ جلد چھپ کر منظر عام پر آئی۔ پھر چھ سال بعد جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں جلد چہارم بھی طبع ہوئی جس کے کل صفحات ۲۴۷ تھے۔ مولانا بدر القادری رقم طراز ہیں:

> ''فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے سلسلے میں حضرت مولانا عبد الرؤوف صاحب علیہ الرحمہ نے جس عرق ریزی اور مشقت پر ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے بلا مبالغہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ اتنی محنت میں خود قابل قدر کتاب تصنیف فرما سکتے تھے، مگر واہ رے شہرت ونا موری سے سیر چشمی کا جذبہ۔ یقیناً یہ دین پروری اور ایثار پسندی کا مثالی کردار ہے۔'' [۲]

پانچویں جلد اولاً مطبع حسنی سے مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے ۱۳۴۴ھ سے ۱۳۴۷ھ کے درمیان تین قسطوں میں شائع کی تھی، اس پر نظر ثانی اور فہرست سازی کا کام مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے کیا تھا، لیکن اس جلد میں صرف کتاب النکاح موجود تھی۔ ۱۳ر شوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۲ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو حافظ جی علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ تو فتاویٰ رضویہ کا کام بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ کے سپرد کیا گیا جو علمی اعتبار سے حضرت مولانا حافظ عبد الرؤوف بلیاوی کے سچے پرتو تھے۔

حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے پانچویں جلد میں کتاب الطلاق کا اضافہ کر کے یہ علمی وتحقیقی کام مکمل کیا۔ یہ جلد سنی دار الاشاعت سے ۱۳۹۷ھ میں شائع ہوئی۔ چھٹی، ساتویں اور

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، سنی دار الاشاعت، مبارک پور، صفر ۱۳۸۱ھ مطابق اگست ۱۹۶۱ء، جلد سوم، ص: ر

(۲) اشرفیہ کا ماضی اور حال، طبع شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۵ء، ص: ۸۷

آٹھویں جلد بھی انھی کی تحقیق کے ساتھ سنی دارالاشاعت سے علی الترتیب ۱۴۰۱ھ، ۱۴۰۷ھ اور ۱۴۱۲ھ میں طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔ یہ بہت بڑا علمی و تحقیقی کام تھا جس کی دھمک پوری دنیا میں محسوس کی گئی۔ فتاویٰ رضویہ کی بقیہ چار جلدیں دوسرے اداروں نے شائع کیں پھر جب رضا اکیڈمی، ممبئی نے مکمل بارہ جلدیں ایک ساتھ طبع کرانے کا ارادہ کیا تو مولانا محمد حنیف بریلوی کی مشاورت سے حضرت بحرالعلوم علیہ الرحمہ کا علمی تعاون لیا گیا۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ذوق تحریر وقلم:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی درس گاہی اور تنظیمی مصروفیات اتنی زیادہ تھیں کہ انھیں تحریر وتصنیف کا زیادہ موقع نہ مل سکا لیکن انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں علم وادب اور تحریر وقلم کا جو خوش گوار ماحول تیار کیا تھا، اس کے اثرات صاف دکھائی دے رہے تھے۔ جب مبارک پور میں ایک جاہل مقرر نے وسیلہ کے خلاف بکواس کی اور اسے شرک وبدعت قرار دیا، پھر لوگوں کے دل میں شکوک اور بے بنیاد سوالات گردش کرنے لگے تو حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ نے ''الوسیلة السنیة'' تحریر فرمائی اوران شبہات کو دور کرکے حق واضح کیا۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ تدریس واہتمام کے ساتھ فتویٰ نویسی بھی فرماتے اور احباب ومتعلقین کو خطوط بھی لکھتے۔ دیگر مفتیان اشرفیہ کے تحریر کردہ فتاویٰ کی اصلاح وتصدیق بھی فرماتے۔ بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''فتویٰ نویسی میں نے حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب سے سیکھی، جو بھی فتویٰ لکھتا دونوں بزرگوں کی بارگاہ میں پیش کرتا، یہ میرے لیے ضروری تھا، جب دونوں حضرات کی تصدیق ہوجاتی تب فتویٰ جاری کرتا۔''(۱)

تدریسی مصروفیت اس قدر ہمہ گیر تھی کہ ابتدا میں تیرہ کتابوں کا درس تنہا دیا کرتے جس میں سب سے چھوٹی کتاب شرح جامی ہوتی۔ جلسوں اور میلاد کی محفلوں میں شرکت اور

---

(۱) تقدیم، فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، جلد پنجم، مجلس فقہی جامعہ اشرفیہ، فروری ۲۰۱۸ء، ص:۹

اشرفیہ کا انتظام وانصرام ان کے سوا تھا۔ اتنی ہمہ رنگ مصروفیت کے باوجود مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کا کام انجام پاتا رہا۔ گویا یہاں تدریس کی جولانی بھی تھی اور تنظیم وتصنیف کی رنگا رنگی بھی۔ مولانا بدر القادری مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حافظ ملت تحریر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ وہ تحریر کو تدریس سے بھی زیادہ مشکل کام سمجھتے تھے۔ وہ تعلیم وتربیت اور تعمیر شخصیت کے ساتھ پرورش لوح وقلم کے بڑے حامی تھے۔ وہ خود بھی سریع القلم تھے اور ابتدا میں انھوں نے تحریری وتصنیفی کاموں میں بھی حصہ لیا لیکن تدریسی وتبلیغی اور تعمیری سرگرمیوں نیز دینی مصروفیات کے باعث آپ کو تصنیف وتالیف کا زیادہ موقع نہ مل سکا، پھر بھی معارف حدیث، ارشاد القرآن، المصباح الجدید اور دیگر مضامین [جو وقتاً فوقتاً رسائل میں چھپتے رہے] سے آپ کے ذوق تصنیف وتالیف اور تحریری امور کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔''(۱)

حافظ ملت علیہ الرحمہ خود فرماتے ہیں:

''بفضلہٖ تعالیٰ تصنیفی صلاحیت مجھے ضرور ملی اور قلم کی قوت بھی۔۔۔ کیا کہوں؟ مجھے لکھنے پر قدرت تھی، جس کا نمونہ المصباح الجدید، ارشاد القرآن، معارف السنہ وغیرہ ہیں لیکن قوت تصنیف کے باوجود ہمیشہ عوائق وموانع درپیش رہے اور مصروفیات نے گھیر رکھا جس کے باعث کچھ نہ لکھ سکا۔''(۲)

آپ کی تحریر کردہ کتب میں ارشاد القرآن کے علاوہ معارف حدیث، انباء الغیب، جنتی فرقہ، المصباح الجدید، العذاب الشدید، الارشاد، حاشیۂ شرح مرقات اور فتاویٰ حافظ ملت شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور اہل علم میں مقبول ہیں۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے گرچہ اپنی تصانیف کا بڑا ذخیرہ نہیں چھوڑا، لیکن ان کا جو بھی علمی وتصنیفی سرمایہ ہے وہ افادیت سے بھرپور بھی ہے اور ان کے جلالت علمی کا بین ثبوت

---

(۱) حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، مئی ۲۰۰۸ء، ص: ۱۰۷

(۲) ماہنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، اگست، ۱۹۷۸ء، ص: ۱۹۴

بھی۔ [ان تصانیف کا اجمالی جائزہ راقم الحروف نے اپنے ایک مضمون میں پیش کیا ہے۔]

جوہر آشنائی اور ماحول سازی:

سچ تو یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ تعلیم وتدریس، تنظیم واہتمام، دعوت وارشاد اور تربیتِ لوح وقلم کی خاطر ایسا علمی وفکری ماحول تیار کرنا ہے جس نے بے شمار باکمال مردانِ کار پیدا کیے اور ہزاروں، لاکھوں افراد کو مذہبی شعور حاصل ہوا۔ مدارس اسلامیہ میں درس وتدریس ہو، کسی تحریک یا اسلامک سینٹر کا قیام وانتظام ہو، دار التحقیق والتصنیف میں کارِ تحقیق وتصنیف کتب ہو، میدان مناظرہ میں کامیاب نمائندگی ہو، عالمی کانفرنسوں میں شرکت ونمائندگی ہو، حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ تلامذہ تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ان کی جوہر آشنائی اور ماحول سازی کا اثر تھا اور یہی ان کے تلامذہ میں بھی منتقل ہوا ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ طلبہ کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے سرگرم عمل بناتے تھے۔ کسی طالب علم میں تحریر وتقریر کا شوق دیکھتے تو اس کی حوصلہ افزائی فرماتے، ہاں شاعری کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ طلبہ کی نفسیات سے آگاہ رہتے تھے اور انھیں علمی کاموں کی طرف راغب فرماتے تھے، تاکہ ان میں علمی رسوخ بھی پیدا ہو اور تربیتِ اخلاق بھی ہوسکے۔

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی فرماتے ہیں:

> "طلبہ مختلف ذوق ورجحان کے حامل ہوتے ہیں، بعض کو شعر وسخن سے ذوق ہوتا ہے، بعض تقریر وخطابت کے دلدادہ ہوتے ہیں، بعض تجوید وقراءت کی مہارت چاہتے ہیں، بعض تصنیف وتحریر کا شوق رکھتے ہیں۔ عام مدرسین کو ان رجحانات وخواہشات کا اندازہ نہیں ہوتا مگر حافظ ملت کی نگاہ ایسی باریک بیں اور ذہن اتنا دور رس تھا کہ وہ کسی نہ کسی گوشے سے ان رجحانات کو بھانپ لیتے اور زمانۂ طالب علمی میں تو شاعری سے منع کرتے لیکن باقی شعبوں کے لیے حوصلہ افزائی اور

مناسب رہنمائی سے نوازتے۔ مقصد یہ تھا کہ طلبہ کی صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگایا جائے اور ہر میدان کے آدمی پیدا کیے جائیں۔"(۱)

آگے جوہر آشنائی کے عنوان پر صدر العلماء لکھتے ہیں:

"میں بڑی سچائی کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ حافظ ملت کا کمال یہ تھا کہ وہ راکھ کے ڈھیر سے بھی سونے کے ٹکڑے چن لیتے تھے اور ہمارا کمال یہ ہے کہ سونے کے ڈھیر میں بھی راکھ کے ذرے دیکھ لیتے ہیں اور ان ہی کو کریدتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"(۲)

حافظ ملت علیہ الرحمہ طلبہ کی صلاحیتوں اور ان کے رجحانات سے آگاہی کے ساتھ جوہر شناسی کے فن سے بھی خوب واقف تھے، یعنی انسان کی انفرادی خوبیوں کا پتہ لگانا اور مناسب وقت پر اس کا اظہار کرنا یہ کام انتہائی وسعت ظرفی اور کسی کے ذاتی کمال سے کمال آشنائی کا متقاضی ہے اور حافظ ملت اس خصوص میں منفرد تھے۔ ڈاکٹر ارشاد احمد مصباحی ساحل سہسرامی رقم طراز ہیں:

"آپ کی سب سے اہم خصوصیت انسان کے ذہنی رجحانات کی شناخت اور اسی نہج پر اس کی صالح رہنمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ میں علوم وفنون کے مختلف شعبوں پر حاوی افراد کی کثیر تعداد نظر آتی ہے، بلکہ بعض تو اپنے تاثراتی ظرف کی وسعتوں کی بنا پر ہمہ جہت خصوصیات کے حامل ہیں، جنھیں دیکھنے والی نگاہیں آپ کے عکس جمیل اور مظہر کامل سے یاد کرتی ہیں۔ یہ اس لیے تھا کہ آپ کی نگاہ انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے سارے سامان فراہم کرتی، ارتقائی فکروں کو سنبھالتی کہ کہیں ڈگمگا نہ جائیں اور انھیں بڑھاوا

---

(۱) "حافظ ملت تعلیمی ماحول میں"، مشمولہ ماہ نامہ اشرفیہ، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۳۹

(۲) نفس مصدر، ص: ۴۰

دینے کے واسطے حوصلہ افزائی اور قدر شناسی کے مواقع خوب پہچانتی تھی۔ آپ کی نگاہ تربیت کی فیض یافتہ ایک ذات گرامی [مولانا محمد احمد مصباحی] نے جسے آپ کا عکس جمیل کہیے، حصول کمال کی راہوں میں آپ کی پاکیزہ دعاؤں کی رہنمائی چاہی تو آپ نے یہ کلماتِ خیر [مکتوب بنام مولانا محمد احمد مصباحی، مطبوعہ: ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر] تحریر فرمائے:

"یہ جملہ بڑا پیارا تھا کہ حصول کمال کی کوشش کر رہا ہوں۔ خداوند کریم آپ کو باکمال کرے، عمر میں برکت، علم وفضل میں وسعت عطا فرمائے، آمین۔" یہ تھے آپ کے وہ حوصلہ افزا کلمات جس نے خالی ظرف کو شراب علم ومعرفت سے لبالب کر دیا، آج ساری دنیا ان مبارک دعاؤں کا اثر دیکھ رہی ہے۔"(۱)

شعبۂ نشریات کا قیام:

تحریر وقلم کی اہمیت ہر دور میں مسلم رہی ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو مخالف کے فکری وعملی رعب کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ دنیا میں جنگیں جس طرح نیزہ وسنان وشمشیر سے لڑی گئیں اسی طرح دنیا کے کئی اہم انقلاب میں قلم کی شہنشاہی نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ جہاد بالقلم کے سپاہی تھے اور تصنیف وتالیف کی اہمیت سے اچھی طرح واقف بھی۔ اس لیے اشرفیہ کے قیام کے مقاصد میں ہر وقت ان کے نگاہ میں یہ مقصد بھی موجود رہا۔ جس کا ذکر اکثر آپ فرماتے تھے:

"الجامعۃ الاشرفیہ سے میرا مقصد درس نظامی کے منتہی طلبہ کو ہندی، انگریزی، عربی زبان کا صاحب قلم ولسان بنانا ہے۔"(۲)

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص: ۱۲

(۲) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، حافظ ملت نمبر، اگست ۱۹۷۸ء، ص: ۷۷

اس لیے اشرفیہ کا ماحول بھی اس طرح تیار کیا کہ طلبہ میں تحریری صلاحیتیں جلا پائیں اور وہ اشاعتی سرگرمیوں میں لگے رہیں۔ اور خود یہاں بھی اشاعتی تنظیم کی راہ ہموار کرتے رہے۔ بالآخر جامعہ کی مجلس شوریٰ نے شوال ۱۳۹۴ھ مطابق یکم اگست ۱۹۷۴ء کو ''شعبۂ نشریات'' کو منظوری دی اور ناظم شعبہ کی حیثیت سے ایک قابل فرزندِ اشرفیہ مولانا بدرالقادری مصباحی کا تقرر ہوا۔ مولانا بدرالقادری تحریر و قلم کے بھی دلدادہ تھے اور مادر علمی جامعہ اشرفیہ سے کمال وارفتگی رکھتے تھے، تعمیری مزاج اور مجلتا ذوق اس پر مستزاد تھا۔

شعبے کا نظام عمل دو حصوں میں تقسیم ہوا اور منصوبے درج ذیل تھے:

(۱) ایک ماہ نامہ جریدہ کا اجرا جس سے ملک کے مسلمان اس عظیم درس گاہ کے بڑھتے قدم اور وسیع دینی خدمات سے واقف ہو سکیں۔

(۲) مذہبی، اصلاحی اور تعمیری مضامین کے ذریعہ عامۃ المسلمین میں دینی روح پھونکنا۔

(۳) مفید موضوعات پر کتابیں شائع کرنا۔

(۴) اشرفیہ کی زریں تاریخ کی ترتیب و تدوین۔

ان منصوبوں کا تقریباً نوے [۹۰] فیصد حصہ زمین پر اتر چکا ہے اور مزید کام جاری ہے۔

اشاعتی سرگرمیاں:

اشاعتی کام کا آغاز ہوا تو شعبۂ نشریات سے اکتوبر ۱۹۷۴ء میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی کتاب ''ارشاد القرآن'' پھر شائع ہوئی۔ اس کتاب نے اتنی جلد مقبولیت پائی کہ ڈیڑھ سال کے مختصر سے عرصہ میں دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا اور ۱۹۸۰ء میں تیسرا ایڈیشن ادارہ اہل سنت، کراچی نے شائع کرایا۔ فروری ۱۹۷۵ء میں مولانا بدرالقادری مصباحی کی کتاب ''اشرفیہ کا ماضی اور حال'' طبع ہوئی۔ جس میں اشرفیہ کی پچاس سالہ دینی روداد اور بے شمار احوال و کوائف کا ذکر ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ مصباحیات و عزیزیات کے باب میں مولانا بدرالقادری کو دیگر فرزندانِ اشرفیہ پر سبقت و فضیلت حاصل ہے جو آپ کے لیے ایک شرف و اعزاز اور آپ کا

ایک نمایاں امتیاز واختصاص ہے۔''[1]

تیسری عظیم پیش کش ''الوسلیۃ السنیۃ'' [مولانا محمد شفیع اعظمی] مارچ ۱۹۷۵ء میں طبع ہوئی، اسی طرح ۱۹۷۹ء میں عربی شعروادب پر دو کتابیں: ''المدیح النبوی'' [مولانا یٰسین اختر مصباحی] اور ''الادب الجمیل'' [مولانا افتخار احمد قادری] منظر عام پر آئیں۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی لکھتے ہیں:

''یہ دونوں ہی ادبی شہ پارے برائے نصاب مرتب کیے گئے اور ہندو پاک کے اکثر مدارس میں شامل نصاب بھی کر لیے گئے۔ ادبی مواد کے اقتباسات مرتب کرنے کے دوران صحت وسلامتی اور عقیدہ ومسلک کا خصوصی خیال رکھا گیا۔ یہی ان دونوں کتابوں کی سب سے بڑی انفرادیت ہے جواب سے پہلے سنی مدارس کے ادب خوانوں کو میسر نہ تھی۔''[2]

ماہ نامہ اشرفیہ کا اجرا:

شعبۂ نشریات کی جانب سے ''ماہ نامہ اشرفیہ'' جاری ہوا تو مولانا بدرالقادری مصباحی اس کے مدیر اول منتخب ہوئے۔ صفر ۱۳۹۶ھ مطابق فروری ۱۹۷۶ء میں ''ماہ نامہ اشرفیہ'' کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد اپنا ایک دینی وعلمی ترجمان نکالنا چاہتے تھے اور خصوصی طور پر مولانا بدرالقادری کی اسی نیت سے تقرری بھی ہوئی تھی۔ چناں چہ مجلہ کے نام کی منظوری کے بعد فروری ۱۹۷۶ء میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا اور تا مدت قیام [جون ۱۹۷۸ء] آپ اس کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

ماہ نامہ اشرفیہ شمارۂ اول کے صفحہ: ۷ پر حافظ ملت علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد گرامی شائع ہوا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم، امابعد!

برادرانِ اسلام! السلام علیکم..... مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ایک قدیم دینی درس گاہ ہے جو ترقی کر کے دارالعلوم اشرفیہ ہوا اور اب الجامعۃ الاشرفیہ ہے۔ یہ دینی

---

(۱) مقدمہ، مولانا بدرالقادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی پبلی کیشن، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰

(۲) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص: ۷

ادارہ اپنی پوری جد و جہد کے ساتھ تعلیمی و تبلیغی دینی خدمات انجام دیتا رہا۔

۲۰ رشوال ۱۳۹۳ھ کی مجلس شوریٰ نے اس میں شعبہ نشر واشاعت کا اضافہ کیا۔ یہ شعبہ اپنی بساط کے مطابق تقریری و تحریری خدمات انجام دیتا رہا۔ قلمی خدمات سے ''ارشاد القرآن''، ''اشرفیہ کا ماضی اور حال''، ''الوسیلۃ السنیہ'' شائع ہو کر منظر عام پر آ چکیں۔

اب مستقل ''ماہ نامہ اشرفیہ'' آپ کے زیر نظر ہے۔ ان شاء اللہ المولیٰ القدیر یہ رسالہ مذہبی ماہ نامہ نہایت پابندی کے ساتھ وقت پر پہنچتا رہے گا۔ امید کہ آپ اس کی قدر کریں گے اور حتی الامکان اس کی اشاعت کو فروغ دیں گے اور اعانت فرمائیں گے۔

دعا ہے کہ مولائے کریم اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صدقہ میں اس ماہ نامہ اشرفیہ کو قوم و ملت اور مذہب اہل سنت کے لیے مفید سے مفید تر فرمائے، آمین ثم آمین۔ فقط: عبدالعزیز عفی عنہ [۲۵ رذوالحجہ ۱۳۹۵ھ]

یہ رسالہ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا اور آخری صفحے پر اگلے شمارے کی ایک جھلک بھی دی گئی تھی، قیمت فی شمارہ ایک روپیہ پچاس پیسے اور سالانہ ممبری فیس ۱۶ روپے تھی اور حبیب المطابع، الٰہ آباد سے طبع ہو کر دفتر اشرفیہ مبارک پور سے شائع کیا گیا تھا۔

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں شعبۂ نشریات کے قیام اور ماہ نامہ اشرفیہ کے اجرا کے کیا نتائج سامنے آئے؟ ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی جام نور دہلی کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں لکھتے ہیں:

> ''مقررین و خطبا تو ہماری جماعت میں بہت تھے، لیکن انشا پرداز صحافی اور قلم کار کم تھے، اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے حافظ ملت نے ماہ نامہ اشرفیہ کا اجرا فرمایا اور باضابطہ نشر و اشاعت کا ایک مستقل شعبہ قائم فرمایا، جس کے خوب صورت اور قابل قدر نتائج آج دنیا کے سامنے ہیں۔ آج مصباحیوں میں نہ خطبا کی کمی ہے، نہ قلم کار انشا پرداز و صحافی کی۔''(۱)

(۱) ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ مارچ ۲۰۰۷ء، ص: ۴۰

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا وصال:

ابھی ماہ نامہ اشرفیہ کے چار شمارے ہی منظر عام پر آئے تھے کہ سرمایۂ ملت کا نگہباں یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۱ رمئی ۱۹۷۶ء، شب گیارہ بج کر پچپن منٹ پر علم وادب کا یہ شہرستان چھوڑ کر باغ فردوس کی نکہتوں کی جانب روانہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ان کے فرزند و جانشین عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی مصباحی دام ظلہ العالی کو جامعہ اشرفیہ کا سربراہ اعلیٰ اور جامعہ کے تمام شعبوں کا سرپرست نامزد کیا گیا۔ آپ نے پوری لگن اور مکمل اخلاص کے ساتھ والد ماجد کے لگائے ہوئے اس چمن کی آبیاری کی اور امید سے کہیں زیادہ اس علمی گلشن کو ہرا بھرا کیا۔ جامعہ کے تعلیمی شعبوں میں اضافہ ہوا، اس کا تعمیری کام آگے بڑھا، کئی اہم عمارتیں تعمیر ہوئیں اور آج اشرفیہ کے در و دیوار ان کی شبانہ روز انتھک جد و جہد اور اخلاص کے گواہ ہیں۔

ماہ نامہ جون ۱۹۷۶ء پانچویں شمارے کا اداریہ ''صدمۂ جانکاہ'' کے عنوان سے شامل ہے جس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بستر علالت سے سپرد لحد ہونے تک کے تمام مناظر کی عکاسی کے ساتھ ''عرس چہلم'' اور ''حافظ ملت نمبر'' کا اعلان بھی شامل ہے۔

حافظ ملت نمبر اور مدیرانِ اشرفیہ:

حافظ ملت نمبر کی ترتیب میں دو سال کا عرصہ لگ گیا، ۱۷ رجون ۱۹۷۸ء کو مدیر اعلیٰ مولانا بدر القادری نے اس نمبر کا طویل اداریہ تحریر فرمایا، لیکن کچھ وجوہ سے اس کی اشاعت روک دی گئی اور مولانا بدر القادری ہالینڈ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۸ء کا مشترکہ شمارہ منظر عام پر آیا تو مدیر کی حیثیت سے مولانا ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی الہ آبادی نامزد تھے اور اداریہ ناظم تعلیمات مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے پوری داستان غم بیان کی ہے اور عارضی طور پر ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی ادارت کا اعلان بھی کیا ہے۔ از سر نو تصحیح کے بعد حافظ ملت نمبر اپریل ۱۹۸۰ء میں منظر عام

پر آیا۔اس میں اداریہ سے قبل ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی ایک مختصر تحریر بھی شامل کی گئی ہے۔یہ شعبۂ نشریات جامعہ اشرفیہ کی چوتھی پیش کش تھی۔ڈاکٹر سید شمیم گوہر چوں کہ ادب کے آدمی ہیں، شعر وسخن، تحقیق وتنقید اور تبصرہ وتجزیہ ان کا مذاق تحریر ہے، ملک وبیرون ملک کے ادبستان سے ان کا رابطہ ہے اس لیے ماہ نامہ میں بھی اس کا اثر نظر آتا تھا، ادبی تبصرے بھی کرتے، افسانہ اور کہانی بھی شائع کرتے اور خود طنزیہ وفکاہیہ مضامین بھی لکھتے۔ساتھ ہی دار العلوم اہل سنت اشرفیہ کی اشاعتی، تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں کی اطلاع بھی اپنے قارئین تک پہنچاتے۔ان کی تحریروں میں ادبی رنگ غالب نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر نے اکتوبر ۱۹۷۸ء سے جون ۱۹۸۳ء تک ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت فرمائی۔ان کے جانے کے بعد سات ماہ تک کوئی شمارہ نہیں شائع ہوا۔سات ماہ کے طویل وقفہ کے بعد فروری ۱۹۸۴ء کا شمارہ منظر عام پر آیا، مدیر کی حیثیت سے مولانا قاری محمد یحییٰ اعظمی کا نام چھپا، جس میں مولانا محمد شفیع اعظمی ان کی معاونت فرماتے تھے۔فروری کا اداریہ مولانا محمد شفیع اعظمی نے تحریر فرمایا تھا، اس میں لکھتے ہیں:

> ’’دار العلوم کے شعبۂ نشر واشاعت کے زیر انتظام ’’ماہ نامہ اشرفیہ‘‘ عرصہ سے شائع ہو رہا ہے، اس شعبے کی کارکردگی کبھی بھی ادارے کے ذمہ داروں کے لیے اطمینان بخش نہ رہی۔یہ شعبہ مختلف علل واسباب کی بنا پر ترقی کے وہ مراحل نہ طے کر سکا جو ادارے کے ذمہ داروں کی نگاہ میں لائق تحسین وآفریں رہی ہو۔تاہم کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ یک لخت ماہ نامہ کی اشاعت مسلسل سات مہینوں تک بند رہی ہو، یہ پہلا حادثہ ہے [اور آپ حضرات دعا فرمائیں کہ یہی آخری حادثہ ثابت ہو] کہ کئی مہینوں سے اس کی اشاعت رکی ہوئی ہے۔ظاہر ہے جو مخلص ودین دار حضرات ادارے کے انتظام میں معمولی خلل سے بلک اٹھتے ہیں ان پر اپنے خلوص وعقیدت کی تباہی سے اس طویل

مدت میں ماہ نامہ کی اشاعت کا انجماد کتنا گراں گزرا ہوگا اس کے تصور سے ہم شرمندہ اور نادم ہیں۔"(۱)

خیر! کسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا لیکن اشاعت میں تسلسل نہیں تھا، کئی شمارے مشترکہ شائع کرنا پڑے۔ مجلس ادارت میں شیخ القرآن مولانا عبداللہ خاں عزیزی اور مفتی محمد نظام الدین رضوی کا نام شامل تھا جو یہاں استاذ بھی تھے اور ادارت کی ذمہ داری بھی نبھاتے تھے۔ جون ۱۹۸۶ء سے مدیر اعزازی مولانا عبدالمبین نعمانی بنائے گئے، اس کا اداریہ انھوں نے ہی "عرض حال" کے عنوان سے تحریر فرمایا۔ پھر یہ رسالہ تسلسل کے ساتھ اشاعت کی منزلیں طے کرتا رہا۔ ضرورت کے پیش نظر چند خصوصی گوشے بھی نکلتے رہے، مثلاً فروری ۱۹۸۷ء کا شمارہ "بیادگار حافظ ملت" کی حیثیت سے شائع ہوا۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء کا شمارہ "یادگار رضا نمبر" کی شکل میں چھپا۔ ستمبر ۱۹۹۰ء تک مولانا عبدالمبین نعمانی ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر رہے۔ ان کے دورِ ادارت میں کوئی شمارہ ناغہ نہیں ہوا، بڑی پابندی کے ساتھ وہ ادارت کا کام دیکھتے تھے، خود بھی اصلاحی و مذہبی مضامین لکھتے اور دوسروں سے بھی لکھواتے۔ طب وصحت پر مضامین، جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی و تعمیری سرگرمیوں، ملک بھر کی دینی و تبلیغی، اشاعتی وطباعتی خبروں اور کتابوں پر تبصروں کی اشاعت پر زیادہ توجہ دی۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء سے مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر مقرر ہوئے۔ اس وقت سے تا حال مولانا مبارک حسین مصباحی ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ ہیں اور ماہ نامہ اشرفیہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

مولانا بدر القادری اور ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی کے دورِ ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ کی جانب سے حافظ ملت نمبر [۱۹۷۸ء] اور مجاہد ملت نمبر [۱۹۸۲ء] نکلے جو بڑی محبت سے ہاتھوں ہاتھ لیے گئے اور مولانا مبارک حسین مصباحی کے دورِ ادارت میں کئی اہم اور وقیع نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں پیغمبر اعظم نمبر [۱۹۹۱ء]، انوار حافظ ملت نمبر [۱۹۹۲ء]، صدر الشریعہ نمبر [۱۹۹۵ء]، تعلیمی کنونشن نمبر [۱۹۹۶ء]، غریب نواز نمبر [۱۹۹۸ء]، جشن شارح

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۸۴ء، ص: ۶

بخاری نمبر [۲۰۰۰ء]، فقیہ اعظم ہند نمبر [۲۰۰۰ء]، سیدین نمبر [۲۰۰۲ء] اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر [۲۰۰۸ء] کافی اہم ہیں اور ماہ نامہ اشرفیہ کی صحافتی تاریخ کا درخشندہ باب بھی۔

انجمن اہل سنت و اشرفی دار المطالعہ کا قیام:

یہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی کردار سازی اور تعمیر ذہنی کا اثر تھا کہ اشرفیہ کے طلبہ میں بھی دینی تحریک کا ذوق بیدار ہوا۔ چناں چہ باغ فردوس [۱۳۵۳ھ] کے قیام کے دو سال بعد ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں طلبۂ اشرفیہ نے ''انجمن اہل سنت'' قائم کی اور اپنی اجتماعی سرگرمیوں کا آغاز کیا، بانیوں میں مولانا قاری محمد عثمان اعظمی، مولانا صوفی وجیہ الدین، مولانا حافظ عبد الرؤوف بلیاوی، مولانا ظفر علی نعمانی اور مولانا علی احمد مبارک پوری کا نام شامل ہے۔ ابتدائی دور میں بارہ ربیع الاول شریف کو جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلنا شروع ہوا۔ پہلے برس صرف طلبہ کی شرکت رہی، دوسرے سال سے قصبہ والوں کا بھی اشتراک ہوا اور شب میں ایک دینی جلسہ بھی منعقد ہونے لگا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ انجمن اہل سنت کے باشعور ممبران نے ضرورت کے پیش نظر ''اشرفی دار المطالعہ'' کی بنیاد ڈالی جس میں ہر فن کی کتابیں اور رسائل کا انتظام ہونے لگا۔ اشرفیہ کی قدیم عمارت کے کمرے میں یہ دار المطالعہ تھا اور طلبہ خارجی اوقات میں اس سے کتب و رسائل کا اجرا کرواتے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتے۔ مذہبی، علمی و ادبی مضامین بھی لکھے جاتے اور شاعری بھی کی جاتی۔ ساتھ ہی مشقی بزم بھی منعقد ہوتی جس میں افہام و تفہیم کی تحریری اور تقریری صلاحیتیں جلا پاتیں۔ آمدنی کے ذرائع میں ممبری فیس، ماہانہ چندہ اور انجمن کی یومیہ فیس تھی، مزید آمدنی کا بڑا ذریعہ مبارک پور کے مسلمانوں کی وہ دریا دلی تھی جو ضرب المثل ہے۔ اشرفی دار المطالعہ کے تین اہم شعبے تھے:

(۱) شعبہ تحریر (۲) شعبہ تقریر (۳) شعبہ تبلیغ۔ انجمن کے زیر اہتمام ''المصباح میگزین'' اور نہ جانے کتنی کتابیں بالخصوص تصانیف امام احمد رضا شائع کی جا چکی ہیں۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی مدیر ماہ نامہ اشرفیہ رقم طراز ہیں:

''انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ کا قیام ۱۹۳۵ء میں ہوا، اہمیت کا اندازہ لگانے کے بعد اہل علم وادب اور محققین فن نے اس کی عظمت کے سامنے سر جھکایا۔ معائنہ کرنے پر علما وفضلا حیرت میں پڑ جاتے ہیں، تحریری تاثرات کا پورا رجسٹر موجود ہے۔ فہرست کتب پر جس نے بھی نظر ڈالی مبارک باد پیش کی۔ نایاب قلمی مخطوطات، ملفوظات اور نادر کتب ورسائل اور بعض غیر معمولی نسخہ جات کا ایک بیش بہا ذخیرہ محفوظ ہے۔ حکایات وقصص، دواوین، ادبیات، سیرت وسوانح، تاریخ، رد ومناظرہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغات، تصوف، منطق وفلسفہ، صرف ونحو، علم ہیئت، حکمت وطب اور مختصر رسائل وجرائد پر مشتمل تقریباً ۴؍ہزار کتابیں زینت انجمن ہیں جن میں آئے دن روز اضافہ ہوتے رہنے کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے۔''(۱)

لیکن زمانے کے ردوبدل نے لائبریری پر بھی زوال کا سایہ ڈالا۔ اس سلسلے میں بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی لکھتے ہیں:

''زمانے نے کتنی کروٹیں بدلیں، اس پر بھی عروج وزوال کے کئی دور آئے۔ ایک دفعہ لائبریری ختم ہوگئی اور اس کی ساری کتابیں خرد برد ہوگئیں، صرف ایک کتاب ''سیرۃ النبی اور مستشرقین'' اب بھی موجود ہے، اس کے بعد از سر نو لائبریری کی ترتیب ہوئی جو اٹھائیس سال سے روز افزوں ترقی پر ہے، دیگر پروگرام بھی بڑھتے اور گھٹتے رہے، لیکن جلوس وجلسہ عید میلاد اپنی آب وتاب اور شان وشکوہ میں روز افزوں ہی رہا۔''(۲)

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ دسمبر ۱۹۸۰ء، ص:۵

(۲) روداد انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ، مطبوعہ: صفر ۱۳۸۷ھ، ص: ب

مختلف اوقات میں اہم حضرات اس انجمن کے صدر اور ناظم رہے، ایک زمانے تک مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی صدر اور خازن و ناظم مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری تھے۔ اشرف العلماء مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی بھی صدر رہے۔ ماضی قریب میں استاذ گرامی محدث جلیل علامہ عبدالشکور عزیزی دام ظلہ العالی انجمن کے صدر نشین تھے، جب کہ موجودہ صدر سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی ہیں۔

تقریباً بیس سال تک بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی ناظم انجمن رہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ اس کا حساب و کتاب رکھا۔ بلکہ ۱۳۸۷ھ میں تقریباً بیس برس [از: ربیع الاول ۱۳۶۶ھ تا صفر ۱۳۸۷ھ] کے تفصیلی آمد و خرچ کی پوری روداد ایک کتاب کی شکل میں شائع کی۔ اس وقت اشرفی دار المطالعہ میں مختلف فنون کی کل کتابوں کی تعداد ۲۶۷۲ تھی۔ [موجودہ رجسٹر میں ان کی تعداد ۴۳۸۴ ہے جن میں ۴۳۵ قدیم و جدید رسائل و جرائد بھی شامل ہیں۔]

اشرفی دار المطالعہ سے متعلق علما و مشائخ کے تاثرات:

کئی اکابر علما و مشائخ نے انجمن اہل سنت کی اشرفی لائبریری دیکھنے کے بعد معائنہ کی تحریریں بھی لکھیں اور ارکان انجمن کی کوششوں کو سراہا۔ محدث اعظم ہند حضرت مفتی سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ دار المطالعہ کے علمی و ادبی ذخیرے پر یوں اظہار خیال [۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ] فرماتے ہیں:

> ”دار المطالعہ کی دیدہ زیبی اور کتابوں کے ذخیرے میں روز بروز ترقی، کتابوں کے رکھنے میں بڑی ندرت کے ساتھ باسلیقگی، طلبہ میں مطالعہ اور ذخیرۂ کتب میں علوم و فنون کی ہمہ گیری پر نظر کرنے سے عیاں ہے کہ اراکین انجمن دار المطالعہ ہزاروں مبارک باد کے مستحق ہیں۔“(۱)

(۱) مولانا بدر القادری، حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، مئی ۲۰۰۸ء، ص: ۷۰۶

طلبۂ اشرفیہ کے معیارِ ذوق سے متعلق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی یہ تحریر معائنہ [۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ] ملاحظہ فرمائیں:

”دار المطالعہ میں ضروری کتابیں جن کی طلبہ و علما کو عموماً ضرورت ہوا کرتی ہے موجود پائیں اور طلبہ کا یہ شغف دیکھتے ہوئے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ انھوں نے بعض کتابیں اور رسائل جو دستیاب نہ ہوسکیں اپنے قلم سے تحریر کی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نقل کتب کا سلسلہ جاری ہے اور چند طلبہ کتابوں کے نقل کرنے میں بیش قیمت وقت صرف کرتے ہیں۔“(۱)

اشرفیہ کے ممتحن حضرت مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی علیہ الرحمہ اپنے معائنہ گرامی [۸ر شعبان المعظم ۱۳۶۷ھ] میں تحریر فرماتے ہیں:

”دار المطالعہ کا بھی معائنہ کیا جس میں مختلف فنون کی مشہور و نادر کتابوں، دینی وسیاسی رسالوں، عربی وفارسی واردو کے ماہوار و روزنامے، رسالوں اور اخباروں کا بہترین اور زبردست ذخیرہ پایا۔“(۲)

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

”درس نظامیہ کی تعلیم کے ابتدائی سالوں سے ہی میں اشرفیہ کے طلبہ کی لائبریری اشرفی دار المطالعہ کا لائبریرین رہا۔ اس کے نتیجہ میں مجھے پڑھنے کے لیے کتابوں کا وافر ذخیرہ ملا اور موضوع میں بھی وسعت ہوگئی، ہر قسم کے رسائل اور کتابیں مطالعہ میں آئیں اور میں اس قابل ہوگیا کہ لائبریری میں آنے والوں کو ان کی مطلوبہ کتابوں کے مواد کی خوبی یا خرابی بتاتا اور انھیں کتابوں کے انتخاب میں مدد

---

(۱) مولانا بدر القادری، حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، مئی ۲۰۰۸ء، ص:۷۰۹

(۲) ایضاً، ص:۷۰۸

دیتا۔ اس سے لاشعوری طور پر مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میرے ذہن میں الفاظ کا قابل ذکر ذخیرہ جمع ہو گیا۔ مختلف جملوں کی ترکیب، اسلوب بیان اور مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت حاصل ہوئی۔ جس کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ ”نئے چراغ جلانے کے لیے پرانے چراغ سے اکتساب ضروری ہے۔“(۱)

اِن تاثراتی تحریروں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انجمن کا دارالمطالعہ کس قدر مفید اور نادر و نایاب کتب و رسائل کا جامع تھا۔ اور طلبۂ اشرفیہ کے ذہن و فکر پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ یہ سب کچھ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ماحول سازی اور تربیت کا اثر تھا۔

مولانا عبدالغفار اعظمی مصباحی لکھتے ہیں:

”یہ حافظ ملت ہی کا کارنامہ ہے جنھوں نے محنتی اور اہل ذوق طلبہ کی رہنمائی کر کے اتنی متحرک و فعال ”انجمن اہل سنت“ اور اس کی گراں قدر لائبریری ”اشرفی دارالمطالعہ“ مبارک پور کو وجود بخشا کہ اس کے فیوض و برکات سے ایک دنیا سیراب ہو رہی ہے۔ دارالعلوم اشرفیہ کے باکمال طلبہ نے درسی کتب میں ٹھوس صلاحیت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسی دارالمطالعہ سے اپنی علمی و فنی غذا حاصل کی ہے۔

انجمن اہل سنت مبارک پور نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا مقدس اور قابل تقلید جلسہ و جلوس کا اہتمام کیا ہے کہ قرب و جوار ہی نہیں، دور دور تک اس کے اثرات کی گونج سنائی دیتی ہے۔“(۲)

اشرفی دارالمطالعہ کی نگہ داشت:

”انجمن اہل سنت“ کے زیر اہتمام آج تک پوری شان سے جلوس عید میلاد النبی کا

---

(۱) سال نامہ تجلیات رضا، بریلی، بحر العلوم نمبر، ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء، ص: ۲۱۱

(۲) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۸۸ء، ص: ۲۸

نورانی سلسلہ جاری ہے اور شب میں جلسہ ہوتا ہے۔ یہ دارالمطالعہ پہلے ''باغ فردوس'' میں تھا جو اس کا عارضی اقامہ تھا، بعد میں انجمن کی مستقل عمارت تعمیر ہوئی لیکن کسی وجہ سے یہ لائبریری وہاں منتقل نہ ہوسکی۔ زمانے کے سرد و گرم حالات کو سہہ کر بالآخر اشرفی دارالمطالعہ جامعہ کیمپس میں آگیا۔ لیکن یہاں کب آیا اس کا متعینہ سنہ نہیں معلوم ہوسکا ہے۔ قرین قیاس سنہ ۱۹۸۶ء لگتا ہے۔ سنہ ۱۹۸۷ء کے آس پاس جو طلبہ یہاں زیر تعلیم تھے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہم جب یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے تو دارالمطالعہ سینٹرل بلڈنگ کے ایک کمرے میں موجود تھا اور اس کی ذمہ داری یہاں کے طلبہ کے سر تھی۔

ان طلبہ میں نمایاں نام مولانا غلام یحییٰ مصباحی خیرآبادی، مولانا نعیم اختر گھوسوی، استاذ گرامی مولانا اختر کمال قادری، مولانا اختر حسین فیضی اور مولانا رفیع القدر مصباحی قابل ذکر ہیں۔ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کے دورِ صدارت میں کتابوں کی نگہ داشت پر از سر نو توجہ دی گئی اور صدر العلماء نے چند اہم اساتذۂ اشرفیہ کو لائبریری کی ذمہ داری سونپی۔ ان حضرات نے پوری تن دہی اور خلوص کے ساتھ کتابوں کے اندراج کا جدید رجسٹر تیار کیا اور الگ الگ الماریوں میں کتابیں محفوظ رکھی گئیں۔ دورِ اخیر میں جن اساتذہ کو اس کی ذمہ داری دی گئی ان میں مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا غلام نبی مصباحی، مولانا محمد افروز قادری، مولانا رضوان احمد مصباحی، حافظ نور الحق تنگ پوری،، مفتی محمود علی مشاہدی اور مولانا محمد قاسم مصباحی قابل ذکر ہیں۔ مختلف اوقات میں مذکورہ اساتذۂ اشرفیہ نے کتابوں کے انبار کو ایک مرصع اشرفی لائبریری میں تبدیل کر دیا۔ اور آج یہ دارالمطالعہ قدیم وجدید کتابوں اور مجلّات کا سجا ہوا نگار خانہ معلوم ہوتا ہے۔

اشرفی دارالمطالعہ کی نشاۃ ثالثہ:

بہت کچھ ہوا لیکن یہ دارالمطالعہ زیادہ مفید نہ بن سکا اور طلبہ کی پہنچ سے دور رہا۔ عروج وزوال کے کئی ادوار دیکھ لینے کے بعد ۲۷ر جولائی ۲۰۱۹ء روز شنبہ اشرفی دارالمطالعہ کے سرپرست اعلیٰ، شہزادۂ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی کی

صدارت، ارکان انجمن اور اساتذۂ اشرفیہ کی موجودگی میں اس کی نشاۃ ثالثہ ہوئی جس میں صدرِ انجمن حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی اور ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد کی نگہِ التفات کا خاصا دخل ہے۔ اب اشرفی دار المطالعہ ''امام احمد رضا لائبریری'' کے ایک حصے میں واقع ہے جس میں فی الحال چار ہزار سے زائد کتب ورسائل موجود ہیں۔ یہ لائبریری ایک مقررہ وقت میں طلبہ کو کتب ورسائل پیش کرتی ہے۔

مکتبۃ اللغۃ العربیہ کا قیام:

اسی طرح عربی زبان وادب میں مہارت اور مطالعہ ومذاکرہ کی غرض سے ''مکتبۃ اللغۃ العربیۃ'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں عربی کتابیں جمع کرنے کی کوشش ہوئی تاکہ قدیم وجدید، نثری وشعری اسالیب اور موجودہ عربی ادب سے طلبہ روشناس ہوں۔ اس میں بطور خاص عالم عرب سے رسائل ومجلات منگانے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ لائبریری اب بھی اشرفی دار المطالعہ کے ایک گوشے میں موجود ہے۔

عربی زبان وادب اور جامعہ اشرفیہ:

یہ عنوان مستقل ایک تحقیقی مضمون کا متقاضی ہے۔ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کا قیام ہی ایک عربی یونیورسٹی کے طور پر ہوا ہے، اور عربی زبان یہاں کی تعلیمی زبان ہوگی۔ جیسا کہ دوسری تعلیمی کانفرنس [منعقدہ: ۱۶؍۱۷؍نومبر ۱۹۷۳ء] میں پاس کی گئی تجاویز سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا بدر القادری مصباحی لکھتے ہیں:

> ''اسی کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی زبان عربی ہوگی۔ عربی ادب کے علاوہ چار مستقل زبانیں اردو، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کی تعلیم دی جائے گی، تاکہ دوسرے طبقاتِ مذاہب سے افہام وتفہیم آسان ہو اور اسلام کے پیغام حق کو مختلف زبانوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔''(۱)

(۱) اشرفیہ کا ماضی اور حال، طبع شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۵ء، ص: ۶۰

درس نظامی کی تقریباً اکثر کتابیں اسی زبان میں ہیں۔ یہ بات تمام مدارس اسلامیہ میں مشترک ہے لیکن جامعہ اشرفیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں تخصص فی الادب العربی کا باقاعدہ ایک شعبہ موجود ہے اور عربی انشا و ادب پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ عربی زبان و ادب کے کئی ماہر اساتذہ مستقل طور پر اسی شعبے میں کام کر رہے ہیں اور شائقین محققین کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو جلا مل رہی ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ نے عربی زبان و ادب کے فروغ میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ اپنی مستقل تاریخ رکھتا ہے۔ ماقبل میں گزرا کہ نصابی ضرورت کے پیش نظر ۱۹۷۹ء میں عربی نثر و نظم پر دو اہم نصابی کتاب "الادب الجمیل" اور "المدیح النبوی" علی الترتیب مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یٰسین اختر مصباحی نے مرتب کی تھیں اور انھیں شامل نصاب کیا گیا تھا۔ یہ دونوں کتابیں اشرفیہ کے شعبۂ نشریات کی جانب سے شائع کی گئی تھیں اور ماہ نامہ اشرفیہ کے مختلف شماروں میں ان پر قابل قدر تبصرہ بھی لکھا گیا تا کہ دوسرے عربی مدارس بھی انھیں شامل درس کریں۔ ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں ان کا تعارف یوں دیا گیا ہے:

"ہماری مذہبی درس گاہوں میں عربی ادب کا جو نصاب تعلیم رائج ہے اس میں نثر و نظم کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس سے طالب علم کا اخلاق و کردار بری طرح مجروح ہوتا ہے اور نفس مضمون اسلامی روح سے خالی اور نا آشنا ہوتا ہے، جس کا احساس و اعتراف بھی ارباب علم و ادب کو ہے۔ اسی طرح سنی درس گاہوں میں اغیار کی کتابوں کا شمول بھی ہمارے جماعتی مزاج کے خلاف ہے۔ ہمیں ہر محاذ پر اپنا علمی وقار اور تشخص بہر حال برقرار رکھنا ہے، بلکہ اس میں ہماری ہر لمحہ پیش قدمی جاری ہے۔

یہی وہ مخلصانہ جذبات ہیں جنھوں نے ادب و انشا عربی کا اپنا پورا نصاب تیار کرنے پر ہمیں آمادہ کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ عربی کی دو شاہکار کتابیں اب تک ہمارے یہاں سے شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) الادب الجمیل، از مولانا افتخار احمد قادری: عہد اسلامی کے خالص عربی زبان

کے ممتاز شعری نمونوں کے ساتھ دور جدید کا تغیر پذیر ادب کمال انتخاب کے ساتھ اس میں پیش کر دیا گیا ہے، جس میں ادب کی چاشنی بھی ہے اور اسلام وسنیت کی بھر پور ترجمانی بھی اور نثر کے اعلیٰ مضامین کے ساتھ نظم کا کچھ جاندار حصہ بھی شامل ہے، کتاب کی جامعیت کا صحیح اندازہ آپ مطالعہ کے بعد ہی کر سکیں گے۔

(۲) المدیح النبوی، از مولانا یٰسین اختر مصباحی: عربی نعتوں کا بیش قیمت مجموعۂ کلام، سلیم الفطرت شخصیتوں کا نذرانۂ عشق واخلاص اور نفوس قدسیہ کے احترام وعقیدت کا ایک خوب صورت وشاداب گلدستہ، جس میں عہد رسالت سے پہلے اور بعد کی ممتاز ومنفرد اور پر کشش نعتیں پیش کر دی گئی ہیں۔ اس انتخاب میں عربی ادب کا اعلیٰ معیار بھی ہے اور عشق ومحبت رسول علیہ التحیۃ والثنا کے روح پرور اور ایمان افروز جذباتِ فراواں بھی۔ اسی طرح اس کے مطالعہ سے ادب وعشق دونوں کا امتزاج اور اس کا فائدہ قارئین کو بیک وقت حاصل ہوگا۔

> یہ دونوں کتابیں الجامعۃ الاشرفیہ کے درجۂ خامسہ [جس میں نور الانوار، ملاحسن شامل ہیں] اور درجۂ سادسہ [جس میں مشکوٰۃ، جلالین وہدایہ وغیرہ شامل ہیں] میں علی الترتیب شامل نصاب ہو چکی ہیں۔ توقع ہے کہ شعبۂ نشریات کی ان دونوں پیش کشوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے بھی مدارس اہل سنت میں داخل نصاب کر لیا جائے گا۔"(۱)

اس وقت سے تا حال یہ دونوں کتابیں مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہیں اور بہت بڑی نصابی ضرورت پوری کر رہی ہیں۔

"الادب الجمیل" کی تالیف کے علاوہ مولانا افتخار احمد قادری نے امام احمد رضا قادری کے چار رسائل "الفضل الموهبی، الزبدة الزكية، تمہید ایمان اور طرد الأفاعی" کا عربی زبان میں ترجمہ فرمایا ہے۔

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۹ء

اشرفیہ کے ممتاز فاضل مولانا بدرالدین احمد رضوی نے ابتدائی عربی ادب وانشا پر مشتمل دو کتابیں ''عروس الادب'' اور ''فیض الادب'' مرتب کیں جو عربی مدارس میں شامل نصاب کی گئیں۔ جدید تحقیق واضافہ کے ساتھ یہ کتابیں مجلس برکات سے بھی شائع ہو چکی ہیں۔

۹ر شوال ۱۴۰۶ھ مطابق جون ۱۹۸۶ء کو جب عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی اشرفیہ تشریف لائے تو گلستان عزیزی میں عربی زبان وادب کی بہاروں نے مزید رنگ دکھانا شروع کیا۔ جامعہ میں شیخ الادب کے منصب پر ان کے انتخاب کو ماہ نامہ اشرفیہ کے ایک اداریے میں یوں خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ مدیر رسالہ مولانا عبدالمبین نعمانی لکھتے ہیں:

> ''حلقۂ اشرفیہ اور اہل علم وطالبان علم کے لیے یہ خبر یقیناً مسرت بخش ہوگی کہ امسال ارکان دارالعلوم نے فاضل جلیل حضرت علامہ محمد احمد مصباحی بھیروی صاحب کو اشرفیہ میں شعبۂ ادب کے صدر کی حیثیت سے منتخب کرلیا ہے۔ مولانا موصوف نے منظوری بھی دے دی ہے، ان شاء اللہ آپ کی عالمانہ ومخلصانہ تعلیمی صلاحیتیں اشرفیہ کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔ مولائے قدیر آپ کی آمد کو مبارک کرے اور آپ کے علمی فیضان کو عام وتام کرے، آمین۔''(۱)

اس انتخاب نے جامعہ اشرفیہ میں واقعی ایک علمی انقلاب برپا کردیا اور عربی زبان وادب کا غلغلہ بلند ہوا۔ مصباحی صاحب کے تلامذہ آج تک وہ کاپیاں اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے ہیں جن پر حضرت نے درس گاہ میں اصلاح دی تھی۔ جامعہ اشرفیہ میں جن طلبہ کی گھنٹیاں حضرت کے پاس ہوتیں وہ خود کو بڑا خوش قسمت سمجھتے اور ان کی نگرانی میں اپنا ادبی چہرہ سنوارنا باعث فخر مانا جاتا۔ کتنے پتھروں کو تراشا گیا، کتنے ذروں کو آفتاب بنایا گیا، کتنی بنجر زمینیں سیراب ہوئیں اور کتنی کھیتیاں لالہ زار ہوئیں؟ اس سلسلے میں عربی زبان وادب کے دو ماہرین اساتذہ کی رائیں

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ: جون ۱۹۸۶ء، ص:۵

ملاحظہ فرمائیں جنھوں نے اس چشمۂ علم وفضل سے اپنا کاسۂ ادب بھرا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے علامہ فضل حق خیرآبادی پر عربی زبان میں پی ایچ ڈی کرنے والے ڈاکٹر ارشاد احمد مصباحی ساحل سہسرامی اپنی کتاب ''عرفان عرب'' میں لکھتے ہیں:

> ''[علامہ] محمد احمد مصباحی: جامعہ اشرفیہ کے شیخ الادب والتفسیر تھے، اب شیخ الجامعہ ہیں۔ سینکڑوں مقالات اور درجنوں گراں قدر تصانیف رکھتے ہیں۔ طلبہ میں ادبی اور تحقیقی ذوق بیدار کرنا آپ کا خاص وصف ہے۔ ناچیز کو فکر وقلم کا جو بھی شعور حاصل ہوا، وہ حضرتِ استاذ کی فکری تربیت کا فیض ہے۔ عربی ادبیات کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ عربی نثر ایسی شستہ اور بے ساختہ لکھتے ہیں کہ عرب نژاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، اصول، فقہ، ادب، تاریخ میں مرتبۂ اختصاص پر فائز ہیں۔ چلتے پھرتے تاریخی مادے برآمد کر لینا آپ کے لیے عام سی بات ہے۔ آپ کی ذات گرامی مغتنمات روزگار سے ہے۔''(۱)

جامعہ اشرفیہ کے موجودہ شیخ الادب مولانا نفیس احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

> ''محقق عصر، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔ آپ علوم مروجہ وفنون متداولہ پر مکمل دسترس کے ساتھ عربی، اردو دونوں زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں اور اخلاص وللّٰہیت، زہد وتقویٰ کا پیکر ہیں۔۔۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انھی کی تربیت ورہ نمائی نے اس بے مایہ کو

---

(۱) عرفان عرب، سلطان شیر ساہ سوری پبلی کیشنز، سہسرام، ۲۰۰۹ء، ص: ۵۵۴

قلم پکڑنے کا شعور بخشا۔''(۱)

ان دونوں مشاہداتی وتجرباتی تحریری تاثر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدر العلماء کی ذات میں عربی دانی کا ملکہ کس پایہ کا ہے اور اگر آج بھی کوئی دانا و بینا انسان بہ چشم خود اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہے تو امام احمد رضا قادری کے عربی حاشیہ ''جد الممتار'' اول ودوم پر حضرت کا عربی مقدمہ اور ان کی مستقل عربی تصنیف ''حدوث الفتن و جهاد أعيان السنن'' کا مطالعہ کرلے۔ حقیقت آفتاب نیم روز ہوگی اور دل ودماغ یقین کے اجالے میں سیر کریں گے۔ اور اگر اس سے سیری نہ ہو تو مدارک شریف پر ان کا عربی حاشیہ دیکھ لیا جائے تو گوہرِ ایقان ضرور مل جائے گا۔ یہ حاشیہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے شائع ہو چکا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ صدر العلماء دام ظلہ نے اپنی آمد سے جامعہ اشرفیہ میں عربی زبان وادب کی فضا خوش گوار بنادی اور اپنے شاگردوں میں اس زبان کی محبت کا نشہ جوان کردیا۔ وہ شاگرد آج خود جامعہ میں عربی ادب کے استاذ ہی نہیں، شیخ الادب ہیں۔

۱۹۹۹ء میں جامعہ اشرفیہ کا نصابی وطباعتی ادارہ ''مجلس برکات'' قائم ہوا، دو سال بعد آپ ہی کو اس کا ذمہ دار بنایا گیا تاکہ اس کے زیر اہتمام ہونے والے نصابی کاموں کی نگرانی بہتر طور پر ہو سکے اور جدید حواشی وتعلیقات وشروح کی عمدہ اور قابل اعتماد اصلاح کا کام انجام پذیر ہو۔ یہ کام انھوں نے بڑی عمدگی اور ماہرانہ انداز میں تکمیل فرمایا اور آج مجلس برکات کی مطبوعات کو سند اعتبار حاصل ہے۔

موجودہ شیخ الجامعہ سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی نے صحیح مسلم کا عربی حاشیہ تحریر فرمایا اور سنن ترمذی کے آغاز میں بزبان عربی تقدیم وتعارف مصنف رقم فرمایا۔ اشرفیہ کے سابق شیخ الادب مولانا مفتی شمس الہدیٰ مصباحی نے الادب الجمیل اور المدیح النبوی کا مختصر عربی حاشیہ اور موطا امام محمد کی عربی شرح ''شمس السالک'' پانچ جلدوں [اس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔] میں لکھی اور اس سلسلۂ علم وادب میں توسیع ہوئی۔ ساتھ ہی آپ

(۱) حرف آغاز، اصول حدیث، مجلس برکات، مبارک پور، ص: ۱۳

نے امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے تین رسائل: "الزبدة المزكية لتحريم سجود التحية، اعلام الأعلام بأن هندوستان دار الاسلام" اور "حقة المرجان لمهم مسئلة الدحان" کا عربی ترجمہ بھی فرمایا ہے۔ انھوں نے مولانا بدر القادری مصباحی کی مشہور کتاب "اسلام اور امن عالم" کا بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

۲۰۰۸ء میں جب جامعہ اشرفیہ میں اتر پردیش کے مدارس عربیہ کی اعلیٰ سطحی نصابی تنظیم "تنظیم المدارس" قائم ہوئی تو نصابی ضرورت کے پیش نظر استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی نے قدیم وجدید عربی انشا پر مشتمل کتاب "مصباح الانشاء" مرتب فرمائی جس کے چار حصے مجلس برکات سے طبع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں اور پانچواں زیر طبع ہے۔ انھوں نے ہی علم نحو پر ایک جامع کتاب "كافية النحو" بھی عربی میں تصنیف کی، ساتھ ہی دیوان متنبی کا عربی حاشیہ "ميزان المتنبي" مع اردو ترجمہ تحریر فرمایا۔ "شرح نزهة النظر" اور "الفيض النبوى" کی تحقیق، تعلیق اور تقدیم بھی ایک اہم علمی کام ہے جو بزبان عربی انجام دیا گیا ہے۔ مجلس برکات سے مطبوع کئی درسی کتابوں پر بزبان عربی انھوں نے تعارف مصنف ومحشی بھی تحریر فرمایا ہے۔ ایک درجن سے زائد عربی مقالات ان کے سوا ہیں۔

آپ نے "نافذة تاريخية موجزة على الجامعة الأشرفية" اور "نظرة اجمالية عى الجامعة الأشرفية، مبارك فور" کے عنوان پر مفصل ومختصر دو کتابیں تصنیف کی ہیں اور جامعہ اشرفیہ کے تعارف پر مشتمل مولانا یٰسین اختر مصباحی کی کتاب کا عربی ترجمہ فرمایا ہے۔ مزید برآں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے چار رسائل "ردالرفضة، غاية التحقيق فى امامة العلى والصديق، الأدلة الطاعنة فى أذان الملاعنة، أعالى الافادة فى تعزية الهند وبيان الشهادة" کی تعریب فرمائی اور "قصيدتان رائعتان" کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کے عربی "قصیدۂ میمیہ" کی فنی پیمائش اور اردو ترجمہ بھی ایک ادبی شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ "قصیدۂ نعمانیہ" اور "قصیدۂ بانت سعاد" کا اردو ترجمہ بھی قابل ذکر ہے۔ آپ کا ایک اہم کارنامہ مولانا ابوالکلام آزاد

یونیورسٹی، حیدرآباد میں ایم اے عربی کے نصاب کے لیے بزبان اردو ''نحوی قواعد''، ۵؍ اکائی [یونٹ] کی ترتیب ہے۔ فی الوقت آپ جامعہ اشرفیہ کے شیخ الادب ہیں۔

استاذ گرامی مولانا محمد صدر الوریٰ قادری نے شرح عقائد کا عربی حاشیہ ''جمع الفرائد بانارۃ شرح العقائد، التنبیہ المسدَّد علی ما فی التعلیق الممجَد (علی موطا الامام محمد)، تقریرات الالمعی علیٰ مافی کشف جامع الترمذی، تحقیق وتخریج لمعات التنقیح، قواعد المنطق، شرح میر قطبی، نبذ من الفوائد الحدثیثیۃ و تعریبھا من الفتاویٰ الرضویۃ، تعلیق علی أبواب مختارۃ من سنن أبی داؤد'' جیسے اہم علمی وتحقیقی کام مکمل کیے ہیں۔ ساتھ ہی امام احمد رضا قادری کا رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' کا عربی ترجمہ فرمایا ہے۔ کئی علمی وادبی مضامین ان کے سوا ہیں۔ فی الحال وہ سنن ابوداؤد کی مکمل عربی شرح لکھ رہے ہیں۔

استاذ گرامی مولانا ناظم علی مصباحی نے ''نور الایضاح'' کا مختصر اور تحقیقی عربی حاشیہ اور اس پر ایک جامع تقدیم بھی تحریر فرمائی ہے۔ ''تدوین الفقہ و کتب الفقہ الحنفی'' کے نام سے ایک تحقیقی تحریر بھی لکھی جو مجلس برکات سے مطبوع مختصر القدوری کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ مجلس برکات سے شائع شدہ میر قطبی کے مصنف کا تعارف بھی ان کے قلم کی عمدہ یادگار ہے۔ مزید کئی اہم عربی کتب ومقالات تحریر فرمائے جیسے ''الامام أحمد رضا ونبوغہ فی العلوم الجدیدۃ، [غیر مطبوع] الامام أحمد رضا ونبوغہ فی علوم الحدیث [مطبوع]، سیدنا المفتی الأعظم فی ضوء فتاواہ [غیر مطبوع]، حاشیۃ علی أصول الشاشی [غیر مطبوع] أصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم حدیث مقبول لا موضوع [غیر مطبوع]، حافظ الملۃ ونبوغہ فی العلوم والفنون [غیر مطبوع]، الاستمداد بالأنبیاء والأولیاء [مطبوع]، مقدمۃ ماثر الکرام فی تاریخ بلگرام'' [مطبوع]۔

مولانا ساجد علی مصباحی نے ''المدیح النبوی'' کا عربی حاشیہ تحریر کیا ہے۔ ساتھ

ہی قواعد النحو اور دراسۃ الصرف نامی دو کتابیں اردو زبان میں نصابی ضرورت کے پیش نظر نفیس طرز پر لکھی ہیں جن سے طالبان علوم نبویہ کے لیے نحو وصرف کے قواعد کو سمجھنا سہل ہو گیا ہے۔ اسی طرح میزان ومنشعب کا حاشیہ بھی قلم بند کیا ہے۔ یہ تمام کتابیں مجلس برکات سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے تحریر کردہ عربی مضامین میں ”الامام أبو حنيفة وفقهه، وجوه تكفير العلماء الديابنة، كشف الحجاب عن مذهب ابن عبدالوهاب، حافظ الملة وحجه التاريخى“ قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مجلس برکات سے مطبوع اصول فقہ کی مستند کتاب ”المنتخب الحسامی“ اور اس کی شرح ”النامی“ کے مصنف کے احوال بھی بزبان عربی رقم کیے ہیں۔

مفتی محمود علی مشاہدی نے ”زاد الأحباب فى مناقب الأصحاب، معدن الفضائل فى شرح الشمائل [مطبوع]، التفسير المحمدى“ [از: امام محمد بن احمد بن نصیر الدین چراغ دہلوی۔ تین جلدیں، غیر مطبوع] اور ”مسانید امام اعظم“ جیسی کتابوں کی تحقیق وتخریج اور تحشیہ وتسہیل کا گراں قدر علمی وتحقیقی کام انجام دیا ہے۔ ساتھ ہی ”شرح فتوح الغيب“ کی تحقیق وتقدیم وتعلیق کا کام مکمل کیا ہے۔ آغازِ کتاب میں ان کتابوں کے مصنفین کے تراجم بھی تحریر کیے ہیں۔ ”معدن الفضائل“ ترکی کے معروف نشریاتی ادارہ ”دار الامام یوسف النبهانى“ سے شائع ہو رہی ہے۔ ان کے علاوہ مشاہدی صاحب نے دو عربی رسالوں کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

مفتی محمد ناصر حسین مصباحی نے کئی اہم علمی وتحقیقی کام کیے ہیں، جن میں ایک تحقیقی مقالہ ”تعریف موجز لدار العلوم فیضان اشرف، باسنی“ ۱۰۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔ المجمع الاسلامی سے مطبوع ”زاد الاحباب فی مناقب الاصحاب“ [باب ثانی تا باب ثالث فصل ثالث] اور ”رياض الصالحين“ [مطبوعہ مجلس برکات] کی تحقیق وتخریج وتعلیق اور اصول الشاشی، مختصر القدوری اور نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر کی ترتیب جدید واضافۂ مشقی سوالات۔ ساتھ ہی اعلام وامکنہ کا تعارف، احادیث وآیات کی تخریج اور دیگر افادات کیے

ہیں۔ اسی طرح زاد الاحباب کے مولف ''شیخ احمد بن ملک گجراتی''، ریاض الصالحین کے مصنف ''امام یحییٰ بن شرف نووی''، المدیح النبوی کے مترجم ''مولانا نفیس احمد مصباحی''، شارح مختصر القدوری ''عبد الغنی بن طالب میدانی'' اور ''اللباب فی شرح الکتاب'' کا انتہائی عالمانہ و محققانہ تعارف تحریر کیا ہے۔ ان کا اکثر علمی کام ایک الگ نوعیت کا ہے جس میں مشقی سوالات سب سے اہم اور طلبہ و اساتذہ کے لیے انتہائی مفید ہیں۔ ان کا تحقیقی نقطہ نظر بے حد سلجھا ہوا اور حد درجہ گہرائی و گیرائی کا رنگ رکھتا ہے۔

مولانا ازہر الاسلام مصباحی ازہری چریاکوٹی نے ایک مختصر رسالہ ''أنواع اللام واستعمالاتها في اللغة العربية'' لکھا ہے، کئی اہم عربی مضامین بھی تحریر کیے۔ فی الحال وہ ''نزول الرحمة في اختلاف الائمة'' [از: علامہ محمد مکرم عباسی] کی تحقیق و تخریج کا کام کر رہے ہیں۔ مولانا عبد اللہ مصباحی ازہری نے درجن سے زائد علمی و ادبی مقالات عربی زبان میں تحریر کیے ہیں ان میں یہ ادبی مقالات قابل ذکر ہیں: (۱) النابغة الذبياني: حياته وشعره (۲) تدوين اللغة العربية ومصادرها (۳) مؤلفات اعجاز القرآن الى نهاية القرن الرابع الهجري (۴) كلمة عسى: أنواعها ودلالاتها (۵) مروان ابن أبي حفصة: دراسة موضوعية وفنية (۶) شعر النابغة الذبياني: دراسة وتحليل وموازنة۔ ان ادبی و تحقیقی مقالات میں سے ہر ایک سو سے ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے دو عربی مضامین: ''شذرات من حياة الشيخ عبد العزيز المرادآبادي وانجازاته'' اور ''كلمة ''أدب'' وتطورها الدلالي عبر العصور'' کے موضوع پر بھی ہیں۔

انھوں نے اردو سے عربی تراجم بھی کیے ہیں، جن میں ''الشيخ الأزهري أيام في سوريا'' قابل ذکر ہے۔ ساتھ ہی ''عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الامام أبي حنيفة'' جلد ثانی کی تحقیق و تعلیق میں بھی شریک رہے ہیں۔ ان کے علاوہ مجلس برکات سے مطبوع ''كافية النحو'' کے مصنف مولانا نفیس احمد مصباحی کا تعارف بڑی نفیس عربی میں

تحریر کیا ہے۔ فی الحال وہ "شرح البخاری" کے ایک عربی مخطوطے کی تحقیق میں مشغول ہیں۔ عربی ادب وانشا سے متعلق دیگر تدریسی مصروفیات ان کے سوا ہیں۔

مولانا حبیب اللہ مصباحی ازہری نے "معلقة زهير بن أبي سلمى" کی عربی شرح لکھی ہے۔ "قطوف دانية" کے نام سے علمی وفکری نثری تحریروں کا ایک مجموعہ شائع کرایا ہے، ساتھ ہی جامعہ اشرفیہ کے تعارف پر ایک مضمون "الجامعة الاشرفية وعلمائها: تاريخ وحقائق" تحریر کیا، جو ۲۰۱۲ء میں مستقل کتابچہ کی شکل میں منظر عام پر آیا۔ بعد میں حضرت صدر العلماء کی نظر ثانی کے بعد طلبہ درجۂ سابعہ کی جانب شائع ہونے والی "مناقب الامام الاعظم" کے اخیر میں شامل کیا گیا۔ ان کا ایک مضمون "لمحات من حياة الامام الغزالي" جامعہ ازہر، قاہرہ کے ہفت روزہ اخبار میں شامل اشاعت کیا گیا۔ ایک عربی مقالہ "أضواء على خدمات المفتي عبدالمنان رحمه الله" تجلیات رضا، بریلی کے بحر العلوم نمبر میں شائع کیا گیا۔ انھوں نے جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کے لیے مختلف موضوعات پر عربی محادثے بھی لکھے ہیں اور شعبۂ عربی ادب کے لیے کئی کتابوں کی تلخیص اور انتخابات بھی کیے ہیں۔

مولانا قاری محمد رضا قادری بھی عربی زبان وادب کا اچھا شعور رکھتے ہیں۔ تصوف پر ان کا ایک عربی رسالہ "التصوف يكافح الارهاب" طبع ہو چکا ہے۔ مزید کچھ مضامین بھی انھوں نے عربی میں تحریر کیے ہیں۔

مفتی محمد رئیس اختر مصباحی نے دیوان حماسہ کی عربی شرح لکھنا شروع کی ہے جو ان شاء اللہ بہت جلد مکمل ہو کر زینتِ نگاہ ہوگی۔ جامعہ اشرفیہ میں دو سالہ تحقیق فی الفقہ میں انھوں نے اپنا تحقیقی عربی مقالہ "نظرة على المدارس الاسلامية في شبه القارة الهندية" حضرت صدر العلماء دام ظلہ کی نگرانی میں لکھا ہے۔ مزید برآں اپنے والد ماجد مولانا نفیس احمد مصباحی کی کتاب "مصباح الانشاء" [اول، دوم، سوم] کے مشکل الفاظ کی عمدہ اور مفید وجامع فرہنگ بھی لکھی ہے جو اصل کتاب کے ساتھ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے شائع ہو چکی ہے۔ انھوں نے نصف درجن عربی کتب کے تراجم بھی کیے ہیں اور عربی ادب کی مشہور

کتاب ''ازہار العرب'' کا حاشیہ بھی لکھا ہے۔

جامعہ اشرفیہ میں تحقیق فی الادب کا شعبہ اگر چہ بہت بعد میں قائم ہوا، مگر عربی زبان وادب کی تحقیق اور عربی زبان میں کتب و مقالات کی تصنیف کا سلسلہ دورِ آغاز سے تا حال جاری ہے۔ جشن یوم رضا اور یوم مفتی اعظم کے تحریری و تقریری مسابقے میں بزبان عربی بھی مقالات لکھے جاتے ہیں اور تقاریر ہوتی ہیں۔ کچھ طلبہ دوران تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں عربی زبان وادب میں خصوصی کلاس لیتے ہیں اور عربی مضامین لکھ کر ان سے چیک کراتے ہیں۔ تحقیق کے شعبوں میں بھی ایک تحقیقی مقالہ تمام طلبہ کو لازماً لکھنا ہوتا ہے، جن میں کچھ مقالات عربی میں ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک خوش آئند سلسلہ ہے جو یہاں کے علمی وادبی ماحول اور تعلیمی ضرورت کے پیش نظر رواج پا رہا ہے۔

ان تفصیلات سے عیاں ہوتا ہے کہ جامعہ اشرفیہ نے اپنے دورِ اول سے عربی زبان وادب کے فروغ میں تاریخی رول ادا کیا ہے۔ یہ سلسلہ ہنوز ترقی پذیر ہے۔ طلبہ کے اندر عربی زبان وادب کا جذبہ پیدا کرنے اور انھیں خدمت زبان وادب کا شائق بنانے کی غرض سے اشرفیہ سے فارغ التحصیل تین ازہری مصباحی علما مولانا ازہر الاسلام ازہری، مولانا عبداللہ ازہری اور مولانا حبیب اللہ ازہری کا حضرت صدر العلماء کے دورِ صدارت میں باضابطہ تقرر ہوا، جو درس نظامی کے ساتھ تخصص کا شعبہ بھی دیکھتے ہیں اور ان کا جدید سائنٹفک طریقۂ درس بچوں میں مقبول ہے۔ فارغ وقت میں بھی طلبہ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

سالانہ جشن یوم رضا:

انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ کے زیر اہتمام طلبہ اشرفیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے ''سالانہ یوم رضا'' کا انعقاد ہونے لگا۔ یہ ادبی پروگرام ۲۵ رصفر کو منعقد ہوتا اور اس میں تقریری وتحریری مسابقہ بھی ہوتا۔ لیکن یہ کب شروع ہوا اس کی حتمی تاریخ وسنہ تک راقم الحروف کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ کی قدیم فائلوں میں انجمن اہل سنت واشرفیہ دار المطالعہ کے انتخابی اجلاس اور

سالانہ ''یوم رضا'' کے انعقاد کی خبروں کا سراغ ملتا ہے۔ جیسے دسمبر ۱۹۷۶ء میں یہ خبر چھپی:

''انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ فرزندان اشرفیہ کی ایک عظیم یادگار ہے۔ مادر علمی کی آغوش علم وفضل کے پروردہ وہ علما جو آج ہندو بیرون ہند کے بیدار مغز اور دانش ور طبقہ پر چھائے ہوئے ہیں اور تحریر وتقریر میں ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک ہیں وہ سب اسی کے فیض یافتہ ہیں۔ اور طلبہ کی تحریری سرگرمیوں نے سال گزشتہ اپنے جوش عمل کو ''المصباح میگزین'' کی شکل میں پیش کر کے انجمن کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ روز افزوں مائل بہ ترقی رہے گا۔''(۱)

اور مارچ ۱۹۷۷ء کے ماہ نامہ اشرفیہ میں یوم رضا کے انعقاد کا یہ خوش کن اعلان شائع ہوا ہے:

''۲۵ر صفر ۱۳۹۷ھ بعد نماز عشا یوم رضا کے موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبہ نے انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ کے زیر اہتمام ایک بزم مقابلہ کا اہتمام کیا ہے، مندرجہ ذیل پانچ [چار؟] عنوان کے تحت تحریری اور تقریری مقابلے میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو انعامات بھی دیے جائیں گے: (۱) کنز الایمان و دیگر اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ (۲) فاضل بریلوی اور عشق رسول (۳) فاضل بریلوی کا فقہی مقام (۴) فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری۔(۲)

دسمبر ۱۹۷۷ء کے شمارے میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

''حسب سابق امسال بھی طلبائے الجامعۃ الاشرفیہ کے حوصلوں کو بلند کرنے اور ان کی تقریری وتحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ۸ر نومبر ۱۹۷۷ء کو انجمن کا ایک انتخابی اجلاس ہوا

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، دسمبر ۱۹۷۶ء، ص: ۳۲

(۲) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، مارچ ۱۹۷۷ء، ص: ۳۶

جس میں ہر جماعت سے دو طلبہ کا انتخاب عمل میں آیا، نیز کمیٹی کے لیے حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔ سرپرست: حضرت مولانا علی احمد صاحب۔ صدر: حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب۔ نائب صدر: حضرت مولانا یٰسین اختر صاحب۔ ناظم اعلیٰ: مولوی مجاہد حسین صاحب۔ خازن: حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب۔ ناظم نشر واشاعت: محمد نصیر الدین، حیدرآبادی۔ نائب: حافظ محمد مصعب صاحب مونگیری۔ محاسب: مولوی قیس رضا صاحب۔"(۱)

انجمن کے ذمہ داران کا انتخاب ہر سال ایک متعینہ تاریخ کو ہوتا تھا۔ درج بالا خبر اس کا ثبوت ہے، اور بھی کئی شماروں میں انتخاب کی خبریں نظر نواز ہوئیں جن سے اس حقیقت کا اندازہ ہوا۔ یوم رضا کی سالانہ تقریبات بھی اسی شان سے منعقد ہوتی رہیں، جس میں تحریری وتقریری مسابقہ ضرور شامل رہتا اور اس جشن کی عظمت کو دوبالا کر دیتا۔

ماہ نامہ اشرفیہ اپریل ۱۹۷۹ء میں یوم رضا کے انعقاد اور تحریری وتقریری مسابقہ میں انعام یافتگان کے اسما دیے گئے ہیں۔ جولائی ۱۹۸۰ء میں یوم رضا کی تفصیلی خبر شائع ہوئی ہے اور شیخ الجامعہ مفتی عبد المنان اعظمی اور صدرِ جلسہ مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری کی تقریروں کا اقتباس بھی دیا گیا ہے۔ اہمیت کے پیش نظر وہ دونوں اقتباس یہاں درج کر دیتے ہیں۔ شیخ الجامعہ فرماتے ہیں:

"تحریر وتقریر کو باوقار وجامع بنانے کے لیے علمی بالیدگی کا ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے، علم کا ذخیرہ جس قدر موجود ہوگا، دونوں اصناف کی راہیں خود بخود ہموار ہوتی جائیں گی۔ حصول علم کی جانب خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ تحریر وتقریر کا ایک معیار بنایا جاسکے۔"

صدر جلسہ نے اپنے خطاب میں فرمایا:

"تعلیمی فرائض کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر کا ذوق بھی انتہائی

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، دسمبر ۱۹۷۷ء، ص: ۳۹-۴۰

قیمتی اور ضروری ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اسی تحریر کی بنیاد پر صدی کے مجدد تسلیم کیے گئے، مگر اس فن میں جامعیت اسی وقت پیدا کی جاسکتی ہے جب حصول علم کی جانب پورا پورا رجحان رکھا جائے اور تعلیمی انہماک کو غیر معمولی بنایا جائے۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ میں تحریر وتقریر کا ذوق باقاعدہ پایا جاتا ہے اور ہمیشہ سے پایا جاتا ہے، تمام طالب علموں کو اس طرح زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔"(۱)

اسی طرح ماہ نامہ اشرفیہ فروری ۱۹۸۱ء میں جشن یوم رضا کی تفصیلی خبر موجود ہے جس کی صدارت قاری محمد یحییٰ مبارک پوری نے فرمائی اور فیصل مولانا عبدالشکور مصباحی اور مولانا یٰسین اختر مصباحی رہے جب کہ نائب فیصل کی حیثیت سے مولانا محمد نصیر الدین عزیزی شریک بزم رہے۔ صدر بزم نے صدارتی خطاب بھی فرمایا۔

۲۴ رصفر ۱۴۰۸ھ کو جشن یوم رضا حضرت سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی سرپرستی اور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اور مقابلہ جاتی پروگرام میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر سات تحریری عناوین اور چھ تقریری عناوین منتخب تھے۔ دونوں مسابقے میں اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے طلبہ کو خصوصی انعام دیا گیا۔ اور ہزاروں حاضرین کی موجودگی میں سرپرست اجلاس اور صدر محفل نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس کی رپورٹ ماہ نامہ اشرفیہ، دسمبر ۱۹۸۷ء میں اشرفی دار المطالعہ کے جنرل سکریٹری مولانا محمد نوشاد عالم خاں غازی پوری کی طرف سے شائع ہوئی۔

۲۴ رصفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۶ راکتوبر ۱۹۸۸ء کو منعقد ہونے والے یوم رضا کی تقریب اور تحریری وتقریری مسابقہ کی تفصیلی خبر استاذ گرامی مولانا محمد اختر کمال قادری

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۸۰ء، ص: ۳۹، ۴۰

گھوسوی کے قلم سے ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ نومبر ۱۹۸۸ء کی زینت ہے۔ اس جشن میں مقالات کے حکم شیخ الادب علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے مقالات پر اپنا گراں قدر تاثر پیش فرمایا اور مضمون نگاروں کی طرز تحریر پر امید افزا خیال ظاہر کیا، ساتھ ہی جملہ طلبہ کو تحریری مشق کی تاکید بھی فرمائی۔ اخیر میں صدر اجلاس حضرت سربراہِ اعلیٰ دام ظلہ العالی کے ہاتھوں انعام تقسیم کیا گیا۔ آپ نے اپنے خطاب میں مختلف زبانوں کی تحریر وتقریر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی تاکید کی اور ان میں جذبۂ مسابقت بیدار کیا۔

جشن یوم مفتی اعظم ہند:

''جشن یوم رضا'' یوں ہی منایا جاتا رہا اور جامعہ اشرفیہ میں تحریری وتقریری سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں۔ یہ جشن جملہ طلبۂ اشرفیہ کی جانب سے منعقد ہوتا تھا۔ بعد میں درجۂ سابعہ کی جانب سے ''جشن یوم مفتی اعظم ہند'' بھی منعقد ہونے لگا۔ ایک یا دو سال دونوں پروگرام ہوتا رہا، ۱۹۸۹ء تک یوم رضا کے انعقاد کی اطلاع ہے۔ پھر یوم رضا ششماہی امتحان سے قریب ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا اور جشن یوم مفتی اعظم ہند ۱۹۸۸ء سے آج تک جاری ہے۔

ماہ نامہ اشرفیہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں محمد انیس سلطان پوری متعلم جامعہ اشرفیہ کی جانب سے اس جشن کی یہ خبر شائع ہوئی:

> ''الجامعۃ الاشرفیہ کی ایک حسین شام۔'' مبارک پور بتاریخ ۱۴/ محرم الحرام مطابق ۲۸/ اگست ۱۹۸۸ء ''یوم مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ'' زیر صدارت شیخ طریقت شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت علامہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ وزیر نظامت مولانا خورشید الاسلام صاحب منعقد ہوا۔ اساتذہ واراکین کی موجودگی میں ایک ہزار طلبہ کے درمیان مختلف زبانوں میں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت کے مختلف گوشوں کا اجاگر کرتے

ہوئے تقابلی تقریر و مقالہ نگاری کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کیا گیا۔‘‘(۱)

یہ یوم مفتی اعظم ہند کا نقش اول تھا، بعد میں اس جشن کی تابانی میں اضافہ ہوتا گیا اور آج یہ جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کا سب سے بڑا علمی وادبی پروگرام ہوتا ہے جو تحریری و تقریری مسابقے کے لیے ملک گیر شہرت رکھتا ہے۔ واقعی جامعہ اشرفیہ کی یہ حسین شام اور جمال بھری شب ایک یادگار لگتی ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ کی فائلوں میں ایسے کئی مضامین نگاہ سے گزرے جو یوم رضا اور یوم مفتی اعظم ہند کے تحریری مسابقہ میں انعام کے مستحق قرار دیے گئے تھے۔ لیکن راقم کے علم میں اب تک صرف ایک مجموعۂ مضامین شائع کیا گیا جو جشن یوم مفتی اعظم ۱۴۱۲ھ میں طلبۂ اشرفیہ نے تحریری مقابلے کے لیے لکھے تھے اور معیاری ہونے کی وجہ سے انھیں کتابی شکل دی گئی تھی۔ یہ کام صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ نے انجام دیا تھا اور ’’انوار مفتی اعظم‘‘ کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی جس میں کل چودہ مضامین شامل ہیں؛ آٹھ مضامین طلبۂ اشرفیہ کے ہیں۔ ایک بہت ہی اہم مضمون شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا ہے۔ دو مضمون خود مصباحی صاحب کے ہیں، ایک مضمون مولانا عبدالحق رضوی کا ہے، یہ چاروں مضامین ممبئی میں مفتی اعظم ہند کے جشن صد سالہ کے موقع پر ہونے والے سیمینار میں پیش ہوئے تھے۔ آخر میں شیخ جمال مناع کی ایک عربی تقریر اور مولانا عارف اللہ فیضی کے قلم سے اس کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ ابتدا میں مولانا مبارک حسین مصباحی کا ایک مضمون ہے جو مفتی اعظم ہند اور جامعہ اشرفیہ کے ربط و تعلق کا احاطہ کرتا ہے۔

تین سو چار صفحات پر مشتمل یہ کتاب الحاج محمد سعید نوری نے رضا اکیڈمی ممبئی سے ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع کی، جس کی تقدیم بھی مرتب کے قلم سے کسی یادگار سے کم نہیں۔ اسی تحریر میں ’’یوم رضا‘‘ اور ’’یوم مفتی اعظم ہند‘‘ کے عینی مشاہد اور سالار کارواں [محررہ: ۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء] لکھتے ہیں:

’’دار العلوم اشرفیہ کے طلبہ نے یوم رضا کی تقریب کو زیادہ

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص: ۴۲، ۴۳

کارآمد اور مفید بنانے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ اس موقع پر تقریری وتحریری مقابلے بھی رکھ دیے۔ جس کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت سے متعلق مختلف عنوانات کا اعلان ہو جاتا ہے اور ہر عنوان پر طلبہ کو کافی مطالعہ کرنا پڑتا ہے جس سے ان کے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فضل وکمال سے آشنائی بھی۔ محنت ومطالعہ کے بعد مقالے تیار کرتے ہیں۔ ان مقالوں پر نمبر دیے جاتے ہیں اور انعامات بھی تقسیم ہوتے ہیں، جس سے دوسرے تمام طلبہ میں بھی علمی وتحریری شوق بیدار ہوتا ہے اور وہ بھی کچھ کرنے کے لیے سوچتے ہیں۔ یہی حال تقریروں کا بھی ہے۔ پانچ سال سے ان طلبہ نے ۱۴؍محرم کی شب میں یوم مفتی اعظم کا اہتمام بھی شروع کیا اور مفتی اعظم کی شخصیت کے مطالعہ اور ان کی حیات وخدمات پر مقالہ وتقریر کی تیاری کا سلسلہ بھی چل پڑا۔‘‘(۱)

ان مسابقوں کا سب سے بڑا فائدہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کی حیات وافکار کا مطالعہ، اپنی علمی صلاحیت اور تحریری وتقریری مشق ومہارت میں زبردست اضافہ کرنا ہے۔ یہ گویا ایک علمی وتربیتی پروگرام ہے جو اساتذۂ اشرفیہ کی نگرانی میں ارتقا پذیر ہے۔ اور اب کئی سالوں سے اس میں ایک خاص علمی وتاریخی موضوع پر ملک کی کسی اہم علمی شخصیت کا توسیعی خطاب بھی شامل ہو گیا ہے جو طلبہ کی ذہن سازی اور علمی واخلاقی تربیت کے لیے کافی متاثر کن ہوتا ہے۔

۱۹۸۸ء سے جاری ’’یوم مفتی اعظم ہند‘‘ اپنی نوعیت کا بالکل منفرد سالانہ پروگرام ہوتا ہے اور اس کے انتظام وانصرام کا بار درجہ سابعہ کے طلبہ اٹھاتے ہیں۔ ادھر چند سالوں سے اسی موقع پر وہ کوئی اہم کتاب بھی طبع کراتے ہیں، یہ اکثر نادر ونایاب کتابیں ہوتی ہیں، جو علمی، سوانحی، فنی، تاریخی، فقہی موضوعات پر مبنی ہوتی ہیں اور اپنی ندرت وجامعیت کی بنا پر

(۱) تقدیم، انوار مفتی اعظم، مرتبہ مولانا محمد احمد مصباحی، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۲ء، ص:۶

اشاعتِ جدید کی منتظر ہوتی ہیں۔

مثلاً ۲۰۱۱ء میں قاضی فضل احمد لدھیانوی کی کتاب ''انوارِ آفتابِ صداقت'' جدید ترتیب اور تخریج وتعلیق کے ساتھ طبع ہوئی۔ ۲۰۱۲ء میں مولانا سید شاہ احمد علی بٹالوی کی کتاب ''نصر المقلدین'' شائع ہوئی۔ ۲۰۱۳ء میں جماعت سابعہ کی جانب سے امام احمد رضا قادری کے چھ رسائل کا مجموعہ ''مخالفین تقلید کا ایک جائزہ'' اور جماعت فضیلت کی جانب سے مولانا وکیل احمد سکندر پوری کی کتاب ''نصرۃ المجتهدین'' شائع ہوئی۔ ۲۰۱۴ء میں مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری کی کتاب ''انتصار الحق فی اکساد اباطیل معیار الحق'' شائع ہوئی۔ ۲۰۱۵ء میں ''مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة رضی اللہ عنہ'' [صفحات: ۱۰۸۰] جدید تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ ۲۰۱۶ء میں ''جامع مسانید الامام الاعظم'' دو جلدوں میں طبع ہوئی۔ ۲۰۱۷ء میں ''مجموعة خمسة کتب فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' جدید تحقیق وتعلیق کے ساتھ طبع ہوئی۔ اسی سال شیخ زاہد بن حسن کوثری کی کتاب ''تانیب الخطیب'' اور ''عقود الجواهر المنیفة'' بھی منظر عام پر آئی۔ ۲۰۱۸ء میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ سے شائع ہونے والی کتاب ''جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے'' [مرتبہ: مفتی محمد نظام الدین رضوی۔ تین جلدیں] میں جماعت سابعہ کے طلبہ نے دو تہائی مالی تعاون دیا۔ اور ۲۰۱۹ء میں امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب ''میزان الشریعة الکبریٰ'' کا جدید ایڈیشن انٹرنیشنل سائز میں دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ مجلد شائع کیا ہے۔

اس سے قبل ۲۰۰۴ء میں درجہ فضیلت کے باذوق طلبہ نے مفتی نقی علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''محفل میلاد وقیام تعظیمی'' شائع کی، ساتھ ہی اپنے تحریر کردہ مقالات کا مجموعہ ''دینی دعوت: اصول اور تقاضے'' کے نام سے ۲۸۸ صفحات میں شائع کرایا۔ ۲۰۰۴ء ہی میں درجہ سادسہ کے طلبہ نے مولانا حشمت علی لکھنوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''الصوارم الہندیہ'' چھپوائی اور اسے تقسیم کیا۔

طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی تنظیم ''پیغام اسلام'' [سنۂ قیام: ۲۰۰۲ء اور سال نامہ ''باغ فردوس''

کا اجرا: ۲۰۱۶ء] کی جانب سے اب تک چار تاریخی نمبر شائع ہو چکے ہیں: (۱) مجددین اسلام نمبر [۲۰۱۶ء] (۲) مجتہدین اسلام، جلد اول [۲۰۱۷ء] (۳) مجتہدین اسلام، جلد دوم [۲۰۱۸ء] (۴) فروغ رضویات میں فرزندانِ اشرفیہ کی خدمات [۲۰۱۹ء]۔

یہ سلسلۂ علم وتحقیق ترقی پذیر ہے اور باہمی امداد سے کتابوں کی طباعت واشاعت جاری ہے۔

''انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ'' جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں طلبہ تنظیم کی خشتِ اول ہے اور آج ہاسٹل میں دو درجن سے زائد طلبہ تنظیمیں قائم ہو چکی ہیں جن کی اپنی لائبریری ہے اور اس کے زیر اہتمام باقاعدہ ہفتہ واری بزمیں ہوتی ہیں۔ درجنوں جداریے اور تحریری وتقریری مسابقہ اس پر مستزاد ہے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی [مدیر ماہ نامہ اشرفیہ] لکھتے ہیں:

''ایک عالم دین کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کے لیے مختصر مدت کا ایک محدود نصاب ناکافی ہے۔ البتہ یہ نصاب اتنی استعداد ضرور پیدا کر سکتا ہے جس کے بعد آدمی مطالعہ وجستجو کے ذریعہ اگلے مسائل کو حل کرنے اور ہمت وحوصلہ اور حکمت وتدبیر کے ذریعہ حالات کا مقابلہ کر سکے۔ اس لیے دوران تعلیم سے ہی [جامعہ اشرفیہ میں] مطالعہ اور توسیع معلومات کی ترغیب دی جاتی ہے۔ عربی، اردو، انگریزی، فارسی مضمون نگاری کی صلاحیت بڑھانے کے لیے سال میں کئی تحریری مقابلے ہوتے ہیں جن میں طلبہ ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں۔ بلکہ اکثر ان کا اہتمام خود طلبہ ہی کرتے ہیں۔ اسی تقریر وخطابت کے ہفتہ وار مشقی جلسے بھی خود طلبہ منعقد کرتے ہیں، تاکہ تقریر اور تحریر دونوں میدان کے لیے ان کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں اور آگے چل کر زبان وقلم دونوں ذریعے سے وہ دین ودانش کی خدمت انجام دے سکیں۔ عربی صحافت کی مشق کے لیے وال میگزین کا بھی سلسلہ جاری ہے۔''(۱)

تحریک اشرفیہ نے پوری علمی دنیا سے خراج تحسین وصول کیا ہے اور فرزندانِ اشرفیہ

---

(۱) مختصر تعارف الجامعۃ الاشرفیہ، طبع مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳

نے پوری اسلامی دنیا میں جامعہ کے معیار تعلیم کی عظمت کا پھریرا لہرایا ہے۔ یہ سب اس مرد حق آگاہ (حافظ ملت علیہ الرحمہ) کی بے مثل قربانیوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے۔

ڈاکٹر شفیق اجمل قادری تحریر کرتے ہیں:

''الجامعۃ الاشرفیہ نے گوناگوں صلاحیتیوں سے لیس ہزاروں باکمال مردانِ کار کو تیار کر کے اور انھیں اہل سنت وجماعت کے افکار ونظریات سے آراستہ کر کے ملک وبیرون کے علمی اور تبلیغی محاذوں پر روانہ کیا۔ جو جہاں پہنچا قائد ورہنما ثابت ہوا۔ تحقیق، تصنیف، دعوت وتبلیغ، تحریک وتنظیم، مناظرہ وخطابت، رشد وہدایت اور سیاست وصحافت، ہر محاذ پر فکر وعمل کی مکمل توانائیوں کے ساتھ فارغین اشرفیہ میدان عمل میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر اسلام کے خلاف اٹھتے ہوئے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلسل پیش قدمی کر رہے ہیں۔''(۱)

یہ دعویٰ بے دلیل ہرگز نہیں، اس کے شواہد جامعہ اشرفیہ کے در ودیوار کے ساتھ پوری اسلامی دنیا میں بکھرے ہوئے وہ کار آزمودہ سپاہی ہیں جو مختلف دبستان علم وادب میں اسلام کی بھر پور نمائندگی کر رہے ہیں اور گلستانِ سخن لالہ زار نظر آرہا ہے۔

کار آزمودہ فرزندانِ اشرفیہ:

جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ وطلبہ کی مخلصانہ جدوجہد اور ان کی تحریری واشاعتی سرگرمیوں کی وجہ سے صرف دار العلوم اشرفیہ ہی میں نہیں، بلکہ جماعت اہل سنت میں علمی ماحول سازگار ہوا اور صغیر وکبیر میں علمی وقلمی ذوق بیدار ہوا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ماحول ہماری جماعت میں اس سے قبل موجود نہیں تھا، لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ جس نظم وانداز سے یہ ماحول اس کیمپس سے آگے بڑھا ہے وہ بے مثال اور تاریخی ہے۔

---

(۱) بیسویں صدی میں علمائے اہل سنت کی علمی وادبی خدمات، القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ، دسمبر ۲۰۱۵ء، ص: ۵۳۴

مولانا بدر القادری مصباحی لکھتے ہیں:

''حضور حافظ ملت نے اپنی نگارشات کا کوئی بڑا ذخیرہ نہیں چھوڑا، مگر آپ نے تصانیف، تقاریظ، مکاتیب اور نقول معائنہ کی شکل میں جو تحریری سرمایہ عطا کیا وہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے بڑی گراں قدری کا حامل ہے۔آپ نے جب بھی تصنیف وتالیف کے لیے قلم اٹھایا، علم وادب کے اعلیٰ معیار کے مطابق لکھا اور صفحات قرطاس پر اپنے قلم حق رقم سے حسب موقع علم وفضل وادب کے لعل وگہر تو لٹائے ہیں، البتہ قرطاس وقلم کی پرورش کا جو فریضہ انجام دیا اسے دیکھنا ہے تو ہندوسندھ سے لے کر یورپ وامریکہ وافریقہ میں پھیلے ہوئے فرزندانِ اشرفیہ کے علمی وقلمی کاموں کو دیکھ لیجیے۔ کہاں کہاں ان چراغوں [مصباحی افاضل] سے روشنی نہیں ہے؟ کیسے کیسے علم وفن وادب کے رمز شناس، کیسے کیسے ادیب ومصنف وشاعر ونقاد۔ میدانِ درس وتدریس کے کیسے کیسے نامور شہ سوار اور کشور تبلیغ وخطابت کے کیسے کیسے کج کلاہ اور تاجدار پائے جاتے ہیں۔''(۱)

جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ ادب اور ممتاز مورخ ومصنف مولانا یٰسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

''اشرفیہ کے ماحول میں دینی وعلمی پرورش پانے والے طلبہ ابتدا ہی سے انفرادی واجتماعی طور پر قومی وملی احساس وشعور سے لبریز ہوتے ہیں۔ جماعت کے ٹھوس اور مستحکم اور دیرپا مفادات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر واشاعت کی جانب انھوں نے ہمیشہ توجہ کی اور اشرفیہ نے ایسے اصحاب قلم پیدا کیے جن کے قلم کی عظمت کا

---

(۱) حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۳۰، ۴۳۱

لوہا اپنے، بیگانے بھی مانتے ہیں۔ اہل حق فرزندان اشرفیہ کی تحریریں پڑھ کر جھوم اٹھتے ہیں۔ ان کے چہرے کھل اٹھتے ہیں اور اہل باطل فرزندان اشرفیہ کے صریر خامہ کی ہیبت سے لرز اٹھتے ہیں۔ شارح بخاری، فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی مصباحی [متوفی: ۶/صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱/مئی ۲۰۰۰ء] اور رئیس التحریر علامہ ارشد القادری مصباحی، مفتی عبدالمنان اعظمی، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری جیسے چند نام بطور مثال پیش کر دینا کافی ہے۔ اس فہرست کے اخیر میں راقم سطور یٰسین اختر مصباحی کا نام بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد صابر نسیم بستوی جیسے اصحابِ قلم بھی اشرفیہ کے پروردہ اور حافظ ملت کے تلامذہ میں ہیں۔"(۱)

فرزندانِ اشرفیہ میں مذکورہ ناموں کے علاوہ مولانا سید اظہار اشرف کچھوچھوی، مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری، مفتی سید مدنی اشرفی کچھوچھوی، مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی، مولانا بدر الدین احمد قادری، مولانا غلام ربانی فائق اعظمی، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی، مولانا ممتاز احمد اشرف القادری، مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی، ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، ڈاکٹر شکیل اعظمی، مولانا اسلم بستوی، مولانا وارث جمال قادری، مولانا محمد خلیل گوہر مبارک پوری، مولانا قمر الحسن بستوی، مفتی محمد نظام الدین رضوی، ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہسرامی، مولانا فروغ احمد اعظمی، ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی اور تقریباً اکثر اساتذۂ اشرفیہ کے اسما پیش کیے جا سکتے ہیں، جنھیں تحقیق وادب سے نہ صرف شغف تام حاصل ہے بلکہ کئی سو کی تعداد میں ان کی مہتم

(۱) الجامعۃ الاشرفیہ، ایک مختصر اور جامع تعارف، طبع اشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۰ء، ص: ۵۸، ۵۹

بالشان تصانیف گواہ بھی ہیں۔

ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اول [صفر ۱۳۹۶ھ مطابق فروری ۱۹۷۶ء] کے قلم کاروں میں مدیر مولانا بدر القادری مصباحی، حافظ ملت علیہ الرحمہ، مولانا محمد شفیع اعظمی، مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا افتخار احمد قادری، ڈاکٹر سید شمیم گوہر الٰہ آبادی، مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا محمد زیارت حسین مصباحی جیسے اصحاب علم وادب شامل ہیں۔ یہ وہ ٹیم ہے جس نے جامعہ اشرفیہ کے ماحول سے علم وادب کشید کیا اور اپنے اندر تحریر وقلم کا ذوق بیدا کیا۔

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی جو جامعہ اشرفیہ کے علمی وادبی ماحول کے مشاہد ہیں جام نور، دہلی کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں لکھتے ہیں:

> ''میری طالب علمی کے دوران جامعہ اشرفیہ کا علمی وادبی ماحول بڑا ہی معیاری اور دل چسپ تھا، درسیات کے علاوہ طلبہ کو شعروادب سے بھی کافی دل چسپی تھی، مشقی جلسوں کے علاوہ بزم شعروسخن کا بھی انعقاد ہوا کرتا تھا، جس میں اپنے طرحی وغیر طرحی کلام کے ساتھ طلبہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے، لفظوں کی صحت اور تذکروتانیث کی تحقیق ہوتی تھی، ان کے غلط استعمال پر سخت گرفت ہوتی تھی۔ کسی لفظ کی صحت وعدم صحت میں اختلاف ہونے پر مستند مشاہیر علم وادب سے رجوع کیا جاتا تھا۔''(۱)

جماعت اہل سنت میں تاریخی وادبی شعور کی بازیافت کا سہرا بھی جامعہ اشرفیہ کے سر سجتا ہے۔ اس سلسلے میں ممتاز ادیب ومصنف ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی [بریلی شریف] رقم طراز ہیں:

''آج ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد ملک میں اہل سنت وجماعت کے اندر تاریخ وادب کا مذاق اور علمی ودینی تعلیم وتحقیق کی ایک نئی روایت اشرفیہ نے قائم

(۱) ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ مارچ ۲۰۰۷ء، ص: ۳۷

کی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مسلک حق، مسلک اہل سنت کی نشر واشاعت میں تیزی اور گرمی اشرفیہ نے پیدا کی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے کتب ورسائل کی طباعت واشاعت نیز انھیں ترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر لانے کا کام اشرفیہ نے انجام دیا۔ ۱۴ ردیں صدی ہجری کے مجدد فاضل بریلوی امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی، تبلیغی اور علمی کارناموں کو اجاگر کرنے اور ان کے علمی کارناموں پر تصنیفی، تحقیقی اور اشاعتی کام کرنے کی پہل اشرفیہ نے کی۔ دینی تعلیم کو فروغ اشرفیہ نے دیا۔ طلبۂ اسلام وعلماے دین کو جدید تعلیم یافتہ پروفیسروں اور اسٹوڈینس کے سامنے ایک نئی جرأت واحساس اور وقار وطمانیت کے ساتھ اشرفیہ نے لاکھڑا کیا۔ مغربیت کے سامنے مشرقیت کو سرخرو اشرفیہ نے کیا۔ قدیم وجدید کو اسلامی دائرۂ کار میں شیر وشکر اشرفیہ نے کیا۔ مسلمانوں کے جمود میں رخنے اشرفیہ نے پیدا کیے اور انھیں جہد وعمل کی راہ اشرفیہ نے دکھائی۔''(۱)

دارالعلوم اشرفیہ کے کارپردازوں نے دورِ آغاز سے جو تعلیمی وتربیتی اہداف متعین کیے تھے، اساتذہ وطالبان علوم نبوت اور خود ارکانِ ادارہ کی کاوشوں نے نہ صرف وہ نشانے پار کرلیے بلکہ علم وتحقیق کے کئی ایسے مریخ پر بھی کمندیں ڈال دیں جو خیال وگماں سے دور تھے۔ قدیم وجدید کا نفیس امتزاج اور اصالت وعصریت کا خوب صورت سنگم یہاں نظر آتا ہے، جو بانی ادارہ کی دور بینی اور کمال فطانت کی روشن دلیل ہے اور ان کے بعد جانشین حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور جامعہ کے نظما وارکان ومشیران کی انتھک کوششوں کا ثمرہ بھی۔ اب ہر آن ایک خواب ہے اور سال بہ سال اس کی روشن تعبیریں۔

فرزندانِ اشرفیہ نے علم وتحقیق، تدریس وافتا، امامت وخطابت اور صحافت ونظامت کے ساتھ ملک گیر سطح پر منعقد ہونے والے سول سروس اور دیگر امتحانوں میں شرکت وکامیابی کے ذریعہ وہ فسوں توڑ ڈالا ہے کہ مدارس میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ صلاحیتیں نہیں

(۱) حافظ ملت: افکار اور کارنامے، ادارہ تحقیقات حافظ ملت، اشرفیہ، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۱، ۱۷

پیدا ہوتیں یا انھیں راہ نہیں دکھائی جاتی یا ان خفتہ لیاقتوں کو قبل از وقت موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ اس الزام میں نہ کل سچائی تھی نہ آج ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کی تکمیل تھا۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ میں نے اشرفیہ کو خون جگر پلایا ہے۔ وہی خون جگر پی کر آج علم وتحقیق کا یہ حسین شجر اتنا سایہ دار ہو چکا ہے کہ پوری دنیاے علم ودانش اس کی چھاؤں میں ہے اور اس ایک درخت کی اتنی قلمیں تیار ہو چکی ہیں کہ اب تقریباً ہر دبستان علم اس سے شرف نسبت رکھتا ہے اور اپنے شجر سے پیوستہ رہنا باعث فخر جانتا ہے۔

ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہسرامی لکھتے ہیں:

''اس کارنامے کی عظمت، تقدس اور ہمہ گیری کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ آج علمی ودینی ماحول کی جو رونق اہالیان ہندوستان کے اندر پائی جاتی ہے وہ سب آپ کے اسی گلستان فکر وفن کی بہاریں ہیں اور اسی سرچشمۂ کرم کے اثرات۔ یہی سبب ہے کہ آج پورے برصغیر کی دینی امنگوں اور علمی آرزوؤں کا مرکز اسی کارخانۂ علم وہنر کی فلک بوس عمارتیں اور اس کے تربیت یافتہ افرادِ امت ہیں۔''[1]

دار العلوم اشرفیہ کے تنظیمی اثرات:

کوئی بھی تحریک منظم لائحۂ عمل اور اعلیٰ سوچ کے بغیر کامیاب نہیں ہوتی اور کسی بھی تنظیم کو ترقی یافتہ بنانے میں افراد وارکان کا مخلص ہونا بے حد ضروری ہے۔ ساتھ ہی ان کا تنظیمی مزاج کا حامل ہونا بھی لابدی ہے ورنہ کوئی مشن ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اشرفیہ کے علمی وادبی ماحول میں اس حقیقت پسندانہ مزاج کی کافی گنجائش باقی رکھی گئی تھی اور مشاہداتی طور پر یہ فکر شباب کا مزہ لوٹ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر فرزندانِ اشرفیہ نے ملک وبیرون ملک متعدد تحقیقی وطباعتی اداروں کی بنیاد ڈالی اور اس تحریک کو فروغ دیا۔ ان

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص: ۱۵

اداروں میں حق اکیڈمی، مبارک پور[قائم کردہ: ۱۹۷۰ء، بانی: مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری]، المجمع الاسلامی، مبارک پور[قائم کردہ: ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء، بانی ارکان: مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا بدر القادری اور مولانا افتخار احمد قادری]، دائرۃ البرکات، قصبہ گھوسی[قائم کردہ: ۱۹۸۴ء، بانی: مفتی محمد شریف الحق امجدی]، دائرۃ المعارف الامجدیہ، گھوسی[قائم کردہ: ۱۹۷۷ء، بانیان: مفتی عبدالمنان کلیمی مصباحی، مولانا علاء المصطفیٰ قادری]، المجمع المصباحی، مبارک پور[قائم کردہ: ۱۹۹۰ء، بانیان: مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی]، افکار حق، بائسی، پورنیہ[قائم کردہ: ۱۹۸۸ء، بانی: مولانا غلام جابر شمس مصباحی]، المجمع العلمی، ہزاری باغ، جھارکھنڈ[قائم کردہ: ۱۹۸۶ء، بانی: مولانا طیب علی رضا مصباحی و رفقا]، دار القلم، دہلی[بانی مولانا یٰسین اختر مصباحی] اور امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف[قائم کردہ: ۲۰۰۱ء، بانی مولانا محمد حنیف خان رضوی] قابل ذکر ہیں۔

یہ محض نام کے ادارے نہ تھے بلکہ ان کی طباعتی واشاعتی سرگرمیاں دیکھ کر لگتا ہے کہ ہر ادارہ اکیڈمک زندگی جی رہا ہے۔ ان اداروں کی علمی و تحقیقی مطبوعات ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن کی افادیت ناقابل انکار ہے۔

اسی طرح دعوت و تبلیغ کی عالمی تحریک ''دعوت اسلامی'' [کراچی] اور ورلڈ اسلامک مشن [لندن] کے بنیاد گزار اور دستور ساز حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ارشد تلمیذ رئیس القلم علامہ ارشد القادری ہیں۔ یوں ہی سنی دعوت اسلامی، بمبئی کے بنیاد گزاروں میں بھی ان کی شمولیت ہے جیسا کہ اس کے دستور العمل[مرتبہ: ستمبر ۱۹۹۵ء] میں موجود رئیس القلم کے دستخط سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہاں کے فارغین نے ملک و بیرون ملک برطانیہ، ہالینڈ، افریقہ، نیپال، امریکہ وغیرہ ممالک میں دینی و تعلیمی ادارے اور اسلامک سینٹر قائم کیے، ان میں دار الافتاء اور دار القضاء بھی ہیں اور تحقیق و تربیت گاہ بھی۔ ایک طویل عرصہ سے برطانیہ میں

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، مولانا ممتاز احمد اشرف القادری، مولانا محمد اقبال پٹیل مصباحی، مولانا نظام الدین پٹیل مصباحی، مولانا قاری محمد اسماعیل مصباحی- ہالینڈ میں مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا محمد محفوظ مصباحی- امریکہ میں مفتی احمد القادری مصباحی، مولانا عبدالرب مصباحی- افریقہ میں مولانا افتخار احمد قادری، مولانا فتح احمد بستوی مصباحی، مولانا سید علیم الدین اعظمی مصباحی وغیرہم خدمت دین وعلم میں مشغول ہیں۔ کئی نوجوان علما ومفتیان کرام بھی دیار غیر میں باقاعدہ تدریس وامامت وخطابت کا فریضہ نبھا رہے ہیں۔ کئی اہم فرزندانِ اشرفیہ ان ممالک میں مساجد ودینی مراکز کی بنیاد رکھ کرانھیں پروان چڑھانے میں کوشاں ہیں۔ فی الوقت امریکہ کے چیف قاضی مفتی قمر الحسن بستوی مصباحی اور ہالینڈ کے چیف قاضی مفتی شفیق الرحمن عزیزی جامعہ اشرفیہ کے ممتاز فرزند ہیں۔

طلبہ اشرفیہ کی اشاعتی سرگرمیاں:

فتاویٰ رضویہ کے ساتھ رسائل امام احمد رضا کی تحقیق وترجمہ وتعلیق کا گراں قدر کام اوران کی طباعت واشاعت کے اہتمام کا سلسلہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ طلبہ جامعہ کے اندر بھی امام احمد رضا قادری کے رسائل اور فتاویٰ کی اشاعت کا جذبہ اسی دور کی پیداوار ہے۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی لکھتے ہیں:

"فارغین اشرفیہ کی دینی خدمات، درس وتدریس اور ان کی تصنیف وتالیف کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو شاید کئی سو صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ ہم یہاں پر صرف ان طلبۂ اشرفیہ کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے اپنے دورانِ تعلیم ہی میں نشرواشاعت میں دل چسپی لینا شروع کی اور ۱۹۷۵ء سے برابر دل چسپی لیتے آرہے ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ان فتوؤں کو شائع کرنا اپنے اشاعتی جذبے کا بنیادی مقصد بنایا جن کے نسخے یا تو نایاب ہوتے جا رہے تھے یا ان کی دوبارہ اشاعت کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ چناں چہ اسی جذبے کے تحت تمام طلبہ نے اپنی اپنی جماعتی سطح پر باہم مالی اشتراک سے اس مبارک سلسلے کا آغاز کیا۔

اس تحریک کے اولین محرک فاضل اشرفیہ مولانا سید اصغر امام صاحب فاضل معقولات ہیں۔ طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ کی جانب سے سب سے پہلے اپنی ہی ادارت میں ''المصباح'' [میگزین] کی تیاری شروع کی، ایک سو چوالیس صفحات کی اس میگزین کی تیاری میں چوں کہ وقت درکار تھا، اس لیے ابھی اس کی اشاعت ہونے بھی نہ پائی تھی کہ مولوی محمود اختر القادری کی نگرانی میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تین رسائل پہلے ہی منظر عام پر لے آئے گئے۔ ۱۹۷۶ء میں المصباح میگزین شائع ہوئی جس کے ایڈیٹر مولانا سید اصغر امام بنائے گئے۔''[۱]

اس کے بعد انھوں نے مارچ ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۸۰ء تک شائع ہونے والے رسائل رضویہ کی یہ فہرست دی ہے:

(۱) الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الأرحام [مارچ ۱۹۷۶ء]

(۲) منبہ المنیہ فی وصول الحبیب الی العرش والرویۃ [جولائی ۱۹۷۶ء]

(۳) بدر الانوار فی آداب الآثار [جولائی ۱۹۷۶ء]

(۴) النور والضیاء فی احکام بعض الأسماء [جنوری ۱۹۷۷ء]

(۵) ابر المقال فی حکم قبلۃ الاجلال [جنوری ۱۹۷۸ء]

(۶) التقدیر بباب التحبیر [اپریل ۱۹۸۰ء]

(۷) صلات الصفا فی نور المصطفیٰ [مارچ ۱۹۷۶ء]

(۸) سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید [اکتوبر ۱۹۷۶ء]

(۹) خیر الآمال فی حکم الکسب والسؤال [جون ۱۹۷۶ء]

(۱۰) صفائح اللجین فی کون التصافح بالیدین [مارچ ۱۹۷۶ء]

(۱۱) شمع مزار [جنوری ۱۹۸۰ء] (۱۲) اذان جمعہ [جنوری ۱۹۸۰ء] (۱۳) حقوق العباد [۱۹۷۶ء]

(۱۴) تمہید ایمان [۱۹۷۷ء]

---

[۱] اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ دسمبر ۱۹۸۰ء، ص: ۸

اعلیٰ حضرت کے مذکورہ رسائل کے علاوہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی کی کتاب ''چودہویں صدی کے مجدد اعظم'' [۱۹۸۰ء] اور علامہ احمد سعید کاظمی کی ''میلاد النبی'' [۱۹۸۰ء] طلبہ اشرفیہ کی کاوشوں سے طبع ہوئی۔ ۱۹۸۳ء میں امام احمد رضا کے والد گرامی مولانا مفتی نقی علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''فضل العلم والعلماء'' منظر عام پر آئی جس کے شروع میں صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کا مختصر رسالہ ''فرائض وآداب متعلم ومعلم'' بھی شامل تھا۔

گزشتہ کئی سالوں سے طلبہ اشرفیہ سال فراغت میں اپنی لکھی ہوئی یا ترجمہ کی ہوئی درجنوں کتابیں شائع کرواتے اور انھیں تقسیم کرتے ہیں۔ اسی طرح طلبہ تنظیموں کی جانب سے بھی ہر سال کئی اہم نادر ونایاب علمی وتحقیقی کتابیں طبع ہوتی ہیں۔ کچھ کتابیں طلبہ کی خود کی نگارشات کا مجموعہ ہوتی ہیں اور اکثر دوسرے مصنفین ومحققین کی ہوتی ہیں۔ [چند کا ذکر آگے آرہا ہے۔]

گویا جامعہ اشرفیہ میں علم وادب کا ایک خوش گوار ماحول قائم رہا ہے اور اس کے دور رس اثرات سامنے آئے ہیں۔ ان سب میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی توجہ خاص اور تربیت خاص کو بنیادی دخل تھا۔ استاذ الاساتذہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی فیض رسانی اور علمی وقلمی تربیت سے متعلق صدر العلماء خود لکھتے ہیں:

''اس میں شبہہ نہیں کہ حضرت کی جو کچھ بھی تحریریں، مقالے اور خطوط وغیرہ پیش نظر ہیں وہ انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اور ان کی مصروفیات سے بھی اہل تعلق باخبر ہیں، ورنہ یقیناً ہمارے لیے عظیم تصنیفی سرمایہ بھی ضرور چھوڑ جاتے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حافظ ملت نے اگر چہ زیادہ تصنیفات نہ چھوڑیں مگر بے شمار مصنفین ضرور پیدا کر دیے۔ طلبہ کے اندر تحریر ذوق پیدا کرنے میں ہمیشہ ان کا زبردست ہاتھ رہا۔ خصوصاً جس طالب علم کے اندر تصنیفی صلاحیت اور تحریری ذوق دیکھتے اُسے اُسی طرف لگا دیتے، جس کے باعث آج حافظ ملت کے تلامذہ میں اردو، عربی، فارسی کے جید اہل قلم دیکھے جاسکتے ہیں۔''(۱)

اس اقتباس میں جس ماحول اور جس تربیت وجوہر شناسی کا ذکر کیا گیا ہے حضرت صدر

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، جون تا اگست ۱۹۷۶ء، ص: ۱۷۷

العلماء اسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ اس دور کے اساتذۂ اشرفیہ میں واقعی کئی جید اہل قلم موجود تھے اور طلبہ کی علمی، ادبی، لسانی، اخلاقی، تحقیقی تربیت فرماتے تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے علاوہ علامہ عبدالرؤف بلیاوی جیسا محقق ومدبر، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی جیسا مفتی وانشا پرداز اور مولانا محمد شفیع اعظمی جیسا ادب ساز قلم کار اس ہیرے کی بھلا کیوں قدر نہ کرتا؟ ہم سبق ساتھیوں میں بھی کئی باذوق اور سخن طراز افراد موجود تھے۔ اردو کے ساتھ عربی اور فارسی ادب میں بھی طبع آزمائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی۔ تراجم میں بھی مسابقہ ہوتا تھا۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

> ''الجامعۃ الاشرفیہ ایک ایسا بلند وبالا منارۂ نور ہے جو نہ صرف راہ روانِ حق کو راستہ چلاتا اور منزل کا پتہ بتاتا ہے بلکہ دنیائے سنیت کی علمی وتعلیمی رفعت کا نشان اور اہل سنن کا علمی افتخار اور آبرو بھی ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ طالبان حق کو علم کے ساتھ ساتھ قلم کے فن سے بھی آراستہ کرتا ہے۔ وہاں جہاں دوسرے ذرائع سے قلم وقرطاس کی پرورش ہوتی ہے ماہ نامہ اشرفیہ کے توسط سے قرطاس وقلم کی پرورش بھی ہو رہی ہے اور عوام وخواص کو علم وادب اور تحقیق نیز دینی ضروری دنیوی معلومات سے پُر، صالح لٹریچر بھی فراہم ہو رہا ہے اور یہ عظیم کارنامہ جلالۃ العلم حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ہے اور آج ان کے چھوڑے ہوئے کام اور ان کے مشن کی تکمیل میں ان کے فرزند رشید عزیز ملت سے لے کر ان کے تلامذہ اور اساتذۂ اشرفیہ ہمہ تن مصروف ہیں۔''(۱)

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا صحافتی نظریہ:

حافظ ملت علیہ الرحمہ کا صحافتی نظریہ کیا تھا وہ آپ نے ماہ نامہ اشرفیہ کے اجرا اور اس

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ فروری ۱۹۹۷ء، ص: ۳۶

میں شامل حضرت کے ارشاد گرامی کے مطالعے سے جان لیا ہوگا۔ چند حقائق اور بھی نظر نواز کریں۔ مولانا مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے جب الٰہ آباد سے ''ماہ نامہ پاسبان'' جاری کیا تو اس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کا قسط وار مضمون ''معارفِ حدیث'' شائع ہونا شروع ہوا جو بعد میں اسی عنوان سے کتابی شکل میں طبع ہوا۔ لیکن پاسبان بند ہو گیا جس کا قلق پوری جماعت اہل سنت کو تھا لیکن ستمبر ۱۹۵۳ء میں جب پاسبان کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی تو جہاں اور لوگوں کو مسرت ہوئی وہیں حافظ ملت علیہ الرحمہ کو حد درجہ خوشی ہوئی اور آپ نے مدیر پاسبان مولانا نظامی کو ایک مکتوب روانہ فرمایا جس میں ان کی حوصلہ افزائی بھی تھی اور سنی صحافت کی اہمیت بھی نمایاں تھی۔ لکھتے ہیں:

> ''اس دورِ الحاد میں تبلیغ وہدایت کی جس قدر شدید ضرورت ہے اظہر من الشمس ہے۔ مسلمان اپنی جہالت سے بے دینی کا شکار ہو رہا ہے، دولت ایمان کھو رہی ہے، کفر کی تاریکی، ظلم وطغیان کی اندھیری چھائی ہوئی ہے، حق وصداقت کی آواز کان تک پہنچنا سخت دشوار ہو گیا ہے۔ ایسے نازک دور میں ''پاسبان'' کی دوبارہ زندگی سے بے حد مسرت ہے۔ پاسبان بڑا ہی زریں مقصد لے کر اٹھا ہے، دین وملت کی پاسبانی کرنا چاہتا ہے۔ مولائے کریم اس کو ثبات ودوام اور استحکام عطا فرمائے اور اسی مقصد کے تحت چلنے کی توفیق رفیق بخشے۔''(۱)

اسی طرح ۱۹۶۶ء میں جب آپ کے شاگرد رشید علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے کلکتہ سے پندرہ روزہ رسالہ ''جام کوثر'' جاری کیا اور اس کا پہلا شمارہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پہنچا تو جو مسرت آگیں مکتوب گرامی روانہ فرمایا اس کے مطالعے سے آپ کے ادبی ذوق اور صحافتی رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

> ''آپ کا ''جام کوثر'' جمشید پور میں ملا تھا۔ جام کوثر کے متعلق یہ

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۴۹، ۵۰

عقیدہ تھا اور ہے کہ ایک ہی جام پی کر پیاس ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ مگر یہ آپ کا جام کوثر وہ ہے جس نے بے پناہ تشنگی بڑھا دی۔ جی چاہتا ہے کہ اس کو پندرہ روزہ نہیں، ہفتہ وار نہیں، روزانہ بار بار پیا جائے۔ یہ جام کوثر اپنی صوری و معنوی خوبیوں میں آپ اپنا نظیر ہے۔ پہلا ہی قدم اتنی بلندی پر ہے کہ چاروں طرف سے متوالے ٹوٹ پڑے، ہاتھوں ہاتھ لے گئے، جو پڑھتا ہے پرچہ دینا نہیں چاہتا، بہ دشواری ایک پرچہ مبارک پور تک لایا، بہ حفاظت اپنے پاس رکھا، مگر حضرت مولانا شاہ غلام آسی صاحب نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ امید کہ وہ اس سے جام کوثر کا کچھ کام ہی کریں گے، مگر میں بے جام ہی رہ گیا۔ چاہتا ہوں کہ سب پرچہ اپنے پاس رکھوں۔ میری دلی منشا اور قیمتی مشورہ ہے کہ مسلمان اس کو اس طرح اپنائیں کہ جام کوثر ہر مسلمان کے گھر میں رہے اور ہر ہر پرچہ محفوظ رہے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ صاحب لسان ہونے کے ساتھ ساتھ پیکر ایثار واخلاص ہیں، پھر جام کوثر کے ثبات ودوام میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ صرف استقلال کی ضرورت ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کرم فرمائے، جام کوثر کو زیادہ سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائے، بام عروج وترقی کی انتہائی منزل پر گامزن فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔"(۱)

اس خط کی سطر سطر سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کا صحافتی مزاج وادبی ذوق کیا تھا؟ ایک استاذ ومربی کتنا خوش ہے؟ اور اسے اپنے شاگرد کی دینی کاوش سے کس قدر مسرت ہوتی ہے؟ یہی ادبی واخلاقی جذبہ ان کے تلامذہ میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

مولانا بدر القادری مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ فروری ۱۹۷۸ء کا اداریہ "ہندوستان

(۱) حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۸۹

میں سنی صحافت'' کے زیر عنوان تحریر فرمایا جس میں پچھلی چند دہائیوں کی سنی صحافت [مثلاً پاسبان الٰہ آباد، نوری کرن بریلی، فیضان ملت پٹنہ، سنی لکھنؤ، جام کوثر اور جام نور کلکتہ، تاجدار بمبئی اور نمائندہ الٰہ آباد] کا جائزہ لیتے ہوئے موجودہ سنی رسائل وجرائد [استقامت ڈائجسٹ کان پور، ماہ نامہ المیزان، بمبئی، ماہ نامہ فیض الرسول، براؤں شریف، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف، ماہ نامہ التبلیغ سری نگر، پندرہ روزہ حنفی سری نگر اور ہفت روزہ پیام رحمت، کوٹہ] کا تعارف کرایا ہے۔ استقامت کان پور کے تعارفی حصے میں فرماتے ہیں:

''استقامت جناب مولانا ظہیر الدین صاحب کی جفاکش، محنتی اور مصائب بردوش شخصیت سے عبارت ہے، اس غریب لفظ کو بھی چرخ صحافت کے سارے برجوں کی سیر کرنی پڑی۔ کبھی یہ پندرہ روزہ تھا، ہفتہ وار ہوا، پھر روزنامہ کی شکل اختیار کر گیا۔ انھی دنوں ظہیر صاحب مبارک پور بھی آئے اور بانی الجامعۃ الاشرفیہ حضور حافظ ملت نے گولہ بازار میں لفظ ''استقامت'' پر اپنی عالمانہ اور نکتہ بارانہ تقریر فرمائی تھی اور ظہیر صاحب کو مبارک پور سے تقریباً پچیس لائف ممبر دیے تھے۔ خود مبارک پور کی گلی گلی پھر کر سنیوں کے اس اخبار کو زندہ رکھنے کی سعی فرمائی تھی۔''(۱)

اس حقیقت افروز عبارت سے بھی حافظ ملت علیہ الرحمہ کے صحافتی نظریے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

فرزندانِ اشرفیہ کی صحافتی خدمات:

جامعہ اشرفیہ کے علمی وادبی ماحول نے صرف میدان تدریس کے شہ سوار اور اعلیٰ فکر کے حامل قلم کار ومصنف ہی نہیں پیدا کیے، بلکہ آفاقی قدروں سے آشنا بیدار مغز صحافی بھی تیار

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۸ء، ص: ۴

کیے، کیوں کہ صحافتی شعور کے بغیر کسی قوم کی اعلیٰ ترقی کا خواب نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس زمانے میں ہوسکتا تھا کسی کے دل میں یہ شبہہ پیدا ہو کہ یہ فضول سی کوشش اور بیکاری سی مغز ماری ہے لیکن آج یہ سچ سامنے آچکا ہے کہ میڈیا کی طاقت نے دنیا کے سفید وسیاہ پر اپنا قبضہ جمالیا ہے اور دنیا میں اسی کی سنی جاتی ہے جو سب سے زیادہ صحافتی طاقت کا مالک ہو۔

صحافت کے میدان میں فرزندانِ اشرفیہ کی کوششیں لائق آفریں ہیں، انھوں نے ملک وبیرونِ ملک کئی اہم علمی وادبی رسائل ومجلات جاری کیے یا ان کی ادارت فرمائی۔ ان میں بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ کا رسالہ ''الضیاء'' اولیت رکھتا ہے جسے آپ نے گورکھپور کے زمانۂ قیام میں جاری فرمایا اور ماہ بہ ماہ اس کی اشاعت ہوتی تھی۔ یہ فرزندان اشرفیہ کی صحافتی خدمات کا نقش اول ہے۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے ۲۰۰۴ء میں لکھے اپنے ایک مضمون [مطبوعہ: ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی، اکتوبر ۲۰۰۴ء] میں ان رسالوں کی فہرست دی ہے۔ اس کی روشنی میں ماہ نامہ اشرفیہ کے علاوہ ماہ نامہ اسلام، بنارس [مولانا قاری محمد عثمان اعظمی]، پندرہ روزہ جام کوثر، کلکتہ، ہفت روزہ رفاقت، پٹنہ اور ماہ نامہ جام نور، کلکتہ [رئیس القلم علامہ ارشد القادری]، ماہ نامہ فیض الرسول، براؤں شریف [مولانا صابر القادری نسیم نستوی، مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری]، ماہ نامہ المیزان، بمبئی [مولانا سید محمد جیلانی مصباحی کچھوچھوی]، ماہ نامہ نمائندہ [ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی]، پندرہ روزہ شان ملت، پٹنہ [مولانا قاری محمد عثمان اعظمی]، ماہ نامہ الدعوۃ الاسلامیہ، برطانیہ [مولانا قمر الزماں اعظمی]، پندرہ روزہ ریاض عقیدت، جالون [مولانا اسلم بستوی مصباحی]، سال نامہ المصباح، مبارک پور [مولانا سید اصغر امام قادری]، سہ ماہی کوثر، مبارک پور [مولانا نوشاد عالم مصباحی]، ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ، بریلی شریف [مولانا محمد حنیف رضوی]، ماہ نامہ جام شہود، کلکتہ [مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی]، وائس آف اسلام، ہالینڈ [مولانا بدر القادری مصباحی]، ماہ نامہ حجاز، لندن [مولانا قمر الزماں اعظمی]، ماہ نامہ حجاز جدید،

دہلی [مولانا یٰسین اختر مصباحی] سہ ماہی امجدیہ، گھوسی [علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری] اور دی گفٹ، ساؤتھ افریقہ [مولانا فتح احمد بستوی مصباحی]

ان کے علاوہ بھی مجلات ورسائل اور روزنامے ہیں فرزندان اشرفیہ جن کے مدیر اعلیٰ، مدیر معاون یا بانی ومنتظم ہیں گویا صحافتی میدان میں بھی تحریک اشرفیہ نے ہلچل مچائی اور اس شعبے سے بھی فروغ مذہب اور اشاعت علم وادب کا گراں قدر تاریخی کام انجام دیا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے جید اساتذہ:

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دار العلوم اشرفیہ کے جید اساتذہ کے اسماذکر کر دیے جائیں۔ یہ مدرسین کسی بھی دانش گاہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی مخلصانہ کوششوں اور قربانیوں سے ادارہ ترقی پاتا ہے اور بچوں میں علم وتحقیق کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اشرفیہ کے صدر المدرسین اور سربراہ اعلیٰ رہے، ان کے علاوہ باعتبار سنہ وفات چند نام یہ ہیں:

(۱) مولانا حافظ عبد الرؤوف بلیاوی [م: شوال المکرم ۱۳۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۱ء]

(۲) مولانا غلام جیلانی اعظمی [م: ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مطابق فروری ۱۹۷۷ء]

(۳) مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری [م: ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق مارچ ۱۹۷۷ء]

(۴) مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری [۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء]

(۵) مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی [م: رمضان ۱۴۰۵ھ مطابق مئی ۱۹۸۶ء]

(۶) مولانا عبد المصطفیٰ ازہری [م: ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۹ء]

(۷) مولانا ثناء اللہ اعظمی [م: محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق اگست ۱۹۹۰ء]

(۸) مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی [م: ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء]

(۹) مولانا قاری محمد عثمان اعظمی [م: ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق اگست ۱۹۹۵ء]

(۱۰) مولانا قاری محمد یحییٰ اعظمی [م: ۱۴۱۶ھ مطابق مئی ۱۹۹۶ء]

(۱۱) مولانا عبد اللہ خاں عزیزی مصباحی [شعبان ۱۴۳۲ھ مطابق جولائی ۲۰۱۱ء]

(۱۲) مفتی عبدالمنان اعظمی [م: محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق نومبر ۲۰۱۲ء]

یہ وہ اساطین علم و تحقیق ہیں جن کی علمی عظمت اور فکری وسعت کا ایک جہان قائل ہے اور ان کی فقہی برتری کو قبول کرتا ہے اور ان کا طرزِ تحریر بہت سے نام نہاد ادیبوں، محققوں کو شرمندہ کرتا ہے۔

جامعہ اشرفیہ اور شرح بخاری:

جامعہ اشرفیہ کے ایک ممتاز فاضل، مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے معتمد خاص اور فقہ وافتا میں یگانۂ روزگار، شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی [سابق صدر شعبۂ افتا وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ] کا ذکر خیر کیے بغیر تاریخ اشرفیہ کا علمی وادبی ماحول کما حقہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ساتھ جامعہ کے دو استاذ مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری کا تذکرہ بھی لابدی ہو جاتا ہے۔ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے ۱۳۹۶ھ کو جامعہ اشرفیہ ہی میں بخاری شریف کے ترجمہ کا کام شروع فرمایا تو حضرت صدر العلماء نے ان سے گزارش کی کہ صرف ترجمہ مفید نہیں ہوگا، بلکہ اس سے عوام میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا خدشہ ہے اس لیے ترجمہ کے ساتھ مناسب تشریحی نوٹ بھی لکھا جائے تو اس کی افادیت بڑھ جائے گی۔ اس گزارش کا ذکر انھوں نے اپنے ایک مضمون میں بھی کیا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر ماہ نامہ اشرفیہ لکھتے ہیں:

> "الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور برصغیر میں احیاے دین اور فروغ علم کی سب سے بڑی تحریک ہے، اس کے جواں ہمت، بلند فکر اور حساس اساتذہ میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد مصباحی کے نام آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ انھوں نے ملت کے اس درد [اردو میں مستند شرح بخاری کی کمی] کو محسوس کیا اور شعبۂ افتا کے صدر نشین علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی کی بارگاہ میں بخاری شریف کے ترجمے کے لیے گزارش کی۔ حضرت مفتی صاحب،

عظیم مفتی اور محقق ہونے کے ساتھ وسیع تجربات اور احوال زمانہ پر عقابی نظر بھی رکھتے ہیں۔ حساس دلوں کے جذبات تھے، دل دردمند میں اتر گئے اور قلم کی محفل آراستہ ہوگئی۔ ۱۳۹۶ھ میں بخاری شریف کے ترجمے کا کام شروع ہوا، چند حدیثوں کا ترجمہ ہو پایا تھا کہ آنکھوں کی تکلیف اور فتاواے امجدیہ کی نظر ثانی اور تحشیہ نگاری میں کافی وقت گزر گیا۔ پھر ۱۸ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ/ ۱۲ر فروری ۱۹۸۲ء کو ترجمہ کے کام کا آغاز ہوا۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کے مشورے پر جگہ جگہ تشریحی نوٹ کا اضافہ کیا گیا۔ اس کے بعد مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد مصباحی ریاض چلے گئے اور کام بالکل بند ہوگیا۔ ان کے بعد یہ محاذ حضرت مولانا عبدالحق رضوی مصباحی نے سنبھالا اور اپنے اصرار اور تعاون سے کام کا آغاز کرایا۔''(۱)

۴۶۸۸ صفحات پر احادیث نبویہ کی جامع اور مختصر تشریح کا یہ انتہائی وقیع اور گراں قدر علمی کام ۹ جلدوں میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا۔ جس کا طویل محققانہ مقدمہ ۱۶۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ عروس البلاد بمبئی میں رضا اکیڈمی، بمبئی کے زیر اہتمام ۲۹، ۳۰ر جنوری ۲۰۰۰ء کو تاریخی ''جشن شارح بخاری'' منایا گیا جس میں ملک وملت کے سیکڑوں علما و مشائخ نے شرکت فرمائی اور حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی علمی و تحقیقی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ اسی موقع پر مولانا یٰسین اختر مصباحی نے ''شارح بخاری'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۲۸۸ر صفحات میں چھپ کر منظر عام پر آئی اور جشن میں ارباب علم و دانش کے قیمتی مضامین کا ضخیم مجموعہ ''معارف شارح بخاری'' [صفحات: ۱۱۰۰] کی رسم اجرا ہوئی اور حضرت شارح بخاری کو چاندی سے تولا گیا۔(۲)

---

(۱) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۰ء، ص:۶

(۲) جشن کی مکمل رپورٹ ماہ نامہ اشرفیہ مارچ اپریل ۲۰۰۰ء میں چھپ چکی ہے۔

''نزہۃ القاری'' جامعہ اشرفیہ کی علمی فضا میں پروان چڑھی، یہیں اس کا منصوبہ بنا، یہیں اس خاکے میں رنگ بھرا گیا۔ یہ دراصل جامعہ کے اسی علمی ماحول کا اثر تھا۔ یہ سفر علم یوں ہی منزل آشنا نہیں ہوا، اس میں قدم قدم پر حضرت سربراہ اعلیٰ، اساتذہ اشرفیہ اور جامعہ کا خوش گوار علمی ماحول معاونت کررہا تھا، جو اس عظیم دانش گاہ کی عظمت کی نشانی ہے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ''نزہۃ القاری'' کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

> ''میرے دوسرے کاموں کی طرح نزہۃ القاری کی جمع وتالیف بھی حقیقت میں الجامعۃ الاشرفیہ کے شہرۂ آفاق زریں کارناموں کا سب سے زیادہ معمولی ادنیٰ فرد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں جامعہ اشرفیہ میں نہ ہوتا تو نزہۃ القاری عالم وجود میں نہ آتی۔ جامعہ کے ارباب حل وعقد خصوصاً سربراہ اعلیٰ حضرت عزیز ملت علامہ عبدالحفیظ صاحب مدظلہ العالی کی خصوصی مراعات کی بدولت یہ کام تسلسل کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس کا عظیم کتب خانہ میرے لیے فری ہے، جب چاہوں، جس وقت چاہوں، جس کتاب کی ضرورت ہو، ازخود نکال سکتا ہوں۔''[1]

یہ سچ ہے کہ نزہۃ القاری کی تصنیف سے جہاں حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کی علمی قدر میں اضافہ ہوا، وہیں جامعہ اشرفیہ کے علمی وقلمی شعبے کا وقار بھی بڑھا اور تحریک اشرفیہ کو تازہ زندگی اور خوشنما بہاریں میسر آئیں اور اہل سنت کا سر اونچا ہوا۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے جانشین اور اس کاروان علم کے سرخیل سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے:

> ''ہمارے لیے فخر کی بات ہے، مفتی صاحب نے شرح بخاری

(۱) نزہۃ القاری شرح بخاری، جلد ثالث، ص:٦

لکھ کر جماعت کے سر کو بلند کیا، اس سے جہاں جماعت کو سرخروئی حاصل ہوئی وہاں الجامعۃ الاشرفیہ کو بھی سرخروئی حاصل ہوئی ہے۔ کیوں کہ یہ عظیم کارنامہ الجامعۃ الاشرفیہ میں انجام دیا گیا ہے۔''(۱)

نزہۃ القاری شرح بخاری اور حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کی دیگر علمی وفقہی کاوشیں جامعہ اشرفیہ کی علمی فضاؤں کی گواہ ہیں اور تحریکِ اشرفیہ کی عظمتوں کا ثبوت بھی۔

فروغِ رضویات اور فرزندانِ اشرفیہ:

جامعہ اشرفیہ کے بلند فکر اور عالی دماغ بانیان اور دستور سازوں نے اس کی بنیادوں میں مسلک حق پر استقامت کی اینٹیں چنی ہیں اور دستور العمل میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے افکار ونظریات کو شامل رکھا اور فکر رضا کے فروغ وابلاغ کو قرار واقعی حیثیت دی ہے جس پر اساتذۂ اشرفیہ اور عمائد اشرفیہ روز اول سے شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ جامعہ اشرفیہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے مسلمہ افکار کا بہت بڑا مبلغ وداعی ہے۔ مولانا بدر القادری مصباحی لکھتے ہیں:

''الحمد للہ کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور جسے معائنہ فرمانے والے اکابرین اسلام نے برملا ''ازہرِ ہند'' کہا، مجدد ماۃ حاضرہ کے مسلک کا پوری دنیا میں سب سے عظیم ادارہ ہے۔ وسیع وعریض طول وعرض میں پھیلی ہوئی یہ بستی ایک ایسے عالم گیر تعلیمی انقلاب کا پیش خیمہ ہے جو اپنوں کے لیے قابل فخر اور بیگانوں کے لیے صاعقۂ مرگ ثابت ہوگا۔''(۲)

فرزندان اشرفیہ کا ایک بہت بڑا کام امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے کار وافکار کا علمی وتحقیقی مطالعہ اور ان کی نشر واشاعت ہے۔ اس کے کچھ شواہد ماقبل میں گزر چکے

---

(۱) معارف شارح بخاری، رضا اکیڈمی، بمبئی، جنوری ۲۰۰۰ء، ص: ۱۶۳

(۲) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ فروری ۱۹۷۷ء، ص: ۳

ہیں۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

''اشرفیہ مبارک پور کے فارغین یعنی جلالۃ العلم سرکار حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے تلامذہ در تلامذہ آج پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو مسلک اہل سنت اور امام احمد رضا کے افکار و نظریات اور ان کے دینی و علمی کارناموں کی اشاعت میں اپنا اپنا نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ہی کی تحریک پر اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اور بعدہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے ''فروغ رضویات'' کی پہل ہوئی اور پھر کارناموں پر کارنامے انجام پذیر ہوتے چلے گئے۔ اور یہ سلسلہ ہنوز مزید تب و تاب اور توانائی کے ساتھ جاری ہے۔''(۱)

ماہ نامہ المیزان، بمبئی اور ماہ نامہ حجاز جدید، دہلی کا ''امام احمد رضا نمبر'' اور ماہ نامہ تجلیات، ناگپور کا ''مجدد اعظم نمبر'' آج بھی یادگار ہے اور ان کی استنادی حیثیت ناقابل انکار ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ملک و بیرون ملک کے مجلّات میں امام احمد رضا کے کار و افکار پر فرزندانِ اشرفیہ کے جو مضامین و مقالات شائع ہوئے ہیں وہ اگر جمع کیے جائیں تو کئی مجلّات میں سمائیں گے اور بابِ رضویات میں گراں قدر اہمیت کے حامل ہوں گے۔ یہ سب کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟

پھر اس ماحول اور جذبے کو کیسے مٹایا جاسکتا ہے جو یہاں سے ابھرا ہے اور علم و تحقیق کے ایوان کو مسرت افزا فتوحات سے جگمگا ڈالا ہے۔ تحریک اشرفیہ آج بھی پوری توانائی کے ساتھ عالم اسلام میں فروغ پا رہی ہے۔

سنی دارالاشاعت مبارک پور کے ذریعہ فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم تا جلد ہشتم کی تحقیق و تدوین و طباعت و اشاعت کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے کہ اسے تاریخ رضویات سے قلم زد کر دیا جائے۔ از ابتدا تا انتہا جامعہ اشرفیہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے علمی و فقہی

(۱) ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص: ۴۰

مشن کو پوری دنیا میں عام وتام کر رہا ہے اور اس کے فرزندان اس کے سعی بلیغ کر رہے ہیں۔

ذرا یہ نام ملاحظہ فرمائیں:

سوانح اعلیٰ حضرت [مولانا بدرالدین احمد قادری]، مجدد اسلام [مولانا نسیم بستوی]، التحقیقات [مفتی محمد شریف الحق امجدی]، فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام [علامہ ارشد القادری] امام شعروادب [مولانا وارث جمال قادری]، امام احمد رضا نمبر [ماہ نامہ المیزان، بمبئی]، مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا [مفتی محمد شریف الحق امجدی]، آئینہ امام احمد رضا [مفتی عبد المنان اعظمی]، امام احمد رضا اور اردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ [مفتی سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی] امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں [مولانا یٰسین اختر مصباحی]، امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات [مولانا یٰسین اختر مصباحی]، تذکرۂ رضا [مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری]، امام احمد رضا اور تصوف [مولانا محمد احمد مصباحی]، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت [مولانا محمد احمد مصباحی]، امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد، تقابلی مطالعہ [ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی]، فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام [علامہ ارشد القادری]، امام احمد رضا اور علوم عقلیہ [مفتی شبیر حسن رضوی] افکارِ رضا [مولانا قمرالحسن بستوی]، قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشان دہی [مولانا قاری رضاء المصطفیٰ امجدی، پاکستان]، تصنیفاتِ رضا [مولانا عبدالمبین نعمانی]، امام احمد رضا پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ [مفتی محمد نظام الدین رضوی]

بطور نمونہ قدیم مصباحی برادران کی چند کتابوں کا نام یہاں پیش کیا گیا ہے۔ یہ فہرست باب رضویات میں ان کے علمی کاموں کا ربع حصہ بھی نہیں ہے۔ رضویات کے علاوہ ان کی جو شعری ونثری تصانیف ہیں وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور تاریخ وتحقیق میں انھیں نمایاں مقام حاصل ہے اور ملک کی عظیم سرکاری وغیر سرکاری لائبریریوں میں وہ کتابیں شیلف کی زینت ہیں اور اسکالران سے استفادہ کر رہے ہیں۔

یہ تحریک اب پوری طرح شباب پر ہے اور دیگر علما ومحققین کے ساتھ فرزندان اشرفیہ

باب رضویات کو اپنی علمی وادبی تحقیقات سے مالا مال کر رہے ہیں۔ درجنوں فارغین اشرفیہ نے امام احمد رضا کی دینی وعلمی خدمات ودیگر ادبی وتحقیقی موضوعات پر عصری تعلیم گاہوں سے پی ایچ ڈی بھی کی ہے اور یونیورسٹیوں میں استاذ بھی ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے فاضل مولانا محمد حنیف رضوی نے امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف سے رضویات پر ۱۶۰ ر جلدیں شائع کی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' کی نفیس تصحیح کا فریضہ تلمیذ حافظ ملت مولانا عبدالمبین نعمانی نے انجام دیا ہے۔ حدائق بخشش کی کامل تصحیح وتحقیق ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی نے کی اور رضا اکیڈمی، ممبئی نے وہ نسخہ شائع کیا۔ جدالممتار کی تحقیق وتدوین بھی اشرفیہ مبارک پور میں ہوئی۔ موجودہ اساتذۂ اشرفیہ میں کئی نام ایسے ہیں جن کی درجنوں تصنیفات وتراجم طبع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں۔ خود راقم الحروف کی دو درجن کے قریب کتابوں میں امام احمد رضا قادری کے کار وافکار پر چھ کتابیں ہیں۔

رسائل رضویہ کے تراجم:

خاص رسائل رضویہ کے عربی، اردو، انگریزی اور ہندی تراجم کے باب میں فرزندانِ اشرفیہ کی علمی وتحقیقی کاوشوں کا گوشوارہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس سرسری جائزے سے اندازہ ہوگا کہ بابِ رضویات میں فاضلین اشرفیہ کا یہ بلند ذوق کس ماحول کی دین ہے۔

فرزندانِ اشرفیہ میں بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کے رسالے "شمائم العنبر" کا اردو ترجمہ وتصحیح کی۔

ان کے تلمیذ صدرالعلماء علامہ محمد احمد مصباحی نے فتاویٰ رضویہ جلد اول، سوم، چہارم اور نہم کی عربی وفارسی عبارات کا اردو ترجمہ اور امام احمد رضا کے دو رسائل "عباب الانوار أن لانكاح بمجرد الاقرار" اور "هبة النساء في تحقق المصاهرة بالزنا" کا عربی ترجمہ فرمایا۔ اسی طرح ''جد الممتار، قصيدتان رائعتان، الكشف شافيا'' اور "مقامع الحديد'' کی تحقیق وتسہیل کے ساتھ "تنزيه المكانة الحيدرية، جمل النور، هادى الناس، قصیدہ ''اکسیر اعظم'' اور اس کی فارسی شرح ''مجیر معظم'' کا اردو ترجمہ کیا، ساتھ ہی ان

کی طباعت واشاعت کا جو کھم بھرا کام انجام دیا۔

مولانا افتخار احمد قادری نے امام احمد رضا قادری کے چار رسائل ''الفضل الموهبی، الزبدة الزكية، تمہید ایمان اور طرد الأفاعی'' کا عربی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ مولانا محمد حنیف خان رضوی نے ''الزلال الانقى من بحر سبقة الاتقى'' کا اردو ترجمہ فرمایا۔

استاذ گرامی مفتی شمس الہدیٰ مصباحی نے تین رسائل: ''الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية، اعلام الأعلام بأن هندوستان دار الاسلام'' اور ''حقة المرجان لمهم مسئلة الدخان'' کا عربی ترجمہ فرمایا۔

مولانا محمد اسحاق رام پوری نے ''قهر الديان على مرتد بقاديان، الجراز الديانی على المرتد القاديانی، أعالی الافادة فی تعزية الهند وبيان الشهادة، ازاحة العيب بسيف الغيب'' کا عربی ترجمہ کیا۔

استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی نے ''رد الرفضة، غاية التحقيق فی امامة العلی والصديق، الأدلة الطاعنة فی اذان الملاعنة، أعالی الافادة فی تعزية الهند وبيان الشهادة'' کی تعریب فرمائی اور ''قصيدتان رائعتان'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

استاذ محترم مولانا محمد صدر الوریٰ قادری نے ''منير العين فی حكم تقبيل الابهامين'' کا عربی ترجمہ فرمایا ہے۔

مولانا شمس الحق مصباحی نے ''رد الرفضة''، ''أعالی الافادة فی تعزية الهند و بيان الشهادة'' کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی نے ''النور والضيا فی بعض أحكام الاسماء'' اور ''اسماع الاربعين فی شفاعة سيد المحبوبين'' کی تعریب کی ہے۔

مولانا خالد ایوب مصباحی نے ''تمہید ایمان، تدبیر فلاح ونجات واصلاح، اور ''مشعلة الارشاد فی حقوق الأولاد'' کا ہندی ترجمہ کیا ہے۔ تحقیق وترجمہ کا یہ سلسلہ کافی ترقی پذیر ہے۔ [اس پورے تاریخی تسلسل کو طلبۂ اشرفیہ کی قلمی انجمن ''سال نامہ باغ

فردوس‘‘ کے خاص نمبر ’’فروغ رضویات میں فرزندانِ اشرفیہ کی خدمات‘‘ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ۶۵۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ۱۲۲ رفرزندانِ اشرفیہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ یہ جامع تذکرہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء میں تنظیم پیغام اسلام کے زیر اہتمام طبع ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس کی جملہ نگارشات فارغین اشرفیہ اور طلبہ اشرفیہ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔]

گویا حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ کی تحقیق وطباعت اور دیگر رسائل رضویہ کی اشاعت اور ماہ نامہ اشرفیہ کے اجرا سے دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم میں علم وادب اور تحقیق وتدوین کا جو ماحول ساز گار کیا تھا اور اپنے تلامذہ کی جو علمی تربیت فرمائی تھی گزرتے زمانے کے ساتھ اس میں نکھار پیدا ہوتا گیا۔ مولانا حافظ عبد الرؤوف بلیاوی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تو انھوں نے اپنا جانشین بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی کی شکل میں چھوڑا۔ بحر العلوم اور دیگر اساتذۂ اشرفیہ کی تربیت خاص سے یہ وصف ان کے تلامذہ میں منتقل ہوا۔ بحر العلوم، شیخ القرآن اور شارح بخاری علیہم الرحمہ کی علمی وفقہی تربیت سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی کی شکل میں متشکل ہوئی۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی انتظامی صلاحیتیں اور دینی وعلمی کام لینے کا جذبہ ان کے جانشین حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کی ذات میں محفوظ رہا۔

ادارہ تحقیقاتِ حافظ ملت:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے کتب وفتاویٰ کی تحقیق وتدوین اور ان کی شاندار طباعت واشاعت کی غرض سے حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی سرپرستی میں ۱۹۸۹ء میں ’’ادارہ تحقیقاتِ حافظ ملت‘‘ قائم کیا گیا۔ اس کے قیام کا جہاں یہ مقصد تھا کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات وافکار پر تاریخی وتحقیقی کام کیا جائے وہیں یہ بھی کہ جامعہ اشرفیہ اور فرزندانِ اشرفیہ کی علمی، دینی، تحقیقی اور اشاعتی خدمات کو منظر عام پر لایا جائے اور انھیں تاریخ کا حصہ بنایا جائے۔ انھی مقاصد کے پیش نظر ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو حافظ ملت علیہ الرحمہ پر پہلا علمی سیمینار منعقد ہوا جس میں ملک کے ارباب قلم نے گراں قدر مقالات پیش کیے،

ان میں بطور خاص حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تعلیمی نظریات پر مذاکرہ شامل تھا۔ اسی طرح دوسرا سیمینار ۷ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو اشرفیہ میں ہوا۔ پہلے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ ''حافظ ملت افکار اور کارنامے'' کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ دوسرے سیمینار کے مقالات ماہ نامہ اشرفیہ ''انوار حافظ ملت نمبر'' کے نام سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئے۔ ان کے سوا ایک مختصر مذاکرہ حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی حیات پر بھی منعقد ہو چکی ہے۔

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ:

یہ دنیا مسلسل ارتقا پذیر ہے اور ہر آن جدید مسائل کی پیداوار اس کا مزاج ہے۔ کوئی نیا مسئلہ نہ پیدا ہو تو ایسا معلوم ہوگا کہ دنیا جامد ہو چکی ہے اور نظام زندگی میں تعطل در آیا ہے۔ لیکن یہ اللہ عز وجل کا کرم ہے کہ مذہب اسلام کی شکل میں ہمیں ایسا ضابطۂ حیات عطا فرمایا ہے جس کی اپنی ایک رنگا رنگ کائنات ہے جو ہزاروں جزئیات سے سجی ہوئی ہے، اس میں اتنی ہمہ گیری اور جامعیت ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جا رہا ہے اس کی تہ داری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ۲۳ر برس میں قرآن اترا اور تمام مسائل کا جامع حل ایک کتاب مقدس میں سمیٹ دیا گیا اور ضرورت کے مطابق احادیث نبویہ میں ان کی تشریح بیان ہوتی رہی۔ وقت ضرورت صحابۂ کرام قیاس واجتہاد سے بھی مسائل کا حل بیان کرتے رہے اور اجماع امت بھی سامنے آتا رہا۔ گویا نہ مسئلہ پیدا ہونے میں جمود رہا، نہ دین کے بنیادی ماخذ خاموش رہے۔ انبیا کی یہ علمی وفقہی وراثت ہر عہد کے امینوں کے ہاتھ میں محفوظ رہی، جسے ''فقہ اسلامی'' کا نام دیا گیا۔ فقہ اسلامی ہے کیا؟ قرآن وسنت کا عطر مجموعہ، اجماع امت کا نتیجہ اور فقہا ومجتہدین کی اجتہادی کاوشوں کا حاصل ہے جس کا دائرۂ عمل حد درجہ جامع اور امت مسلمہ کے تمام مسائل کو محیط ہے۔ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی فرماتے ہیں:

''فقہ اسلامی ایسا عظیم سرمایہ ہے جس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ائمۂ دین اور فقہائے مجتہدین نے اس پر اپنی خاص توجہ مبذول کی۔ انھوں نے احکام قرآن وسنت میں گہری نظر اور طویل غور وخوض کے نتیجے میں

فقہ کے اصول وقواعد وضع کیے اور ان کی روشنی میں بے شمار جزئیات بھی مستنبط کیے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ ایک مجلس فقہ قائم کی جس میں شرعی مسائل پر بحث ہوتی اور طے شدہ مسائل تحریر کر لیے جاتے، اگر کسی مسئلہ پر بحث کے بعد بھی اتفاق نہ ہوتا تو وہ اختلاف کے ساتھ ہی درج کر لیا جاتا۔ ان حضرات کی یہ کاوش اتنی عظیم تھی کہ دیگر ائمہ نے بھی اس سے استفادہ کیا۔"(۱)

آج جب کوئی جامع شرائط اجتہاد نہ رہا اور اصحاب تمیز بھی نہیں ملتے، اس لیے امت مسلمہ کی شرعی رہنمائی کا فریضہ علما وفقہاے زمانہ پر عائد ہوتا ہے جو کتبِ فقہ میں منصوص مسائل اور اصول تدوین فقہ کی روشنی میں جدید مسائل کا شرعی حل تلاش کریں۔ یہ کام تنہا ایک عالم یا فقیہ کا نہیں بلکہ یہ اجتماعی کوشش چاہتا ہے۔ صدر مجلس شرعی علامہ محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

"برادر گرامی مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی ایک روایت بار بار یاد آتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: پرانے مدرسے میں ایک بار ہم تین احباب حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے: حضرت! یہ کام ہونا چاہیے، وہ کام ہونا چاہیے، اس میدان میں پیش قدمی کی ضرورت ہے، فلاں جانب توجہ بہت ضروری ہے۔ حضرت سر جھکائے خاموشی سے ہم لوگوں کی باتیں سنتے رہے، آخر میں سر اٹھایا اور فرمایا: "ہاں! یہ بھی ہوگا، وہ بھی ہوگا، سب کام ہوگا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہیں سے ہوگا۔" اس زوردار جواب پر ہم لوگ سناٹے میں آگئے اور تھوڑی دیر بعد خاموشی سے واپس چلے آئے۔"

اس گفتگو پر چونتیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ہم نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو حافظ ملت قدس سرہ کا فرمان روز بروز عملی شکل میں نمودار ہوتا جا رہا ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ کے ذریعہ

(۱) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، خصوصی شمارہ ستمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۰

ملک و بیرون ملک مختلف میدانوں میں جلیل القدر خدمات بروے کار آتی جارہی ہیں۔ جبین اہل سنت شرمندہ نہیں ہے، تابندہ وفرخندہ ہو رہی ہے اور اہل سنت کے مخلص عمائد وعوام جامعہ اشرفیہ کو ہر چہار جانب سے خراج تحسین اور تحفۂ اعتماد اعتبار پیش کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ سب اسی مردحق آگاہ کا فیضان اور اسی ''ابوالفیض'' کی دعاے سحرگاہی ونالۂ نیم شبی کی جلوہ باریاں ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔''(۱)

چناں چہ مشاہیر علماے اہل سنت کی ایک مجلس شوریٰ ۳؍ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۲؍جولائی ۱۹۸۵ء کو جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوئی اور جدید مسائل کے حل کے لیے تیس مفتیان کرام پر مشتمل ''شرعی بورڈ'' کی تشکیل عمل میں آئی۔ سوال نامہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے مرتب فرمایا تھا۔ [شرعی بورڈ کے قیام اور جاری کیے گئے استفتا کی تفصیل ماہ نامہ اشرفیہ، جولائی، اگست ۱۹۸۵ء، ص:۶۔۷ میں دیکھی جاسکتی ہے۔] استفتا کے لیے بورڈ کے ارکان اور ملک وبیرون ملک کے مفتیان کرام کے ساتھ رابطہ کرنے کی ذمہ داری رئیس القلم اور عرب ملکوں سے رابطہ قائم کرنے کی ذمہ داری صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کو دی گئی تھی۔ کل ہند شرعی بورڈ کے معتمد اعلیٰ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تھے۔ شرعی بورڈ کی کل چار فقہی نشستیں منعقد ہوئیں۔ ایک نشست جامعہ حمیدیہ بنارس [۱۵؍صفر ۱۴۰۶ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۵ء] میں اور تین نشستیں جامعہ اشرفیہ [۳، ۴؍ذو قعدہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۱، ۱۲؍جولائی ۱۹۸۶ء- ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰؍جنوری ۱۹۸۷ء-اوائل ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ] میں۔ بحثیں خوب ہوئیں لیکن کسی بھی مسئلے پر تمام علماے کرام کا اتفاق نہیں ہوسکا۔ اور پھر یہ شرعی بورڈ سرد خانے میں چلا گیا۔ [اس کی کچھ تفصیل حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کے قلم سے ماہ نامہ

---

(۱) ابتدائیہ، صحیفہ مجلس شرعی، جلد دوم، طبع مئی ۲۰۰۹ء، ص:۱۵

اشرفیہ، شمارہ اگست ۱۹۸۶ء میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔]

سات برس تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر حضرت عزیز ملت کو فکر ہوئی کہ جدید پیچیدہ مسائل کا حل قوم کے سامنے آنا چاہیے، یہ کام فقہی مذاکرات سے بخوبی انجام پا سکتا ہے، جس کے لیے ایک ''مجلس شرعی'' کے قیام کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر حضرت شارح بخاری سے تبادلۂ خیال کیا۔ شارح بخاری نے اس راہ کی دشواریوں کا خیال کرتے ہوئے پہلے تامل کیا، لیکن کئی بار کی ملاقات کے بعد راضی ہو گئے۔ حضرت سربراہ اعلیٰ دام ظلہ العالی نے جامعہ اشرفیہ کی مجلس شوریٰ میں مجلس شرعی کے لیے ایک بجٹ مختص کرایا۔

۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ، شہزادۂ حافظ ملت مولانا عبدالحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی نے اساتذہ اشرفیہ کی موجودگی میں ''مجلس شرعی'' قائم فرمائی اور علما و مفتیان کرام کو جدید مسائل کے حل کے لیے ایک علمی و تحقیقی پلیٹ فارم مہیا کرایا اور مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کا ایک شعبہ قرار پائی۔ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، شمارہ جنوری ۱۹۹۳ء، ص: ۴۲ پر حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے ایک خوش کن اعلان ''جامعہ اشرفیہ میں مجلس شرعی کا قیام'' [محررہ: ۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۱۹۹۲ء] شائع ہوا۔ جس میں مجلس شرعی کے قیام کا پس منظر اور کچھ تفصیل بھی درج ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس شرعی کی پہلی نشست ۲۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ کو جامعہ اشرفیہ میں بوقت ۸ بجے شب منعقد ہوگی جس میں طریقۂ کار کی تجاویز کی منظوری اور آئندہ سیمینار کی تاریخ اور موضوع بحث کا تعین ہوگا۔ اعلان میں ارکانِ مجلس کے اسما بھی دیے گئے ہیں۔

مجلس شرعی کے قیام کے وقت حسب ذیل مقاصد پیش نظر تھے:

(۱) سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور آپ کے اصحاب کی سنت تدوین فقہ کا احیا اور جدید تقاضوں کے مطابق فقہی احکام کی جامع کتابوں کی تالیف۔

(۲) نو پید مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا اور اس کے لیے مجالس مذاکرہ کا انعقاد۔

(۳) نوجوان علما کی فقہی تربیت، تاکہ مستقبل قریب میں بالغ نظر فقہا کا گروہ تیار ہو سکے۔

(۴) مجلس شرعی کے تحت تالیف شدہ کتب ورسائل، حل شدہ مسائل، منتخب مقالات ومباحث اور اس کے کاموں سے متعلق مفید معلومات کی ترتیب واشاعت۔

مجلس شرعی کے بانی حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی [سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ] نویں فقہی سیمینار [منعقدہ: ۱۲ تا ۱۵ ر ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۸ تا ۲۱ ر فروری ۲۰۰۰ء] میں پیش کیے گئے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں لکھتے ہیں:

''آج عبادات ومعاملات میں ایسے مسائل بھی رونما ہو چکے ہیں اور مزید بڑھتے جا رہے ہیں، جن کا صاف اور صریح جواب کتابوں میں نہیں ملتا۔ ان کا حل تلاش کرنے کے لیے دقیقہ رس اہل فقہ وفتویٰ کی ضرورت ہے جو اپنی علمی بصیرت، فکری ذہانت اور قلبی وروحانی روشنی سے امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی کرسکیں۔ ان ہی کی صلاحیتوں کو مجتمع اور محنتوں کو منظم وبار آور بنانے کے لیے مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا۔

اس ضرورت کو میں ذرا اور واضح کرنا چاہتا ہوں:

اولاً: ماہر ومتبحر اور مخلص ودردمند علما کی کمی ہے۔

ثانیاً: کچھ حضرات ہیں تو ان کے پاس ساز وسامان نہیں۔

ثالثاً: وہ تنہا کچھ کرنے میں غلطی یا مخالفت کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

رابعاً: اس کام کے لیے یا اس طرح کے مذکورہ بہت سے کاموں کے لیے وہ کوئی تنظیم یا ادارہ بنانا اور چلانا چاہیں تو ان کے پاس اتنا وقت اور سرمایہ نہیں۔

خامساً: اگر اس کی بنا ڈالتے ہیں تو خطرات اور ناکامیوں کا رخ دیکھنا پڑتا ہے اور پہلے جو دینی وعلمی خدمت کسی پیمانے پر انجام دے رہے تھے وہ بھی ہاتھ سے جاتی ہے۔

ان احوال پر نظر کرتے ہوئے ایک ایسے ذمہ دار اور فعال ادارے کی ضرورت سامنے آتی ہے جو منتشر افراد کو مجتمع کر سکے، ان کے قلبی درد وکرب میں ان کا شریک ہو، ان کی دینی وملی تمناؤں اور حوصلوں میں ان کا معاون اور ہمدرد وغم گسار ہو۔

حضرات! مجلس شرعی کسی ایک شخص یا ادارہ کی قوت کا نام نہیں بلکہ یہ علمائے دین

اور ملت کے مخلصین کی اجتماعی وقت کی ایک عملی شکل ہے جس میں دردمند علما کے خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور باصلاحیت افراد کی فکروں اور صلاحیتوں کا ضیاع وبربادی سے تحفظ بھی۔ اس سچائی سے اگر کسی کو انکار ہو تو ٹھنڈے اور صالح دل سے اس پر غور کریں حقیقت خود منکشف ہو جائے گی۔"(۱)

مجلس شرعی کے پہلے سرپرست ونگراں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تھے۔ فی الحال مجلس کے دو سرپرست ہیں: امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی اور حضرت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ۔ مجلس کے صدر علامہ محمد احمد مصباحی اور ناظم مفتی محمد نظام الدین رضوی ہیں۔ ان کے علاوہ نو [۹] ارکانِ مجلس ہیں۔

ممتاز محقق ومترجم مولانا عبدالحکیم شرف قادری سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور پاکستان لکھتے ہیں:

"پاک وہند کے مدارس اہل سنت میں جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی کئی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت اس جامعہ میں مجلس شرعی کا قیام ہے جس میں آپ ایسے دقیق نظر، وسیع مطالعہ اور ملت اسلامیہ کا صحیح درد رکھنے والے علما شامل ہیں۔"(۲)

سرپرست مجلس شرعی حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری دام ظلہ العالی کا گراں قدر تاثر ملاحظہ فرمائیں:

> "اہل سنت وجماعت کی مایہ ناز درس گاہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ اپنی علمی ودینی، ملی وسماجی خدمات کے حوالے سے ہند وبیرون ہند امتیاز وانفرادیت کی حامل ہے اور مستقبل میں اس ادارے سے مثبت توقعات ہیں۔ اس عظیم مذہبی ادارے نے جماعت اہل سنت کو جلیل القدر فقہا، شاندار خطبا، معروف صاحبان قلم، باصلاحیت

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۰ء، ص: ۱۳

(۲) جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، جلد سوم، طبع ۲۰۱۸ء، ص: ۵۰۸

اساتذہ، قادر الکلام مناظر اور ماہرین فن عطا کیے۔ آج پوری دنیا میں فرزندانِ اشرفیہ پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف انداز میں اپنی اپنی بساط کے مطابق خدمت علم ودین اور خدمت خلق میں مصروف عمل ہیں۔ مجلس شرعی کا قیام بھی انھی گراں قدر خدمات کی ایک کڑی ہے۔"(۱)

فقہی سیمینار کا طریقۂ کار پہلے یہ ہوتا تھا کہ پہلے ارکان مجلس کی ایک نشست میں موضوع کا انتخاب ہوتا، پھر سوال نامہ جاری کیا جاتا جس میں متعلقہ موضوع کے گوشوں کی نقاب کشائی کے ساتھ چند سوالات بھی درج ہوتے تھے اور مندوبین محققین علما ان سوالات کا حل ایک تحقیقی مقالے کی شکل میں مجلس کو ارسال کرتے۔ سیمینار کی متعینہ تواریخ میں مندوبین کی باہمی مجلس مذاکرہ منعقد ہوتی اور فقہی جزئیات ونظائر کی روشنی میں گرما گرم بحثیں ہوتیں، اگر اتفاق کی راہ نکل آتی تو اسے فیصلے کی شکل میں نوٹ کرلیا جاتا، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مسئلہ فیصل بورڈ کے سپرد کردیا جاتا جو اپنی الگ نشستوں میں ان پر بحث کرتے اور فیصلے سے جملہ مندوبین کو مطلع کردیا جاتا۔ ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ دسمبر ۱۹۹۴ء میں مجلس شرعی کے پہلے چار روزہ فقہی سیمینار کی تفصیلی رپورٹ اور مقالات اور بحثوں کا خلاصہ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ فقہی مقالات کے پہلے تلخیص نگار آپ ہی ہیں۔ تیسرے اور چوتھے سیمینار کی رپورٹ بھی انھی کے قلم سے علی الترتیب ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء اور جنوری ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

مجلس کا پہلا فقہی سیمینار ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوا، دوسرا سیمینار ۲۳ تا ۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء اور تیسرا ۱۴، ۱۵، ۱۶/ ستمبر ۱۹۹۷ء کو۔ اس سیمینار سے پہلے ناظم مجلس کی حیثیت سے علامہ محمد احمد مصباحی کا انتخاب عمل میں آیا۔

حضرت سراج الفقہا لکھتے ہیں:

"حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجویز پر تیسرے

---

(۱) مجلس شرعی کے فیصلے، جلد اول، طبع ۲۰۱۴ء، ص: ۲۶

سیمینار سے پہلے کسی وقت حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نائب صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ناظم مجلس شرعی کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا، جو جہد مسلسل اور عمل پیہم کے خوگر اور اخلاص کے ساتھ دین کا کام کرنے والے باذوق عالم دین ہیں۔ پھر کیا تھا، فقہی سیمینار کا ایک زریں سلسلہ قائم ہو گیا۔ جیسے مجلس شرعی میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو، صرف ڈھائی سال کے عرصے میں سات سیمینار ہوئے۔

تیسرا سیمینار جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ میں ہوا تھا اور نواں سیمینار ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ میں۔ مولانا موصوف نے خود بھی کافی محنت کی اور مقالہ نگاروں سے بھی خوب محنت کرائی یعنی حقیقی مفہوم میں عرق ریزی ہوئی۔‘‘(۱)

پھر ساڑھے چار سال تک وقفہ رہا، اس دوران کوئی فقہی سیمینار نہ ہوا، لیکن حضرت امین ملت دام ظلہ العالی کی تحریک پر علمی وفقہی مجالس کا یہ سلسلہ دوبارہ جاری ہوا۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے نظامت کی ذمہ داری سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی کو سونپی گئی جو اس راہِ پر خار کے مسافر بھی ہیں اور تحقیق وافتا کے ماہر بھی۔ (۲)

چیدہ مقالات اور ابحاث کا خلاصہ دسویں سیمینار تک بعد ہی میں تحریر کیا جاتا رہا لیکن گیارہویں سیمینار سے یہ طریقہ بدل دیا گیا۔ اس وقت سے تاحال مقالات کی دست یابی کے بعد سیمینار سے قبل ہی خلاصۂ مقالات لکھنے کی ذمہ داری اساتذۂ اشرفیہ کو دی جاتی ہے۔ اس طرز تلخیص کو استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی نے شروع کیا اور صدر مجلس نے اس پر پسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا: ’’بڑی نفیس تلخیص ہے۔‘‘ یہی تلخیص محفل مذاکرہ میں سب سے پہلے پیش ہوتی ہے پھر بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) صحیفۂ مجلس شرعی، جلد دوم، جامعہ اشرفیہ، مئی ۲۰۰۹ء، ص: ۲۲، ۲۳
(۲) دسواں فقہی سیمینار اور گزشتہ نو سیمیناروں کی اجمالی رپورٹ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، شمارہ شعبان ۱۴۲۵ھ مطابق ستمبر ۲۰۰۴ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
(۳) ماہ نامہ اشرفیہ، ستمبر ۲۰۰۴ء اور جون ۲۰۰۵ء دیکھیں۔

مجلس شرعی کے فیصلوں کو ہندو پاک اور دیار غیر میں مقیم علما و مفتیان کرام قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کا تاثر گزر چکا ہے۔ پاکستان میں رضویات کے ایک جید محقق اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے صدر صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری [مدیر: سال نامہ وماہ نامہ ''معارف رضا'' کراچی] ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''اس امر کے بیان کرنے میں فقیر کو کوئی باک نہیں کہ آپ کا یہ جملہ: ''الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کی مجلس شرعی بساط عالم پر پیدا ہونے والے جدید فقہی مسائل کے حل کے لیے ایک معتبر نام ہے۔'' دورِ حاضر کی ایک عظیم حقیقت ہے جس کا انکار کوئی کورِ باطن ہی کر سکتا ہے۔
>
> علمائے ملت کی اعلیٰ اور فکری صلاحیتوں کو بروے کار لا کر جدید فقہی مسائل کے اجماعی [اجتماعی] حل کی عملی تصویر آپ حضرات کی ''مجلس شرعی'' نے پیش کی ہے۔ اس نے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''مجلس اصحاب'' کی یاد تازہ کر دی ہے۔ یہ ابنائے الاشرفیہ کا اتنا بڑا عظیم کارنامہ ہے جس پر سواد اعظم جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔''(۱)

آگے انھوں نے مجلس شرعی کے فیصلوں کی افادیت واثرات کو قلم بند کیا ہے، فرماتے ہیں:

''تیرہ شرعی سیمناروں کے بعد مجلس شرعی کی جو کارکردگی اجماعی فیصلوں کی صورت میں نظر آ رہی ہے اس کو اپنے اور غیر بھی تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کے جو اہم برکات ہیں وہ فقیر کی نگاہ میں درج ذیل ہیں:

(۱) کثیر تعداد میں اہل علم وتحقیق اور مفتیان راسخین ''مجلس شرعی'' کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں، یہ بہت خوش آئند بات ہے۔

(۲) دلیل اور علمی تحقیق کو خواص وعوام میں قبول عام حاصل ہو رہا ہے۔

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ ستمبر ۲۰۰۶ء

(۳) مشربی وجغرافیائی تعصب کی دیواریں گر رہی ہیں۔ عرب وعجم کا فرق کم ہو رہا ہے۔ مشربی بالادستی کے بجائے شرعی دلائل کی ترجیحات کا وزن محسوس کیا جا رہا ہے اور انّ أکرمکم عند اللہ أتقٰکم کا قرآنی نظریہ فروغ پذیر ہے۔ نیز مستقبل کے علماے فحول اور اہل تحقیق وافتا کی تربیت گاہ بن رہی ہے۔

(۴) جدید تعلیم یافتہ مگر دین سے نابلد بلکہ متنفر افراد اور دشمنان اسلام مثلاً عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کے اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا مثبت اور مستحکم جواب اور اس کا سد باب ”مجلس شرعی“ کے فیصلے ہیں۔

بہر حال اجماع امت اور تبلیغ ودعوت دین ومسلک کا جو کام آپ حضرات نے ایک نہایت منظم طریقہ پر اور انضباط ومنصوبہ کے ساتھ شروع کیا ہے اور الحمد للہ اس میں جو اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں اس کے لیے عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، آپ اور آپ کی پوری ٹیم، الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذہ، طلبہ، نیز ابناے اشرفیہ پورے جنوبی ایشیا کے سواد اعظم [مسلک اکثریت حنفی المسلک] کی طرف سے قابل مبارک باد ہیں۔“ (مرجع سابق)

مجلس شرعی کے اثرات واقعی عالم گیر ہیں اور اس کے فیصلوں کے فوائد وبرکات سے پوری امت مسلمہ مستفید ہو رہی ہے۔ مجلس شرعی کے زیر اہتمام اب تک ملک کے مختلف شہروں میں ۲۶/ کامیاب فقہی سیمینار منعقد ہو چکے ہیں اور ان میں علما ومفتیان کرام ومحققین کے علمی مذاکرات سے ۹۴ مسائل کا متفقہ حل سامنے آیا ہے۔ مجلس شرعی کے فیصلے، جلد اول [طبع ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء] میں ساٹھ مسائل کے فیصلے موجود ہیں، بقیہ ۳۴ مسائل کے فیصلے عن قریب جلد دوم میں شائع ہوں گے۔ اس وقت مجلس شرعی کی کامیابی کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ اہل اسلام کا بڑا طبقہ مجلس کے فیصلوں کو بسر وچشم قبول کرتا ہے اور اس کا احسان مانتا ہے۔ صرف دو تاثرات ملاحظہ فرمائیں:

شیخ القرآن علامہ عبد اللہ خاں عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ الجامعۃ الاشرفیہ کے وسیع ہال میں انھوں [حافظ ملت علیہ الرحمہ] نے ارشاد فرمایا تھا: ''اس ادارے کے جو علما و اساتذہ ہیں میں ان پر فخر کر سکتا ہوں۔'' آج میں بھی انھی کی اقتدا اور انھی کی پیروی میں فخر کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے یہ نوجوان علما جس طرح منزل کی طرف رواں دواں ہیں، ایک وقت یہ منزلِ مقصود تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ میں نے جب سوال نامے کو پڑھا تو سمجھ گیا کہ اپنی جماعت کے علما و فضلا اس بلندی پر پہنچنا چاہتے ہیں جس بلندی پر دوسری جماعت کے علما نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا حافظ ملت کا یہ فرمان بالکل صحیح ہے کہ ہم ان علما پر فخر کر سکتے ہیں اسی طرح میں بھی ان علما پر فخر کر رہا ہوں۔ عزیز ملت نے سیمینار کو جس دریا دلی، محبت اور خلوص ولگن کے ساتھ دار العلوم اشرفیہ سے لے کر ممبئی تک آراستہ کیا ہے یہ بھی قابل مبارک باد ہے۔ اور پھر میں صدر العلماء محب مکرم حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کے کمالاتِ علمیہ کا قائل ہوں کہ جس اعلیٰ نظام کے ساتھ تعلیم کو جس بلندی پر یہ پہنچا رہے ہیں اور اس مجلس کو انھوں نے جس انداز کے ساتھ چلایا ہے وہ قابل ستائش ہے اور مجلس کا ناظم جیسی شخصیت کو مقرر کیا گیا ہے وہ ناظم بھی الحمد للہ بہت ہی باکمال ہیں۔ ہمارے صدر العلماء کہ جن کی باتیں سنو تو جی چاہتا ہے سنتے ہی رہو، اتنے فصیح و بلیغ اور باصلاحیت لوگ اشرفیہ میں رہتے ہیں جن کے فضل و کمال کا سوتا ہمیشہ جاری رہتا ہے۔''(۱)

بزرگ قلم کار و مصنف مولانا عبد المبین نعمانی رقم طراز ہیں:

''یہ کوئی کہنے کی بات نہیں کہ اس فقہی سیمینار کی کیا اہمیت ہے۔

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، جون ۲۰۰۵ء، ص: ۳۹، بموقع گیارہواں فقہی سیمینار، ممبئی

اس سے پوری قوم کو تو فائدہ پہنچتا ہی ہے، علماے کرام اور طلباے عظام کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا قابل ہو، جب ایسی محفلوں میں بیٹھتا ہے تو یقیناً اس کے سامنے نئے گوشے آتے ہیں۔ سال بھر کے مطالعے اور تحقیق میں جو باتیں سامنے نہیں آپاتیں، ان سے کہیں زیادہ فوائد ان چند محفلوں میں حاصل ہو جاتے ہیں اور ان ہی سیمیناروں کے فیض سے ہم لوگوں کو بہتر سے بہتر جواب دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بہت سی باتیں جو گہرے مطالعے کے بعد حاصل ہوتی ہیں، یہاں بہت آسانی سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ نئے مسائل پر جو فیصلے ہوتے ہیں قوم اسے تسلیم کرتی ہے۔"[1]

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ سے تا حال نو [۹] علمی و تحقیقی کتابیں طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور ہند و پاک کے جید علما ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

(۱)۔صحیفہ فقہ اسلامی، جلد اول

یہ مجلس شرعی کے پہلے فقہی سیمینار کی مفصل روداد ہے، اس میں الکحل آمیز دواؤں کا استعمال، بیمہ زندگی اور بیمہ اموال کے عنوانات پر محققین علما و مفتیان کرام کے اہم مقالات اور ان کے علمی مذاکرات و مباحثات اور شرعی فیصلوں کی تفصیل درج ہے۔ اس کو حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی اور مفتی معراج القادری نے مشترکہ طور پر مرتب کیا ہے، کل صفحات ۳۵۲ ہیں۔ اس کا دوسرا ایڈیشن فرید بک اسٹال، لاہور، پاکستان نے مارچ ۲۰۰۰ء میں شائع کیا ہے۔

(۲)۔صحیفہ مجلس شرعی، جلد دوم

نام کی جزوی ترمیم کے ساتھ یہ کتاب جلد ثانی کی شکل میں جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ/مئی

---

[1] ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، جنوری ۲۰۱۶ء، بموقع تیئیسواں فقہی سمینار

۲۰۰۹ء میں طبع ہوئی ہے۔ مرتب ہیں ناظم مجلس شرعی مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ۔ کل صفحات ۵۲۰ ر ہیں۔ اس جلد میں چار موضوعات پر مقالات اور متفقہ فیصلے شامل ہیں: (۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت (۲) دوامی اجارہ (۳) علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال (۴) اعضا کی پیوند کاری۔ چاروں موضوعات کے لیے چار ابواب قائم کیے گئے ہیں، جن میں مقالات کے ساتھ ان کی تلخیص، فیصلے اور اربابِ تنقیحات کی آرا بھی درج ہیں۔

(۳)- مجلس شرعی کے فیصلے، جلد اول

اس کتاب میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے بیس فقہی سیمیناروں کے ساٹھ متفقہ فیصلے درج ہیں، یہ عصر جدید کے نو پید مسائل سے متعلق اعلیٰ تحقیقات وتنقیحات پر مشتمل ہیں، یہ فیصلے امت مسلمہ کے لیے تاریک راہوں میں مشعل راہ ہیں۔ اسے ناظم مجلس شرعی دام ظلہ نے مرتب کیا ہے، کل صفحات ۵۴۴ ر ہیں جس کی اشاعت ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء میں عمل میں آئی۔

(۴)- جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، جلد اول

(۵)- جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، دوم

(۶)- جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، سوم

جلد اول میں مجلس شرعی کے گیارہ فقہی سیمیناروں کے مقالات کی ۱۹ ر تلخیصات اور ۲۲ ر فیصلے درج ہیں، ساتھ ہی سوال ناموں کی تفصیل بھی موجود ہے۔ کل صفحات: ۵۱۶ ر ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس سیریز کی تینوں جلدیں ناظم مجلس شرعی دام ظلہ العالی نے مرتب کی ہیں اور ان پر وقیع مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ دوسری جلد میں پانچ سیمیناروں کے مقالات کی ۱۷ ر تلخیصات اور ۲۲ ر فیصلے مع سوال نامہ شامل ہیں۔ کل صفحات: ۴۴۰ ر ہیں۔ تیسری جلد میں مجلس شرعی کے چار فقہی سیمیناروں میں پیش کیے گئے مقالات کی ۱۵ ر تلخیصات اور ۱۶ ر فیصلے موجود ہیں۔ کل صفحات: ۵۱۲ ر ہیں۔ یہ تینوں جلدیں اکبر بک سیلر، لاہور، پاکستان سے بھی طبع ہو چکی ہیں، پاکستان کے ایک اور طباعتی ادارے نے اسے شائع کیا ہے۔ اس کی چوتھی جلد عن قریب منظر عام پر آئے گی۔

(۷)- فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت [مفتی محمد نظام الدین رضوی]

زیر تذکرہ کتاب جدید فقہی مسائل ومباحث کی تحقیق وتطبیق کا ایک خوب صورت نمونہ ہے جس میں مصنف کی وسعت نظر، دینی نصوص اور فقہی ضوابط پر کامل دستگاہ سراپا آئینہ بن گئی ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار انواع پر مشتمل ہے، تقدیم بھی حضرت مصنف ہی کے خامۂ زرنگار کا نتیجہ ہے۔ اس میں فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس کی مشہور زمانہ تصنیف ''فتاویٰ رضویہ'' سے بہ طور خاص ستر سے زائد مسائل کا انتخاب اور حالات زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی احکام میں ان کا اندراج ثابت کیا گیا ہے۔ سنہ اشاعت: ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء ہے، کل صفحات ۹۶/ ہیں۔

(۸)- چلتی ٹرین میں نماز کا حکم [مفتی محمد نظام الدین رضوی]

یہ کتاب کل چار مضامین پر مشتمل ہے پہلا مضمون مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی کا ایک عالمانہ خطاب، دوسرا مضمون صاحب کتاب کا ایک توضیحی خطاب ہے جسے مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ نے مرتب کیا ہے، تیسرا مضمون ''نماز کے احکام پر ریل کے بدلتے نظام کا اثر'' کے عنوان سے مفتی صاحب قبلہ کا وہ مضمون ہے جو مجلس شرعی کے سوال نامے کے جواب کی شکل میں تحریر کیا گیا تھا، چوتھا مجلس شرعی کے جامعۃ البرکات علی گڑھ میں منعقدہ بیسویں فقہی سیمینار کا فیصلہ ہے۔ یہ کتاب نومبر ۲۰۱۳ء میں منظر عام پہ آئی ہے اور صفحات ۶۷ ہیں۔

(۹)- خطبہ صدارت [علامہ محمد احمد مصباحی]

صدر مجلس شرعی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے یہ خطبہ صدارت اکیسویں فقہی سیمینار [منعقدہ صفر ۱۴۳۵ھ/ دسمبر ۲۰۱۳ء، پونہ] میں پیش کیا تھا، جس میں مجلس شرعی کے سیمناروں کی خصوصیات، چلتی ٹرین پر نماز کا مسئلہ، ٹرینوں کا حال، پہلے اور اب اور عظیم شخصیات کی وفیات پر گفتگو کی ہے، مفتی محمد ناصر حسین مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ] نے اسے کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے، کل صفحات ۲۴ ہیں، یہ کتاب اپریل ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی ہے اور انتہائی قابل مطالعہ ہے۔

مجلس برکات جامعہ اشرفیہ:

ایک زمانہ قبل ماہر اللسان محقق ومترجم مولانا عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے ماہ نامہ اشرفیہ کے حافظ ملت نمبر میں ایک پیغام ارسال کیا تھا، جس میں جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد کو درسی کتابوں کے حواشی وتعلیقات کی جانب متوجہ ہونے کا مشورہ دیا تھا:

> ''بحمدہ تعالیٰ اشرفیہ میں مستعد، فعال، باصلاحیت اور درد دل رکھنے والے علما کی ایک ٹیم جمع ہو چکی ہے جس سے بجا طور پر اعلیٰ توقعات رکھی جاسکتی ہیں۔ درس نظامی کی کتابوں پر عام طور پر دیوبندیوں کے حواشی چھپ رہے ہیں اس سے طلبہ کے ذہن پر کیا اثر پڑتا ہوگا آپ حضرات سے مخفی نہیں۔ اس طرف بھی توجہ فرمایئے اور سنی طلبہ کو احساس کمتری سے نجات دلایئے۔''(۱)

اساتذۂ اشرفیہ دیگر اہم علمی کاموں میں مشغول تھے۔ وقت آیا اور ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری دام ظلہ العالی کی تحریک پر انھی کی سرپرستی اور حضرت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی نگرانی میں ایک علمی وتحقیقی ادارہ ''مجلس برکات'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا بنیادی نشانہ درس نظامی کی کتب پر نظر ثانی اور جدید حواشی کے ساتھ ان کی طباعت واشاعت ہے اور آغاز کتاب میں مصنف ومحشی کا جامع تعارف بھی درج کر دیا جائے تاکہ مصنف ومحشی کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ ہو اور جو نشریاتی ادارے اصل مصنف یا حاشیہ نگار کے نام خارج کر کے اب تک کتابیں شائع کر رہے تھے ان کی ادبی خیانت طشت ازبام ہو۔

۱۱ر نومبر ۱۹۹۸ء کو غالباً پہلی بار مولانا عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ پاکستان سے براہِ ممبئی ودہلی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور طلبہ سے خطاب فرمایا اور اساتذہ ومتعلقین سے تبادلۂ خیال کیا۔ [ملاحظہ کریں: ماہ نامہ اشرفیہ، نومبر دسمبر ۱۹۹۸ء، ص: ۱۰۴]

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، حافظ ملت نمبر، اگست ۱۹۷۸ء، ص: ۱۶۸

۱۹۹۹ء میں مجلس برکات قائم ہوئی، لیکن کوئی خاص پیش رفت نہ ہوسکی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں اشرفیہ مبارک پور میں مولانا شرف قادری علیہ الرحمہ کی دوبارہ آمد ہوئی۔ تو یہاں ایک ہفتہ ان کا قیام رہا، اس دوران مجلس برکات کے دائرہ عمل، طریقۂ کار اور حواشی کے انتخاب کے سلسلے میں اساتذہ اشرفیہ سے خصوصی مذاکرہ ہوا۔ جامعہ کی دونوں لائبریریوں سے ایک ایک کتاب کے مختلف نسخے نکلوائے جاتے، حواشی کی علمی حیثیت اور حاشیہ نگاروں کی اعتقادی حیثیت پر اظہار خیال کیا جاتا۔ اس مجلس میں علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور علامہ محمد احمد مصباحی کی رائیں حرف آخر ہوتیں۔ ہر روز دو تین نشستیں ہوتیں، بالآخر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور ایک ہفتہ بعد وہ جامعہ سے رخصت ہو گئے۔

اساتذۂ اشرفیہ و دیگر چند علما و محققین نے ماہ رمضان کی تعطیل میں یہ محاذ سنبھالا اور قدیم حواشی کے ساتھ جدید حواشی و تعلیقات لکھے گئے، فارسی، اردو قواعد انشا و املا سے لے کر نحو و صرف کی ابتدائی و ثانوی اہم کتابیں باضابطہ تحریر کی گئیں، قدیم کتابوں کو جدید ترتیب و تسہیل کے ساتھ شائع کیا گیا۔ مجلس برکات سے تاحال ایک سو تیس سے زائد کتابیں چھپ چکی ہیں اور اکثر کتابوں کی تصحیح و نظر ثانی کا کام حضرت صدر العلماء نے انجام دیا ہے۔ جو بہت بڑی علمی خدمت ہے۔ یہ تاریخی کام صدر العلماء دام ظلہ العالی کی نگرانی اور دیکھ ریکھ میں ارتقا پذیر ہے۔

اساتذۂ اشرفیہ کا یہ علمی و تحقیقی کارنامہ علم و ادب کی تاریخ میں ایک خوب صورت باب کا اضافہ قرار دیا جائے گا۔ تدریس اور اس کے متعلقات میں حد درجہ مصروف رہتے ہوئے پرورش لوح و قلم یقیناً ایک اہم کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی لکھتے ہیں:

> ''تدریس کی گوناگوں مصروفیات کے علاوہ جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ پرورش لوح و قلم میں خاصا وقت صرف کرتے ہیں۔ ان اساتذہ کے نوک قلم سے متعدد موضوعات پر بیشتر کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کتابوں میں کچھ درسی اور

بعض غیر درسی ہیں، جو کتابیں داخل درس ہیں ان کی تحشیہ نگاری کا اہم کارنامہ بھی جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ نے انجام دیا ہے۔ اس تعلق سے بیسوں کتابیں "مجلس برکات" کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہیں۔"(۱)

اساتذۂ اشرفیہ آج بھی علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں اور مجلس برکات ہنوز اپنی علمی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔

مجلس فقہی جامعہ اشرفیہ:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دور سے جامعہ اشرفیہ میں فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام ہوتا آیا ہے اور برصغیر میں دارالعلوم اشرفیہ کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ خود فتاویٰ تحریر فرماتے تھے، فقیہ اسلام مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کی ذات میں بھی شعورِ افتا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی بھی مشاق فتویٰ نویس تھے۔ لیکن اشرفیہ میں باضابطہ شعبۂ افتا نہیں تھا۔ دارالعلوم اشرفیہ کی روداد بابت ۱۳۷۶ھ۔ ۱۳۷۷ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوال ۱۳۷۶ھ میں یہاں باضابطہ دارالافتا قائم ہوا اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کو دی گئی۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب انتظامیہ نے انھیں صدر المدرسین منتخب کیا اور ان کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ بہ حیثیت صدر مفتی جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور دارالافتا ان کے حوالے ہو گیا۔ ان کے وصال [۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء] کے بعد سے تا حال سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا و قضا ہیں۔ جن کی نگرانی میں نصف درجن مفتیان کرام شارح بخاری دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی خدمت پر مامور ہیں۔ فتاویٰ جامعہ اشرفیہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے جن کی ترتیب و تحقیق اور طباعت و اشاعت وقت کا تقاضا تھا۔ چناں چہ اسی غرض سے شوال ۱۴۳۴ھ مطابق اگست ۲۰۱۳ء میں حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی نگرانی و سرپرستی میں "مجلس فقہی" قائم ہوئی اور ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، جو

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء، ص: ۳۷

اپنی نگرانی میں یہ اہم علمی وتحقیقی کام کروائے اور چند اساتذہ اشرفیہ کو ان فتاویٰ کی تحقیق، تخریج وترتیب کی ذمہ داری دی گئی، ان میں مفتی محمد نسیم مصباحی اور مفتی محمود علی مشاہدی صاحبان قابل ذکر ہیں۔ مجلس فقہی سے اب تک فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، جلد اول [حافظ ملت ودیگر مفتیان کرام کے فتاویٰ] اور جلد پنجم [فتاویٰ شارح بخاری] کی طباعت واشاعت ہوئی ہے۔ فتاویٰ شارح بخاری کی تین درمیانی جلدیں اسی نام سے گھوسی سے چھپ چکی ہیں۔ حضرت سراج الفقہا کی نگرانی میں بقیہ جلدوں پر بھی کام جاری ہے۔

شعبۂ اختصاص:

جامعہ اشرفیہ میں اختصاص کے کئی اہم شعبے ہیں، ان میں اختصاص فی الفقہ سب سے پہلا تحقیقی شعبہ ہے جو ایک طویل عرصہ سے انتہائی متحرک وفعال ہے، جس میں تبحر ومشاق مفتیان کرام کی نگرانی میں فارغ شدہ طلبہ کو اصول فتویٰ نویسی اور چند خاص علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور طلبہ کو مشق افتا کا عملی مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ اختصاص عربی ادب بھی ایک اہم شعبہ ہے جس میں ماہرین ادب اساتذہ عربی زبان وادب کے متعلقہ گوشوں پر تحقیقی وتنقیدی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالتے ہیں۔ اس میں عربی زبان بولنے، لکھنے اور سمجھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ تیسرا شعبہ اختصاص فی الحدیث کا ہے۔ اس شعبے میں داخلہ لینے والے کو اصول جرح وتعدیل، درایت وروایت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان میں حدیث واصول حدیث کی مہارت پیدا ہو اور وہ احادیث نبویہ کے فروغ میں علمی خدمات پیش کرسکیں۔ ایک چوتھا شعبہ صرف مشق افتا کا ہے جس میں فتویٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس کا بھی ایک نصاب مقرر ہے جس میں اصول افتا کا احاطہ کیا گیا ہے۔

تحقیق کے ان شعبوں میں دو سال کے اندر ایک ماہر استاذ کی نگرانی میں تقریباً سو صفحات پر عربی یا اردو زبان کا تحقیقی مقالہ لکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ راقم کی معلومات کی حد تک شعبۂ تحقیق کا سب سے پہلا تحقیقی مقالہ "فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کتاب وسنت کی روشنی میں" حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی نے قلم بند فرمایا۔ اس کے بعد سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان تمام شعبوں سے ہر سال پچاس سے زائد محققین فارغ ہوتے ہیں اور ملک وبیرون

ملک دینی وعلمی خدمات میں مشغول ہیں۔ ۲۰۰۵ء، ۲۰۰۶ء میں راقم الحروف اپنے دس رفقا کے ساتھ شعبہ تحقیق فی الفقہ کا طالب علم تھا، ہم لوگوں نے مشترکہ طور پر چودہ صدیوں کے فقہاے احناف پر تحقیقی مقالہ لکھا تھا جو ایک اہم علمی وتاریخی دستاویز ہے اور فل اسکیپ کے تقریباً بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ شعبۂ اختصاص کے بارہ مقالات [جو ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان لکھے گئے ہیں] کا پہلا مجموعہ صفر ۱۴۴۰ھ مطابق نومبر 2018ء میں ''فتاویٰ رضویہ جہان علوم ومعارف'' کے نام سے استاذ گرامی حضرت صدر العلماء دام ظلہ نے تین جلدوں میں مرتب فرما کر شائع کروایا ہے۔ انفرادی طور پر اور بھی چند مقالات کتابی شکل میں بہت جلد منظر عام پر آنے والے ہیں، مثلاً مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی کا تحقیقی مقالہ ''فتاویٰ رضویہ کی امتیازی خصوصیات'' جدید تحقیق وترتیب کے ساتھ طباعت کے لیے تیار ہے۔

امام احمد رضا لائبریری:

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مبارک پور تشریف لانے کے بعد دار العلوم اشرفیہ دورِ عروج کی طرف بڑھنے لگا، درس گاہ کی شہرت سن کر طلبہ کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق جنوری ۱۹۳۵ء میں باغ فردوس کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور جب مدرسہ کی پہلی منزل بن کر تیار ہوگئی تو تعلیمی سلسلہ یہاں شروع ہوگیا۔ اسی وقت سے غیر مقامی طلبہ کا قیام بھی یہیں رہنے لگا۔ اس وقت تک دار العلوم میں مطبخ کا نظم نہیں تھا، قصبہ کے دردمند فیاض صفت مسلمانوں کے یہاں طلبہ کی جاگیریں تھیں۔ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں یہاں مطبخ قائم ہوا۔ لیکن معاملہ صرف قیام وطعام تک محدود نہ تھا، جب طلبہ زیادہ ہوگئے تو ان کے لیے کتابیں بھی درکار ہوئیں۔ دار العلوم کے ذمہ داروں نے اس سلسلے میں کافی کوششیں کیں، مخیر حضرات نے اپنی طرف سے دار العلوم کو کتابیں وقف کیں۔ آگے چل کر سالانہ بجٹ میں اس کے لیے رقم منظور ہوئی، مگر پھر بھی کتابیں ہمیشہ پڑھنے والوں کے لحاظ سے کم ہی رہیں۔ بالآخر ۱۹۴۵، ۱۹۴۶ء کی روداد میں کتابوں کے لیے الگ سے اپیل شائع کی گئی اور کتابوں کی فراہمی کی جانب زیادہ توجہ دی گئی اور دار العلوم کی ایک مستقل لائبریری ہوگئی۔ اس وقت سے تاحال کتابوں میں اضافہ ہوتا رہا، درسی کتابوں کے ساتھ غیر درسی کتابوں کی بھی

اچھی خاصی تعداد ہوگئی۔ لیکن ان کا کوئی خاص نظم قائم نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں ۱۹۷۰ء کے بعد زیادہ کارآمد کوششیں ہوئیں اور کتابیں ایک آباد لائبریری کا حصہ بن گئیں۔

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''۱۹۷۰ء میں وہ مجلس انتظامیہ کے صدر اور ادارہ کے سربراہِ اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب ہوئے، مگر ان کے اوپر اس منصب کا کوئی جاہ وجلال نظر نہ آیا، انھوں نے بارہا فرمایا کہ ''میں کل بھی ادارہ کا خادم تھا اور آج بھی ادارہ کا خادم ہی ہوں۔'' جہاں تک منصبی ذمہ داریوں کی انجام دہی کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ الجامعۃ الاشرفیہ کی فلک بوس عمارت، اس کی تا حد نظر وسیع وعریض زمین، اس کی نوع بہ نوع عمارتیں سب حافظ ملت کے منصب صدارت کا عطیہ ہیں۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے منصوبوں کو عملی شکل دینا چاہتے تھے، مگر کوئی بھی بڑا کام متحرک وفعال رفقاے کار کی تن دہی اور سرگرمی کے بعد ہی پورا ہو سکتا ہے۔ انھوں نے جامعہ کی عمارت بننے کے بعد ہی لائبریری کو مستقل حیثیت دی، اس کے لیے مولانا عبد المبین نعمانی جیسے باخبر، ملت کے درد مند، علم وفن کے شیدا اور متحرک وفعال شخص کو لائبریرین مقرر کیا، مولانا نے دیکھتے دیکھتے کتابوں کے گودام کو ایک باضابطہ لائبریری میں تبدیل کر دیا اور اس کی ثروت وترقی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔''(۱)

یہ لائبریری ایک زمانے سے سینٹرل بلڈنگ کے اوپر درمیان ہال میں آباد تھی اور حضرت نعمانی صاحب کے بعد اس کے لائبریرین مولانا غلام حسین مصباحی مبارک پوری تھے، ان کی سبک دوشی کے بعد صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ نے ایک ذمہ داری صاحب قلم اور کتابوں کے شوقین مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کو جامعہ اشرفیہ بلایا جو اس سے قبل سلیم پور، دیوریا کے دار العلوم غوثیہ میں استاذ تھے۔ ۲۰۰۳ء میں وہ جامعہ اشرفیہ آئے

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۴۲، ۴۳

اور لائبریری کی ذمہ داری انھیں سپرد کر دی گئی۔ جامعہ کیمپس میں شارح بخاری دارالافتا، صدر الشریعہ دارالقضا اور لائبریری کی ایک مستقل عمارت بن کر تیار ہوئی تو یہ تمام کتابیں وہاں منتقل ہوئیں اور ۲۵ ر رجب ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۱ ر ستمبر ۲۰۰۴ء بروز شنبہ شہزادۂ احسن العلماء حضرت سید محمد اشرف میاں برکاتی دام ظلہ کے ہاتھوں ''امام احمد رضا لائبریری'' کا افتتاح ہوا۔ یہ لائبریری شمال وجنوب دو حصوں میں موجود ہے، شمالی حصے میں غیر درسی کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور جنوب میں درسی کتابوں کا شلیف ہے۔ فی الحال امام احمد رضا لائبریری میں قدیم وجدید پچاس ہزار سے زائد کتابیں موجود ہیں، جن میں قدیم رسائل اور مخطوطوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ جنوبی گوشے میں سیمینار ہال بھی واقع ہے اور اس سے متصل اشرفی دارالمطالعہ کی الماریاں سجی ہوئی ہیں۔

تربیتِ لوح وقلم کا دورِ عروج:

مجلس شرعی، مجلس برکات اور مجلس فقہی جامعہ اشرفیہ جیسے علمی وفقہی ادارے انھی بزرگوں کی یادگار ہیں۔ صحیفۂ مجلس شرعی [اول ودوم]، مجلس شرعی کے فیصلے [اول ودوم]، جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے [تین جلدیں] اور فتاویٰ جامعہ اشرفیہ کی کئی جلدیں اسی سلسلۃ الذہب کی پرنور کڑیاں ہیں جو سنی دارالاشاعت کی شکل میں حافظ ملت علیہ الرحمہ اور ان کے رفقا نے شروع کیا تھا۔ ادارہ تحقیقاتِ حافظ ملت [قائم کردہ: ۱۹۸۹ء، بانی: حضرت عزیز ملت سربراہِ اعلیٰ اشرفیہ] بھی اسی میں شمار کیا جائے گا۔

حافظ ملت کے بعد بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی ودیگر شیوخ اشرفیہ کے دور صدارت میں تربیت لوح وقلم کا سلسلہ جاری رہا۔ علامہ محمد احمد مصباحی کے دورِ صدارت میں تحریر وقلم اور ادب وتحقیق کی یہ تحریک پورے شباب پر پہنچ گئی۔ آپ کی مقتدر حکمت عملی سے نہ صرف نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں اصلاحات ہوئیں، بلکہ اساتذہ وطلبہ کی علمی واخلاقی تربیت کے ساتھ ان میں علم وادب کا مذاق پیدا کیا گیا، کئی اہم ادبی تحریکیں اپنے وجود کا احساس دلانے لگیں، طلبہ واساتذہ میں تصنیف وتحقیق، تسہیل وترجمۂ کتب ورسائل کا ذوق بیدار ہوا۔ سال میں چند ایسی کتب ضرور طبع ہو کر منظر عام پر آنے لگیں جن کا شمار اہل سنت

کے عقائد ونظریات کی حقانیت، نصابی ضرورت، فروغ حنفیت اور اشاعت ادب وفن کی علمی تاریخ میں ہوتا ہے۔ اگر چہ کچھ سختیاں بھی بڑھیں اور اصول بھی مشکل وضع ہوئے لیکن یہ سب کچھ اشرفیہ اور اس کے معیار تعلیم کو بہتر بنانے کی غرض سے کیا گیا۔ اس سلسلے میں شیخ الجامعہ ودیگر اساتذہ کے ساتھ حضرت سربراہ اعلیٰ نے پوری بصیرت افروزی اور دانش مندی کے ساتھ عملی کوششیں فرمائیں جن کا خوش تر نتیجہ برآمد ہوا اور تاریخ اشرفیہ کا سنہرا باب چمکنے لگا۔

اگر چہ ان سالوں میں خود شیخ الجامعہ علامہ محمد احمد مصباحی کو تصنیف وتحقیق کا زیادہ موقع نہ ملا اور حضرت کی کوئی اہم کتاب طبع ہو کر منظر عام پر نہ آسکی، لیکن تحریک اشرفیہ کو جو عروج حاصل ہوا وہ آپ کی انتھک جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

شوال ۱۴۰۶ھ مطابق جون ۱۹۸۶ء میں آپ عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور اپنی حد درجہ تدریسی کارگزاریوں اور بلند علمی وتحقیقی ذوق کی بنا پر جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ میں اپنا خاص مقام بنالیا اور طلبہ میں ادب کے مطالعہ اور مشق وممارست کی جوت جگادی۔ اس دوران تصنیف وتحقیق وترجمۂ کتب کا گراں قدر کام بھی انجام دیتے رہے۔ ماقبل میں گزرا کہ جامعہ اشرفیہ میں ایک زمانے سے انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ کے زیر اہتمام ۲۵ ؍صفر کو عرس رضوی کے موقع پر سالانہ "یوم رضا" منعقد ہوتا تھا جس میں خصوصی خطابات کے ساتھ مابین الطلبہ تحریری وتقریری مسابقہ بھی شامل رہتا تھا۔ یہ مقالات عربی، اردو اور انگریزی میں لکھے جاتے تھے، اکثر عربی اردو مقالات کے حکم حضرت صدر العلماء منتخب ہوتے اور طلبہ کی پوزیشن متعین فرماتے۔ ماہ نامہ اشرفیہ کے قدیم شماروں کی ورق گردانی کے بعد کئی اہم سالانہ تقریبات یوم رضا کی رپورٹ [ماہ نامہ اشرفیہ، نومبر ۱۹۸۹ء، ص: ۳۳، ۳۴، ۳۵] مطالعے میں آئی جن سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ اس وقت لکھے گئے مضامین کی تعداد بیس، پچیس ہوتی تھی اور آج جشن یوم مفتی اعظم کے تحریری مسابقے میں چار سو کے قریب مضامین لکھے جاتے ہیں۔

حضرت صدر العلماء کے دورِ صدارت کی ابتدا میں مابین الطلبہ کوئز مقابلہ، شعر وشاعری کا مسابقہ، خطوط نویسی کا مقابلہ اور اوپری درجوں میں مضمون نگاری کا مقابلہ بڑی

شان سے منعقد ہوتا تھا اور جشن یوم مفتی اعظم ہند میں آل جامعہ تحریری و تقریری مسابقہ تو آج تک تاریخی تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ ہفتہ وار مشقی بزمیں بھی ہوتی رہیں، یہ سلسلہ بھی آج تک جاری ہے۔ ۲۰۰۱ء میں درجہ خامسہ کے طلبہ نے ''بہارِ ادب'' کے نام سے ادبی تحریک کی بنیاد رکھی جس کی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر کئی اہم ادبی تحریکیں قائم ہوئیں اور ہفتہ وار جدارئیے جاری ہوئے، ان میں ''جہاں نما'' نامی ہفتہ روزہ اخبار سب میں نمایاں تھا۔ ۲۰۰۲ء میں تحریک پیغام اسلام بھی اسی سلسلے میں جڑی، جو آج بھی زندہ ہے۔ وہ دن اور آج کا دن، جامعہ اشرفیہ کی کئی طلبہ تنظیمیں، بزمیں اور لائبریریاں قائم ہیں اور طلبہ میں تحریر و تقریر کا ذوق فزوں تر ہے۔

۳۰؍جون ۲۰۱۴ء کو آپ سرکاری عہدۂ صدارت سے سبک دوش ہوئے تو یکم جولائی ۲۰۱۴ء کو سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کو عہدۂ صدارت تفویض کیا گیا۔ اس سے قبل حضرت سراج الفقہا تدریس کے ساتھ دار الافتا اور مجلس شرعی کی ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے، ساتھ ہی اپنا تحقیقی و تصنیفی کام بھی انجام دیتے تھے لیکن منصب صدارت کافی صبر آزما اور مصروفیت آمیز ہوتا ہے اس لیے تصنیف و تحقیق کی رفتار کچھ ضرور دھیمی ہوئی لیکن بند نہیں ہوئی ہے۔ اور ان شاء اللہ بند ہونے والی بھی نہیں کیوں کہ علمی و فقہی ذوق انھیں ہر آن کچھ نہ کچھ لکھنے اور پڑھنے پر مہمیز دیتا رہتا ہے۔ اِسی دور میں ان کی تصنیف کردہ یا مرتبہ کتابوں میں ''چلتی ٹرین پر نماز کا حکم، فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت، مجلس شرعی کے فیصلے [اول و دوم]، جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے [تین جلدیں] طبع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں۔ ان کی فقہی تحقیق کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

دیگر اساتذۂ اشرفیہ بھی علم و تحقیق کے میدان میں جدید علمی و قلمی فتوحات پیش کر رہے ہیں اور تحریکِ اشرفیہ کو توانائی مل رہی ہے۔ اگر چہ تدریس اور اس کے متعلقات میں اساتذہ کی حد درجہ مشغولیت رہتی ہے اس لیے دورانِ تدریس قلمی کاموں کا وقت بہت کم ملتا ہے لیکن چھٹیوں میں باذوق افراد اخلاص کے ساتھ پرورش لوح و قلم میں مشغول رہتے ہیں۔

بابِ دوم

صدر العلماء: اَحوال و آثار

صدر العلماء: اَحوال و آثار

سراپا:

قد وقامت: موزوں، توانائی بخش لہو کا نمائندہ ـــــ اعصاب: مضبوط، جفاکشی اور علمی وفکری جد وجہد کے ترجمان ـــــ چہرہ: کتابی، طبعی حسن کا گواہ ـــــ رنگ: گہرا، مگر پُر جمال عارض مسلسل دماغی ریاضت کی نشانی ـــــ داڑھی: سفید، یک مشتی، سنت نبوی کی آئینہ دار ـــــ پیشانی: کشادہ، جس پر شعور وتدبر کی لکیریں نمایاں ـــــ آنکھیں: نور نور، جن پر لگے چشمے کے اندر سے علم وآگہی منعکس ـــــ لباس: صوفیانہ، کلی دار کرتا، چوڑا پاجامہ ـــــ دو پلی ٹوپی بزرگی کی شان ـــــ چمڑے کی چپل، موسم سرما میں شیروانی، مفلر اور موزہ، جوتا ـــــ روز وشب: عارفانہ سادگی اور سالکانہ وضع داری کا نمونہ ـــــ بول چال میں عالمانہ وقار اور محققانہ جمال ـــــ کردار میں اخلاق نبوی کی دل کشی ـــــ معاملات میں شفافیت ـــــ دنیاداری سے دامن کش اور دین داری میں طاق ـــــ فکر دنیا سے بے نیاز اور اُخروی حساب وکتاب کے لیے فکر مند ـــــ ضعیفی میں بھی جوانوں کی طرح محنت کش ـــــ چھوٹوں پر مہربان، بڑوں کے عزت دار ـــــ باکمال مردِ حق آگاہ، لیکن ظاہری وضع میں عام انسان ـــــ اندرون میں سمندر اور بیرون میں چشمۂ زم زم ـــــ باطن صاف ستھرا اور ظاہر اس کا عکس جمیل ـــــ بے نام تصوف کا مرکزِ انوار ـــــ خاموشی میں تکلم اور تفکر میں گویائی ـــــ ذات بحر زخار اور بات تہ نشیں موج ـــــ قلم چلے تو موتی ٹپکے ـــــ بیان کریں تو علم وآگہی کی سبک خرام ندی کا احساس ہو ـــــ سب سے بڑی بات ایک اچھے انسان، کامل مومن، اطاعت گزار فرزند، مشفق باپ، مخلص منتظم، علم وادب کے شائق اور دین کے سچے خادم۔ یہ ہیں صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی [ناظم تعلیمات وسابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ]

مولد و مسکن:

جائے پیدائش موضع ''بھیرہ'' ہے جو اعظم گڑھ شہر سے تقریباً ۲۵ رکلومیٹر جانب مشرق، مئو شہر سے ۲۷ رکلومیٹر جانب مغرب اور محمد آباد گوہنہ سے تین کلومیٹر شمالی مغربی حصے میں واقع ہے، جس کے قریب میں ٹونس ندی بہتی ہے۔ بھیرہ ایک زمانے تک محض ایک گاؤں تھا اور محمد آباد سے وہاں جانے والی سڑک ایک خستہ حال پگڈنڈی تھی جہاں سورج ڈوبتے ہی سناٹوں کا شور سنائی دیتا تھا، مگر چند سال قبل یہ گاؤں نگر پالیکا ولید پور کا حصہ بن چکا ہے۔ گاؤں کی گلیاں پختہ بن رہی ہیں، گاؤں میں جانے والی سڑک بھی بن چکی ہے مگر محمد آباد کا راستہ اب بھی پرانی وضع کا ہے جسے جدید بنانے کا کام جاری ہے۔

بھیرہ سے متعلق درج ذیل معلومات صدر العلماء کے برادرِ اصغر مفتی احمد القادری مصباحی [مقیم حال امریکہ] کی نامکمل کتاب ''حالاتِ صدر العلماء'' سے ماخوذ ہے جو از راہ خرد نوازی انھوں نے راقم الحروف کو ارسال کی ہے۔ اس کی روشنی میں مشرق و مغرب میں اس کا طول البلد ۸۳ درجہ ۱۸ دقیقہ اور شمال و جنوب میں عرض البلد ۲۶ درجہ ۶ دقیقہ ہے۔

اس کے آباد ہونے کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا، البتہ آثار و قرائن اور تاریخ سے اتنا ضرور پتہ لگتا ہے کہ آج سے چھ، سات سو سال پہلے ''آستانہ بھیرہ'' آباد تھا اور اسی قریبی زمانہ میں ابراہیم شاہ شرقی (زمانۂ حکومت: ۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) سلطان جونپور کی جانب سے شیخ مشید کو اسے بطور جاگیر دیا گیا تھا۔ پھر ان کا خاندان جونپور سے منتقل ہو کر آستانہ بھیرہ مستقل طور پر آباد ہو گیا۔

یہیں سے اس کی تاریخ کتابوں میں ملتی ہے۔ ''دیار پورب میں علم اور علما'' میں یہ بھی تحریر ہے کہ دیار پورب میں کہ ضلع اعظم گڑھ میں سب سے پہلا مدرسہ ''بھیرہ'' میں قائم ہوا۔

البتہ یہاں کے بزرگوں اور شیوخ سے اس کے آباد ہونے کی ایک روایت نسلاً بعد نسل ہم تک پہنچتی ہے کہ کسی زمانہ میں دو بزرگ سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے، اس زمانہ میں یہ علاقہ ایک گنجان جنگل کی شکل میں تھا، انھیں یہ جگہ فرحت بخش معلوم ہوئی، سکونت کا ارادہ ہو گیا۔ وضو کے لیے پانی کی تلاش میں نکلے، سامنے سے انھیں بھاگا ہوا ایک کتا دکھائی پڑا،

ب انھیں قریب میں کہیں پانی ہونے کا یقین ہو گیا، کچھ دور جا کر جھاڑیوں کے بیچ صاف وشفاف پانی کی ایک چھوٹی سی نہر بہتی نظر آئی جو آج ''ٹونس ندی'' کے نام سے اس علاقے کو سیراب کرتی ہے۔ دیکھتے ہی ان کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی اور انھوں نے گوشہ نشین ہو کر عبادت الٰہی کے لیے یہ جگہ پسند فرمالی اور مستقل طور پر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہی جگہ رفتہ رفتہ آبادی میں تبدیل ہو گئی، ''سلطان پور'' نام پڑا، پھر گردش لیل ونہار نے اسے مٹا کر ''بھیرہ'' سے مشہور کر دیا۔ کچھ مشہور مشائخ بھیرہ کے نام جن کے حالات کتب تواریخ میں ملتے ہیں:

(۱)- حضرت شیخ معروف ثانی بھیروی

(متوفی: ۱۶ر ذی قعدہ بزمانہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ)

(۲)- حضرت شیخ ابوسعید بھیروی

(متوفی: ۱۲ر ذی الحجہ، بزمانہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ)

(۳)- حضرت مولانا شاہ ابوالخیر بھیروی

(متوفی: ۱۱ر شوال ۱۰۵۹ھ، بزمانہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ)

(۴)- حضرت مولانا مخدوم شاہ اسماعیل بھیروی

(متوفی: ۱۶ر جمادی الاولی ۱۱۰۶ھ، بزمانہ اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ

(۵)- حضرت شیخ محمد شاہ ثانی بھیروی (متوفی: ۱۵ر صفر ۱۱۱۴ھ)

(۶)- حضرت ابوالغوث گرم دیوان شاہ بھیروی

(متوفی: ۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۱۷۸ھ بزمانہ شاہ عالم (۱۱۷۳ھ تا ۱۲۲۱ھ)

(۷)- مولانا حافظ شاہ محمد اسحاق بھیروی

(متوفی: ۱۲۳۴ھ، بزمانہ معین الدین اکبر شاہ ثانی (۱۲۲۱ھ تا ۱۲۵۳ھ)

(۸)- مولانا محمد علی ابن شاہ عبد العلیم بھیروی، بزمانہ معین الدین اکبر شاہ ثانی (متوفی: ۱۲۲۱ھ تا ۱۲۵۳ھ)

(۹)- مولانا احسان علی واعظ بھیروی (متوفی: ۱۳۰۰ھ)

(۱۰)- حضرت مولانا علی احمد بھیروی (متوفی: ۱۳۱۷ھ)

(۱۱)- حضرت مولانا عزیز احمد ابن مولانا علی احمد بھیروی (متوفی: ۱۳۱۰ھ)

(۱۲)- حضرت مولانا محمد کامل نعمانی ولید پوری علیہ الرحمہ

(متوفی: ۷ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ)

مندرجہ بالا مشائخ کرام کے علاوہ اور بھی بزرگان دین گزرے ہیں جن کی تفصیل مناقب غوثی [قلمی]، دیار پورب میں علم اور علما، تذکرہ علماے ہند [فارسی]، نزہۃ الخواطر [عربی]، تذکرہ علماے اعظم گڑھ، تذکرہ علماے مبارک پور، تاریخ مکرم، اور شیر وشکر وغیرہ کتابوں میں تحریر ہے۔ "مناقب غوثی" حضرت مولانا شاہ ابو الغوث گرم دیوان شاہ علیہ الرحمہ [۱۱۰۰ھ۔ ۱۱۷۸ھ] کے حالات پر مشتمل ہے جسے ان کے خلیفہ شاہ شمس الدین حیدری نے ان کی زندگی ہی میں تحریر فرمایا۔ اس کا فارسی قلمی نسخہ انھی کے خاندان کے ایک بزرگ شاہ فخر الدین علیہ الرحمہ [م: ۱۳۹۸ھ۔ ساکن دھاواں، ضلع غازی پور] کے پاس موجود ہے۔ استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم نے ۱۳۹۷ھ کی تعطیل کلاں میں مولانا حافظ فضل حق غازی پوری کے مکان پر رہ کر پوری کتاب نقل کر لی تھی۔ راقم الحروف اس کی زیارت سے شاد کام ہو چکا ہے، یہ نقل متوسط رجسٹر سائز کے دو سو سے زائد صفحات میں نیلی روشنائی سے تیار کی گئی ہے۔

نام ونسب:

محمد احمد مصباحی ابن جناب محمد صابر اشرفی مرحوم ابن عبد الکریم مرحوم ابن محمد اسحٰق مرحوم ابن جمن خلیفہ مرحوم۔

خاندانی پس منظر:

بھیرہ ولید پور میں مرحوم "جمن خلیفہ" کا خاندان آباد ہے، جو آپ کے جد امجد ہوتے ہیں۔ یہ ایک دین دار، فیاض طبیعت اور بہادر انسان تھے، شمشیر زنی میں ماہر اور دینی ولی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے مخلص مرد دانا تھے۔ انھوں نے بھیرہ میں مصارف

خاص سے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ جمن خلیفہ مرحوم کے تین بھائی تھے: ایک بھائی مبارک پور میں جاکر آباد ہو گئے۔ ان کا خاندان اب تک کثیر افراد پر مشتمل مبارک پور میں موجود ہے۔ دوسرے بھائی کہیں اور جاکر آباد ہو گئے جن کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔

جمن خلیفہ کے چار لڑکے تھے: محمد اسحٰق، عبد اللہ، ولی محمد، چوتھے بیٹے کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ۲۸ محرم ۱۲۹۵ھ کا محررہ ایک اسٹام پیپر دستیاب ہوا، جو محمد اسحٰق مرحوم اور ان کے بھائیوں کے درمیان خانگی بٹوارے کا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جد امجد جمن خلیفہ مرحوم اس کے قبل انتقال کر چکے تھے۔ محمد اسحٰق مرحوم بھی باپ کی طرح متقی اور پرہیز گار تھے، رزق حلال کے لیے زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس دور میں ایک بڑے کاشت کار کی حیثیت سے معروف تھے۔ ان کی جائداد اور زمینیں اب تک خاندان میں موجود ہیں۔

محمد اسحٰق مرحوم کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

عبد الکریم مرحوم، غلام علی مرحوم، صفی اللہ مرحوم، الفت، حلیمہ، سلیمہ۔ (تینوں بیٹوں کی شادی گھوسی میں تین عورتوں سے ہوئی جو آپس میں سگی بہنیں تھیں)

غلام علی مرحوم کا خاندان بھیرہ میں موجود ہے۔ صفی اللہ مرحوم کا خاندان ناگپور اور گھوسی میں ہے۔ حلیمہ کا خاندان مبارک پور کے قریب آباد ہے، الفت کی اولاد ابراہیم پور میں ہے۔ سلیمہ نے اپنی سکونت عدن میں اختیار کر لی تھی، ان کا خاندان وہیں پر آباد ہے۔

عبد الکریم مرحوم نہایت قوی الجثہ، شجاع، بہادر اور نڈر تھے۔ کاشت کاری ان کا پیشہ تھا۔ آپ کی والدہ کا نام زینب تھا۔ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں انتقال فرمایا۔ آپ نے تین اولاد چھوڑیں: محمد صابر اشرفی مرحوم، سکونت، بتول۔ سکونت کی اولاد ابراہیم پور میں ہے اور بتول کی اولاد بنارس میں۔

عبد الکریم مرحوم کے فرزند محمد صابر اشرفی ایک پختہ اسلام مسلمان، نماز روزہ کے پابند، دین داری میں چاق و چوبند اور باطل افکار و اوہام کی سخت مخالفت کرنے والے انسان تھے۔ ان کی پیدائش تقریباً ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ تقریباً ۵ سال کے تھے کہ

والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ پھر پورا ایک سال بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام کریمہ بنت ولی اللہ مرحوم ہے، یہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے وطن گھوسی کی باشندہ، بلکہ ان کی پڑوسن تھیں۔ والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی سرپرستی چچازاد بھائی محمد سلیم مرحوم کے ہاتھ ہوئی، جب عمر تقریباً ۱۷ سال کی ہوئی تو بھائی کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر آپ نے اپنے بہنوئی محمد صدیق مرحوم (سکونت مرحومہ کے شوہر) کے یہاں ابراہیم پور میں کچھ دنوں اقامت اختیار فرمائی۔

آپ سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ میں پیر طریقت حضرت سید شاہ اشرف حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ کے مرید تھے، اس نسبت سے نام کا لاحقہ ''اشرفی'' ہوا۔ ادب شناسی میں ان کا جواب نہ تھا، بزرگوں اور علما کے عقیدت مند تھے، اسلام وسنیت کے کاموں میں پیش پیش رہتے اور تعمیری وسماجی کاز میں دل چسپی رکھتے۔ مفتی احمد القادری لکھتے ہیں:

> ''والد مرحوم علمائے اہل سنت کے بڑے عقیدت مند تھے، ان کے پاس حاضر ہوتے، تحفے تحائف دیتے۔ جب زیارت کے لیے جاتے، بسا اوقات ہمیں بھی ساتھ لے جاتے، ہمارے لیے دعائیں کراتے۔ اکابر علمائے کرام جن سے آپ کے روابط تھے، چند کے نام یہ ہیں: حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ، شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ، ان کے برادر کلاں حضرت مولانا سید اشرف حسین علیہ الرحمہ، محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ، حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ، شیخ الادب حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ

الرحمہ، استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ، استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد عثمان اعظمی علیہ الرحمہ وغیرہم۔"(۱)

حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ [متوفی: یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء] سے کافی اچھے روابط تھے اور حضرت بھی انھیں خوب مانتے تھے۔ انھوں نے گاؤں کے چند مسلمانوں کے ساتھ مل کر ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کو حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سرپرستی اور موجودگی میں "انجمن اہل سنت" قائم کی جو بعد میں "انجمن امجدیہ اہل سنت" سے موسوم ہوئی۔ انجمن کے کاروائی رجسٹر پر سب سے پہلی تحریر، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دست مبارک سے مرقوم ہے۔ اس انجمن نے سرزمین بھیرہ پر نمایاں کام انجام دیا۔ اسی انجمن کے زیر اہتمام مدرسہ عزیزیہ خیر العلوم بھیرہ، مدرسۃ البنات، دار الحفظ والقراءت، رضا مسجد، جامع مسجد قدم رسول، نوری مسجد، قادری مسجد، برکاتی مسجد وغیرہ مساجد ومدارس چل رہے ہیں اور باقاعدگی کے ساتھ اشاعتِ علم ہو رہی ہے۔

پہلے بھیرہ میں سنیوں کا نہ جمعہ ہوتا تھا، نہ نماز عیدین۔ والد مرحوم جمعہ کی نماز اور عیدین کے لیے خیرآباد جاتے۔ مگر ہر کوئی وہاں نہ جا پاتا، اکثر احباب اہل سنت بھیرہ ہی میں رہ جاتے، جس کے باعث مسلک کو نقصان پہنچتا۔ اس ضرورت کے پیش نظر پہلے دکھن پورہ میں جمعہ قائم ہوا، وہاں بھی بھیرہ کے چند ہی لوگ پہنچتے، باقی یہیں رہ جاتے۔ اس لیے والد مرحوم نے جامع مسجد قدم رسول میں نماز جمعہ کے قیام کا اعلان فرمایا۔ حضرت مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ نے پہلا جمعہ پڑھایا۔ لیکن محلے کی مسجد میں صحیح العقیدہ امام نہ ہونے کے سبب ان کو جماعت کے حصول کے لیے بڑی دشواری ہوتی۔ اس لیے ان کی خواہش تھی کہ محلے میں ہم سنیوں کی مسجد ہو جائے۔ مفتی احمد القادری لکھتے ہیں کہ مجھے بارہا انھوں نے مسجد بنانے کی وصیت کی۔ الحمدللہ! ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا، از سر نو زمین خرید کر محلے میں یہ

(۱) مفتی احمد القادری، حالات صدر العلماء، غیر مطبوعہ، ص: ۶

مسجد تعمیر ہوئی، اور رضا مسجد کی شکل میں ان کی خواہش اور وصیت پوری ہوئی۔

نومبر ۱۹۹۲ء میں رضا مسجد کی زمین کا بیع نامہ ہوا، اور ۸ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۴ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بابری مسجد کی شہادت سے دو دن پہلے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم کے ہاتھوں مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ پھر چند ہی سال کے عرصہ میں یہ مسجد فرش سے مینار تک مکمل ہوگئی، جس میں نماز پنج گانہ کا معقول انتظام ہے۔ پھر اس سے ملحق زمین خرید کر "دار الحفظ والقراءت" کی دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔ اگر چہ یہ مسجد والد مرحوم کی زندگی میں نہ بن سکی، مگر تحریک انھیں کی پیدا کردہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے یہ امید ہے کہ اس کا اجر عظیم انھیں ملے گا اور ان کی قبر میں راحت کا سامان ہوگا۔"

حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ان کے روابط کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو ان کی علالت اور حافظ ملت کی عیادت کی غرض سے بھیرہ تشریف آوری سے متعلق ہے۔ ہوا یوں کہ مرحوم محمد صابر اشرفی بیمار ہوئے تو حافظ ابراہیم مبارک پوری جو رشتے میں ان کے بھائی ہوتے ہیں ان سے کہا کہ مبارک پور جا کر حافظ ملت سے شفا کی دعا کرائیں اور ممکن ہو تو حضرت سے ایک تعویذ لے کر بھیج دیں۔ موصوف نے حضرت سے پیغام عرض کیا اور تعویذ بھیج دیا۔ اس کے چند دنوں بعد مولانا سید حامد اشرف اشرفی کے ہمراہ حضرت کا محمد آباد گوہنہ ایک اجلاس میں شرکت کے لیے جانا ہوا تو دھریرا گھاٹ [جو مبارک پور سے براہِ ابراہیم پور، محمد آباد جانے والی سڑک پر خیر آباد سے قریب پڑتا ہے] سے پیادہ پاٹونس ندی پار کر کے بھیرہ پہنچ گئے اور ان کی عیادت فرمائی، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "آپ کو صحت یاب دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، عیادت کے لیے محمد آباد کا رکشہ چھوڑ کر یہاں آگیا۔"

یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد علامہ محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

"حضور حافظ ملت کے لیے صرف سنتِ عیادت کی ادائیگی میں یہ ساری زحمتیں گوارا تھیں۔ درحقیقت ان کے نزدیک ہر ایسے شخص کی بے

پناہ قدر تھی جو سنیت سے سچی ہمدردی رکھتا ہو اور مذہب کا سچا خادم ہو۔ یہی جذبہ قدر شناسی ومحبت انھیں اپنے خدام کی دل جوئی کے لیے ایسی مشقتیں جھیلنے پر بلا تکلف آمادہ کر دیا کرتا تھا۔ اللھم ارزقنا نصیباً منہ۔"(۱)

مرحوم محمد صابر اشرفی کی شادی محلہ پورہ دیوان، قصبہ مبارک پور میں عبد الرشید بن عبد احمد کی بیٹی محترمہ تسلیمہ خاتون سے ہوئی، یہ بھی اپنے شوہر کی طرح نیک طبیعت، دردمند خاتون اور صوم وصلاۃ کی بڑی پابند تھیں، بے حجاب کبھی باہر نہ نکلیں، نماز کے لیے ان کا علاحدہ لباس ہوتا، نمازوں کے وقت کام کاج کے لباس بدل لیتیں۔ جب سے انھوں نے ہوش سنبھالا، کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اپنے بچوں کو بھی بچپن ہی سے نماز کی ترغیب دیتی رہیں اور اسلامی نہج پر ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ محدث اعظم ہند حضرت سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ ایک بار خیر آباد تشریف لائے تھے، وہیں جاکر ان سے بیعت ہوئیں۔

ان کا انتقال ۱۵ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۳ر نومبر ۱۹۸۱ء، روز جمعہ بھیرہ میں ہوا۔ نماز جنازہ چھوٹے فرزند مفتی احمد القادری نے پڑھائی۔ حضرت صدر العلماء والدہ کے انتقال سے ایک روز قبل مرشد طریقت حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے بریلی شریف جا چکے تھے، بریلی سے واپسی کے بعد والدہ کی قبر پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔

والد ماجد محمد صابر اشرفی کا وصال ۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۰ء، دوشنبہ کی شب دس بجے ہوا، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں بھیرہ، ولید پور کے علاوہ دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، ضیاء العلوم، خیر آباد، اور مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد وغیرہ کے کثیر اساتذہ وعلما شریک ہوئے۔ علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کو اپنے ایک تفصیلی خط میں والد ماجد کے کچھ احوال بھی بیان کیے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب کا وہ حصہ یہاں درج کر دیا جائے، لکھتے ہیں:

(۱) مضمون "حافظ ملت کے علمی افادات"، ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، جون ۱۹۷۸ء، ص: ۱۸۸

"۵؍جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۹۹۰ء، شب دوشنبہ کو والد صاحب کی رحلت کی خبر کہیں نظر سے گزری ہوگی۔ ان کے اٹھ جانے سے میں اور زیادہ بے سہارا ہو گیا ہوں۔ عمر تو زیادہ تھی مگر اپنے کام خود کر لیتے تھے۔ کمزوری وضعیفی کی وجہ سے لیٹے تو رہتے تھے مگر وقت ضرورت گھر میں چل پھر لیتے تھے۔ چند ماہ پہلے باہر بھی آتے جاتے تھے۔ وہ ۵؍جمادی الآخرہ ۱۳۴۶ھ پنج شنبہ کو حضرت شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی علیہ الرحمہ کے پیر ومرشد اور برادرِ اکبر سید شاہ اشرف حسین صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے تھے۔ موصوف ہمارے قریبی موضع ولید پور (متصل بھیرہ) میں مولانا محمد کامل صاحب نعمانی علیہ الرحمہ کے عرس میں شرکت کے لیے ان کے خلیفہ حضرت صوفی محمد جان علیہ الرحمہ کی دعوت پر کچھوچھہ شریف سے یا اور مقامات سے ہوتے ہوئے تشریف لائے تھے۔

والد صاحب عرصۂ دراز تک گجرات کے شہر سورت میں بھی رہ چکے تھے، وہاں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ کی تقریروں اور مجلسوں سے بہت مستفید ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے یہاں گھوسی بھی آمد و رفت رکھتے تھے۔ دیگر علما خصوصاً حافظ ملت علیہ الرحمہ سے قریبی تعلقات تھے۔ ہم لوگوں کے لیے دینی اور دنیاوی طور پر بہت کچھ کر گئے۔ گاؤں کی سنیت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں بھی ان کا نمایاں کردار رہے ورنہ وہابیت کی ہوا تو ہمارے علاقے کو بری طرح مسموم کر گئی تھی۔ رب قدیر انھیں جنت الفردوس سے نوازے اور عفو و غفران، رحمت وحنان کا معاملہ فرمائے۔ دعاؤں سے نوازیں۔ متصلب دین دار، پابند شرائع، متحرک ومحرک

شخص تھے، ہمارا دینی وملی مزاج ان کا اور والدہ مرحومہ کا ہی عطیہ ہے۔
تغمدھما اللہ تعالیٰ بغفرانہ وفضلہ وانعامہ۔"(۱)

ولادت اور نام ولقب:

آپ کی پیدائش ۱۸ر ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۹ر ستمبر ۱۹۵۲ء، روز سہ شنبہ موضع بھیرہ، پوسٹ ولید پور، ضلع اعظم گڑھ [موجودہ ضلع مئو، اتر پردیش] کے اسی علم دوست، دین پرور اور متوسط الحال گھرانے میں ہوئی۔ "محمد" نام رکھا گیا اور اسی نام پر عقیقہ ہوا۔ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد کے زمانۂ تدریس میں "احمد" کا اضافہ ہوا۔ اب "محمد احمد" پورا نام ہوا اور تمام اسناد پر یہی درج ہے۔ دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم سے فراغت کے بعد اس میں "مصباحی" نسبتِ اعزاز کا اضافہ ہوا اور یہ نسبت علم سے زیادہ مشہور ہوئی۔ صدر العلماء، عمدۃ المحققین آپ کے معروف القاب ہیں۔

تعلیم وتربیت:

"بھیرہ" میں والدین کریمین کے زیر سایہ تربیت کا آغاز ہوا، تحصیل علم کی عمر ہوئی تو والدہ ماجدہ سے اکتساب علم کرنے لگے، پھر درجہ سوم تک پرائمری تعلیم مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ، بھیرہ میں پائی۔ مدرسہ شاہ رحیم اللہ فاروقی بھیروی علیہ الرحمہ نے ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں قائم فرمایا تھا، جو ایک پختہ فکر، متصلب سنی اور علم دوست انسان تھے، ہر سال حضرت مخدوم بھیروی علیہ الرحمہ کا عرس منعقد کرتے اور ہر جمعرات کو ان کے یہاں محفل میلاد ہوتی۔ مگر افسوس ان کے انتقال کے بعد موقع پا کر دیوبندیوں نے اس مدرسہ پر قبضہ جمالیا۔

درجۂ سوم کی تعلیم کے بعد ۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۸ر اپریل ۱۹۶۲ء، روز یک شنبہ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد، اعظم گڑھ [موجودہ ضلع مئو] میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق نومبر ۱۹۶۶ء تقریباً پانچ سال تک پوری دل جمعی اور انہماک کے ساتھ ابتدائی فارسی سے شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کی۔

(۱) مکتوب بنام علامہ عبدالحکیم شرف قادری، لاہور، ۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳ر جنوری ۱۹۹۱ء

اس سلسلے میں مفتی احمد القادری تحریر فرماتے ہیں:

"درجہ سوم کے بعد مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں داخلہ لیا، اس کا واقعہ والد مرحوم اس طرح بیان کرتے کہ مولانا غلام محمد بھیروی علیہ الرحمہ (متوفی ۲۷ر صفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۸ر ستمبر ۱۹۹۱ء بروز اتوار بوقت فجر) گھر پر آئے اور اچھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان سے خیرآباد چلنے کو کہا، وہ تیار ہو گئے، پھر مجھ سے اصرار کیا میں نے یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ خود ہی گھبرا کر واپس آجائیں گے، کیوں کہ عمر ابھی ننھی سی تھی، باہر کبھی رہے نہ تھے۔ ان کے ساتھ چلے گئے، دو تین دن ہو گئے، واپس نہیں آئے تو میں پتہ لگانے کے لیے خیرآباد گیا۔

اساتذہ نے بتایا کہ وہ بڑے شوق سے پڑھتا ہے اور مطمئن ہے، گھبرانے کی کوئی بات ہی نہیں۔ ۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۸ر اپریل ۱۹۶۲ء بروز اتوار، داخلہ ہوا، اور شعبان ۱۳۸۶ھ رنومبر ۱۹۶۶ء تک ۵ سال بڑے اطمینان وسکون، محنت، لگن اور پوری توجہ کے ساتھ ضیاء العلوم خیرآباد میں تعلیم حاصل کی۔ اس وقت ضیاء العلوم کے اساتذہ میں مولانا غلا محمد بھیروی،، مولانا محمد عمر خیرآبادی، مولانا محمد حنیف مبارکپوری، مولانا محمد سلطان اَدروی، منشی محمد رفیق مبارک پوری (شاگرد آغا حشر کشمیری)، منشی اسرار احمد اَدروی، حافظ وقاری نثار احمد مبارک پوری تھے۔ پرائمری، فارسی درجات اور تجوید وقراءت سے لے کر شرح وقایہ، شرح جامی، نور الانوار، ہدیہ سعیدیہ وغیرہ تک یہیں رہ کر تعلیم حاصل کی، سارے اساتذہ ان کے مداح تھے۔" (۱)

(۱) حالات صدر العلماء، ص: ۱۳، ۱۴

اس دوران حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی ان کی تعلیم و تربیت کا جائزہ لیتے رہے کیوں کہ والد ماجد محمد صابر اشرفی سے حافظ ملت علیہ الرحمہ کے روابط اسی وقت سے قائم تھے جب ان کی مبارک پور تشریف آوری ہوئی تھی، جب وہ حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لیے مبارک پور حاضر ہوتے تو ان کے ہمراہ برادر گرامی بھی ہوتے۔ والد مرحوم کی دینداری اور مذہبی مساعی کی بنا پر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ ان کی بڑی قدر کرتے اور خصوصی ہمدردی کا برتاؤ رکھتے۔

ایک بار مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد کے سالانہ جلسے میں طلبہ کی تقریریں ہوئیں، حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی شریک تھے۔ اپنے خصوصی خطاب میں انھوں نے صدر العلماء کی سنجیدہ اور پر مغز تقریر کا بطور خاص ذکر فرمایا اور دعاؤں سے نوازا۔

۱۹۶۶ء میں بہ حیثیت ممتحن وہاں علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ تشریف لے گئے اور اپنے پختہ اصول کی بنیاد پر طلبہ کو نمبر دیے۔ اسی برس سالانہ اجلاس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ہوئی تو اپنے خطاب میں انھوں نے فرمایا:

> ''ایک طالب علم [محمد احمد بھیروی] نے چھ کتابوں کے امتحان دیے اور پانچ کتابوں میں پچاسی نمبر حاصل کیے جو فرسٹ نمبر سے بھی زیادہ ہیں اور یہ نمبر مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب نے دیے ہیں جو نمبر دینے کے معاملے میں بہت محتاط واقع ہوئے ہیں۔ طالب علم کی صلاحیت اور امتحان کے مطابق ہی نمبر دیتے ہیں، نہ کم نہ زیادہ، جب کہ میرا معمول یہ ہے کہ رعایتی نمبر بھی دیا کرتا ہوں۔''(۱)

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں داخلہ:

والد ماجد کے روابط حافظ ملت علیہ الرحمہ سے تھے چناں چہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۰ر شوال المکرم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۶۷ء کو آپ نے دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ میں داخلہ لیا اور تقریباً تین برس تک یہاں کے

(۱) مفتی احمد القادری، حالات صدر العلماء، ص: ۲۰

باکمال ماہرین فن اساتذہ سے اکتساب فیض کرتے رہے اور وہ سب کچھ سمیٹتے رہے جو یہاں کے اساتذہ کا طرۂ امتیاز تھا۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں کس استاذ کے پاس کون سا فن یا کتاب پڑھی؟ اس کی تفصیل اپنی ایک قلمی ڈائری میں نوٹ کر رکھی تھی، اس کی روشنی میں یہ حقائق سامنے آتے ہیں:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے آپ نے جلالین شریف، مدارک شریف، بخاری شریف وغیرہ کا درس لیا۔ علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۴ر شوال ۱۳۹۱ھ / ۲ر دسمبر ۱۹۷۱ء) سے ملاحسن، تصریح، مناظرہ رشیدیہ، سراجی (تا باب المناسخہ)، بیضاوی شریف، مسلم شریف اور علم توقیت کے اسباق پڑھے۔

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی (متوفی ۱۴ر محرم ۱۴۳۴ھ) سے مختصر المعانی، شرح ہدایۃ الحکمۃ، شرح عقائد نسفی، دیوان حماسہ، طحاوی شریف، توضیح تلویح، میر زاہد، ملا جلال، کی تعلیم حاصل کی اور عربی انشاء و ترجمہ کی مشق سیکھی۔ مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی سے ہدایہ اخیرین اور ترمذی شریف پڑھی۔ شیخ الادب مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ سے مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، قطبی تصورات، میر قطبی دیوان متنبی، اور سراجی کے اسباق پڑھے۔ عربی انشا و ترجمہ کی زیادہ مشق ان ہی کے یہاں کی۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ جب ۱۳۸۶ھ میں سفر حج پر تشریف لے گئے تو جلالین شریف کے چند اسباق مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ نے پڑھائے، ان کے یہاں ۱۳۸۹ھ میں حدر و تدویر بھی سیکھی۔ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی چند اسباق مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے پڑھائے۔ اولاً وہ رخصت پر ممبئی گئے پھر باضابطہ مستعفی ہو گئے، تو نظام اسباق میں تبدیلی ہوئی اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ کے یہاں مقرر ہوئی اور وہیں زیادہ مقدار میں پڑھی جا سکی۔

شعبان ۱۳۹۳ھ میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق علم توقیت کے کچھ

اسباق جانشین صدر الشریعہ علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری سے پڑھے۔ شعبان و رمضان کی تعطیل کے ایام میں وہ کلکتہ تھے، اس لیے ۵؍ شوال سے ۱۷؍ شوال تک گھر سے روزانہ مبارک پور آتے اور یہ فن ان سے سیکھتے۔ اساتذۂ کرام کا فیضان کرم کہ ان ہی چند ایام میں خاصی مشق ہوگئی اور تخریج اوقات پر قدرت ہوئی۔

حضرت صدر العلماء کا دورِ طالب علمی قابل رشک بھی ہے اور حد درجہ کٹھنائیوں اور محنتوں سے بھرا ہوا بھی ہے۔ درس کی تیاری کرنا، درس گاہ میں بلا ناغہ حاضری دینا، استاذ کے دروس کو غور سے سننا، سماعتوں کی گہرائی میں انھیں اتارنا، دروس کا اجرا، یہ وہ تقاضے ہیں جن کی تکمیل طالب کو علم وآگہی کے زینے طے کراتی ہے اور استاذ کی روحانی امانتیں شاگرد کے پاس منتقل ہوجاتی ہیں۔ علم کے ساتھ عمل وہ کمال ہے جو ہزاروں علمی کمالات کے حصول کا سبب ہے اور حضرت صدر العلماء کی نیک سیرت زندگی علمی تقاضوں پر عمل کا رنگ کافی چوکھا نظر آتا ہے، ساتھ روحانی برکتیں بھی نظر آتی ہیں، اس کی وجہ اسباق میں تسلسل کے ساتھ حاضری کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''مبارک پور کے پورے تین سالہ ایام تعلیم میں کل غیر حاضری بیس دن سے زیادہ نہ ہوگی جس میں دو تین دن کسی ضرورت کے تحت اور باقی سخت علالت کے تحت ہے۔''(۱)

یہ جہد مسلسل کی وہ راہیں جن سے علمی ترقی کا باب کشادہ ہوا اور عملی واخلاقی عروج حاصل ہوا۔ ان تین سالوں میں اساتذہ کرام سے علم بھی سیکھا اور حسن اخلاق کی دولت بھی پائی، شعور وتدبر اور انتظام وانصرام کی خوبی بھی کشید کی اور تحقیق وتدقیق کا زاویۂ نظر بھی حاصل کیا۔ جلال علم کے دریا میں غوطہ بھی لگایا اور شان بندگی کا سبق بھی ازبر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علم وعمل دونوں میں فائق ہوئے۔

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۳۹

سند فراغت:

۱۰ر شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۶۹ء کی شب میں علما و مشائخ کے ہاتھوں دستارِ علم و فضل اور سندِ امتیاز پائی۔ یہ جلسہ گولہ بازار، مبارک پور میں منعقد ہوا تھا۔ اسی سال یہیں سے الہ آباد بورڈ کے عالم کا امتحان دیا۔ دستار فضیلت کے وقت عمر مبارک ۱۷ سال تھی۔ تمام طلبہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے پہلی امتیازی پوزیشن حاصل کی۔ دستار بندی کے وقت صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے تعارف کراتے ہوئے حافظ ملت علیہ الرحمہ نے کہا:

''اس طالب علم کو قاضی شمس الدین صاحب [مصنف قانون شریعت] نے بیضاوی شریف میں نوے نمبر دیے ہیں۔''

مبارک پور کے زمانۂ تعلیم میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بڑی شفقت رہی، تحریر، تقریر، عربی انشا و ترجمہ اور درسِ کتب میں بہت سی مفید ہدایات سے بارہا نوازا۔ طلب علم کے ہر موڑ پر آپ کو حوصلہ افزا جملوں سے نوازتے۔ مفتی احمد القادری لکھتے ہیں:

> ''علما اور خواص کی محفلوں میں [حافظ ملت علیہ الرحمہ] آپ کی صلاحیت کا اکثر ذکر کرتے رہتے۔ ایک بار علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے بھائی جان سے متعلق عرض کیا کہ یہ ہمارے مدرسہ فیض العلوم کے لیے روحِ رواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت مسرت سے کھل اٹھے اور فرمایا: الحمد للہ! آپ نے اس کی قدر پہچانی اور ازراہِ محبت و عنایت فرمایا: ''یہ میرا بچہ ہے۔''(۱)

فضیلت کے ساتھیوں میں یہ نمایاں حضرات تھے:

(۱) مولانا بدر القادری مصباحی (بانی اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ)

---

(۱) مفتی احمد القادری، حالات صدر العلماء، ص: ۲۰

(۲) مولانا محمد عبد المبین نعمانی (المجمع الاسلامی، مبارک پور)

(۳) مولانا حافظ قاری فضل حق غازی پوری (مہتمم دار العلوم غوثیہ، جمشید پور)

(۴) مولانا زین العابدین مصباحی (سابق پرنسپل مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ)

''فیض فتاحی'' (۱۳۸۹ھ) سے سالِ فراغت نکلتا ہے۔ اس موقع پر مولانا بدر القادری مصباحی نے ایک پوری نظم لکھی تھی، جو مطبوع ہے۔ آگے کا حال حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی اپنے ایک مضمون میں یوں بیان کرتے ہیں:

''۱۰ر شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۶۹ء کو اشرفیہ سے میری فراغت ہوئی۔ تعطیل کلاں کے بعد ۲۰ر شوال ۱۳۸۹ھ کو خالص پور، ادری، ضلع اعظم گڑھ کے کچھ لوگ آئے، وہ اپنے مدرسہ بیت العلوم، خالص پور میں خدمت تدریس کے لیے مجھے لے جانا چاہتے تھے، والد صاحب نے ان کے اصرار پر اجازت دے دی۔ مگر میں نے حضور حافظ ملت [علیہ الرحمہ] کو اجازت طلبی کا خط لکھا اور اپنی کوتاہیوں، تقصیر اور غلطیوں سے معافی بھی طلب کی۔ جس کے جواب میں حضرت نے مندرجہ ذیل کرم نامہ تحریر فرمایا:

از دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور- محب محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم........ دعاے خیر و سلام مسنون

محبت نامہ ملا۔ آپ کی سعادت مندانہ زندگی اور مخلصانہ، محبانہ روش اس منزل پر ہے کہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی غلطی اور ناراضی کا کوئی گوشہ اور شوشہ نہیں۔ میں آپ کا مخلص دعا گو ہوں، مولاے کریم ہمیشہ بہ صحت و سلامتی شاد و آباد رکھے، دین متین کی نمایاں و ممتاز خدمات انجام دلائے، آمین۔ آپ کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ ابھی آپ اشرفیہ کو کچھ وقت اور دیں تو آپ اور زیادہ قیمتی ہو جائیں گے۔ چناں چہ آپ کے والد صاحب سے میں نے کہا تھا۔ آپ کی آپ کے متعلقین کی جو راے ہو اگر آپ کو خالص پور کی جگہ پسند ہے اور جانا

چاہتے ہیں تو میری اجازت ہے۔ اپنے والد صاحب کو سلام کہہ دیجیے،

فقط: عبد العزیز عفی عنہ [۲۱ر شوال ۱۳۸۹ھ] (۱)

حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک جوہر شناس استاذ تھے جو اپنے تلامذہ میں چھپی صلاحیتوں کو نہ صرف پہچان لیتے تھے بلکہ انھیں مخلصانہ مشورہ بھی دیتے تھے، لیکن ان پر اپنی رائے تھوپتے نہیں تھے۔ یہ حقیقت مذکورہ خط سے بھی عیاں ہے۔ چناں چہ ۲۱ر شوال ہی کو آپ مزید تحصیل علم کی خاطر اشرفیہ پہنچ گئے۔ آپ کے ہم درس مولانا بدر القادری مصباحی کو بھی یہی حکم ہوا تھا، وہ چند دن پہلے اشرفیہ پہنچ چکے تھے۔ جب یہ دونوں حضرات حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا: آگئے؟، انھوں نے کہا: جی ہاں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''میں نے بھی ایک بار ترک تعلیم کا ارادہ ظاہر کیا تھا، صدر الشریعہ [علیہ الرحمہ] کا حکم ہوا کہ ابھی آپ کو مزید پڑھنا ہوگا، میں نے تعمیل حکم کی تھی، تم لوگوں نے بھی کی۔'' چناں چہ والد ماجد کی اجازت سے شوال ۱۳۸۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۹ء سے ۱۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۶ر اگست ۱۹۷۰ء تک جامعہ اشرفیہ میں مزید تعلیم حاصل کی اور بیش قیمت بن گئے۔ پھر ۱۴ر جمادی الآخرہ ۱۳۹۰ھ [مفتی احمد القادری نے ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ لکھا ہے] مطابق ۱۷ر اگست ۱۹۷۰ء کو بحکم حافظ ملت علیہ الرحمہ ''جامعہ اشرفیہ'' چھوڑ کر استاذان محترم مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی اور مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری علیہما الرحمہ کی ہمرکابی میں دار العلوم فیضیہ نظامیہ، باراہاٹ،، اِشی پور، ضلع بھاگل پور برائے تدریس حاضر ہوئے۔ جس وقت آپ مسندِ تدریس پر فائز ہوئے، عمر عزیز عیسوی سنہ سے ۱۷ر سال، ۱۱ر ماہ، ۷ر دن کی تھی۔

یہ تدریسی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے جو مسلسل نورِ عروج پاتا ہوا آج ثریا کی بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ اور اس وقت کارِ تدریس نصف صدی کی بہاریں دیکھ چکا ہے، اِن ادوار میں

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، حافظ ملت نمبر، جون تا اگست ۱۹۷۶ء، ص: ۱۹۰

جن علما وفضلا نے ان کی درس گاہ فیض سے خوشہ چینی کی ہے وہ بساطِ علم وتدریس پر بڑی کامیابی کے ساتھ متمکن ہیں اور پوری دنیا میں علم وعرفان کا اجالا پھیلا رہے ہیں۔

شیوخ واساتذہ:

مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد کے اساتذہ میں یہ نام آتے ہیں:

(۱) مولانا محمد عمر خیرآبادی، (۲) مولانا محمد حنیف مصباحی، مبارک پوری (۳) مولانا محمد سلطان رضوی، ادروی، (۴) مولانا غلام محمد مصباحی، بھیروی، (۵) حافظ وقاری نثار احمد مبارک پوری، (۶) ماسٹر اسرار احمد خان ادروی، (۷) ماسٹر محمد رفیق مبارک پوری۔

اور دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور کے اساتذہ میں یہ اساطین علم نمایاں ہیں:

(۱) حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی [م:۱۳۹۶ھ]

(۲) محقق زماں علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی [م:۱۳۹۱ھ]

(۳) بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، مبارک پوری [۱۴۳۴ھ]

(۴) مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی، مبارک پوری [ ]

(۵) مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی، مبارک پوری [م:۱۴۱۱ھ]

(۶) مولانا سید حامد اشرف اشرفی کچھوچھوی [م:۱۴۲۵ھ]

(۷) مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری [م:۱۴۱۶ھ]

(۸) مولانا اسرار احمد مصباحی، لہراوی

ان پندرہ اساتذہ میں آخرالذکر کے علاوہ سب کا انتقال ہو چکا ہے، لیکن آج بھی جب ان کے اساتذہ کا نام زبان پر آتا ہے تو ان کا دل جھوم جاتا ہے، کیسے کیسے ماہ ونجوم تھے جو، اور کیسی انوکھی ان کی یادیں اور ملاقاتیں تھیں؟

علمی اَسناد:

سند تجوید وسند فضیلت درس نظامی [۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء] (دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور)

مولوی [۱۹۶۶ء]، عالم [۱۹۶۸ء]، فاضل دینیات [۱۹۷۵ء]، فاضل ادب [۱۹۷۷ء]، فاضل طب [۱۹۸۰ء]

منشی [۱۹۸۱ء]، اور منشی کامل [۱۹۸۳ء] (عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، اتر پردیش)

علمی شجرہ:

آپ کے بلند پایہ اساتذۂ کرام کے ناموں پر غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کا علمی شجرہ کس قدر بلند اور علمی وروحانی امانتوں کا محافظ ہے۔ ہندوستان میں علم وتدریس کے چار بڑے سلاسل [دہلی، خیر آباد، فرنگی محل اور بریلی] کے سلسلۃ الذہب کا فیضان انھیں حاصل ہے، نیز امام احمد رضا قادری کے سلسلۂ علم وعرفان حرمین شریفین کا علمی وروحانی فضل وکمال بھی ان کے روح وقلب کو تازگی دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل حقائق ملاحظہ فرمائیں:

(۱)- حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کا علمی رشتہ استاذ گرامی حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) کے ذریعہ چار طریقوں سے سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹ھ-۱۲۷۸ھ) علیہ الرحمہ سے منسلک ہے:

[۱] حافظ ملت - صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) - امام احمد رضا قادری (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) - خاتم الاکابر مولانا سید آل رسول احمدی مارہروی (۱۲۰۹ھ - ۱۲۹۶ھ) - سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہم الرحمہ۔

[۲] حافظ ملت - صدر الشریعہ - استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری - علامہ فضل حق خیر آبادی - سراج الہند علیہم الرحمہ۔

[۳] حافظ ملت - صدر الشریعہ - مولانا وصی احمد محدث سورتی ثم پیلی بھیتی -

مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی - سراج الہند علیہم الرحمہ۔

[۴] حافظ ملت - صدر الشریعہ - محدث سورتی - مولانا احمد علی سہارن پوری - مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی - سراج الہند علیہم الرحمہ۔

(۲)- حضرت صدر العلماء کا علمی سلسلہ چند واسطوں سے بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ تک مربوط ہے:

''حافظ ملت - صدر الشریعہ - مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری - علامہ فضل حق خیرآبادی - مولانا فضل امام خیرآبادی - مولانا عبد الواجد خیرآبادی - مولانا محمد اعظم سندیلوی - بحر العلوم فرنگی محلی علیہم الرحمہ۔''

(۳)- حافظ ملت اور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کے واسطے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری تک علمی شجرہ مسلسل ہے۔

(۴)- امام احمد رضا قادری کو شیخ احمد بن زینی دحلان مکی، شیخ عبد الرحمن بن عبد اللہ سراج مکی، شیخ حسین بن صالح جمال اللیل [علمائے حرمین]، مرشد گرامی خاتم الاکابر مولانا سید شاہ آل رسول مارہری، مرشد اجازت شیخ ابو الحسین احمد نوری اور والد گرامی مفتی نقی علی بریلوی علیہم الرحمہ سے احادیث مبارکہ اور علوم وفنون کی سندیں حاصل تھیں۔

(۵)- امام احمد رضا قادری کا علمی شجرہ خاتم الاکابر مولانا سید آل رسول احمدی کے واسطے سے سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہما الرحمہ سے منسلک ہے۔

(۶)- امام احمد رضا قادری کا علمی شجرہ کئی طریقوں سے بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی (۱۱۴۲ھ-۱۲۲۵ھ) سے منسلک ہے۔

[۱] امام احمد رضا قادری - مفتی نقی علی خان بریلوی - جد امجد مولانا رضا علی خاں - مولانا خلیل الرحمن محمد آبادی - مولانا محمد اعظم سندیلوی - بحر العلوم علیہم الرحمہ۔

[۲] امام احمد رضا قادری - خاتم الاکابر مولانا سید شاہ آل رسول احمدی - مولانا

نور الحق فرنگی محلی - بحر العلوم علیہم الرحمہ۔

(۷)- حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی سند حدیث بیس واسطوں [بہ سلسلہ دہلوی] سے امام المحدثین ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ تک پہنچتی ہے۔ [یہی سند حدیث اپنے تلامذہ کو عطا کرتے ہیں۔]

(۸)- ایک دوسری سند حدیث میں استاذ گرامی حافظ ملت اور امام بخاری علیہما الرحمہ کے درمیان صرف تیرہ واسطے ہیں۔

(۹)- حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سندِ فقہ استاذ گرامی صدر الشریعہ، امام احمد رضا قادری اور مفتی مکہ شیخ عبد الرحمن سراج علیہم الرحمہ کے واسطے سے صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک مسلسل ہے۔

تدریسی خدمات:

یہ جوہر بڑی محنتوں سے تراشا گیا تھا، جس کی چمک دمک کا جواب نہیں۔ انھیں نہ صرف علم وفن کی گراں مایہ دولت عطا کی گئی تھی، بلکہ اخلاق وکردار کی پختگی اور اوراد ووظائف کی پابندی کا سلیقہ بھی بخشا گیا تھا، دوبارہ جامعہ اشرفیہ تعلیم کی غرض سے حاضر ہوئے تو اور زیادہ پختہ کار ہوئے اور علمی گتھیاں سلجھیں، فنی جواہر بے نقاب ہوئے، فکری نوادر تک رسائی ہوئی اور تحقیق وتفحص کا ملکہ پیدا ہوا۔

(۱) دار العلوم فیضیہ نظامیہ، باراہاٹ، بھاگل پور:

ماقبل میں گزرا کہ آپ ۱۴ر جمادی الآخرہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۷ر اگست ۱۹۷۰ء کو بحکم حافظ ملت علیہ الرحمہ استاذانِ محترم مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی اور مولانا قاری محمد یحیٰ مبارک پوری علیہما الرحمہ کی ہمرکابی میں دار العلوم فیضیہ نظامیہ، باراہاٹ،، اشی پور، ضلع بھاگل پور برائے تدریس حاضر ہوئے۔ یہ دونوں حضرات تین دن بعد اشرفیہ واپس ہو گئے اور آپ ہمہ تن تدریس میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ نے کافیہ، قدوری، شرح جامی، بحث اِسم

وفضل، قطبی، ہدایہ اولین، وغیرہا مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابیں پڑھائیں۔

وہیں سے حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں اپنی خیریت کا حال لکھا تو جواب میں استاذ محترم نے یہ والا نامہ روانہ فرمایا:

''آپ کا خط ملا تھا۔ مصروفیات زیادہ ہیں، جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ کی سعادت مندی، سلامت روی، دین پروری سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے۔ دعا ہے، خداوند کریم آپ کی عمر میں برکت دے، علم وفضل میں وسعت دے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ والدعا:

عبدالعزیز عفی عنہ [۴ رجمادی الثانی ۱۳۹۰ھ]''

شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۱ء میں تعطیل کلاں کے بعد آپ بھیرہ واپس آگئے، اس وقت دار العلوم فیضیہ نظامیہ کے حالات کچھ ایسے تھے کہ آپ کا وہاں مزید رہنا مناسب نہیں تھا۔ اسی دوران حافظ ملت علیہ الرحمہ، محمد آباد گوہنہ ایک جلسہ میں تشریف لائے تو ان سے ماجرا کہہ سنایا اور مدرسہ چھوڑنے کا اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ اسی موضوع سے متعلق ماہ رمضان میں ان کے آبائی گاؤں بھوج پور کے پتہ پر ایک مکتوب بھی روانہ کیا۔ جواباً استاذ محترم کا یہ تاریخی خط موصول ہوا۔

''آپ کا خط ملا، جس میں مدرسہ فیضیہ سے مستعفی ہونے کی اجازت طلب کی ہے۔ جواباً تحریر ہے، آپ نے وہاں کے حالات اور مستقبل میں مزید خرابی کا اندازہ بتایا تھا۔ اس وقت میں نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو اختیار ہے۔ وہی اس وقت کہتا ہوں کہ آپ مختار تھا۔ میں مدرس کا تقرر کرتا ہوں، ہٹاتا نہیں ہوں۔ مدرس اپنی خوشی سے خود چھوڑ دے اسے اختیار ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اپنے والد صاحب ودیگر احباب سے سلام مسنون کہہ دیجیے۔ والدعا والسلام۔ فقط: عبدالعزیز عفی عنہ۔''

(۲) مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور

بھاگل پور میں مولانا فضل حق غازی پوری بھی مدرس تھے، جو جمشید پور تراویح پڑھانے جاتے تھے۔ انھوں نے رئیس القلم علامہ ارشد القادری سے آپ کی تدریس کے لیے گفتگو کرلی اور اپنے اصرار سے انھیں جمشید پور لے گئے۔ چناں چہ مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور میں استاذ کی حیثیت سے شوال ۱۳۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۱ء میں آپ کا تقرر ہوگیا۔ اسی دوران عظیم محقق اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دست وباز و مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی کا انتقال ہوگیا۔ علامہ ارشد القادری مبارک پور پہنچے تو جمشید پور واپسی میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کا یہ مکتوب ان کے ساتھ تھا جس میں آپ نے خوشی اور تنبیہ کی ملی جلی کیفیت کا ذکر فرمایا:

> ''حضرت علامہ ارشد القادری صاحب تشریف لائے۔ فرمایا: مولوی محمد احمد، مولوی عبدالستار، فیض العلوم میں مدرس رکھ لیے گئے۔ مجھے یہ معلوم ہوکر بڑی خوشی ہوئی، فیض العلوم بھی اپنا ادارہ ہے، اپنا ہی سمجھ کر محنت سے کام کرنا چاہیے۔ بار بار مدرس اور مدرسہ کی تبدیلی مضر ہے، وثوق واعتماد جاتا رہتا ہے اور کام بھی نہیں ہوتا۔ بزرگوں نے بتایا ہے: ''یک در گیر محکم گیر''۔ بہر حال آپ جم کر محنت سے کام کریں، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ عزیز مکرم مولوی عبدالستار صاحب کو بہ مضمون واحد سلام ودعا۔ فقط: عبدالعزیز عفی عنہ۔''

کس قدر پیاری نصیحتیں اور مواعظ ہیں، اشارۃً تنبیہات کا مشفقانہ رویہ بھی ہے اور اظہارِ مسرت ودعا بھی۔ یہ وہ رنگ ہے جس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کا جواب نہیں تھا۔

اسی طرح ایک سال بعد جب اپنے ادبی ذوق اور عربی جدید کی تحصیل سے متعلق حافظ ملت علیہ الرحمہ کو ایک خط لکھا تو جواب میں یہ والا نامہ [محررہ: ۸/ ذی القعدہ ۱۳۹۲ھ] موصول ہوا:

> ''آپ کا محبت نامہ صادر ہوکر مسرت بخش ہوا۔ حصول کمال کا

ذوق معلوم ہوکر بڑی خوشی ہوئی، مولائے قدیر پورا فرمائے، ہر فن میں کمال عطا فرمائے۔ عربی ادب کی خود ہی کوشش کرتے رہیے، باہر جانے کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ اپنی سعی سے کم از کم قدیم عربی پر قدرت ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد جدید کے لیے بھی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ میری دعائیں شامل حال ہیں اور رہیں گی۔ مدرسین وطلبہ اور علامہ ارشد القادری صاحب کو سلام ودعا۔ فقط عبد العزیز عفی عنہ۔"

مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور میں آپ شوال ۱۳۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۱ء سے شوال ۱۳۹۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۶ء تک مدرس رہے۔ یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۰؍ جون ۱۹۷۶ء، دوشنبہ، گیارہ بج کر پچپن منٹ پر شب میں استاذ گرامی حافظ ملت علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔

مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور میں آپ نے شرح وقایہ، ہدایہ، شرح جامی، مشکوۃ شریف، جلالین شریف، مقامات بدیع الزماں ہمدانی، مقامات حریری، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، کافیہ، قدوری، نور الانوار، شرح تہذیب، صحیح مسلم، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، دروس البلاغۃ، شافیہ، سبع معلقہ، ہدیہ سعیدیہ، ہدایۃ الحکمۃ، قلیوبی وغیرہا مختلف کتابیں پڑھائیں۔ جب علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے باصرار صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے عہدہ پر مقرر فرمایا، تو بحیثیت شیخ الحدیث بخاری شریف ابتدا تا ۲ پارے پڑھائے۔

(۳) دار العلوم ندائے حق، جلال پور، فیض آباد:

۱۹۷۶ء میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ جب اربابِ اشرفیہ کی دعوت پر دار العلوم ندائے حق، جلال پور [ضلع فیض آباد] چھوڑ کر جامعہ اشرفیہ مبارک پور بحیثیت صدر دار الافتا تشریف لائے تو وہاں کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب قبلہ سے ان کی خالی جگہ پر کرنے کے لیے کسی بڑے عالم کی درخواست کی، اس وقت شارح بخاری کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور انھوں نے ندائے حق کے لیے دعوت دی بلکہ حکم دیا کہ آپ کو

وہاں جانا ہے۔ لہٰذا ان کے حکم پر ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ ۷ر دسمبر ۱۹۷۶ء دار العلوم ندائے حق، جلال پور تدریس کے لیے تشریف لائے۔ اس طرح ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء سے شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۸ء تک دار العلوم ندائے حق، جلال پور، فیض آباد [موجودہ ضلع امبیڈکر نگر، یوپی] میں استاذ رہے۔

یہاں آپ نے دروس البلاغۃ، تلخیص المفتاح، البلاغۃ الواضحہ، مختصر المعانی، دیوان حماسہ، سبع معلقہ، مقامات حریری، شرح جامی، نور الانوار، جلالین شریف، ہدیہ سعیدیہ، شافیہ وغیرہا کتابوں کا درس دیا۔

(۴) مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ، ضلع اعظم گڑھ [موجودہ ضلع مئو]

۶ر شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ۹ر ستمبر ۱۹۷۸ء کو ندائے حق، جلال پور سے مستعفی ہو کر بہ حیثیت صدر المدرسین مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ تشریف لائے۔ مفتی احمد القادری مصباحی رقم طراز ہیں:

> ”آپ کے یہاں آتے ہی چہار طرف سے شائقین طلبہ نے فیض العلوم کا رخ کیا، مدرسہ کا علمی وقار اور معیار تعلیم بلند ہوا۔ تنظیم وتعلیم کا بہترین نظام قائم ہوا۔ اس وقت میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے درجۂ ثانیہ کا طالب علم تھا۔ کچھ دنوں بعد استاذ محترم حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی (جو ان دنوں جامعہ اشرفیہ کے شیخ الادب تھے) نے مشورہ دیا کہ مصباحی صاحب فیض العلوم محمد آباد آچکے ہیں، اگر وہاں داخلہ لے لو تو کچھ وقت کی بچت ہو سکتی ہے۔ وہاں کا تعلیمی معیار اچھا ہو گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم ٹھوس ہو جائے گی، ان کے زیر سایہ تربیت بھی ہوتی رہے گی، میں شائق تو تھا ہی، اس مشورہ کے بعد اور اشتیاق بڑھ گیا۔
>
> میں نے شیخ الجامعہ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب

قبلہ سے جو اس وقت جامعہ کے صد المدرسین اور میرے شفیق استاذ تھے، فیض العلوم کا تذکرہ کیا اور یہاں داخلہ کی اجازت چاہی، آپ نے بڑی ہی خوش دلی سے اجازت مرحمت فرمائی بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب بھی تم وہاں سے یہاں آؤ گے ہم تمھارا داخلہ کر لیں گے۔ اجازت ملنے کے بعد فیض العلوم حاضر ہوا، درجہ ثانیہ میں داخلہ ہوا۔ اس طرح بھائی جان کی بارگاہ سے قریب رہ کر اکتساب فیض کا زیادہ موقع میسر ہوا۔"[۱]

مفتی احمد القادری نے حضرت صدر العلماء سے جن کتابوں کا درس لیا اور حضرت کا جو طریقۂ درس تھا اس کی تفصیل انتہائی چشم کشا انداز میں بیان کی ہے۔ پھر آگے لکھا ہے:

"آپ کا دور فیض العلوم کی تعلیم کا دورِ زریں تھا۔ طلبہ میں تحصیل علم کا ذوق وشوق بیدار ہوا۔ تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تربیت حاصل ہوئی۔ ذہن وفکر کی اصلاح ہوئی، علم دین کی نشر واشاعت کا جذبہ پیدا ہوا۔ آپ کی سر پرستی میں مجلس اشاعت طلبہ فیض العلوم کا قیام عمل میں آیا۔ جس کی پہلی اشاعت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی کتاب "جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور" (مزارات پر عورتوں کی حاضری) شائع ہوئی۔ پھر اشاعت کا سلسلہ چلتا رہا اور متعدد کتب ورسائل عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے شائع ہوتے رہے۔"[۲]

شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۸ء سے شوال ۱۴۰۶ھ مطابق جون ۱۹۸۶ء تک مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع اعظم گڑھ میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز رہے۔ یہاں آپ نے میزان ومنشعب، مرقاۃ، علم الصیغہ، فصول اکبری، اس کی شرح

---

(۱) حالاتِ صدر العلماء، ص: ۱۶

(۲) حالاتِ صدر العلماء، ص: ۱۹

نوادر الاصول، ہدایۃ النحو، سراجی، کافیہ، مدارک التنزیل، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، الادب الجمیل، عربی انشا، میر قطبی، ملا حسن، ہدیہ سعیدیہ، دیوان حماسہ، سبع معلقہ، ہدایۃ الحکمت، شرح ہدایۃ الحکمت، المدیح النبوی وغیرہا کتابیں پڑھائیں۔ اس دوران جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سالانہ امتحان میں بہ حیثیت ممتحن بھی تشریف لاتے رہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۸۰ء میں چھپی ایک تفصیلی خبر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ / جون ۱۹۸۰ء کو حضرت صدر العلماء دار العلوم اہل سنت اشرفیہ، مبارک پور کے سالانہ تقریری امتحان میں دیگر ممتحن حضرات کے ساتھ آپ بھی حاضر ہوئے تھے، اس وقت آپ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد کے صدر المدرسین تھے۔

(۵) دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ:

۹/ شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۷/ جون ۱۹۸۶ء کو عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے مادر علمی دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ تشریف لائے اور بڑی ذمہ داری کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دینا شروع کیا۔ ساتھ ہی دیگر علمی وادبی مصروفیات بھی جاری رکھیں، انتظام وانصرام اور نظام تعلیم کی بہتری کے لیے کافی کوشش فرمائی۔ ۱۹۸۶ء سے لے کر تقریباً ۱۹۹۹ء تک زیادہ تر عربی ادب وانشا کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، مثلاً دیوان متنبی، المدیح النبوی، مقامات بدیع الزماں، سبع معلقہ، مقامات حریری، دیوان حماسہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ درس نظامی میں تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، ہدایہ آخرین، حسامی، توضیح تلویح، منہاج العابدین، درس قرآن، مختصر المعانی، ازہار العرب، معین العروض، میزان ومنشعب، تسہیل المصادر، منہاج العربیہ اور شعبۂ تحقیق میں الاشباہ والنظائر اور طحاوی شریف بھی پڑھائی۔ اشباہ کے نصاب کی تکمیل کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک توضیح التوقیت کا درس بھی دیا۔

جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین اور ناظم تعلیمات:

آپ کے حسن کارکردگی اور تعلیمی وتدریسی کاموں میں حد درجہ انہماک ومشغولیت کی

بنا پر جامعہ اشرفیہ کی انتظامیہ بطور خاص شہزادۂ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق اگست ۲۰۰۱ء میں آپ کو شیخ الجامعہ کا عہدہ تفویض کیا۔ اس وقت سے یکم رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ مطابق ۳۰ رجون ۲۰۱۴ء تک نے آپ بہ حیثیت صدر المدرسین اپنی خدمات انجام دیں۔ جب حکومتی قانون کے لحاظ سے آپ کی مدتِ ملازمت کا اختتام ہوا تو جامعہ کے ارباب حل وعقد نے آپ کو "ناظم تعلیمات" کا منصب سونپا جسے استاذ جلیل کی ایک امانت سمجھ کر آپ نے قبول فرمالیا۔ اس وقت سے تا حال جامعہ کے تعلیمی ونصابی نظام کی بہتری کے لیے کوشاں ہیں، ساتھ ہی جماعت سابعہ اور فضیلت کی دو کتابوں کا فی سبیل اللہ درس بھی دیتے ہیں لیکن آج بھی ان کی پابندی وقت کو دیکھ کر کسی کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ سبک دوش ہو چکے ہیں اور اعزازی طور پر یہ ذمہ داری نبھار ہے ہیں۔

استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ کی یادگار مادر علمی جامعہ اشرفیہ سے آپ کو والہانہ لگاؤ ہے اور اس کی ہمہ جہت خدمت آپ کا مشن ہے۔ تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ آپ کا دورِ صدارت جامعہ اشرفیہ کا سنہرا دور ہے۔

استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

"ولما تولى الشيخ- حفظه الله تعالى- رئاسة هيئة التدريس فى الجامعة الاشرفية رأى أنه لابد من وضع الخطط الكافية للاصلاح والتجديد فى كل الميادين لاسيما فى المنهج التعليمي والنظام التدريسي، ولذلك بذل جهوداً جبارةً مخلصة لرسم المنهج الدراسي النافع، واخراج هذا المشروع من مرحلة الفكر الى حيز الوجود والشهود، والتنفيذ بالاسلوب الجادّ القائم على أسس قوية متينة.

وتطبيقاً لهذه الخطة المشروعة شكّل هيئة متكونة من

رجال حاذقين في شؤون التعليم ذى اتصال كبير بالمعارف القديمة والجديدة، ونظرات ثاقبة في مناهج التعليم المختلفة والسائدة في أنحاء البلاد والأقطار الأخرى وعقد ندوات عديدة في رحاب الجامعة الأشرفية وخارجها، وبعد مناقشات علمية جاذة تمّ اتفاقهم على منهج تعليمي حديث جامع بين القديم الصالح والجديد النافع للجامعة الأشرفية وغيرها من المدارس والكليات الدينية، وهكذا أسهم بدور فعال في اقامة الروابط وتوثيق العلاقات بين المدارس والجامعات الاسلامية في الهند، وسعى في تحديث نظمها الحديثة.

لذا طار صيته في الآفاق كأستاذ خبير ماهر في شؤون التعليم والمناهج الدراسية في شبه القارة الهندية ويشار اليه بالبنان في هذا المجال. (۱)

اس عربی عبارت کی اردو تلخیص محب گرامی مفتی محمد رئیس اختر مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ] نے یوں کی ہے:

''[آپ کا] دورِ صدارت جامعہ اشرفیہ کا سنہرا دور مانا جاتا ہے۔ اس دور میں آپ نے تعلیم اور نظام امتحان میں گراں قدر اصلاحات فرمائیں، تعلیم وتربیت میں بہتری کے لیے بہت سے مفید اور قابل تقلید اصول وضوابط وضع فرمائے اور انھیں عملی جامہ پہنایا۔ علما اور ماہرین تعلیم کی ایک جماعت کے ساتھ پرانے نصابِ تعلیم پر نظر

(۱) مقدمہ، حدوث الفتن وجهاد أعيان السنن، دار الكتب العلمية، بيروت، ۲۰۱۴ء ص: ۳۰

ثانی فرمائی اور ایک ایسا نصابِ تعلیم مقرر فرمایا جو قدیم وجدید کا حسین سنگم ہے، جس کے نتیجے میں برصغیر میں ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی آپ کی شہرت ہوئی۔"[1]

آپ کی رہائش المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور میں رہتی ہے، کلاس کے وقت دو گھنٹوں کے لیے اشرفیہ تشریف لاتے ہیں لیکن ان کا دل چوبیس گھنٹہ جامعہ کی تعلیمی ترقی کے لیے دھڑکتا ہے۔ ان کی تمام مصروفیات کا نقطۂ اتحاد جامعہ کی ترقی اور علم وادب کی آبیاری ہے۔

مولانا طارق انور مصباحی [مدیر ماہ نامہ پیغام شریعت، دہلی] لکھتے ہیں:

"انڈیا کے مشہورِ روزگار و یکتائے زمانہ علامہ و محقق، استاذ عالی المراتب، صدر العلما، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ [سابق شیخ الجامعہ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] ان منتخب اور برگزیدہ شخصیات میں سے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ علم وعمل دونوں دولت سے نوازتا ہے۔ وہ ایک صالح فکر مفکر، علوم اسلامیہ میں وسیع النظر محقق، مشکلات ومغلقات میں مرجع افاضل، علوم ادبیہ کے شہ سوار، تلامذہ کے حق میں انتہائی شفیق ومہربان استاذ ومربی اور حالاتِ زمانہ سے واقف وآشنا ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ ہیں۔

مخدوم گرامی کی زندگی کا بیش تر حصہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی تعلیمی جودت وجدت کے لیے صرف ہوا۔ وہ جامعہ کے نائب شیخ الجامعہ، پھر شیخ الجامعہ اور پھر ناظم تعلیمات کے مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ان تینوں عہد میں جامعہ کا تعلیمی نظام ممدوح گرامی کے پیر دہا۔ جامعہ کے تعلیمی استحکام میں استاذ گرامی کے التفات کامل اور

---

(1) سوانح، مقالاتِ مصباحی، مرتبہ توفیق احسن برکاتی، غیر مطبوعہ

محنت شاقہ کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ چوں کہ عہد حاضر میں جامعہ اشرفیہ [مبارک پور] بھارت کے سنی مدارس میں ایک آئیڈیل کی حیثیت سے متعارف ہے تو جامعہ کے نظام ونصاب سے دیگر عظیم دانش گاہیں بھی متاثر ہوئیں اور تعلیمی استحکام کی جانب مائل ہوئیں۔ اس طرح جامعہ کی تعلیمی قوت واستحکام نے دیگر مدارس وجامعات کو ایک نمائندہ کردار پیش کیا۔"(۱)

یہ وہ چشم کشا حقائق ہیں جو حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کے ذاتی آسمان پر ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔ شروع سے اب تک ان کا تعارف جامعہ اشرفیہ مبارک پور ہے، جس چراغ علم سے انھوں نے اکتساب نور کیا ہے وہی چراغ ان کی شناخت ہے۔

طریقۂ تدریس:

راقم الحروف نے حضرت صدر العلماء سے ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۴ء میں تفسیر مدارک اور تفسیر بیضاوی کا درس لیا ہے۔ لیکن شوال ۱۴۴۱ھ میں مدارس اسلامیہ میں آن لائن کلاس کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت کا یہی دونوں درس ریکارڈ کرنے کی ذمہ داری راقم کو ملی، اس طرح تجدید درس کا شرف مل رہا ہے۔ انھی دونوں اسباق کی روشنی میں حضرت کے خصائص درس سے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

وقت پر کلاس میں موجود رہنا اور گھنٹی کے اختتام پر درس مکمل کر دینا، یہ ان کا بنیادی اختصاص ہے جس کی رعایت بہت کم اساتذہ کر پاتے ہیں، یہ ذمہ داری کی ادائیگی میں ان کی کامل دیانتداری کی نشانی ہے۔ اسی لحاظ سے ان کا درس بھی نپا تلا ہوتا ہے اور کتاب کے متعلقہ مبحث کی جامعیت کا اشارہ دیتا ہے۔ وقت پر طالب علم عبارت خوانی شروع کر دیتا ہے اور اشاروں اور عالمانہ ومدبرانہ کنایوں میں اس کی اصلاح بھی ہوتی جاتی ہے۔ لفظی اور

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، محررہ: ۴؍جون ۲۰۲۰ء، پنج شنبہ

اعرابی غلطیوں میں ان کی اصلاح کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ فوراً صحیح عبارت یا درست تلفظ بیان نہیں کرتے بلکہ وجوہِ اعراب ولغات کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور عبارت یا تلفظ میں تبدیل وترمیم کا حق عبارت خواں کے حوالے رہتا ہے۔ اس سے سوجھ بوجھ بھی پیدا ہوتی ہے اور فن کا اجرا بھی ہو جاتا ہے۔ دورانِ اصلاح کبھی کبھی مزاح کا ماحول بھی پیدا ہوتا ہے، جب عبارت خواں کسی لفظ پر اعراب جاری کرنے میں مشق ستم ڈھاتا ہے تو فرماتے ہیں: ''زبر، پیش تو ہو چکا، اب صرف ایک اعراب [زیر] بچا ہے، اسے بھی پڑھ دو۔''

عبارت خوانی کے بعد سبق شروع ہوتا ہے، اس میں بھی پہلے ماسبق سے آج کے درس کا ربط بیان کرتے ہیں، پھر اپنی عبارت پڑھ کر ترجمہ کرتے ہیں اور ایجاز واختصار پر مبنی سبق کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس میں متعلقہ سبق کی باتیں ہوتی ہیں اور منتخب جملوں میں مافی الضمیر ادا ہو جاتا ہے۔ ان کے درس میں باذوق طلبہ کے لیے دل چسپی کا بہت سا مواد ہوتا ہے لیکن غیر ذمہ دار اور ذوق وشوق سے تہی دست افراد کے لیے وہ انتہائی غیر دل چسپ، بہت زیادہ خشک، دقیق اور فلسفیانہ ہوتے ہیں۔ محنتی طلبہ ان کا سبق سن کر باضابطہ امتحان کی پوری تیاری کر لیتے ہیں اور ان اسباق کی روشنی میں ایک اچھا نوٹس بھی لکھ لیتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں جو کچھ ہے سبق سے متعلق ہوتا ہے، نہ لایعنی باتیں ہوتی ہیں نہ غیر مربوط بحثیں۔ اطناب تو نام کا بھی نہیں ہوتا، طول طویل موشگافیوں سے ان کا درس ہمیشہ خالی رہا ہے۔

اسی بنیاد پر باذوق اور محنتی طلبہ ان کے درس کی تعریف کرتے ہیں اور غیر محنتی اور بے ذوقوں کے لیے ان کا درس فضول معلوم ہوتا ہے۔ گویا اپنا اپنا ذوق ہے، اپنی اپنی قسمت ہے۔ تفسیر مدارک اور تفسیر بیضاوی دونوں منتہی درجات سے متعلق ہیں اور دونوں کتابوں میں کافی علمی وفکری ابحاث ہیں، جن پر تفصیلی کلام بطور خاص علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، تاریخ، لغت، صرف، نحو، بلاغت، بدیع، معانی، فقہ، علم تجوید وقراءت، رسم قرآنی اور علم الاعداد وغیرہ میں کمال، اسلوبیاتی مہارت، زبان وبیان کی حذاقت اور عربی ادب میں دستگاہ کے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ راقم الحروف اُن دروس میں ان علوم وفنون کا جلوہ بچشم خود ملاحظہ کر رہا ہے۔

لغت کا بیان، تلفظ کی درستی، وجوہِ تفسیر کی وضاحت، تفسیری عبارت کے مفہوم سے متعلق حدیث نبوی کا ذکر، اس حدیث کی روایت ودرایت کا بیان، ترکیب اور اختلاف قراءت کی صراحت، قرا کے احوال، قراءت متواترہ، مشہورہ، اور شاذہ کی صراحت، یہ ساری چیزیں ان دروس میں دکھائی دیتی ہیں، کوئی عربی شعر یا مصرع کتاب میں درج ہو تو اس کی تکمیل اور اسم شاعر کی نشان دہی، بسا اوقات شعر کی عروضی وبدیعی پیمائش بھی کرتے ہیں، کوئی فقہی نقطہ ہو تو اس کو نمایاں کرتے ہیں، کسی مسئلے میں اختلافِ فقہا زیر بحث آتا ہے تو نظریات فقہیہ کے بیان کے ساتھ اجمالی طور پر دلائل کا ذکر بھی کرتے ہیں اور پھر اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ ایجاز وجامعیت کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے اور سبق بھی اچھا خاصا ہو جاتا ہے، نصاب وقت پر ختم ہو جاتا ہے اور تیاری کا اچھا موقع ملتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ اپنے استاذ مکرم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شان تدریس کا عکس جمیل ہیں، جن کے طریقۂ درس سے متعلق خود ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت [حافظ ملت علیہ الرحمہ] کی تقریر وتحریر اور گفتگو کی طرح تعلیم بھی حسن ایجاز اور کمال تفہیم دونوں کی جامعیت کا بے مثال نمونہ تھی۔ بعض مقامات پر خصوصی بسط اور تفصیل سے کام لیتے، اگرچہ اس بسط کے الفاظ اور ان کے معانی کا تناسب دیکھا جائے تو اسے بھی ایجاز ہی سے موسوم کرنا پڑے گا۔ الغرض حضرت کا اطناب ہو یا ایجاز، بہت جاندار اور باریک تحقیقات کا حاصل ہوتا۔''(۱)

آپ کے برادرِ اصغر مفتی احمد القادری کو مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد میں ان سے تقریباً درجن بھر سے زائد کتابیں پڑھنے کا شرف ملا، ان میں میزان ونحو میر سے لے کر سراجی اور جلالین جیسی کتابیں شامل ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ''درحقیقت آپ کی درسی تقریریں حافظ ملت علیہ الرحمہ کا بے

---

(۱) ماہنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص: ۱۷۷

مثال نمونہ ہیں۔ کاش! ہم ہر سبق خلاصہ لکھ لیتے یا ریکارڈ کر لیتے تو آج ہر علم وفن سے متعلق ایک جامع ذخیرہ ہمارے پاس ہوتا۔''

اسی مضمون میں ایک جگہ اُن کتابوں کے درس کا حال لکھتے ہیں:

''آپ پہلے عبارت پڑھواتے، عبارت میں جہاں غلطی ہوتی اس کی اصلاح فرماتے بلکہ اس کی وجہ بھی بیان کرتے تا کہ آئندہ اس طرح کی خطا سرزد نہ ہو۔ پھر سبق کا ایک پرمغز خلاصہ پیش کرتے، یہ تقریر بہت جامع، مختصر اور نہایت آسان زبان و بیان میں ہوتی جو طلبہ کو بخوبی سمجھ میں آتی۔ پھر سبق کا بامحاورہ فصیح و بلیغ ترجمہ فرماتے۔ کبھی کبھی طلبہ ہی سے ترجمہ کراتے، جہاں ضرورت ہوتی اصلاح فرمادیتے۔ سبق کے بعد اگر ہمارا کوئی سوال ہوتا تو خندہ پیشانی سے جواب دیتے۔ کوئی اشکال ہوتا تو حل فرماتے، اگر حاشیہ کا سوال ہوتا تو جواب میں مسکرا کر فرماتے، جہاں اعتراض ہے وہیں جواب بھی لکھا ہے دیکھ لو۔ ایک بار ایک کتاب کے بارے میں میں نے پوچھا، تو فرمایا: کتاب ہی سے پوچھو، وہ خود بتائے گی۔''(۱)

مفتی احمد القادری نے میزان و منشعب، مرقات، علم الصیغہ، فصول اکبری، اس کی شرح نوادر الاصول، ہدایۃ الحکمت، ہدایۃ النحو اور سراجی کے طریقۂ درس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور پھر درج بالا تاثر رقم کیا ہے۔ اس کے مطالعے سے کافی چشم کشا حقائق سامنے آتے ہیں۔ صرف سراجی سے متعلق طریقۂ تدریس کا بیان پیش کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

''سراجی: یہ علم وراثت کی پہلی اور آخری کتاب درس نظامیہ میں داخل ہے۔ اکثر طلبہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے، مگر حضرت کے پاس

(۱) حالات صدر العلماء، ص:۱۸

دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی زبانی سنانی ہوتی۔ روزانہ مشقی سوالات بھی حل کرنے ہوتے۔ سراجی میں مشقی سوالات لکھے نہیں ہیں مگر آپ ہر سبق کے ساتھ اس سبق سے متعلق برجستہ آٹھ دس تمرین لکھ دیتے۔ طلبہ کو اس برجستگی پر حیرت ہوتی کہ کیسے دورانِ سبق اس کثرت سے ذہن ہی ذہن میں تمرینیں تیار کر کے تحریر فرما دیتے ہیں۔ الحمد للہ! علم فرائض میں آپ نے اچھی خاصی مشق کرا دی اور ایسی استعداد پیدا کر دی کہ وراثت کے ہر چھوٹے بڑے سوالات حل کیے جا سکیں۔ حضرت نے سراجی کا ایک عمدہ نوٹ بھی تیار کیا تھا جس کی ہم نے نقلیں کر لیں تھیں۔ اس میں کتاب کے ہر باب کا خلاصہ اور اس سے متعلق تمرین کا حل موجود ہے۔"(۱)

مفتی احمد القادری دام ظلہ العالی نے راقم الحروف کی گزارش پر سراجی کے نوٹ کی اسکین شدہ کاپی ارسال کی، جو اڑتالیس [۴۸] صفحات پر مشتمل ابتدا سے باب المناسخہ تک کی بحثوں کا ایک جامع خلاصہ ہے کہ اگر صرف اس نوٹ کا مطالعہ کر لیا جائے اور مشق شدہ تمرینوں کا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس فن میں حضرت کی کامل دستگاہ اور منفرد مہارت کا یقین ہو جاتا ہے۔

اِس وقت جامعہ اشرفیہ کے تقریباً اکثر اساتذہ حضرت صدر العلماء کے تلامذہ میں شامل ہیں جو حضرت کے طریقۂ درس کے عینی شاہد ہیں اور ان کے علم وفضل کے معترف بھی۔ راقم الحروف صرف ایک تحریری تاثر یہاں درج کرتا ہے۔ مولانا دستگیر عالم مصباحی لکھتے ہیں:

"آپ کے طریقۂ تدریس کی خصوصیت یہ تھی کہ سب سے پہلے جہاں تک سبق پڑھانا ہوتا وہاں تک کتاب کی پوری عبارت قریب بیٹھے ہوئے کسی طالب علم سے پڑھواتے

(۱) حالاتِ صدر العلماء، ص: ۱۸

اور پوری توجہ کے ساتھ اس کی عبارت خوانی کو سماعت فرماتے۔ اگر اس سے کوئی غلطی واقع ہوتی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، تو لازمی طور پر اس کی اصلاح فرماتے، مجال ہے کہ کوئی غلطی آپ کی گرفت سے بچ کر نکل جاتی۔ آپ کی اصلاح کا انداز بہت ہی دل نشیں اور چشم کشا ہوتا، آپ فوراً اس کی تصحیح کر کے نہیں بتا دیتے بلکہ اس طرح تنبیہ فرماتے کہ عبارت خواں کو اپنی غلطی کا خود احساس ہو جاتا پھر وہ اس کی اصلاح کر لیتا۔۔۔ عبارت خوانی اور اس میں غلطیوں کی اصلاح ہو جانے کے بعد اب درس شروع کرتے، پہلے عبارت کا ترجمہ فرماتے، ترجمہ ایسا کہ ترکیب کے مطابق ہوتا، اسی کے ساتھ ساتھ نہایت ہی آسان اور سلیس ہوتا، اگر عبارت میں کچھ کمی رہ گئی ہوتی تو آپ کا ترجمہ سننے کے بعد وہ کمی دور ہو جاتی اور عبارت کی ترکیب واضح ہو کر سامنے آجاتی۔

آپ کے ترجمے سے عبارت کا مفہوم اور مصنف کا مقصود کافی حد تک سمجھ میں آجاتا اور تشریح طلب مقامات پر مختصر اور جامع الفاظ میں اس طرح تشریح فرماتے کہ اب کوئی اعتراض ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کی تدریس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے الفاظ بہت ہی نپے تلے ہوتے ہیں، حشو و زوائد سے بالکل خالی ہوتے ہیں، جملوں کی تکرار کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، حتیٰ کہ اگر آپ کی تقریر کو تحریری شکل میں لانا ہو تو اقل قلیل ہی کاٹ چھانٹ کرنے کی ضرورت پڑے گی۔"(۱)

محب گرامی مولانا نور القمر ابن رقم مصباحی [مقیم ممبئی] ایک الگ انداز سے حضرت کے خصائص درس بیان کرتے ہیں:

(۱) طلبہ سے عبارت خوانی لازماً کراتے ہیں۔

(۲) غلط عبارت پڑھنے پر نہ ناراض ہوتے ہیں نہ ڈانٹتے ہیں، نہ جھڑکتے ہیں، بلکہ مناسب اصلاح فرما کر غلطی کی نشان دہی اور صحیح عبارت یا اعراب کی توجیہ پیش فرماتے ہیں۔

---

(۱) ایک غیر مطبوعہ قلمی تحریر سے اقتباس

(۳) معلل، یا مدغم، مبدل لفظ سے متعلق طلبہ سے اصل، تعلیل اور قاعدہ دریافت فرماتے ہیں۔ صحیح جواب پر خوش اور غلط جواب کی اصلاح کرتے ہیں۔ آسان تعلیل کر کے قاعدہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

(۴) کبھی نحوی ترکیب کی وضاحت طلب کرتے ہیں، غلط جواب پر اصلاح فرماتے ہیں۔

(۵) ترجمہ سے پہلے سبق کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کا پہلے نچوڑ پیش کرتے ہیں پھر ترجمہ کرتے ہیں۔ سبق کے ہر حصے میں یہی عمل دہراتے ہیں۔ آخر میں پوری بحث کا خلاصہ اور ماحصل پیش کرتے ہیں۔

(۶) فقہ کی کتابوں میں مذاہب، اختلاف ائمہ کو بڑی شائستگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ فریق مخالف کی آرا و دلائل کا روایتی و درایتی بھرپور جائزہ لے کر اپنے موقف پر ایسی دلیل پیش کرتے ہیں، جس سے حقانیت دن چڑھتے سورج کی طرح سامنے آجاتی ہے۔

(۷) تفسیر کے درس میں آپ کی وسعت مطالعہ اور تحقیق سن کر طلبہ عش عش کرنے لگتے ہیں۔ ہر آیت کی لغوی، صرفی، نحوی تحقیق کے بعد ضعیف روایات پر مبنی تفاسیر پر سیر حاصل بحث فرماتے ہیں اور پھر معتبر تفاسیر کے ذریعہ اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں۔"[1]

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے علم دین کی تحصیل و تدریس سے متعلق جو گراں بہا نصائح ارشاد فرمائے، حضرت صدر العلماء ان پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔ ان میں (۱) علم دین کی تحصیل خالصاً لوجہ اللہ ہو اور جو ملے اسے انعام سمجھنا چاہیے۔ (۲) تدریس کے لیے مدرس اسباق کی پوری تیاری کرے اور طلبہ کو مطالب بخوبی ذہن نشین کرانے کی کوشش کرے۔ (۳) طلبہ کے اندر علمی لیاقت اور دینی و عملی حرکت لانا مقصود ہو، نہ یہ کہ کسی طرح ڈیوٹی سے سبک دوش ہو۔ (۴) طلبہ میں دینی، علمی، لسانی و قلمی صلاحیتیں پیدا کرنے کی تدابیر عمل میں لانا اور انھیں آئندہ میدان عمل کے قابل بنانا۔ زیادہ قابل توجہ اور لائق عمل ہیں۔ حضرت صدر العلماء کی زندگی کے ہر باب میں ان قیمتی نصیحتوں کا دیا روشن ہے۔

---

(۱) مجلہ جہان ادب، دار العلوم علی حسن اہل سنت، ممبئی، ۲۰۱۴ء، ص: ۳۲۵

جامعہ اشرفیہ کی نصابی وانتظامی خوش رنگی خود اس حقیقت کی گواہ ہے کہ حضرت صدر العلماء کی ذات والا صفات میں استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ کے احوال وکوائف عکس ریز ہیں اور درجہ امامت پر فائز ہیں۔

کامیاب تدریس کے لیے ماہرین تعلیم نے متعلقہ علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ استحضار علم، قوت حافظہ، مشق وممارست اور وقت کی پابندی کو کافی اہم قرار دیا ہے۔ استاذ، علم وفن کا ماہر تو ہے لیکن استحضار علم میں تھوڑا کمزور ہے اور بروقت جزئیات ذہن میں نہیں آتے تو اس کا درس کامیاب نہیں ہوگا۔ اسی طرح قوتِ حفظ میں خلل رہتا ہے، یا وہ اختلاج قلب کا شکار ہے اور طمانیت وسکون سے تہی دست ہے یا مشق سے اس کا جی گھبراتا ہے اور مطالعاتی جذبہ ناپید ہے تو بھی اس کا درس کامیاب نہیں ہوگا۔ یا یہ سب کچھ تو ہے لیکن استاذ وقت کا پابند نہیں ہے یعنی اس کا چشمۂ علم وقت، بے وقت ابلتا رہتا ہے۔ یہ عادت بھی دُروس کی افادیت، کشش اور اثر پذیری کو ختم کر دیتی ہے اور طلبہ کبیدگی اور اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ہاں جو ماہر علم وفن بھی ہے، اس کا علم مستحضر بھی ہے، وہ عدیم المثال قوتِ حافظہ کے مالک اور مطالعاتی ممارست میں بھی طاق ہے تو اس کا درس کامیاب بھی ہوتا ہے اور اثر انگیز بھی، ساتھ ہی اس میں برکت ونور کا رنگ بھی پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک راقم الحروف نے جائزہ لیا ہے حضرت صدر العلماء میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ دیگر علما واساتذۂ مدارس بھی حضرت کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہیں۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"قدرت نے انھیں ذہانت وفطانت اور قوت حفظ کے ساتھ مطالعے کا ذوق وشوق زیادہ عطا فرمایا، حفظ اوقات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتے، ہر وقت مصروف۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ علم

ادب میں اَقران پر فائق ہیں۔"(۱)

یہ بالکل سچ ہے کہ وقت کا قدر شناس انسان زندگی کی ہر سانس میں عروج حاصل کرتا ہے وہ چاہے جس میدان میں طبع آزمائی کرتا ہو۔ کبھی انسانی شعور اس عروج کا ادراک کر لیتا ہے اور کبھی نہیں کر پاتا۔ علم کا میدان دنیا کا سب سے نازک اور دشوار گزار میدان ہے جو حد درجہ احتیاط اور مکمل دیانت داری کا متقاضی ہے، اس علم کا روحانی سلسلہ فیضان باری تعالیٰ سے مربوط ہے، اور معرفتِ خداوندی انسان کا سب سے قیمتی علمی سرمایہ ہے جو ذرا سی بے احتیاطی اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل سے ضائع ہو جاتا ہے۔ وقت کو ضیاع سے بچانے والا اور علم کے تقاضوں پر عمل کرنے والا دونوں جہان میں کامیاب و سرخ رو ہوتا ہے۔ حضرت صدر العلماء، دام ظلہ العالی ان دونوں معاملوں میں بے مثال ہیں اور محفل علما میں جب بھی ان امور پر گفتگو ہوتی ہے تو برجستہ ان کا نام زبان پر آہی جاتا ہے۔ ایک شہادت اور ملاحظہ فرمالیں، مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی [استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد] لکھتے ہیں:

"حضرت والا اپنے زمانۂ طالب علمی ہی سے وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف تھے، اسی لیے آپ نے اپنا قیمتی زمانہ نہ صرف اپنی نصابی کتابوں کے مطالعے اور ان کے مضامین کو ذہن نشیں کرنے میں گزارا، بلکہ نصاب سے باہر کی ان کتابوں کا بھی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا جو مستقبل کی زندگی کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔"(۲)

ممتاز تلامذہ:

تقریباً نصف صدی [۱۹۷۰ء سے ۲۰۲۰ء] سے آپ مسند تدریس پر بیٹھ کر فیضان علم تقسیم کر رہے ہیں۔ آپ کے خوان علم و فضل سے خوشہ چینی کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں

---

(۱) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۸

(۲) تقدیم، نوائے دل، مجموعہ خطابات، مرتبہ: مولانا جنید احمد مصباحی، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۸

ہے جن میں یونیورسٹیوں اور مدارس کے اساتذہ بھی ہیں اور محققین ادب بھی، ماہرین تعلیم و تنظیم بھی ہیں اور ناظمان ادارہ بھی، خطیبان باکمال بھی ہیں اور حاذقانِ روحانیت بھی، غرض دین کے مختلف میدانوں کے مردانِ جفاکش شامل ہیں۔ جو ملک وبیرون ملک دین متین کی خدمت کر رہے ہیں اور علم وادب کی کاشت بھی۔ ذیل میں چند مشہور تلامذہ کے نام پیش خدمت ہیں:

اساتذۂ اشرفیہ میں حضرت مولانا عبدالحق رضوی، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا محمد اختر کمال قادری، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا محمد صدرالوریٰ قادری، مفتی محمد نسیم مصباحی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا محمد عرفان عالم مصباحی، مولانا رفیع القدر مصباحی، مولانا محمد قاسم مصباحی، مفتی محمود علی مشاہدی، مفتی محمد ناصر حسین مصباحی، مولانا ازہر الاسلام ازہری، راقم توفیق احسن برکاتی، مولانا عبداللہ ازہری، مولانا حبیب اللہ ازہری، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا محمد اشرف مصباحی، مولانا جنید احمد مصباحی، مولانا قاری محمد رضا قادری، مولانا محمد محسن مصباحی، مولانا محمد اظہار النبی حسینی، مولانا محمد شہروز عالم مصباحی، مولانا محمد سعید رضا مصباحی، مولانا عبدالرحمن مصباحی، مولانا قاری عبدالرحمن مصباحی، مولانا محمد ذیشان مصباحی، مولانا محمد رئیس اختر مصباحی، مولانا محمد ذیشان یوسف مصباحی، مولانا محمد آصف رضا برکاتی، مولانا محمد اسلم مصباحی اور مولانا محمد اعظم مصباحی [لائبریرین اشرفی دارالمطالعہ]۔

ان کے علاوہ مولانا محمد نصراللہ رضوی بھیروی [علیہ الرحمہ]، مفتی احمد القادری [امریکہ]، مولانا قاضی شہید عالم رضوی [استاذ جامعہ نوریہ، بریلی شریف]، مولانا عبدالغفار اعظمی [استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو]، مولانا محمد عارف اللہ فیضی [استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ]، مولانا سید محمد فاروق مصباحی [استاذ مدینۃ العلوم، بنارس]، مفتی آل مصطفی مصباحی [استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی]، مفتی ایاز احمد مصباحی، مرحوم [پونہ]،

ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہسرامی [ممبئی]، مولانا صلاح الدین نظامی [فیض العلوم، جمشید پور]، مولانا صغیر اختر مصباحی [استاذ جامعہ نوریہ، بریلی شریف]، مفتی محمد انور نظامی [نائب قاضی جھارکھنڈ]، مولانا محمد عاقل مصباحی [صدر المدرسین جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف]، مولانا محمد نظام الدین مصباحی، گجراتی [برطانیہ]، مولانا محمد یونس مصباحی گجراتی [برطانیہ]، مفتی محمد جمال اشرف مصباحی [استاذ جامعہ اظہار العلوم، جہانگیر گنج]، مفتی رحمت علی تیغی مصباحی [کولکاتا]، مولانا محمد نظام الدین مصباحی [استاذ دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی]، مفتی شمشاد احمد مصباحی [استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی]، مولانا قاضی فضل احمد مصباحی [مدرسہ ضیاء العلوم، بنارس]، ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی [کولکاتا یونیورسٹی]، ڈاکٹر افضل مصباحی [ساگر یونیورسٹی، مدھیہ پردیش]، مولانا محمود احمد مصباحی [مبارک پور] مفتی محمد زبیر برکاتی [خطیب سنی بڑی مسجد، مدن پورہ، ممبئی]، مفتی محمد عالم گیر مصباحی [دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور]، مولانا طارق انور مصباحی [مدیر پیغام شریعت، دہلی]، مولانا افتخار اللہ مصباحی [صدر المدرسین جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی]، مولانا نور الحسن مصباحی [بلرام پور]، مفتی محمد صادق مصباحی [مدرسہ سعید العلوم، یکچھی پور، مہراج گنج]، مولانا شمس الحق مصباحی [جنوبی افریقہ]، مولانا عبد الرب مصباحی [ممبئی]، مولانا محمد جلال الدین مصباحی [بسکھاری]، مولانا سلمان رضا فریدی [مسقط، عمان]، مفتی محمد سلیم مصباحی [استاذ منظر اسلام، بریلی شریف]، مفتی محمد کمال الدین اشرفی [رائے بریلی]، مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی [بھیونڈی]، مولانا سید محمد امان میاں برکاتی [ولی عہد سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ]، مولانا محمد رضوان مصباحی و مولانا شمشاد عالم مصباحی [استاذ مدرسہ نثار العلوم، اکبر پور]، مفتی نثار احمد مصباحی [استاذ مدرسہ برکت العلوم، نواری بازار] مفتی محمد شاہد رضا مصباحی [مرکزی دار القراءات، جمشید پور]، مولانا محمد ظفر الدین برکاتی [مدیر ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی]، مفتی محمد صفی اللہ مصباحی [دیوگھر]، مفتی محمد صابر رضا مصباحی [پورنیہ]، مولانا محمد ہاشم مصباحی [مبارک پور] مفتی محمد عابد رضا مصباحی [کولکاتا]، مولانا محمد عاشق حسین مصباحی [بریلی شریف]، مولانا سید محمد اکرام الحق

مصباحی [صدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی]، مولانا محمد اشرف الکوثر مصباحی [دہلی] مولانا محمد حیدر رضا مصباحی [علی گڑھ]، مفتی محمد فاروق مہائمی [ممبئی] مولانا خالد ایوب مصباحی [راجستھان]، مولانا سلطان احمد مصباحی [ہالینڈ] وغیرہم۔

بروقت یہ چند نام ذہن میں آئے، ان ناموں پر سرسری طور پر غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ارباب علم وفضل کن میدانوں میں اپنے استاذ کا علمی فیضان لٹا رہے ہیں۔ ان علما میں اساتذۂ مدارس بھی ہیں، یونیورسٹی کے پروفیسران بھی، علمی مراکز کے بانیان بھی ہیں اور تعلیمی اداروں کے نظما بھی، رسائل وجرائد کے مدیران بھی ہیں اور محققین وادبا بھی، شارحین کتب بھی ہیں اور مترجمین بھی، مبلغین ودعاۃ بھی ہیں اور مقررین وخطبا بھی۔ اور یہ سارے اہل علم اس نسبت تلمذ پر نازاں ہیں اور اپنے استاذ جلیل کے علمی شجرے کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ گویا یہ شجر سایہ دار اپنی ذات میں ہزاروں برگ وبار کی کہکشاں رکھتا ہے اور ایک عالم اس کے انوار سے مستنیر ہو رہا ہے۔

علمی سیمیناروں اور دعوتی مذاکروں میں شرکت:

(۱) شرعی بورڈ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور [قائم شدہ: ۳؍ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۲؍جولائی ۱۹۸۵ء] کے چاروں علمی مذاکروں میں شرکت رہی، اس میں علماے عرب سے رابطہ کرنے اور سوال نامہ بھیج کر ان کا جواب حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی۔ شرعی بورڈ کا پہلا سیمینار ۱۵؍صفر ۱۴۰۶ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۶ء کو جامعہ حمیدیہ، بنارس میں منعقد ہوا اور آخری فقہی سیمینار اوائل ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ کو جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں ہوا۔

(۲) مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے تمام ۲۶؍فقہی سیمیناروں میں ذمہ دارانہ طور پر شریک ہوئے۔

(۳) فقہی بورڈ، دہلی کے زیر اہتمام منعقدہ ساتوں سیمیناروں میں شریک رہے۔ پہلا سیمینار ۱۷؍۱۸؍جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۷؍۱۸؍جولائی ۲۰۰۳ء کو دہلی میں ہوا تھا اور ساتواں فقہی سیمینار ۱۳؍جمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۲۰۰۵ء کو

ہوا۔ یہ سارے سیمینار دہلی، ممبئی، اجمیر شریف اور گجرات میں انعقاد پذیر ہوئے۔

(۴) علمی سیمینار، موضوع: مسئلہ قضا، بمقام دارالعلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد، گجرات، کنوینر: مفتی شبیر احمد مصباحی۔

(۵) مدرسہ فیض الرسول، براؤں شریف میں منعقدہ محفل مذاکرہ میں حاضر تھے جس میں نصابِ تعلیم کا مسئلہ زیر غور تھا۔ یہ محفل ۲۲ر محرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو تعلیمی کانفرنس کے موقع پر سجی تھی۔

(۶) نصاب تعلیم سے متعلق ایک بزم مذاکرہ عرس عزیزی سے ایک دن پہلے ۳۰ر جمادی الاولی و کیم جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۶ر ۱۷ر اپریل ۱۹۸۰ء کو منعقد ہوئی تھی، یہ محفل بحث تین نشستوں پر مشتمل تھی۔ اس میں بھی آپ شریک تھے۔

(۷) امام احمد رضا سمپوزیم، بھیونڈی، مہاراشٹر، منعقدہ: ۹ر جنوری ۱۹۸۴ء۔ اس میں آپ نے ''امام احمد رضا اور تصوف'' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا تھا، جو اسی نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

(۸) الجامعۃ القادریہ، رچھا، بریلی کے تعلیمی سیمینار میں شریک ہوئے جو ۳۱ر مارچ اور کیم اپریل ۱۹۸۹ء کو منعقد ہوا تھا، اس میں ''اہل سنت کی تصنیفی خدمات'' جیسا چشم کشا مضمون پیش کیا تھا جو بعد میں ماہ نامہ حجاز جدید، دہلی اور ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور میں شائع ہوا۔

(۹) ادارہ تحقیقات حافظ ملت، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زیر انتظام منعقدہ دونوں علمی سیمیناروں میں شریک رہے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تعلیمی افکار پر پہلا سیمینار ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء اور دوسرا، ۷ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو منعقد ہوا۔

(۱۰) امام احمد رضا کانفرنس، لکھنؤ، منعقدہ: ۱۰ر شوال المکرم ۱۴۱۲ھ۔ اس میں ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، جد الممتار کے آئینے میں'' کے زیر عنوان مقالہ پیش کیا، جو درحقیقت جد الممتار ثانی پر آپ کے قلم سے تحریر عربی تعارف کا اردو ترجمہ تھا۔

(۱۱) شعیب الاولیا سیمینار، منعقدہ: ۱۵/۱۶ر اپریل ۱۹۹۵ء، بمقام دارالعلوم

فیض الرسول، براؤں شریف، سدھارتھ نگر۔

(۱۲) صدر الشریعہ سیمینار، منعقدہ: ۲؍۳؍ذو قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱؍۱۲؍مارچ ۱۹۹۷ء، بمقام گھوسی، مئو۔

(۱۳) شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ میں دار العلوم تنویر الاسلام، امر ڈوبھا، ضلع بستی [حال سنت کبیر نگر، یوپی] میں مولانا محمد حنیف قادری مرحوم نے ایک تعلیمی سیمینار منعقد کیا تھا، جس میں آپ نے بہ عنوان ''ثانوی مذہبی درس گاہوں میں مروجہ نصاب تعلیم اور عصری تقاضے'' مقالہ پڑھا، جو پہلی بار ماہ نامہ اہل سنت، جمدا شاہی، بستی، شمارہ مئی ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

(۱۴) پانچ روزہ سیمینار و تربیت اساتذہ کیمپ، منعقدہ: ۷؍تا ۱۱؍مارچ ۲۰۰۸ء، بمقام جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

(۱۵) تنظیم المدارس، اتر پردیش کے زیر اہتمام نصاب پر غور کرنے کے لیے عبوری کمیٹی کے تمام اجلاس میں شرکت رہی۔ اس کا پہلا اجلاس ۱۷؍۱۸؍۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶؍۲۷؍۲۸؍مارچ ۲۰۰۸ء کو جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوا جو پانچ نشستوں پر مشتمل تھا۔ دوسرا اجلاس ۲۴؍۲۵؍۲۶؍اپریل ۲۰۰۸ء کو دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ میں رکھا گیا تھا۔

(۱۶) سالانہ عرس قاسمی [مارہرہ مطہرہ] میں کئی سال تک منعقد ہونے والی فکر و تدبیر کانفرنس میں شریک ہوئے اور اپنی تحریری و زبانی تجاویز و آرا پیش کیں۔ مثلاً ۷؍نومبر ۲۰۰۹ء کا موضوع تھا: ''مسلم معاشرے میں تعلیم: مشکلات و امکانات۔'' ۲۹؍اکتوبر ۲۰۱۱ء کو منعقدہ فکر و تدبیر کانفرنس میں اہل سنت کی شیرازہ بندی کا مسئلہ زیر غور تھا، اس میں آپ نے ''اہل سنت کی شیرازہ بندی کا لائحہ عمل: ہماری نظر میں'' کے عنوان پر ایک مختصر تحریر بھی پیش فرمائی۔

(۱۷) الجامعۃ الاحمدیہ، قنوج، یوپی میں بحر العرفان مفتی آفاق احمد مجددی کی نگرانی میں منعقد ہونے والے انٹرنیشنل سیمینار میں دو بار شرکت ہوئی جس میں مسلم مسائل زیر بحث تھے۔

(۱۸) اجمیر معلی میں درگاہ کمیٹی کے زیر انتظام ۱۹؍ستمبر ۲۰۱۳ء، چہار شنبہ کو منعقدہ

’’ثبوت ہلال سمپوزیم‘‘ میں شرکت فرمائی۔

(۱۹) دار العلوم امام احمد رضا، رنگ روڈ، کلیان پور، لکھنؤ کے زیر اہتمام منعقدہ امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار و کانفرنس میں شرکت ہوئی، جو ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۴ر مارچ ۲۰۱۳ء کو ہوا تھا۔

(۲۰) مدرسہ نثار العلوم، اکبر پور، ضلع امبیڈکر نگر کے ایک علمی سیمینار [منعقدہ: ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹ر اپریل ۲۰۱۴ء] میں شریک ہوئے جس کا مرکزی عنوان تھا: ’’فارغین مدارس میں داعیانہ کردار کی ضرورت اور اس کے تقاضے۔‘‘ اسی عنوان پر آپ نے خطبۂ صدارت بھی پیش فرمایا تھا۔

(۲۱) کنز الدارین آرگنائزیشن، مبارک پور اعظم گڑھ کا ایک روزہ دینی وملی سیمینار : جو رائل پیلس، سموڈھی، مبارک پور میں ۱۴ر اکتوبر ۲۰۱۸ء، یک شنبہ کو ’’مسلمان اور مستقبل‘‘ کے زیر عنوان منعقد ہوا، اس میں آپ نے ایک مختصر تحریری خطبۂ صدارت بھی پیش کیا۔

(۲۲) خانقاہ قادریہ ایوبیہ، پپرا کنک، کشی نگر کے زیر اہتمام منعقدہ تمام سیمیناروں میں شریک رہے۔ پہلا ’’امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار‘‘ سرزمین ممبئی میں ۷/۸/۹ر صفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۱/۲۲/۲۳ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو منعقد ہوا تھا اور نواں ’’انوارِ قرآن سیمینار‘‘ ۲۲ر رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸ر مارچ ۲۰۲۰ء کو خانقاہ ایوبیہ، پپرا کنک، کشی نگر میں منعقد ہوا۔ اس کے کئی سیمیناروں میں تحریری خطبۂ صدارت بھی پیش فرمایا، جو کتابچہ کی شکل میں طبع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔

مذہبی اجلاس اور مناظروں میں شرکت:

ایک سچا عالم دین دردمند اور مخلص مبلغ وداعی اسلام بھی ہوتا ہے جو درس گاہ میں طالبان علوم نبویہ کی علمی تربیت کرتا ہے، علم وادب کی بزم میں اپنے قلم کی طاقت کا استعمال کرتا ہے اور عوام کی محفل میں سنجیدہ پیغام نشر کرتا ہے۔ یہ اس کی دینی وعلمی ذمہ داری ہے اور مذہبی وملی تقاضا بھی۔ یعنی دین کی دعوت کے تین بنیادی میدان ہیں، درس گاہ، ادب گاہ

اور عوام گاہ۔ ایک عالم ربانی اپنی درس گاہ میں معلم واستاذ، ادب گاہ میں محقق ومصنف اور عوام گاہ میں خطیب ومقرر ہوتا ہے۔ ان تین ذرائع میں تصنیف کا کام زیادہ مشکل اور صبر آزما مانا جاتا ہے، درس گاہ کی مشکلات اس سے کم ہیں اور تقریر وخطابت میں سب سے زیادہ سہولت ہے، لیکن یہ میدان سب سے زیادہ زر آور ہے اور محنت طلب بہت کم۔ اس لیے زیادہ افراد اس میدان میں طبع آزمائی کرتے ہیں اور بعض بہت جلد کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ درس گاہ کی زندگی ایک محدود آمدنی کی حامل ہوتی ہے لیکن یہ بھی صبر آزما مانی جاتی ہے۔ ان دو کے بالمقابل تصنیف کتب مشکل بھی ہے اور خشک بھی، ساتھ ہی حوصلہ شکن بھی، خود کسی موضوع کا انتخاب کرنا، مسلسل محنت وتحقیق کے بعد تصنیف کا مرحلہ پورا کرنا، اس مواد کو کتابت یا کمپوز کرانا، پھر طباعت واشاعت کی راہ ہموار کرنا۔ یہ بھی مکمل ہوا تو باذوق قارئین کی تلاش کرنا اور کتابوں کی ترسیل۔ گویا ایک مصنف قدم قدم پر اپنا خون جگر جلاتا ہے، برسوں کی ریاضت کے بعد علم وادب کا ایک گلشن سجاتا ہے اور پھر شائقین کا ہجوم اس کا مشاہدہ کر کے اپنی مشام فکر کو معطر کرتا ہے۔ لیکن اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی ان کے لبوں پر تشکر وامتنان کے چند بول نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ میدان انتہائی خشک معلوم ہوتا ہے اور زر افزوں تو بالکل نہیں ہوتا۔ یوں بہت کم لوگ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور جو قدم رنجہ ہوتے بھی ہیں ان میں کم ہی ٹھہر پاتے ہیں، یا تو میدان بدل دیتے ہیں یا باغی تحریریں لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہاں جن کے دل اخلاص کے دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اور جفاکشی جن کی خو ہوتی ہے وہ سرد وگرم حالات کا مقابلہ کر کے اپنا قلمی مشغلہ جاری رکھتے ہیں، نہ انھیں ستائش کی تمنا ہوتی ہے نہ صلے کی پروا۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے تبلیغ دین کے ان تینوں میدانوں کو فیض یاب فرمایا ہے۔ آپ جہاں ایک ماہر وجوہر شناس استاذ ومربی ہیں، وہیں ایک مخلص محقق ومصنف اور سنجیدہ داعی وخطیب بھی۔ اس لیے علمی وفقہی سیمناروں کے علاوہ دینی مجالس اور مناظروں میں بھی آپ کی شرکت ہوتی رہی ہے۔ مذہبی اجلاس میں سنجیدہ خطاب بھی فرماتے ہیں، یہ

سلسلہ دورِ طالب علمی سے اب تک جاری ہے۔ ایسے ہی ایک موقع کا حال مفتی احمد القادری مصباحی نے ''حالاتِ صدر العلماء'' میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ایک بار بحری آباد سے قریب موضع ملکن پورہ میں لوگوں نے جلسہ عید میلاد النبی کے لیے حضرت [حافظ ملت علیہ الرحمہ] کو مدعو کیا۔ حضرت کی تاریخ خالی نہ تھی، اتفاقاً اس وقت بھائی جان [علامہ محمد احمد مصباحی] مبارک پور پرانے مدرسہ میں حاضر تھے، بلا کر آپ کو وہاں جانے کی ہدایت فرمائی۔ ایک صاحب نے ایک دوسرے مقرر کا نام لیا، حضرت نے فرمایا: ''وہاں مخالفین بھی ہیں جو اعتراضات کر سکتے ہیں۔ ایسے ماحول میں وہ صاحب کیا جواب دے سکیں گے اور یہ تو سو کے لیے بھی کافی ہو سکتا ہے۔''(۱)

جامعہ اشرفیہ میں جب بہ حیثیت استاذ تشریف لائے تو خاص خاص موقعوں پر طلبہ سے خطاب کیا، عہدۂ صدارت پر متمکن ہونے کے بعد تو سال میں کئی بار طلبہ واساتذہ کی بزم میں مسلسل نصیحت آمیز تقریر فرماتے۔ جشن یوم رضا اور جشن یوم مفتی اعظم میں بھی آپ کا خصوصی خطاب ہوتا ہے۔ راقم الحروف ان محفلوں میں بارہا شریک رہا۔ جامعہ اشرفیہ میں ختم بخاری شریف کے موقع پر ان کا انتہائی عالمانہ ومورخانہ خطاب ہم نے کئی بار سنا، ایسا لگتا تھا کہ علم وآگہی کا مینہ برس رہا ہے اور تشنگان علوم اس سے جل تھل ہو رہے ہیں۔ ملک کے کئی شہروں میں ان کا جانا ہوتا ہے، اجلاس میں ان کی تقریریں کم ہوتی ہیں۔ مارہرہ مطہرہ میں منعقدہ تقریباً تمام فکر وتدبیر کانفرنس میں شرکت ہوئی اور خطاب فرمایا۔ عرس قاسمی کی پہلی شب میں قرآن مجید کی حقیقت وعظمت پر ایک بار عالمانہ تقریر فرمائی۔ علمی وفقہی سیمیناروں میں پیش کیے گئے ان کے تحریری خطبات صدارت اور دینی محفلوں میں کی گئی چند تقریروں کا مجموعہ ''نوائے دل'' کے نام سے محب گرامی مولانا جنید احمد مصباحی نے مرتب کر کے شائع کرایا ہے، جس میں علم ومعرفت کا دبستان بھی آباد ہے اور افکار عالیہ کی کہکشاں بھی روشن ہے۔

اور جہاں تک بات ہے مناظروں میں شرکت کی، تو ایسا صرف ایک بار ہوا۔ اس کا

(۱) حالاتِ صدر العلماء، غیر مطبوعہ، ص: ۲۰

ذکر اپنی ایک معائنہ تحریر میں خود کرتے ہیں:

"۸/۹/۱۰/ مئی ۲۰۰۵ء کو ملک پور [دلکولہ سے قریب] سنی، دیو بندی مناظرہ میں شرکت کے لیے آنا ہوا۔ ۹/ مئی کو دیو بندی مناظر کی لاجوابی اور فرار کے بعد ۱۰/ مئی کو پنڈوہ شریف حاضری کا ارادہ ہوا۔ اس سے قبل ۱۵/ سال پہلے بھی بارگاہِ شاہ علاء الحق پنڈوی میں حاضری دی تھی۔ اس بار آنا ہوا تو درگاہ شریف سے قبل دار العلوم جلالیہ علائیہ اشرفیہ کی پر شکوہ عمارت نظر آئی۔ تذکرہ تو پہلے بھی سنا تھا مگر دیکھنے کے بعد عمارت اور تعمیری، تعلیمی و تربیتی چہل پہل تصور سے زیادہ نظر آئی۔ اساتذہ وطلبا بھی ادارہ کے ساتھ محبت وخلوص بھی رکھتے ہیں اور اپنے فرائض کی تکمیل سے لگن بھی، ساتھ ہی ادارہ کی خدمات کو وسیع سے وسیع تر کرنے کا عزم بھی۔

یہ سب بانی ادارہ رحمہ اللہ اور ان کے خلف الصدق کے نیک عزائم اور پاکیزہ و بلند خیالات کا عکس جمیل ہے جو ادارہ کے درو دیوار پر ضوفگن ہے اور خادمانِ ادارہ کی حرکت وعمل میں بھی۔ مولیٰ تعالیٰ عزائم میں استحکام بخشے اور خدمات کو فروغ وارتقا نصیب کرے، ساتھ ہی سب کے اعمال جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور دارین کی سربلندیوں سے سب کو شادکام فرمائے، وماذلک علیہ تعالیٰ بعزیز۔ (۱)

معائنہ کی یہ تحریر محب گرامی مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی کی کتاب "اشرف الاولیا: حیات وخدمات" ص: ۲۲۹ پر موجود ہے۔

تکریم نامے:

استاذ گرامی کی مختلف النوع دینی، علمی، تعلیمی وتدریسی خدمات کے اعتراف میں کئی

---

(۱) محمد احمد مصباحی [۳۰ / ربیع النور ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۰/ مئی ۲۰۰۵ء، سہ شنبہ

اداروں اور خانقاہوں نے آپ کی بارگاہ میں تکریم نامہ اور اعزازیہ پیش کیا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) سپاس نامہ- مدرسہ عالیہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں شریف [۵ر صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸ر ستمبر ۱۹۸۸ء]

(۲) سپاس نامہ- خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ [بموقع عرس قاسمی ۱۳ر اکتوبر ۲۰۱۰ء]

(۳) سپاس نامہ- جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف [بموقع تحریری وتقریری مسابقہ ۲۱ر ۲۲ر محرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۴ر ۵ر نومبر ۲۰۱۵ء]

(۴) قبلۂ عالم ایوارڈ- جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف [بموقع جشن صد سالہ حضور حافظ بخاری علیہ الرحمہ۔ ۲۴ر فروری ۲۰۰۳ء]

(۵) حافظ ملت ایوارڈ- تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور [بموقع عرس عزیزی، یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ ۱۸ر فروری ۲۰۱۸ء]

مناصب اور اعزازی ذمہ داریاں:

آپ کا امتیازی وصف خاموش تدبر، سمندر جیسا سکوت اور تہ نشیں موجوں جیسا شور مانا جاتا ہے، دور اندیشی اور حسن معاملگی میں ان کا جواب نہیں، اعلیٰ دماغی ان کی شان اور تبحر علمی ان کی پہچان ہے۔ ساتھ ہی ایک بلند پایہ ماہر تعلیم اور نصابی رموز آشنا مفکر ہیں، جامعہ اشرفیہ میں صدر المدرسین کے سرکاری عہدے سے رٹائرمنٹ کے بعد فی الحال جن اعزازی مناصب پر فائز ہیں اور جو ذمہ داریاں پورے اخلاص ودیانت داری کے ساتھ نبھا رہے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) صدر مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۲) ناظم تعلیمات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۳) ڈائرکٹر مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۴) بانی رکن اور سکریٹری المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

(۵) صدر تنظیم المدارس، اتر پردیش، انڈیا

(۶) سرپرست ونگراں مرکزی دار القراءت، ٹاٹا نگر، جمشید پور

(۷) صدر انجمن امجدیہ، بھیرہ ولید پور، مئو

(۸) مجلہ یارگار رایوبی، کشی نگر کی سرپرستی ونگرانی

لیکن یہ مناصب صرف اپنا قد اونچا کرنے کی غرض سے نہیں قبول کیے گئے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ آپ براہِ راست ان تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مشغول ہیں اور پوری دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ انھیں ادا بھی کر رہے ہیں۔ آیئے! کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

مجلس شرعی کی صدارت:

۳/ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۲/ جولائی ۱۹۸۵ء کو مشاہیر علمائے اہل سنت کی ایک مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوئی اور جدید مسائل کے حل کے لیے تیس مفتیان کرام پر مشتمل ''شرعی بورڈ'' کی تشکیل عمل میں آئی۔ [شرعی بورڈ کے قیام اور جاری کیے گئے استفتا کی تفصیل ماہ نامہ اشرفیہ، جولائی، اگست ۱۹۸۵ء، ص: ۶-۷ میں دیکھی جا سکتی ہے۔] استفتا کے لیے بورڈ کے ارکان اور ملک وبیرون ملک کے مفتیان کرام کے ساتھ رابطہ کرنے کی ذمہ داری رئیس القلم علامہ ارشد القادری کو اور عرب ملکوں سے رابطہ قائم کرنے کی ذمہ داری صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کو دی گئی تھی۔ آپ نے اس ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی نبھایا۔ راقم الحروف کے پاس وہ عربی مکتوب محفوظ ہے جو علمائے عرب کو بھیجا گیا اور وہ سوال نامہ بھی جو شرعی بورڈ کے کنوینز علامہ ارشد القادری نے تیار کیا تھا۔

۲۳/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ، شہزادۂ حافظ ملت مولانا عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی کی تحریک پر اساتذۂ اشرفیہ کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی اور ''مجلس شرعی'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس مجلس مشاورت میں آپ بھی شامل تھے۔ عبوری طور پر جو علما ارکانِ مجلس منتخب ہوئے ان میں ایک اہم رکن کی حیثیت سے آپ کا نام بھی

شامل کیا گیا۔ (۱)

آپ مجلس شرعی کے صرف ایک رکن تھے تب بھی سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات اور بحثوں کا خلاصہ لکھتے تھے اور ماہ نامہ اشرفیہ میں مفصل رپورٹ شائع ہوتی تھی۔ [ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ: دسمبر ۱۹۹۳ء/ اکتوبر ۱۹۹۷ء مکمل طور پر آپ ہی کا تیار کردہ ہے۔] جب ناظم مجلس بنے تب بھی یہ ذمہ داری نبھائی۔ پھر ۲ر محرم ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۳ر فروری ۲۰۰۴ء کو جب صدر مجلس نامزد ہوئے تو مجلس شرعی کے صدر ہونے کی حیثیت سے اس کی تمام میٹنگوں میں شرکت، موضوعات کے انتخاب میں مشورہ دینا، موضوع کے انتخاب کے بعد سوال نامہ کی تصحیح اور ان کا اجرا۔ مقالات موصول ہونے کے بعد تلخیص تیار ہوتی ہے اسے دقتِ نظری کے ساتھ ملاحظہ کرنا۔ سیمینار کے لیے خطبۂ صدارت تحریر کرنا۔ ضرورت پڑنے پر بحثوں میں حصہ لینا اور سب سے اہم متفقہ فیصلوں کو نوٹ کرنا۔ یہ وہ امور ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں اور آپ انھیں بہ حسن وخوبی نبھاتے ہیں۔

مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں:

> ”۲ر محرم ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۳ر فروری ۲۰۰۴ء کو حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے مجلس شرعی کی میٹنگ بلائی اور حضرت صدر العلماء کو مجلس شرعی کا صدر منتخب فرمایا او اس میٹنگ میں حضرت امین ملت کو سرپرست منتخب کیا گیا۔ حضرت صدر العلماء نے اپنی صدارت کے عہد میں مجلس شرعی کی عمدہ خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت ہی کی جانب سے سوال نامہ جاری ہوتا ہے، تمام مقالات بھی آپ کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ تقریباً تمام سیمیناروں میں آپ نے صدارتی خطبے یا استقبالیہ خطبے تحریر فرمائے۔ عام طور پر سیمیناروں کے انعقاد اور اہتمام وانصرام میں آپ کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ سیمیناروں

(۱) ملاحظہ فرمائیں: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جنوری ۱۹۹۳ء، ص: ۴۲

میں فیصلے بھی آپ ہی نوٹ فرماتے ہیں، سرد وگرم مسائل کو بھی آپ خوب صورتی سے حل فرمادیتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کا علمی، تحقیقی اور فقہی سایۂ کرم دراز فرمائے۔"(۱)

ناظم مجلس مفتی محمد نظام الدین رضوی رقم طراز ہیں:

"فیصلے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ مختصر مگر جامع ہوں، ساتھ ہی واضح بھی ہوں اور لکھنے والا مسئلے کے تمام گوشوں پر گہری نظر بھی رکھتا ہو۔ اس حیثیت سے یہ کام بہت ہی اہم ہے، اس کے لیے مجلس نے کبھی کسی کو نامزد نہیں کیا مگر یہ بھی اتفاق ہے کہ قرعۂ فام سوائے مصباحی صاحب کے کبھی کسی اور کے نام نہیں نکلا۔ چند فیصلوں یا کسی فیصلے کی چند دفعات کو چھوڑ کر فیصلہ نویسی کا کام ہمیشہ حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب دام ظلہ العالی نے کیا ہے جو طبعاً بھی کم گو اور مختصر نویس ہیں مگر فقہیات پر اچھی نظر رکھتے ہیں اور مندوبین کی بحثوں کو بہت غور سے سن کر مسئلے کے ضروری گوشوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔"(۲)

اسی طرح جب مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے کوئی اہم کتاب شائع ہوتی ہے تو پوری توجہ سے اس کی اصلاح بھی فرماتے ہیں۔

سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی "مجلس شرعی کے فیصلے" جلد اول کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

"صدر العلما، خیر الاذکیا حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی صدر مجلس شرعی وصدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کے اوقات واشغال میں خدائے کریم نے بڑی برکتیں دے رکھی ہیں، انھوں نے گونا گوں

(۱) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ، ستمبر ۲۰۱۴ء، ص: ۶
(۲) مقدمہ صحیفہ مجلس شرعی، جلد دوم، طبع: مئی ۲۰۰۹ء، ص: ۲۴

مصروفیات کے باوجود پوری کتاب پڑھی اور بہت سے مقامات پر تصحیح بھی فرمائی۔ یہ وقت کے قدرداں ہیں اور کسی بھی کام کو التوا میں ڈالنے کے بجائے کرگزرنے کو پسند کرتے ہیں اور اس خو میں ہمارے تمام رفقائے کار اور ارکانِ مجلس شرعی بھی بہت حد تک شریک ہیں۔ فللّٰہ الحمد و المنة.''(۱)

یہ وہ حقائق ہیں جن کے ذکر کو چھوڑ کر کوئی تذکرہ نگار آپ کے کما حقہ تعارف سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے سیمیناروں میں ہندوستان بھر کے جید علما و محققین شریک ہو کر متعلقہ موضوع پر غیر جانب دارانہ بحث و تمحیص میں حصہ لیتے ہیں اور اختلاف رائے کے باوجود بحث نتیجہ خیز ہوتی ہے اور وہ ایک متفقہ نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ منتشر بحثوں کو سمیٹنا، پھر مندوبین کو حقائق و شواہد کی روشنی میں مطمئن کرتے ہوئے انھیں نتیجہ خیز بنانا کافی اہم کام ہے لیکن یہ اہم کام بھی پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں دو علمی وفقہی شخصیات بڑا کلیدی رول ادا کرتی ہیں۔ ایک ناظم مجلس شرعی حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی اور دوسرے صدر مجلس علامہ محمد احمد مصباحی۔ اس سلسلے میں شیخ القرآن علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میں اپنے صدر العلماء محب مکرم حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کے کمالات علمیہ کا قائل ہوں کہ جس اعلیٰ نظام کے ساتھ تعلیم کو جس بلندی پر یہ پہنچا رہے ہیں اور اس مجلس کو انھوں نے جس انداز کے ساتھ چلایا ہے وہ قابل ستائش ہے اور مجلس کا ناظم جیسی شخصیت کو مقرر کیا گیا ہے وہ ناظم بھی الحمد للہ بہت ہی باکمال ہیں۔ ہمارے صدر العلماء کہ جن کی باتیں سنو تو جی چاہتا ہے سنتے ہی رہو، اتنے فصیح و بلیغ اور باصلاحیت لوگ اشرفیہ میں رہتے ہیں جن کے کمال کا سوتا ہمیشہ

(۱) مجلس شرعی کے فیصلے، جلد اول، طبع اشرفیہ، ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء، ص: ۱۰۵

جاری رہتا ہے۔"(۱)

فقہی سیمینار کے ایک مندوب اور مشہور محقق مولانا محمد حنیف خان رضوی بریلوی (ڈائرکٹر امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف) رقم طراز ہیں:

"سیمینار کو ہر کٹھن موڑ پر صحیح سمت دینے والے اور علماے کرام کے مابین الجھے ہوئے مسائل کو اپنے چند نپے تلے جملوں کی بدولت حل کردینے والے عمدۃ المحققین خیر الاذکیا، رمز شناس فقاہت رضویہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی کا وجود نہ صرف اس مجلس کے لیے، نہ صرف اس سیمینار کے لیے، نہ صرف الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے بلکہ ہم اپنے اعتبار سے پوری جماعت کے لیے ان کے وجود کو عظیم الشان سرمایہ سمجھتے ہیں۔"(۲)

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجلس شرعی کی صدارت بھی محض نام ونمائش کی چیز نہیں بلکہ ایک اہم علمی ذمہ داری کی ادائیگی ہے۔

اشرفیہ کے نظام تعلیم کی نگرانی:

آپ سے قبل جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تھے، ان کے وصال کے بعد یہ منصب خالی تھا۔ ۲۰۱۴ء میں جب منصب صدارت سے سبک دوش ہوئے تو ذمہ داران اشرفیہ نے آپ کو ناظم تعلیمات نامزد کیا اور اعزازی طور پر یادگار حافظ ملت میں چند کتابوں کی تدریس آپ نے ازخود قبول فرمائی۔ اس طرح جماعت سابعہ اور درجۂ فضیلت کی دو کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں اور اسی شان سے جو ان کی شناخت تھی، وقت پر درس گاہ پہنچنا اور وقت پر درس مکمل کرنا۔ بطور ذکر ایک حقیقت بیان کردوں کہ آج بھی جامعہ میں ان کا منصبی رعب وہی ہے جو ان کے دور صدارت میں

---

(۱) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ص: ۳۹

(۲) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ص: ۳۷

اساتذۂ اشرفیہ پر قائم تھا۔ جامعہ اشرفیہ کا کوئی بھی رزلٹ اس وقت تک شائع نہیں کیا جاتا جب تک حضرت مصباحی صاحب کی نگاہ اس پر نہ پڑ جائے۔ اشرفیہ کے نظام تعلیم سے لے کر نصاب تعلیم پر ان کی نظر رہتی ہے اور وہ ان امور کی نگرانی فرماتے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے نظام تعلیم ونصاب تعلیم کی عمدگی اور جامعیت پر ان کا تفصیلی مضمون ماہ نامہ اشرفیہ کے تعلیمی کنونشن نمبر، شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مجلس برکات کی نگرانی:

آپ درسی کتابوں کے سب سے بڑے ہندوستانی سنی طباعتی ونشریاتی ادارہ ’’مجلس برکات‘‘ جامعہ اشرفیہ کے ڈائرکٹر ہیں۔ یہ منصب بھی انتہائی ذمہ داری اور سخت محنت والا ہے۔ کس کتاب پر کام ہونا ہے، کس عالم ومحقق کو کرنا ہے، کس طرز کا کام ہونا چاہیے، تعارف مصنف کون لکھے گا، حاشیہ وتعلیق لکھنا ہے یا ترجمہ وتحقیق؟ یہ سارے امور ان کو ہی طے کرنا ہوتے ہیں۔ کام مکمل ہونے کے بعد ان کی تصحیح وتحقیق کرنا ایک جاں گسل مرحلہ ہوتا ہے، لیکن یہ کام بھی آپ انجام دیتے ہیں اور وہ چیز لائق اشاعت ہو جاتی ہے۔ راقم نے بعض اساتذۂ اشرفیہ سے کئی بار یہ باتیں سنی ہیں کہ کچھ حواشی اور تراجم ایسے تھے کہ پورے کا پورا صفحہ ہی حضرت نے کاٹ دیا اور اس کی جگہ پر اپنا حاشیہ یا ترجمہ شامل کیا۔ بعض تعلیقات ایسی تھیں کہ اگر ان کا قلم نہیں چلتا تو وہ اشاعت کے لائق ہی نہیں ہوتیں۔ جتنا وقت ان کی تصحیح میں صرف ہوا اتنے میں تو اپنا مستقل ایک حاشیہ یا تعلیق لکھی جا سکتی تھی۔ لیکن حضرت نے اس کا کریڈٹ خود نہیں لیا بلکہ ان حاشیہ یا تعلیق نگاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کی محنتوں کو باقی رکھا اور کتاب انھی کے نام سے شائع کرائی۔

مجلس برکات کی جن کتابوں کی تصحیح یا نظر ثانی کا کام آپ نے کیا ہے راقم الحروف کے پاس ان کا ایک اشاریہ موجود ہے اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور اس کا اکثر کام آپ ہی کی نگرانی میں مکمل ہوا ہے۔ ذرا ایک نظر ان کتابوں پر ڈال لیتے ہیں:

(۱) شرح نزہۃ النظر مع نخبۃ الفکر
[از: شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی۔ تحقیق: مولانا نفیس احمد مصباحی]
(۲) نور الایضاح مع ضوء المصباح
[از: علامہ حسن بن عمار شرنبلالی۔ تحشیہ: مولانا ناظم علی مصباحی]
(۳) سراجی مع حاشیہ واردو تلخیص
[از: شیخ سراج الدین سجاوندی۔ تحشیہ: مولانا نصر اللہ رضوی]
(۴) منتخب حسامی مع حاشیہ نامی
[از: امام حسام الدین اخسیکثی۔ تحشیہ: مولانا عبد الحق حقانی]
(۵) دیوان متنبی مع میزان متربی
[از: ابو الطیب احمد بن حسین جعفی۔ تحشیہ: مولانا نفیس احمد مصباحی]
(۶) تفسیر الجلالین مع الحواشی
[از: امام جلال الدین سیوطی ومحلی۔ تعارف مصنف: مولانا ناظم علی مصباحی]
(۷) صحیح البخاری مع تعلیقات
[از: امام محمد بن اسماعیل بخاری۔
تعلیق نگار: امام احمد رضا قادری/ مفتی محمد اختر رضا ازہری]
(۸) صحیح مسلم مع الحواشی
[از: امام مسلم بن حجاج قشیری۔ تحشیہ: مفتی محمد نظام الدین رضوی]
(۹) حاشیہ مدارک
[از: امام عبد اللہ بن احمد بن مسعود نسفی۔ تحشیہ: علامہ محمد احمد مصباحی]
(۱۰) التوضیح مع الحاشیہ [از: عبید اللہ بن مسعود حنفی۔ تحشیہ: مفتی آل مصطفی مصباحی]
(۱۱) تہذیب وشرح تہذیب
[از: علامہ سعد الدین تفتازانی۔ شرح: مولانا محمد عاقل مصباحی]

(۱۲)اسلامی اخلاق وآداب [از: صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی]

(۱۳)زبدۃ الاتقان، عربی [از: امام جلال الدین سیوطی۔ تلخیص: علامہ محمد بن علوی مالکی]

(۱۴)الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

[از: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ: مولانا یٰسین اختر مصباحی]

(۱۵)فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد [ترجمہ: مولانا عبد الغفار اعظمی]

(۱۶)رسم قرآنی اور اصول کتابت [از: علامہ محمد احمد مصباحی]

(۱۷)اہم علوم قرآن [زبدۃ الاتقان، ترجمہ از: مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی]

(۱۸)فیض الادب، اول ودوم [مولانا بدر الدین احمد قادری]

(۱۹)کافیۃ النحو [از: مولانا نفیس احمد مصباحی]

(۲۰)المعتقد المنتقد [علامہ فضل رسول بدایونی]

(۲۱)منہاج العابدین [از: حجۃ الاسلام امام غزالی]

(۲۲)العمدہ شرح قصیدۂ بردہ [از: مولانا نور بخش توکلی]

(۲۳)الادب الجمیل مع حاشیہ

[از: مولانا افتخار احمد قادری۔ تحشیہ: مولانا شمس الہدیٰ مصباحی]

(۲۴)المدیح النبوی [از: مولانا یٰسین اختر مصباحی، عربی حاشیہ: مولانا ساجد علی مصباحی، ترجمۂ اشعار: مولانا نفیس احمد مصباحی]

(۲۵)مقامات حریری مع اردو ترجمہ

[از: ابو محمد قاسم بن علی حریری۔ تحشیہ وترجمہ: مولانا محمد نظام الدین مصباحی]

(۲۶)مصدق الفضل مع تعارف شرح [از: قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ تعارف نگار: مولانا نفیس احمد مصباحی]

(۲۷)فصول اکبری مع تعارف مصنف ومحشی [از: مولانا سید علی اکبر الہ آبادی۔ تعارف نگار: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی]

(۲۸) مرقاۃ مع اردو حاشیہ

[از: مولانا محمد فضل امام خیر آبادی۔ تحشیہ: مولانا ساجد علی مصباحی]

(۲۹) ہدایۃ النحو مع حاشیہ [از: شیخ سراج الدین عثمانی۔ تحشیہ: مولانا الٰہی بخش فیض آبادی]

(۳۰) شرح مأۃ عامل مع اردو حاشیہ

[از: علامہ عبد الرحمن جامی۔ تحشیہ: مولانا مسعود احمد برکاتی]

(۳۱) گلستاں سعدی مع اردو حاشیہ

[از: شیخ شرف الدین سعدی۔ تحشیہ: مولانا نصر اللہ رضوی]

(۳۲) بوستاں سعدی مع اردو حاشیہ

[از: شیخ شرف الدین سعدی۔ تحشیہ: مولانا نصر اللہ رضوی]

(۳۳) علم الصیغہ مع حاشیہ

[از: مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ تحشیہ: مولانا نذیر احمد سعیدی]

(۳۴) تواریخ حبیب الٰہ

[از: مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ تسہیل: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی]

(۳۵) سیرت خلفاے راشدین [تالیف: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی]

(۳۶) فارسی قواعد وانشا [تالیف: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی]

(۳۷) قواعد املا وانشا [از: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی]

(۳۸) رسول مختار [از: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی]

(۳۹) قواعد الصرف، اول [مولانا محمد نظام الدین مصباحی]

(۴۰) قواعد الصرف، دوم [مولانا محمد نظام الدین مصباحی]

(۴۱) رہنماے ترکیب [از: مولانا محمد ہارون مصباحی]

(۴۲) قواعد النحو [از: مولانا ساجد علی مصباحی]

(۴۳) درایۃ الصرف [مولانا ساجد علی مصباحی]

(۴۴) نحو میر (۴۵) بدایۃ الحکمۃ (۴۶) شرح ہدایۃ الحکمۃ (۴۷) تلخیص المفتاح (۴۸) تسہیل المصادر (۴۹) شعر باستاں (۵۰) مناظرۂ رشیدیہ (۵۱) دراسۃ النحو (۵۲) پنج گنج (۵۳) میزان و منشعب۔

ان کے علاوہ کئی علمی کام تصحیح و نظر ثانی کے مرحلے میں ہیں۔ ان میں سب سے اہم "الاکلیل شرح مدارک التنزیل" [از: مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی علیہ الرحمہ] کی تحقیق ہے جو ان شاء اللہ کئی جلدوں میں مجلس برکات سے شائع ہوگی۔ ان علمی و تحقیقی کاموں پر اگر سنجیدگی سے غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ جتنا وقت ان کتابوں کی تصحیح و تحقیق میں خرچ ہوتا ہے اتنے میں کئی اہم تصنیفی کام خود کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنے اساتذہ علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہما الرحمہ کی وہ جاں فشانیاں بہ چشم خود ملاحظہ کی ہیں جو فتاویٰ رضویہ کی تحقیق و تدوین میں ان حضرات نے برداشت کی ہیں۔ بزرگوں کی علمی وراثت یوں ہی ہم تک پہنچی ہے۔

المجمع الاسلامی کی نگرانی:

قدیم علما و محققین کی نادر و نایاب کتابوں کو جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ شائع کرنا اور علما و محققین کی ایک ٹیم تیار کر کے جدید عصری موضوعات پر قابل قدر کتب و رسائل تصنیف کرانا کوئی معمولی کام نہیں، بلکہ ایک اہم عصری تقاضا ہے۔ کیوں کہ پرانی کتابیں حال کے قارئین کی پہنچ سے دور ہیں یا ان تک رسائی تو ہے لیکن جدید طرز ترتیب یا تحقیق و تسہیل نہ ہونے کی بنا پر قابل مطالعہ نہ تھیں۔ اس لیے شدید ضرورت تھی کہ ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں مکمل ٹیم ورک ہو اور تاریخ و تذکرہ، تحقیق و تنقید اور لسانیات و ادبیات پر قابل قدر اور مفید لٹریچر تیار کیا جائے اور ان کی نشر و اشاعت ہو۔ ساتھ ہی ماضی کے علما و محققین کا علمی مواد ترجمہ و تحقیق کے بعد نئی سج دھج کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے۔

ذو الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء میں اسی ضرورت کے پیش نظر تحقیقی و نشریاتی

ادارہ ''المجمع الاسلامی'' [مبارک پور اعظم گڑھ] قائم کیا گیا۔1981ء میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری کے بیرون ملک چلے جانے کے بعد اس ادارہ کا کام فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ منتقل ہوگیا، جہاں حضرت صدر العلماء، صدر المدرسین تھے۔ پھر ۱۹۹۴ء میں ملت نگر مبارک پور میں اس کے لیے باقاعدہ ایک زمین خریدی گئی۔ ۱۰ر صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۷ر جون ۱۹۹۶ء کو ایک سادہ سی مختصر تقریب میں اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ قابل ذکر علما میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، عزیز ملت مولانا شاہ عبد الحفیظ عزیزی، علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی اور مولانا محمد احمد مصباحی وغیرہم موجود تھے۔ مولانا بدر القادری مصباحی ''حیات حافظ ملت'' میں لکھتے ہیں:

> ''ایک وسیع ہمہ گیر منصوبے کے تحت ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء میں اس کا مبارک پور میں قیام عمل میں آیا۔ اس کی باضابطہ ایک کمیٹی ہے، مولانا محمد احمد اعظمی، مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری مصباحی، مولانا بدر القادری مصباحی اور مولانا یٰسین اختر مصباحی اس کے بانی ارکان ہیں۔''[1]

راقم الحروف کے سامنے المجمع الاسلامی کے سنگ بنیاد کا دعوت نامہ اور مختصر تعارف موجود ہے جس میں اس تصنیفی واشاعتی ادارے کے قیام کا پس منظر واضح کیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے شعبوں اور منصوبوں کا اجمالی نقشہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

المجمع الاسلامی کے دستور اساسی میں اس کے درج ذیل اغراض ومقاصد دیے گئے ہیں:

(۱) تحریر وتصنیف کے ذریعہ دین وعلم کی اشاعت۔

(۲) تحریر وتصنیف کی تربیت کے لیے دار التصنیف کا قیام۔

(۳) باضابطہ مصنفین کے ذریعے اہم موضوعات پر مقالات وکتب کی تیاری اور اشاعت۔

---

[1] حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۸ء، ص: ۷۲۶

(۴) ایک ایسی لائبریری کا قیام جس میں اپنے اہل قلم کے لیے ضروری کتابوں کا قابل قدر ذخیرہ ہو۔

(۵) ایسے وسائل بروے کار لانا جو دین وعلم کی ترویج واشاعت میں مفید ومعاون اور موثر ثابت ہوں۔

(۶) نادار طلبہ اور دوسرے ضرورت مندوں کے درمیان مفید کتابوں کی مفت تقسیم۔

(۷) حسب وسعت دینی وعلمی اداروں کے ساتھ تعاون۔

(۸) اپنے دار التصنیف اور دیگر اداروں میں زیر تعلیم غریب طلبہ کے لیے وظائف کا اجرا۔

(۹) حسب وسعت وضرورت المجمع الاسلامی کے تحت مختلف شعبوں یا ذیلی اداروں کا قیام وانتظام۔

یہ ادارہ ایک وسیع وعریض خطۂ زمین پر موجود ہے۔ جس میں پہلی منزل پر مصنفین ومحققین کے لیے آٹھ خوب صورت کمرے، ملازمین کے لیے دو کمرے، لائبریری اور لائبریری ہال، دار المطالعہ کے دو بڑے ہال، مطبخ، اسٹور روم، آنگن، سیمینار ہال، ایک کتب خانہ اور دو وضو خانے شامل ہیں اور اوپری منزل پر دو کمرے ہیں۔ یہ ساری چیزیں ایک مکمل چہار دیواری میں محفوظ ہیں جس میں دو بڑے گیٹ لگے ہوئے ہیں۔ کچھ ہرے بھرے درخت اور دیدہ زیب گھاسیں اس کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔

فی الحال ''المجمع الاسلامی'' کے مندرجہ ذیل شعبہ جات ہیں:

(۱) دار التصنیف والترجمہ (۲) دار التحقیق (۳) دار الکتب (۴) دار المطالعہ (۵) دار الاشاعت (۶) دار التربیۃ والتعلیم

شعبۂ تصنیف وترجمہ کے تحت معیاری اور قابل صاحبان تحریر وتصنیف مکمل اخلاص ودیانت داری کے ساتھ تصنیف وتحقیق کا اہم فریضہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ان کی مساعی جمیلہ کے خوش گوار نتائج بھی نظر آ رہے ہیں۔ اس کے بانی ارکان عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں کامل مہارت اور تصنیف وتحقیق کا شوق فراواں رکھتے ہیں۔ ان حضرات کے عربی، اردو

زاجم بھی اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں۔ ان میں دو لوگ مولانا بدر القادری مصباحی [ہالینڈ] اور مولانا افتخار احمد قادری [افریقہ] بیرون ہند رہتے ہیں اور بقیہ تین حضرات انڈیا [دہلی، مبارک پور، چریا کوٹ] میں قیام پذیر ہیں۔ اعلیٰ دماغی، بلندی خیال، فکر و تدبر، دانش وری، مستقبل بینی اور منصوبہ سازی میں اس علمی پنج تن کا جواب نہیں۔ ہند و بیرون ہند منعقد ہونے والے علمی و فقہی سیمناروں میں ان کی شرکت ان مجالس کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ تحریر قلم کے ساتھ یہ حضرات تبلیغ وارشاد، تدریس و تنظیم اور اصلاح و تربیت کے ذریعہ دین و علم کے فروغ میں کوشاں ہیں۔ ہند و بیرون ہند کے علمی حلقوں میں ان کے علمی و فکری کارناموں کی شہرت ہے۔ یہ کہیں بھی ہوں المجمع الاسلامی کی تعمیر و ترقی ان کی نظروں میں ہوتی ہے۔

ان حضرات میں اس قدر علمی و فکری ہم آہنگی ہے کہ باہمی منافرت اور تکدر کا تا حال کوئی حادثہ رونما نہ ہوا۔ اس سلسلے میں رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی وہ تحریر [محررہ: مئی ۱۹۸۸ء] پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے جو انھوں نے مولانا یٰسین اختر مصباحی کی کتاب ''امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات'' کی تقدیم کی شکل میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''جہاں تک مجھے یاد آتا ہے، آج سے دس بارہ سال پیشتر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ''المجمع الاسلامی'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ادارے کے لیے رفاقت کی شرطیں اتنی مشکل اور سخت تھیں کہ اب تک رفقا کی تعداد چار سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ عصر حاضر میں دینی رفاقت کی یہ حیرت انگیز مثال ہوگی کہ چاروں ارکان کے درمیان علم و فضل، دیانت وتقویٰ، خلوص وللٰہیت اور طبیعت و مزاج کے اعتبار سے اتنی زبردست ہم آہنگی ہے کہ یوم تاسیس سے لے کر آج تک دس بارہ سال کی طویل مدت میں باہمی تکدر کا چھوٹے سا چھوٹا واقعہ بھی ظہور پذیر نہ ہوا۔''(۱)

(۱) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۱۳، ۱۴

ارکان میں جو علمی وقلبی شفافیت پائی جاتی ہے وہ تو بے مثال اور قابل تقلید ہے، ان کے علاوہ ایک اور خصوصیت ان میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

''المجمع الاسلامی'' مبارک پور [قائم شدہ: ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء] انھی مذکورہ حضرات [مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا محمد احمد مصباحی] کی کدوکاوش کا نتیجہ اور فکری وقلمی جذبات وخدمات کا نگار خانہ ہے اور یہ ایک اتفاق نہیں بلکہ حسن اتفاق ہے کہ یہ پانچوں ارکان المجمع الاسلامی مبارک پور جہاں مادر علمی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے فارغ التحصیل اور حافظ ملت کے تلامذہ ہیں، وہیں حضور مفتی اعظم ہند کے مریدین مخلصین بھی ہیں۔ گویا:

سلسلہ ایک ہے، ہم عشق کے دیوانوں کا
قد وگیسو سے چلے دار ورسن تک پہنچے (۱)

گولہ بازار قصبہ مبارک پور میں واقع باغ فردوس دار العلوم اشرفیہ کے گھوسی روم میں مولانا بدر القادری اور مولانا عبد المبین نعمانی اور اس سے بالکل متصل ''غازی پوری روم'' میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا محمد احمد مصباحی کا قیام رہا کرتا تھا۔ مولانا بدر القادری مصباحی اعلیٰ پایہ شعری ذوق کے مالک تھے اور اشرفیہ کی چہار دیواری سے لے کر مبارک پور کے اطراف وجوانب میں ان کی نظموں اور غزلوں کی دھوم تھی، بقیہ حضرات کو نثر نگاری اور ترجمہ نگاری سے دل چسپی تھی۔ مولانا بدر القادری کا ایک مختصر شعری مجموعہ ''اشک رواں'' کے نام سے ۱۹۶۹ء میں ہی شائع ہو گیا تھا اور طلبہ اشرفیہ میں اس کی انقلابی نظم کافی مشہور ہوئی۔

مولانا بدر القادری، مولانا محمد احمد مصباحی اور مولانا عبد المبین نعمانی ہم سبق تھے، ان حضرات کی فراغت ۱۹۶۹ء میں ہوئی جب کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی ۱۹۷۰ء میں اور مولانا افتخار احمد مصباحی ۱۹۷۲ء میں فارغ ہوئے۔ قدرت الٰہیہ غیب سے ان پانچوں کو دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی خدمت کا موقع فراہم کرتی رہی اور جلالۃ العلم حافظ ملت علیہ الرحمہ کے

---

(۱) مقدمہ، مولانا بدر القادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی پبلی کیشن، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۱

زیر سایہ اعلیٰ فکری اور بلند تدبر کی راہ ہموار ہوتی رہی۔ چناں چہ ایسا ہوا کہ ۱۹۷۰ء میں جب حافظ ملت علیہ الرحمہ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب ہوئے تو جامعہ کے لائبریرین کی حیثیت سے مولانا عبدالمبین نعمانی کو مدعو کیا اور یہ ذمہ داری انھیں سونپی، جنوری ۱۹۷۴ء میں مولانا یٰسین اختر مصباحی عربی ادب کے استاذ بن کر جامعہ تشریف لائے، مولانا بدرالقادری مصباحی جون ۱۹۷۴ء میں بہ حیثیت ناظم شعبۂ نشریات مادر علمی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ مولانا افتخار احمد قادری ۱۹۷۵ء میں استاذ عربی ادب کی حیثیت سے جامعہ میں آئے اور دارالعلوم اشرفیہ میں عربی زبان وادب کے فروغ کی نمایاں کوششیں کیں۔ فروری ۱۹۷۱ء میں حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ماہ نامہ اشرفیہ جاری کیا تو مولانا بدرالقادری اس کے مدیر اول مقرر ہوئے اور جون ۱۹۷۸ء ہالینڈ جانے تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۲ء میں مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یٰسین اختر مصباحی ریاض سعودی عرب روانہ ہوگئے۔ ۱۹۸۴ء میں مولانا یٰسین اختر مصباحی وہاں سے واپس ہوئے لیکن مولانا افتخار احمد قادری مدینہ منورہ میں مقیم رہے، فی الحال مولانا یٰسین اختر مصباحی دارالقلم، دہلی میں اور مولانا افتخار احمد قادری ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہیں، جہاں وہ دارالعلوم غریب نواز میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ مولانا عبدالمبین نعمانی جون ۱۹۸۶ء میں ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر منتخب ہوئے اور ستمبر ۱۹۹۰ء تک اس کی ادارت فرماتے رہے۔ فی الحال وہ دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ کے مہتمم ومنتظم ہیں۔

علامہ محمد احمد مصباحی مختلف مدارس میں تعلیم وتدریس کا کام کرتے ہوئے بالآخر شہزادۂ حافظ ملت کی دعوت پر جون ۱۹۸۶ء میں استاذ عربی ادب کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور یہاں رہ کر تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے، ساتھ ہی اشرفیہ کو ایک معیاری اور منضبط نظام تعلیم ونصاب تعلیم کی روح پلاتے رہے۔ اگست ۲۰۰۱ء میں جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین مقرر ہوئے اور جون ۲۰۱۴ء کے آخر میں اس منصب جلیل سے سبک دوش ہوئے۔ اس وقت سے تا حال اشرفیہ کے ناظم تعلیمات اور منتہی کتابوں کے استاذ

ہیں۔ المجمع الاسلامی، ملت نگر میں مستقل مقیم رہ کر مجلس برکات جامعہ اشرفیہ اور مجمع سے شائع ہونے والی کتابوں کی تصحیح و نظر ثانی فرماتے اور اپنا علمی و تحقیقی کام کرتے ہیں۔

مجمع کے پانچوں بانی ارکان کے اجمالی احوال اس لیے یہاں ذکر کیے گئے تاکہ اندازہ ہو کہ ان حضرات میں کیا کیا باتیں مشترک ہیں اور اس عظیم علمی و تحقیقی ادارہ سے ان حضرات نے خدمت علم و دین کا کیسا تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور ہند و پاک کے اہل علم و تحقیق میں انھیں عزت و وقار و اعتبار حاصل ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی رقم طراز ہیں:

''آٹھ دس سال پہلے کی بات ہے، ایک بار میں نے علامہ ارشد القادری سے پوچھا کہ آپ حضرات کے بعد نئی نسل کے علما میں کن کن افراد سے آپ کو توقع ہے کہ وہ اسلام وسنیت کی نمایاں خدمات انجام دے سکتے ہیں؟ علامہ نے ایک دن دو منٹ کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں، کچھ سوچا اور پھر فرمایا: ''یہی آپ کے المجمع الاسلامی کا جو گروپ ہے اسی سے کچھ اچھی توقعات وابستہ ہیں، اس طرح کا مخلص و باصلاحیت اور منظم کوئی دوسرا گروپ نظر نہیں آتا۔''(۱)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ان حضرات سے جو توقعات وابستہ کی تھیں اور جس حقیقت کی پیش بینی کی تھی راقم کی نگاہ میں یہ حضرات اس سے کہیں زیادہ اپنے دینی و علمی مقاصد میں کامیاب و کامران نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے علم و تحقیق کا جو دبستان تشکیل دیا ہے اور جو تحریک چلائی ہے اس کے اثرات دور دور تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

مولانا منشا تابش قصوری [جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان] لکھتے ہیں:

''بھارت سے جب بھی کوئی عالم و فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تشریف لاتا تو احقر [منشا تابش قصوری] خصوصیت سے المجمع الاسلامی

---

(۱) مقدمہ، مولانا بدر القادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی پبلی کیشن، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۳

مبارک پور کے ارکان اربعہ کے احوال وآثار کے بابت دریافت کرتا رہتا اور جب ان گراں قدر علماے ملت کے علمی، تحقیقی، قلمی کارنامے، مسلسل جد وجہد، انتھک محنت، مسلک سے عشق، اکابر سے محبت کی داستانیں سنتا تو دل چاہتا، فوراً پرواز کر جاؤں اور ان اساطین علم وعمل کی مساعی جمیلہ پر حاضر ہو کر خراج عقیدت پیش کروں۔ مگر مجھے تو پرواز کی استطاعت نہ تھی، تاہم ادھر سے مسلسل کرم ہوتا رہا اور نہ جانے ابھی میرے محسنین کی پروازیں کہاں تک ہیں؟"[1]

انھوں نے آگے لکھا ہے کہ ہندوستان کے جن صاحبان لوح وقلم اور محققین سے ان کا رابطہ رہا اور جن کی علمی وتحقیقی کتابیں انھوں نے پاکستان میں طبع کرائیں ان میں المجمع الاسلامی کے ارکان بھی ہیں۔ مفتی عبدالقیوم ہزاروی ہوں یا مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، حکیم موسیٰ امرتسری ہوں یا پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، مولانا عبدالحکیم شرف قادری ہوں یا مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، ان حضرات سے ارکانِ مجمع کا علمی تعارف اور ربط وتعلق بڑا مضبوط تھا اور آج بھی ہند و بیرون ہند کا علمی حلقہ ان حضرات سے مربوط ومتعلق ہے اور مسلسل علمی استفادہ کرتا رہتا ہے۔ ابتدا سے تا حال باب رضویات میں ان حضرات کا علمی وتحقیقی جہان ثروت مندر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قادری کے کار وافکار پر ریسرچ کرنے والے محققین ان علما سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور باب رضویات میں المجمع الاسلامی کی تاریخی کاوشیں آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ المجمع الاسلامی نے اپنے زمانۂ قیام سے تا حال علمی وتحقیقی کاموں کا ایک ریکارڈ پیش کیا ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی رقم طراز ہیں:

"اب سے بیس برس قبل ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں "المجمع الاسلامی" کا قیام عمل میں آیا تھا، یہ ایک قومی ادارہ ہے جس کا مقصد

---

[1] مولانا بدر القادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۰

امام احمد رضا اور دیگر علماے اہل سنت کے تصنیفی ذخیرہ کو جدید انداز سے ترتیب واشاعت اور جماعتی وعصری تقاضوں کے پیش نظر تصنیف وتالیف ہے۔ بفضلہ تعالیٰ یہ ادارہ بیس برس سے مسلسل اپنے طے شدہ منصوبوں کے تحت سرگرم عمل ہے اور اب تک قریب ایک سو کتابیں تصنیف واشاعت کے مراحل سے گزر کر ملک وبیرون ملک تک پہنچا چکا ہے۔ عالم اسلام کا ایک علمی اور دانش ور طبقہ اس کے حسن کارکردگی کا دلدادہ اور مداح ہے۔"(۱)

ماہ نامہ اشرفیہ میں چھپی ایک خبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادارہ کے نمائندوں نے ۹ تا ۱۹ راگست ۱۹۸۹ء ایک زیارت ٹور کیا تھا، جس میں مبلغ اسلام مولانا بدر القادری مصباحی اور بزرگ قلم کار مولانا عبد المبین نعمانی شامل تھے۔ انھوں نے مارہرہ مطہرہ، علی گڑھ، بدایوں، بریلی شریف، بہیڑی، کاس گنج، لکھنو اور اناؤ کا دس روزہ دعوتی اور زیارتی دورہ کیا جس سے بہت سے تجربات اور عجیب وغریب حالات کا علم ہوا۔(۲)

اس دعوتی وعلمی سفر کے احوال مولانا بدر القادری مصباحی کی کتاب "جادہ ومنزل" [سفرناموں کا مجموعہ] میں بھی درج ہیں۔

"المجمع الاسلامی" کی نمایاں خصوصیات پر راقم الحروف کچھ نہ لکھ کر رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے جملے مستعار لیتا ہے:

"ہند وپاک میں اشتراک عمل کی بنیاد پر دینی وعلمی اداروں کی کمی نہیں ہے لیکن "المجمع الاسلامی" بلا شبہہ اپنی ان خصوصیات کے لحاظ سے انفرادیت کا حامل ہے:

(۱) ادارہ کا ہر رفیق عربی اور اردو ادب پر یکساں اور بھر پور قدرت رکھتا ہے اور تصنیف وتالیف، فکری، علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کے اعتبار سے کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔

---

(۱) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، شمارہ اگست ۱۹۹۶ء، ص: ۳

(۲) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ ستمبر ۱۹۸۹ء، ص: ۵

(۲) المجمع الاسلامی کے طباعتی اور اشاعتی مشن کو چلانے کے لیے آج تک اس کے ارکان نے نہ عام چندہ کیا اور نہ اس کے لیے کوئی اپیل شائع کی۔

(۳) ادارے کا ہر پروگرام منصوبہ بندی کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ اور دو شعبوں پر مشتمل ہے، پہلا شعبہ ''المجمع الاسلامی'' کے رفقا کی خود اپنی تصنیف کردہ کتابوں کی طباعت واشاعت کا ہے، جب کہ دوسرا شعبہ باہر کے مصنفین کی کتابوں کی طباعت واشاعت سے تعلق رکھتا ہے۔ تراجم کا کام بھی پہلے شعبہ کے ذیل میں آتا ہے، دونوں شعبوں کی مطبوعات کی تعداد تقریباً پچاس تک پہنچ چکی ہے۔

(۴) عام طور پر ادارہ کے رفقا اپنے مقرر کردہ موضوعات پر تصنیف وتالیف کا کام تنہا انجام دیتے ہیں، لیکن اگر کسی اہم نادر وضخیم اور غیر مطبوع کتاب کی طباعت کا مرحلہ پیش آجائے تو اس کی ترتیب وتہذیب اور تبویب وتقدیم کا کام مشترک طور پر انجام دیتے ہیں۔ جیسا کہ ردالمحتار پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا حاشیہ ''جد الممتار'' نامی کتاب کا مسودہ اسی طریقۂ کار کے مطابق زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

(۵) نئی کتابوں کی تصنیف کے لیے ''المجمع الاسلامی'' کے ارکان موضوعات کے انتخاب میں مندرجہ ذیل خصوصیات کو سامنے رکھتے ہیں:

الف- علم وفکر یا دینی عقیدہ وتاریخ کا کوئی نیا گوشہ قارئین کے سامنے آئے۔

ب- اپنی افادیت کے اعتبار سے اہل اسلام کی اجتماعی زندگی کو تقویت پہنچاتا ہو۔

ج- ماضی کی عہد آفریں شخصیتوں کے ان علمی ودینی کارناموں سے دنیا کو باخبر کیا جائے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔''(۱)

الحمدللہ! المجمع الاسلامی نے جہاں حالات اور جدید تقاضوں کے مطابق نئی کتابیں شائع کیں، وہیں اسلاف کے قدیم ورثہ کو تحفظ بھی بخشا اور اکابر دین کی نادر ونایاب تصانیف

---

(۱) تقدیم، امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۱۴، ۱۵

کو عصری ماحول کے مطابق معیاری انداز میں طبع کرا کے عام کیا۔

''المجمع الاسلامی'' کی تحقیقی وطباعتی سرگرمیاں مسلسل جاری ہیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے نادر کتب ورسائل کے علاوہ دیگر علماے اہل سنت و محققین کی گراں قدر علمی وتحقیقی ۱۸۲ر کتابیں یہاں سے شائع ہوئی ہیں۔ یہ ادارہ لٹریچر کے ذریعہ اصلاح عقائد واعمال کا تاریخی فریضہ نبھا رہا ہے اور ہندو پاک کا ادبی و مذہبی حلقہ اس کی مطبوعات سے مستفیض ہو رہا ہے۔ اس کے بانیوں نے اسے کسی مالی منفعت یا اپنی شناخت کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اس کے مرتب کردہ دستور العمل میں ابتدا ہی سے ایک وقفی ادارہ قرار دیا ہے۔ یہاں جو کچھ ہے کسی کی ذاتی ملکیت سے خارج ہے، یہ خالص ایک وقفی ادارہ ہے اور اس کی تمام آمدنی خالص اسلامی ملکیت ہے۔

المجمع الاسلامی کے بانی رکن اور سکریٹری علامہ محمد احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ المجمع الاسلامی ایک دینی، علمی اور قومی ادارہ ہے۔ جس کی رقوم، کتابیں اور املاک کسی شخص یا اشخاص کی ذاتی ملکیت نہیں، بلکہ انھی مقاصد ومصالح کے لیے مخصوص ہیں جن کے لیے ادارہ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ابتداءً چار، پھر بارہ ارکان پر مشتمل اس کی ایک مجلس عاملہ ہے اور تمام حساب وکتاب پوری احتیاط اور مکمل دیانت داری کے ساتھ باضابطہ رکھا جاتا ہے، کسی رکن کو اس کی املاک اور منافع کو اپنی ملکیت بنانے یا بتانے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں۔ الغرض جو حیثیت کسی دینی، قومی ادارے کی ہوتی ہے وہ مکمل طور سے اسے حاصل ہے۔ ہاں عموماً لوگوں کے ذہن میں ادارے کے ساتھ تعلیم گاہ کا تصور چسپاں ہو گیا ہے مگر یہ ایک تصنیفی واشاعتی ادارہ ہے اور تصنیف تربیت اور تربیت گاہ بروے کار لانا اس کے علمی ودینی منصبوں میں سے

ایک منصوبہ ہے۔‘‘ (۱)

المجمع الاسلامی نے اپنے منصوبوں اور اس کے ارکان نے اپنے خوابوں میں ہمیشہ شفافیت اور امتیازی رنگ کو جگہ دی ہے اور اپنے بنیادی نصب العین کے مطابق یہ ادارہ مسلسل ترقی پذیر ہے اور اس کی علمی و تحقیقی فتوحات کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے۔

درمیانی کچھ سالوں میں یہاں مدارس اسلامیہ سے فارغ التحصیل طلبہ کے لیے بامعاوضہ دو سالہ تربیت تحریر و قلم کا کورس [تصنیفی ٹریننگ کورس] بھی شروع کیا گیا تھا۔ [ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء میں اس کا اعلان شائع ہوا اور ۱۰ر شوال المکرم ۱۴۲۶ھ مطابق نومبر ۲۰۰۵ء بروز یک شنبہ ۹ بجے دن میں انٹرویو کی تاریخ رکھی گئی۔] لیکن معاونین کی نا اتفاقی اور امیدواروں کی بے ذوقی کی بنا پر یہ کورس بند ہو گیا، لیکن جن لوگوں نے بھی یہ کورس کیا ہے آج ان میں سے اکثر کی تحریریں ملک کے اہم جرائد و اخبارات کی زینت ہوا کرتی ہیں اور وہ صاحبِ تصانیف ہیں۔ یہ ادارہ ترقی پذیر ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ المجمع الاسلامی ایسے وقت میں قائم ہوا جب اہل سنت میں اس طرح کا علمی و تحقیقی ادارہ شاید کسی کے پردۂ خیال میں رہا ہو۔

ڈاکٹر شفیق اجمل قادری اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں لکھتے ہیں:

> ’’المجمع الاسلامی اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے جو وسائل کی کمی کے باوجود تصنیف واشاعت کی نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ کسی کتاب کی تحقیق و تصنیف اور تصحیح و اشاعت کا کام کتنا مشکل اور دشوار ہے اسے وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں جو اس طرح کے میدان میں قدم رکھ چکے ہیں۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود اس ادارے نے اتنے مختصر عرصے میں اردو، عربی، انگلش، ہندی، گجراتی زبانوں پر مشتمل مختلف علوم و فنون پر ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں ہزاروں کی تعداد

(۱) حرف آغاز، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۳

میں شائع کر کے تصنیفی دنیا میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے، جن سے عوام کے علاوہ طلبہ اور علما نے کافی استفادہ کیا اور ایک بڑا علمی حلقہ متاثر ہوا۔"(۱)

المجمع الاسلامی کی اہم مطبوعات میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے درجن سے زائد عربی، اردو رسائل [مع تحقیق و ترجمہ] کے علاوہ جد الممتار، جلد اول و دوم [عربی]، حدوث الفتن [عربی]، قصیدتان رائعتان [عربی]، زاد الاحباب فی مناقب الاصحاب [عربی]، المدیح النبوی [عربی]، الادب الجمیل [عربی]، تدوین قرآن، تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، امام احمد رضا اور تصوف، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، معین العروض، امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، پیغام عمل، سواد اعظم، اسلام اور امن عالم، سنت کی آئینی حیثیت، بزم اولیا، مسلمان اور ہندوستان، یورپ اور اسلام، اسلام اور خمینی مذہب، تذکرہ سید سالار مسعود غازی، الرحیل، جادہ و منزل، ارکان اسلام، احوال قبر، ارشادات اعلیٰ حضرت، اصلاح معاشرہ، فیض الحکمت، فضل العلم والعلماء، باغی ہندوستان، تحقیق الفتویٰ، المبین، اجالا، مصری مورخین، تذکرۂ علماے بستی، ملفوظات حافظ ملت، اسلامی اخلاق و آداب، تاب منظم [ترجمہ اکسیر اعظم و مجیر معظم]، فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد، امام عشق و عرفان وغیرہا کتابوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۲۰۰۴ء میں جامعہ اشرفیہ کے چند طلبہ نے حضرت صدر العلماء نے ایک تحریری انٹرویو لیا تھا، اس میں ایک سوال یہ تھا:

"اہل سنت و جماعت کے تصنیفی و اشاعتی تعطل کو ختم کرنے اور کتابوں کی تصنیف و اشاعت کی غرض سے آج سے ۲۶؍سال قبل آپ حضرات نے "المجمع الاسلامی" قائم فرمایا تھا مگر اس کی ترقی میں اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟" اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

> "ترقی اور کامیابی کس چیز کا نام ہے؟ ایک اشاعتی و تصنیفی ادارہ سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں؟ کیا المجمع الاسلامی کے زیر اہتمام جو

(۱) بیسویں صدی میں علماے اہل سنت کی علمی وادبی خدمات، القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ، دسمبر ۲۰۱۵ء، ص: ۵۹۹

کتابیں لکھی گئیں اور جو کتابیں شائع ہوئیں وہ کسی خانے میں رکھنے کے لائق نہیں؟ تدوین قرآن، فضائل قرآن، اسلام اور امن عالم جیسی جامع کتابیں دوسروں کے پاس بھی نہیں۔ امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات، حدوث الفتن اور تحقیق جد الممتار وغیرہ کو اس دور کے اہم معیاری کاموں میں جگہ دینی چاہیے، مگر دوسروں سے کیا گلہ، جب اپنوں ہی کو اپنے کام کی حیثیت کا علم نہیں۔ اس کا اپنا کام تو اپنی جگہ ہے، اس کے ذریعہ ایک فکری و تحریری انقلاب بھی برپا ہوا ہے اور اس ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلے ہیں۔ یہ سب بھی نظر میں رکھنا چاہیے۔

شاید آپ المجمع الاسلامی کی کارکردگی سے پورے طور پر واقف نہیں، اس لیے آپ نے یہ سوال کر دیا۔ وسائل کی کمی ضرور ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں۔ اسے کوئی ملکۂ بھوپال یا ریال و ڈالر میسر نہیں، نہ اس کے ارکان میں کوئی ایسا پیر یا خطیب ہے جس کی ایک آواز پر بہت سے اہل ثروت کی تجوریاں کھل جائیں۔ ادارہ بھی وہ نہیں جسے عام طور سے مستحق سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً مسجد اور مدرسہ کو تو عوام جانتے ہیں مگر تصنیفی و اشاعتی ادارہ کیا ہے؟ تصنیف و اشاعت کیا ہے؟ اور اس راہ کی ضروریات کیا ہیں؟ اس سے وہ نابلد ہیں۔ عوام ہی نہیں، بیشتر خواص کو بھی اس کا نہ کوئی تجربہ ہے نہ آشنائی۔ جیسا کہ عموماً بات چیت سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ مگر ہمیں ان سب کا شکوہ نہیں، شکوہ اپنی عدیم الفرصتی کا ہے کہ سب کو سمجھانے کے لیے ہمارے پاس کما حقہ نہ وقت ہے نہ ذرائع۔ واللہ ولی التوفیق۔"(۱)

ان کے مزاج میں تلخ نوائی کا گزر نہیں، لہٰذا انھیں تلخ نوائی پر ہرگز محمول نہ کریں۔ یہ جملے

(۱) ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی، شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء، ص: ۱۸

ایک دردمند دل کی پکار ہیں، ان میں جو سوز پنہاں ہے اور جو انقلابی وترغیبی روح بین السطور میں موجود ہے اس کی گردش کا احساس کرنا چاہیے۔ یہ وہ متحرک نفوس ہیں جن کی فکری شریانوں میں استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ کی آفاقی نصیحتوں کا لہو دوڑ رہا ہے، یہاں دوسروں کا شکوہ رہتا ہے نہ اپنوں کا گلہ، اگر مخالفت بھی ہوتی ہے تو یہ لوگ اپنے کام کی رفتار بڑھا دیتے ہیں۔ یہاں جو عزت واحترام پایا جاتا ہے وہ انھی علمی وتحقیقی کاموں کی بنیاد پر ہے۔

ممتاز مصنف ومحقق مولانا عبدالحکیم شرف قادری [سابق استاذ جامعہ نظامیہ، لاہور] اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''المجمع الاسلامی کا اپنا رقبہ اور اپنی عمارت دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہوئی، دہلی میں دارالقلم اور مبارک پور میں المجمع الاسلامی ایسے ادارے ہیں کہ ان کے اثرات صدیوں پر محیط ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ان اداروں کو پردۂ غیب سے وسائل عطا فرمائے اور جلد وہ دن لائے کہ یہ ادارے تکمیل کے مراحل طے کر کے بھرپور انداز میں کام کا آغاز کر دیں۔ ضرورت اس امر کی ہے اہل سنت کے ہر مدرسہ میں اس قسم کے اشاعتی ادارے قائم ہونے چاہئیں۔''(۱)

المجمع الاسلامی کے قیام کا مقصد محض ایک ادارہ کا سنگ بنیاد نہیں رکھنا تھا بلکہ ایک فکری وعلمی تحریک کی طرح ڈالنی تھی تاکہ جماعت اہل سنت میں جاری تحقیقی واشاعتی تعطل ختم ہو اور احساس کمتری کی تاریک شب میں صبح امید کی کرن نمودار ہو۔

یکم اپریل ۱۹۸۹ء کو الجامعۃ القادریہ، رچھا، بریلی کے زیر اہتمام منعقدہ تعلیمی وتعمیری کانفرنس میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے ''اہل سنت کی تصنیفی خدمات'' کے عنوان سے حاضرین علما ومفکرین کے روبرو اپنا نقطۂ نظر پیش فرمایا تھا۔ اس مضمون کی سطر سطر سے حقیقت کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے اور نوجوان قلم کاروں میں پروان چڑھ رہے

---

(۱) مکتوب بنام مولانا عبدالمبین نعمانی، ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ مئی ۱۹۹۹ء، ص:۴۶

احساس کمتری اور اپنے کاموں سے نا آشنائی کا پانی مرتا نظر آتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اہل سنت میں لکھنے والوں کی نہ کل کمی تھی نہ آج ہے، انفرادی طور پر کاموں کا ایک تاریخی تسلسل ہے۔ اہل اجتماعی کوششیں کم دکھائی دیتی ہیں، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ ٹیم ورک بالکل معدوم ہے یا ہندو پاک میں کہیں بھی ایسا کوئی ادارہ نہیں ہے جہاں کسی عالی دماغ، متبحر، راسخ العلم اور مستقبل شناس عالم و محقق کی نگرانی میں کوئی اجتماعی کام ہوتا ہو؟ اگر ایسا ہی ہوتا تو علمی و تحقیقی دنیا ہزاروں ایسے علمی مواد سے نا آشنا رہ جاتی جو قدیم علما و ارباب کمال کی قلمی یادگار ہے یا ایسے موضوعات پر کوئی تحریری سرمایہ نہ ملتا جن کی امت مسلمہ کو اشد ضرورت ہے۔ سنی دارالاشاعت، مبارک پور، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، مرکزی مجلس رضا، کراچی، رضا اکیڈمی، ممبئی، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، برکات رضا، پوربندر گجرات، دارالقلم، دہلی وغیرہ ایسے تحقیقی و نشریاتی ادارے ہیں جن کی مطبوعہ علمی و تحقیقی کتابوں سے ایک پوری لائبریری قائم ہو سکتی ہے۔

''اہل سنت کی تصنیفی خدمات'' میں ایک جگہ حضرت لکھتے ہیں:

> ''ہمارے علما نے بے پناہ کام کیا ہے اور مسلسل سرگرم جہد و عمل رہے ہیں۔ جن کی تفصیل کتابی شکل میں منظر عام پر آچکی ہے۔ لیکن ضرورت اور وقت کے تقاضے کسی ایک حد پر رکنے والے نہیں۔ اس لیے یہ سلسلۂ عمل ترقی کے ساتھ جاری رہنا ضروری ہے اور کسی کوتاہی کا علاج شکوہ و شکایت نہیں، بلکہ ٹھوس، منصوبہ بند، مثبت اور تعمیری اقدامات ہیں۔۔۔۔ الحمد للہ! آج بھی ہماری جماعت میں لکھنے والوں کی کمی نہیں، اور صرف جامعہ اشرفیہ میں درجنوں اچھے لکھنے والے ہمیشہ رہتے اور فارغ ہوتے ہیں۔ دیگر مراکز و مدارس کے فارغین و طلبہ بھی ہرگز اس سے خالی نہیں ہوتے، بلکہ ان کے کام بھی ان کی بساط کے مطابق سامنے آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان غریبوں کی صلاحیتوں کا

معقول اور حوصلہ افزا استعمال نہ ہو تو صلاحیتوں کا مر جانا بالکل فطری اور لازمی امر ہے۔ جب کہ ان کو بجائے باتنخواہ مدرس کے باتنخواہ مصنف بنایا جائے اور ان کے لیے تمام تر سہولتیں فراہم کی جائیں اور خاطر خواہ رہنمائی بھی کی جائے تو وہ چند برسوں میں عالمی موضوعات پر فکر انگیز خیالات سے قوم کو بہرہ ور کر سکتے ہیں۔"(۱)

گویا اگر صلاحتیں مردہ ہو رہی ہیں تو اس کی وجہ صلاحیتوں کا نہ ہونا ہرگز نہیں، ان خفتہ صلاحیتوں کا مناسب استعمال نہ ہونا ہے۔ مجلس شرعی کے زیر اہتمام منعقدہ فقہی سیمینار کے خطبۂ صدارت میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"قدرت نے انسان میں بے شمار صلاحتیں ودیعت فرمائی ہیں لیکن جب ان کا استعمال ہو پھر انھیں صیقل کر کے متحرک وفعال بنایا جائے تو مفید خاص وعام ہوتی ہیں، ورنہ خفتہ رہ کر مردہ ہو جاتی ہیں۔"(۲)

المجمع الاسلامی کے قیام کا یہ بھی مقصد تھا کہ نوجوان علما میں موجود خفتہ صلاحیتوں کا پتہ لگایا جائے اور انھیں مناسب علمی وتحریری کام میں استعمال کیا جائے۔ الحمد للہ! یہ علمی واشاعتی تحریک پورے شباب پر ہے اور اس چراغ سے ہند وبیرون ہند بہت سے چراغ جل رہے ہیں۔

ماقبل میں گزرا کہ ۱۹۸۱ء میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری بیرون ملک چلے گئے تو المجمع الاسلامی کا کام محمد آباد گوہنہ منتقل ہو گیا جہاں صدر العلماء مدرسہ فیض العلوم کے صدر المدرسین تھے۔ جون ۱۹۸۶ء میں جامعہ اشرفیہ میں عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے مبارک پور آ گئے تو بھی ایک زمانے تک کام وہیں سے ہوتا رہا۔

۱۹۹۴ء میں یہاں زمین خریدی گئی اور جون ۱۹۹۶ء میں اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا گیا۔ اس وقت سے یہاں مستقل طور پر علامہ محمد احمد مصباحی قیام پذیر ہیں اور مسلسل علمی

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جولائی ۱۹۸۹ء، ص: ۲۸

(۲) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۱۴

تحقیقی کاموں میں مشغول ہیں۔ آپ المجمع الاسلامی کے سکریٹری ہیں اور از ابتدا تا حال اس کی تعمیر وترقی کے لیے ذہن، فکر اور وقت استعمال کرتے رہے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ اور المجمع الاسلامی کی ترقی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ ان کی پیہم فکروں کا حوالہ وہ خطوط بھی ہیں جو انھوں نے مبارک پور یا محمد آباد گوہنہ سے باہر مقیم ارکان مجمع کو تحریر کیے ہیں۔ راقم کی نظر میں مکتوب نگار مولانا بدر القادری مصباحی [ہالینڈ] اور مکتوب الیہ مفتی احمد القادری [امریکہ] کے ایسے مکتوبات ہیں جن میں ادارہ کی تعمیر وترقی سے متعلق مکتوب نگار کے ساتھ مکتوب الیہ یعنی حضرت صدر العلماء دام ظلہ کی تڑپ اور پیہم کوششیں عکس ریز ہیں۔ آیئے! چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

اپنے برادرِ صغیر مفتی احمد القادری مصباحی کو صدر العلماء ایک خط [محررہ: ۲۷/ فروری ۱۹۹۷ء] میں لکھتے ہیں:

> ''المجمع الاسلامی کا تعمیری کام اب تک موقوف ہے۔
>
> کتابوں کا اسٹاک اب یہاں [محمد آباد گوہنہ سے مبارک پور] فوراً منتقل کرنے کا خیال ہے تاکہ یہاں رہ کر دونوں [اشاعتی وتعمیری] کام بہ خوبی ہوتا رہے۔''(۱)

۲۷/ مارچ ۱۹۹۷ء کو انھیں ایک دوسرا مکتوب روانہ کیا جس میں انھیں المجمع الاسلامی کے پوربی کمرے کی تعمیر اور لائبریری کی بنیاد سے متعلق اطلاع دی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ کتابوں کا سارا اثاثہ محمد آباد سے مبارک پور آخر شوال کو آچکا ہے، اس کا بینک اکاؤنٹ ابھی محمد آباد میں ہے، یہاں مبارک پور میں جلد ہی کھولنا ہے۔ وغیرہ امور کو بیان کیا ہے اور کچھ اطلاع جامعہ اشرفیہ سے متعلق بھی فراہم کی ہے۔

امریکہ سے مفتی احمد القادری کا جوابی خط موصول ہوا، جس میں المجمع الاسلامی کے رجسٹریشن، دستور العمل کی ترتیب اور تعارف سے متعلق کچھ مشورہ بھی تھا۔ اس سلسلے میں ۲۴/ مئی ۱۹۹۷ء کو انھیں ایک تیسرا خط روانہ کیا ہے، اس میں لکھتے ہیں:

(۱) مقالات مصباحی، مرتبہ توفیق احسن برکاتی، غیر مطبوعہ

''آپ کا خط موصول ہوا۔ المجمع الاسلامی کے رجسٹریشن، دستور اور تعارف وغیرہ سے متعلق آپ کا مشورہ بجا ہے مگر کام ٹلتا جا رہا ہے۔ جو بانیان ہیں وہ چار حضرات یا پانچ حضرات پانچ جگہ ہیں، ساری ذمہ میرے سر آجاتی ہے، دیگر ارکان میں آپ، مولانا نصر اللہ صاحب، مولانا عبدالغفار صاحب کا نام ہے، بفضلہ تعالیٰ آپ لوگوں کا تعاون برابر حاصل ہے۔ بہر حال رب تعالیٰ کا فضل شامل حال رہے تو سب کچھ آسان ہے۔ تعارف تو چھپنا ہے، دیکھیے کب توفیق ہوتی ہے۔'' (۱)

مولانا بدر القادری مصباحی ایک جوابی خط [محررہ: ۲۹/اگست ۱۹۹۷ء] میں یہ تسلی آمیز کلمات لکھتے ہیں:

''برادرِ محترم! المجمع الاسلامی کے تعمیری کاموں کے لیے آپ زیادہ شکستہ خاطر نہ ہوں۔ ان شاء المولیٰ الکریم ایک بار اور زوردار طریقہ سے تحریک چلانی ہے، اس میں بیڑا پار ہو جائے گا۔ آئندہ رمضان المبارک میں ان شاء المولیٰ میں المجمع کے لیے ہاتھ پاؤں چلاؤں گا، خدا کرے کامیابی ملے۔'' (۲)

ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ المجمع الاسلامی کی ترقی پذیری میں آپ کتنے فکر مند اور مستعد تھے اور آج بھی مستقل اقامت گزیں ہو کر اس کی علمی و تحقیقی، طباعتی واشاعتی سرگرمیوں کو عروج عطا کر رہے ہیں۔

تنظیم المدارس کا قیام:

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے جشن تاسیس [منعقدہ: ۲۰ تا ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۵ تا ۷/ مئی ۱۹۷۲ء] میں پہلی تعلیمی کانفرنس میں چند ضروری موضوعات پر غور وخوض کے لیے ہندوستان کے اہل علم و دانش کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اس کا ایجنڈا یہ تھا:

---

(۱) مقالات مصباحی، مرتبہ توفیق احسن برکاتی، غیر مطبوعہ

(۲) مولانا بدر القادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۹۹

(۱) مقتضاے وقت کے مطابق ایک جامع اور جدید نصاب تعلیم پر غور۔

(۲) موجودہ معاشرے کی مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر عربی درس گاہوں کے لیے ایک تربیتی نظام کی ترتیب پر غور۔

(۳) اہل سنت کے بین المدارس تعلقات کو مفید اور خوش گوار بنانے کے لیے اخلاقی ضابطوں کی ضرورت پر غور۔

(۴) دینی مدارس کے نظام عمل میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے سنی مدارس کے نمائندگان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل پر غور۔

(۵) سنی مدارس کے درمیان تعلیمی معیار کی حد بندی پر غور۔

مندوبین علما و مشائخ نے جن امور کی بروقت ضرورت محسوس کی انھیں تجاویز کی شکل دی، مگر ان تجاویز پر عمل نہ ہو سکا۔ البتہ جامعہ اشرفیہ نے ۱۳۹۹ھ میں اپنا ایک جدید نصاب تعلیم ترتیب دے کر جاری کر دیا۔

نصاب تعلیم کے موضوع پر ۵ر جون ۱۹۷۸ء کو دار العلوم غریب نواز، الہ آباد میں بھی ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی اور ایک نصابی بورڈ بنایا گیا مگر اس کا کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا۔ ۲۲ر محرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف میں ایک کامیاب تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس کی سرپرستی حضرت مولانا شاہ محمد صدیق احمد بستوی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ براؤں شریف اور صدارت حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے فرمائی۔ اس کا ایجنڈا بھی تقریباً وہی تھا جو پہلی تعلیمی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا۔ نمائندگان نے باتفاق راے چند اہم تجاویز منظور کیں۔ فوری طور پر اکیس علما و ارباب دانش پر مشتمل ایک عارضی تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں اس کا عارضی دفتر قائم کیا گیا۔ سبھی ارکان تنظیم سے رابطہ کرنے کی ذمہ داری مولانا افتخار احمد قادری [اشرفیہ]، مولانا محمد حنیف قادری [براؤں شریف] اور مولانا محمد احمد مصباحی [محمد آباد] کو دی گئی۔ پانچ افراد پر مشتمل ایک نصاب ساز کمیٹی بنائی گئی جو نصاب تعلیم کا مسودہ

تیار کر کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔ کانفرنس میں طے شدہ تجاویز کی تفصیل کے ساتھ مجمع المدارس، دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور کی جانب سے چار صفحات کا ایک گشتی مراسلہ جاری کیا گیا جس میں یہ تھا کہ یہ سارے امور مکمل کر کے عرس حافظ ملت سے ایک روز قبل یعنی ۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ کو جملہ ارکان مدارس جامعہ اشرفیہ میں مجتمع ہو جائیں اور باہمی تبادلۂ خیال کے بعد سال آئندہ یعنی شوال ۱۴۰۰ھ سے باضابطہ یکساں نصاب تعلیم ونظام تعلیم تمام مدارس عربیہ میں شروع کر دیا جائے۔ (۱)

معین تاریخ پر تنظیم المدارس کے ارکان اور مدارس عربیہ کے ذمہ داران عرس عزیزی میں اکٹھا ہوئے اور نصاب تعلیم کے مسودے کو فائنل شکل دی گئی اور ممبران مدارس نے اس نصاب کو پڑھانے کی ہامی بھری۔ کچھ نے معمولی ترمیم کے ساتھ اسے اپنے یہاں جاری رکھا اور بعض نے اس جانب بالکل توجہ نہ دی، شاید یہ ان کے بس کا ورک ہی نہیں تھا۔ پھر بھی اشرفیہ پر اعتماد کرنے والے مدارس اس نصاب کی روشنی میں تعلیمی سرگرمیاں آگے بڑھاتے رہے۔

ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق مارچ ۲۰۰۸ء میں استاذ گرامی صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی سربراہی میں جب تنظیم المدارس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو اس کے زیر اہتمام نیا نصابِ تعلیم مرتب ہوا۔ (۲)

ایک مضمون "تنظیم المدارس اور نصاب تعلیم" میں حضرت صدر العلماء لکھتے ہیں:

"تنظیم المدارس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ مدارس کے نصاب تعلیم میں جو ناہمواری اور غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے اسے دور کر کے یکسانی پیدا کی جائے اور تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ارکان واساتذہ سے اس کی بہتری کی جانب خاطر خواہ توجہ مبذول کرنے کی گزارش

(۱) یہ گشتی مراسلہ ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ صفر ۱۴۰۰ھ مطابق جنوری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔
(۲) یہ نصاب ماہ نامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے، مجلس برکات کی فہرست کتب میں بھی ہر سال شائع کیا جاتا ہے۔

کی جائے۔ اس کی روشنی میں بعض نمائندگان مدارس پر مشتمل ایک عبوری کمیٹی بنائی گئی جو نصاب پر نظر ثانی کر کے ایک متوازن اور عمدہ نصاب کا خاکہ تیار کرے۔"(۱)

نصاب پر غور کرنے کے لیے عبوری کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/ ۲۷/ ۲۸/ مارچ ۲۰۰۸ء کو جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوا جو پانچ نشستوں پر مشتمل تھا۔ اس اجلاس میں نصاب تعلیم کا مسودہ باتفاق حاضرین تکمیل کو پہنچا۔ اس کا دوسرا اجلاس ۲۴/ ۲۵/ ۲۶/ اپریل ۲۰۰۸ء کو دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ میں رکھا گیا اور بقیہ کاموں کی تکمیل کی گئی۔ نصاب کی خاص باتوں پر ایک تفصیلی مضمون اور مکمل نصاب ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ تنظیم المدارس کی نشاۃ اولیٰ و ثانیہ میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی کوششوں اور مشوروں کو کافی اہمیت دی گئی اور ان کی علمی و فکری مہارت اور تعلیمی افکار سے کافی استفادہ کیا گیا۔

مرکزی دار القراءت، جمشید پور کی سرپرستی:

یہ عہدہ بھی محض نام و نمود اور علمی قد کو اونچا کرنے کی کوشش ہرگز نہیں، بلکہ ایک اہم ذمہ داری کا ہے اور وہ ہے تعلیمی نظم و ضبط کی دیکھ ریکھ۔ یہ ادارہ ٹاٹا نگر کے ایک باذوق، مخلص، ثروت مند انسان محترم مختار صفی عرف مسٹر بھائی نے قائم کیا ہے اور احباب کے مشورے سے صدر العلماء دام ظلہ العالی کو اس کے تعلیمی امور کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ یہ ادارہ جامعہ اشرفیہ سے ملحق ہے۔ یہاں درجۂ رابعہ تک جامعہ اشرفیہ کے نصاب تعلیم کے مطابق پڑھائی ہوتی ہے اور رابعہ کا امتحان جامعہ اشرفیہ میں دے کر طلبہ، درجہ خامسہ میں پہنچ جاتے تھے اور ان کی آگے کی تعلیم اشرفیہ میں ہوتی ہے۔ بقیہ حفظ و قراءت کی معیاری تعلیم کا مکمل نظم ہے۔ حضرت سال میں کئی بار مرکزی دار القراءت کا دورہ کرتے ہیں اور اس کے نظام تعلیم و تدریس کا جائزہ لیتے ہیں۔ امتحان کے پرچے انھی کی نگرانی میں جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ تیار کرتے ہیں اور حضرت کی نظر ثانی کے بعد انھیں جمشید پور روانہ کیا جاتا ہے۔ سالانہ امتحان

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۸ء

کی تمام کاپیاں اشرفیہ کے اساتذہ جمشید پور جا کر چیک کرتے ہیں اور درجات حفظ وقراءت کا ششماہی وسالانہ تقریری امتحان بھی اشرفیہ کے اساتذہ لیتے ہیں۔ رزلٹ بھی حضرت صدر العلماء کی نظر ثانی کے بعد آوٹ کیا جاتا ہے۔ یہ ہے وہ کام جو اس ادارہ سے متعلق آپ کے ذمہ ہے اور آپ اخلاص کے ساتھ اسے پورا کرتے ہیں۔

انجمن امجدیہ، بھیرہ کی صدارت:

۲۸؍اکتوبر ۱۹۶۱ء میں حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں بھیرہ میں ''انجمن اہل سنت'' قائم ہوئی۔ ۲۳؍نومبر ۱۹۷۷ء کو منعقدہ جنرل میٹنگ میں صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی طرف سے نسبت کرتے ہوئے اس کا نام ''انجمن امجدیہ اہل سنت'' تجویز ہوا۔ یہ اس انجمن کی نشاۃ ثانیہ تھی، اس کے زیر اہتمام ۱۳؍جون ۱۹۷۸ء میں مدرسہ عزیزیہ خیر العلوم کی تاسیس ہوئی۔ ۲۰۰۳ء میں خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسۃ البنات العزیزیہ کے نام شعبۂ نسواں کا قیام عمل میں آیا۔ بھیرہ گاؤں کی تمام مساجد اسی انجمن کے ماتحت ہیں۔ ان میں مسجد قدم رسول، غوثیہ مسجد، رضا مسجد، برکاتی مسجد، نوری جامع مسجد اور قادری مسجد قابل ذکر ہیں۔

''مسجد قدم رسول'' بھیرہ کی سب سے قدیم مسجد ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء میں اس کی تعمیر جدید ہوئی جس کا سنگِ بنیاد حضرت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور حضرت صدر العلماء کے ہاتھوں رکھا گیا اور اگست ۲۰۱۸ء کی نماز مغرب کی امامت سے حضرت صدر العلماء نے اس کا افتتاح فرمایا۔ حضرت صدر العلماء مسجد قدم رسول کے امام عیدین بھی ہیں۔

انجمن امجدیہ کے زیر اہتمام عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جلسہ وجلوس کا پروگرام ہوتا ہے، ایک زمانے تک اس انجمن کے زیر انتظام عرس عزیزی کے موقع پر جلوس عزیزی بھی نکلتا رہا۔ کچھ سماجی وفلاحی کام بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

مجلہ یادگار ایوبی کی نگرانی:

خانقاہ قادریہ ایوبیہ، پیراکنک، ضلع کشی نگر، یوپی کے زیر اہتمام دسمبر ۲۰۱۲ء کے

مختلف علمی شخصیات پر نیشنل سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد ہوتا آرہا ہے، ساتھ ہی مجلہ یادگار ایوبی بھی شائع ہوتا رہا۔ ان پرگراموں کی منصوبہ سازی اور نگرانی میں دیگر علما وارباب دانش کے ساتھ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی بھرپور شمولیت رہی ہے۔ خانقاہ کے زیر انتظام ۷/۸/۹ رصفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۱/۲۲/۲۳ ردسمبر ۲۰۱۲ء میں شہر ممبئی میں عظیم الشان، تاریخی امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں راقم الحروف بھی شریک رہا اور مقالہ خوانی کی سعادت پائی۔ اس سیمینار کے مقالات کا ضخیم مجموعہ ''انوار امام اعظم'' کے نام سے ۸۵۳ صفحات پر مشتمل ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد چھ سیمناروں [فیضان برکات سیمینار، فیضان خواجہ غریب نواز سیمینار، فیضان غوث اعظم سیمینار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سیمینار، بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی سیمینار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی سیمینار] کے مضامین سال نامہ ''یادگار ایوبی'' میں شائع ہوئے۔ یہ تمام سیمینار حضرت صدر العلماء کی صدارت میں منعقد ہوئے جس میں آپ نے اپنا تحریری خطبۂ صدارت بھی پیش فرمایا۔ اس سلسلے کا آٹھواں تاریخی سیمینار شہر ممبئی میں ۲۸/۲۹ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵/۶ رجنوری ۲۰۱۹ء کو امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ کی مناسبت سے منعقد ہوا، جس میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ بنام ''انوار امام احمد رضا'' دو جلدوں میں مارچ ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا جس پر نظر ثانی اور تصحیح کا کام حضرت صدر العلماء نے انجام دیا اور اس پر ایک چشم کشا ابتدائیہ بھی تحریر فرمایا۔ نواں سیمینار ''انوارِ قرآن'' کے نام سے ۲۲/رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸/ مارچ ۲۰۲۰ء کو خانقاہ ایوبیہ، پراگنک، کشی نگر میں منعقد ہوا، اس میں آپ نے ایک علمی تحریری خطبۂ صدارت پیش فرمایا۔ ان شاء اللہ جلد ہی سیمینار کے مقالات مجلہ یادگار ایوبی میں شائع ہوں گے۔ ''یادگارِ ایوبی'' کے تمام شماروں کی ترتیب کا گراں قدر کام استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا اختر حسین فیضی بڑی نفاست اور فیاضی سے انجام دیتے ہیں۔ اتنے مختصر عرصے میں اس قدر متنوع موضوعات پر سیمینار کا انعقاد اور خصوصی نمبروں کی ترتیب واشاعت بہت بڑا علمی وتاریخی کارنامہ ہے اس میں جہاں خانقاہ کے ذمہ داران کی قربانیاں شامل ہیں، وہیں

دیگر علما وارباب قلم کے ساتھ بالخصوص حضرت صدر العلماء کی منصوبہ سازی اور مشوروں کو دخل ہے۔ یہ عہدہ بھی محض خانہ پری نہیں ہے بلکہ مکمل اخلاص کے ساتھ ایک دینی وعلمی ذمہ داری کی ادائیگی ہے، اس لیے یہ باتیں ذکر کی گئیں۔

آپ کے اعزازی مناصب میں بھی حقائق کا رنگ موجود ہے جس کے شواہد ہم نے ماقبل کی سطور میں اجمالاً پیش کر دیے ہیں ورنہ آج شخصیتوں کا قد بھاری کرنے کی غرض ان کے نام کے ساتھ درجن بھر مناصب کا لیبل جوڑ دیا جاتا ہے اور اس کی چند دینی خدمات کے ساتھ بے شمار سماجی، فلاحی، سیاسی اور اخلاقی کاموں کی بوجھل فہرست شائع کی جاتی ہے حالاں کی انسانی زمین ان کاموں کو ترس رہی ہوتی ہے۔

ذوقِ تحریر:

علامہ محمد احمد مصباحی نے جامعہ اشرفیہ کے علمی ماحول کا گہرائی سے مشاہدہ کیا تھا، فرزندان اشرفیہ میں اور خود ان کے اساتذہ میں ایسے ایسے باکمال ادبا و محققین موجود تھے جنھیں تحقیق وتصنیف کی دنیا میں اعتبار حاصل ہے اور آج بھی ان کی علمی نگارشات بطور حوالہ نقل کی جاتی ہیں۔ اساتذہ کے علاوہ سینئر فضلا میں کئی اربابِ علم ''تحریر وقلم'' کے تراشیدہ جوہر بھی تھے اور زبان وادب کے عاشق بھی اور ان کے دلوں میں علم وادب کی خدمت کا جذبۂ بیکراں بھی موجیں مار رہا تھا۔ علامہ محمد احمد مصباحی نے اشرفیہ کے علمی ماحول اور ادبی ذوق کا اثر قبول کیا اور تحریر وقلم کے میدان میں مشق وممارست جاری رکھی، انھوں نے استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ کی انشا پردازی کی کچھ خوبیاں بیان فرمائی ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام خوبیاں آپ کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد کلیم اللہ برکاتی اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد احمد مصباحی کا شمار ان فارغین اشرفیہ میں ہوتا ہے جن پر اشرفیہ کو بجا طور پر فخر محسوس ہوتا ہے۔ آپ ایک تبحر عالم دین، باکمال مدرس، بلند پایہ محقق اور صاحب طرز ادیب ہیں ـــــ آپ

بہت سے علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تفسیر، حدیث، اصول فقہ، ادب، تاریخ، اسماء الرجال میں اسپشلسٹ ہیں اور تحقیقی ادب آپ کی شناخت ہے۔ آپ نے سو سے زائد مضامین اور متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی تصانیف بڑی تحقیقی اور جامع ہوا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ارباب علم ودانش کی صف میں ''عمدۃ المحققین'' کے لقب سے متعارف ہیں۔''(۱)

عمدۃ المحققین علامہ محمد احمد مصباحی کو قرطاس وقلم کا شغف عہد طالب علمی ہی ہے، ماہ نامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۷۶ء میں ان کے مضمون ''شیخ عزالدین عبد السلام'' کو بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا۔ اور پہلی باقاعدہ تصنیف ''تدوین قرآن'' ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آئی۔ وہ دن اور آج کا دن، محمد احمد مصباحی ایک نام ہے اور مضامین وتصانیف کا استنادی رنگ اس نام کو اپنی آغوشِ محبت میں سمیٹ لیتا ہے۔ (۲)

حضرت صدر العلماء کی حیات کا ہر ورق علم وتحقیق اور قرطاس وقلم کی رنگینیوں سے سجا ہوا ہے، گزشتہ نصف صدی کی پیہم جد وجہد اور مومنانہ جفاکشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نگرانی میں تعلیم، تدریس، تنظیم، تربیت، مطالعہ ومذاکرہ، بحث وتمحیص اور تحقیق وتصنیف کا ایک علمی وفکری دبستان تشکیل پایا اور آج بھی اس کی تب وتاب باقی ہے۔ یہ سلسلہ مکمل اخلاص کے ساتھ ہنوز ترقی پذیر ہے اور ان کی علمی فتوحات کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر غلام زرقانی [چیئرمین حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ، ہیوسٹن] لکھتے ہیں:

''اگر آپ کسی بھی علمی نشست یا درس وتدریس کی انجمن یا قرطاس وقلم کی بزم میں چند مخلص، عرق ریز اور علم دوست شخصیات کے حوالے سے گفتگو کریں تو بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ امام

---

(۱) اردو ادب کے فروغ میں فرزندانِ جامعہ اشرفیہ کا حصہ، مقالہ قلمی، ص: ۲۹۴

(۲) ان کی تمام علمی وقلمی یادگاروں کا اجمالی وتفصیلی تعارف وتجزیہ باب سوم اور باب چہارم میں ملاحظہ کریں۔

المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی کا تذکرہ نوکِ زبان پر نہ آئے۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہیے کہ موصوف کا ذکر سرفہرست رہے جب ہی گفتگو کا حق بھی ادا ہوگا اور غیر جانب داری کے تقاضے بھی پورے ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارے یہاں علمائے کرام کی قلت ہے یا اساتذہ کرام ناپید ہو گئے ہیں یا مصنفین معدوم ہو گئے ہیں؟ بلکہ علم وفن کے دبستان پہلے بھی سرسبز وشاداب تھے اور اب بھی ہیں، مسندِ درس وتدریس کی رونق پہلے بھی قائم رہی ہے اور اب بھی ہے، قرطاس وقلم کی سیاہی پہلے بھی غلاف کعبہ سے خراج تحسین وصول کرتی تھی اور اب بھی کر رہی ہے۔ تاہم موصوف اس جہت سے یکتائے روزگار ہیں کہ آپ کے شب وروز کا حاصل ہی درس وتدریس ہے، قرطاس وقلم ہے اور علوم وفنون کے گہرے سمندر کی تہہ تک پہنچنے کی مخلصانہ جد وجہد ہے۔"(۱)

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی علمی شہرت ونا موری میں باب رضویات میں ان کی گراں قدر تحقیقات، قابل قدر تصنیفات، فکری ولسانی اصلاحات اور درس وتدریس کے علاوہ جامعہ اشرفیہ کے نظام ونصاب تعلیم کی نگرانی واہتمام کا زیادہ دخل ہے، پھر اس ماحول سازی کا بھی حصہ ہے جو تعلیم وتحقیق کے میدان میں ان کے ذریعہ کی گئی اور دنیا نے اس کا اثر قبول کیا۔

تبحر علمی:

یہ ان کی باکمال زندگی کا سب سے نمایاں اور ممتاز عنوان ہے۔ انھیں بحر العلوم نہیں کہا جاتا، لیکن حقیقت میں وہ بحر العلوم ہیں، تبحر علمی کا وصف ان کی ذات گرامی کو زیبا دیتا ہے۔ القاب وآداب کے اس دورِ عروج میں آج ہر کہ ومہ علم وادب کا آسمان، فکر وفن کا کوہ ہمالیہ، دانش وری اور تدبر کا بادشاہ اور علوم وفنون کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ لیکن یہ سب لفاظی کے

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، محررہ: ۱۲؍جون ۲۰۲۰ء

سوا کچھ نہیں، ہاں چند ایسے اہل علم ضرور ہیں جنھیں یہ القاب زیب دیتے ہیں اور بس۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی انھی چیدہ اربابِ کمال میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ان کی کتاب ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت'' کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

> ''قدرت نے انھیں ذہانت وفطانت اور قوت حفظ کے ساتھ مطالعے کا ذوق وشوق بہت زیادہ عطا فرمایا، حفظ اوقات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتے، ہر وقت مصروف۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ علم ادب میں اقران پر فائق ہیں۔''(۱)

حقیقت میں وہ ایک شجر سایہ دار ہیں جس کی متعدد شاخیں اور ان شاخوں میں سجے ہوئے سیکڑوں پھل اور پھول ہیں جن کی خوشبو سے ایوان علم وادب مشک بار ہیں اور گلستان تدبر مہک رہا ہے۔ علوم قرآن، علوم احادیث، علوم شریعت، علوم اصول، ادبی فنون، اسلوبیات، تاریخ وتذکرہ، علوم عقلیہ، جدید وقدیم عربی، فارسی، اردو ادبیات وغیرہا سے وہ صرف واقفیت نہیں رکھتے بلکہ اب علوم وفنون میں اپنی الگ پہچان کے مالک ہیں۔ مختلف علوم وفنون میں ان کی مہارت کے ثبوت پر مشتمل ایک تفصیلی تحریر ''مقالات مصباحی'' کا مقدمہ ہے جس میں راقم الحروف نے ان تمام گوشوں کا محاکمہ کیا ہے اور شواہد کی روشنی میں حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے۔

بے شمار علوم وفنون ان کی ذات میں رچ بس گئے ہیں اور تحقیق وتصنیف کے اِس آسمان پر مثل کہکشاں چمکتے ہیں۔ سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی [صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ] رقم طراز ہیں:

> ''آپ [علامہ محمد احمد مصباحی] کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ

(۱) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۸،۹

خوبیوں سے نوازا ہے، درس نظامی کے فنون متداولہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ عربی زبان وادب میں آپ اپنے اقران میں ممتاز و منفرد ہیں۔ محقق، مصنف، مدبر، خاشع، متواضع ہیں، مصروف زندگی میں بھی اوراد ووظائف کے پابند ہیں۔'' (۱)

راقم الحروف نے بہ چشم خود ان کی ذات میں انوارِ علم معرفت کا جلوہ دیکھا ہے اور اس حقیقت سے متعلق ان کے ہم درس رفقا اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک ان کی زندگی اور علمی کاموں کے تسلسل کو ملاحظہ کرنے والوں کو بیان کرتے سنا ہے۔ ان میں کچھ حضرت کے تلامذہ اور کچھ ان کے معاصر علما و مشائخ ہیں۔ بقول مولانا بدر القادری مصباحی: ''علامہ محمد احمد مصباحی حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نگاہ کیمیا کا انتخاب اور امت مسلمہ کی پاکیزہ دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔'' یہ تاثر ایک مشاہداتی حقیقت کا بیان ہے، واقعی ان کی ذات میں وہ کمالات موجود ہیں جو دورِ ماضی کے راسخ فی العلم اور خاشع علما و مشائخ کی یاد دلاتے ہیں۔ درس نظامی کے فنون متداولہ پر ان کی گہری نظر ہے۔ عہد بہ عہد منظر عام پر آنے والی غیر درسی سیکڑوں عربی، فارسی، اردو کتب ورسائل ان کی دسترس میں رہتی ہیں اور ان کتابوں کا مطالعہ علم و تحقیق میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ گویا یہ زندگی مسلسل ایک علمی راہ پر سفر کر رہی ہے اور نت نئی دنیاؤں سے آشنا ہو رہی ہے۔

دقت نظری اور حذاقت لسانی ان کی پہچان ہے، ان کا ہر مضمون نکات آفریں اور فکر انگیز ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں عجب شان ادب نظر آتی ہے اور ان کے کتابوں میں علمی شفافیت کے موتی ابر بارندہ کی مانند ٹپکتے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کا زرنگار قلم سینۂ قرطاس پر علم و یقین کے نقوش ابھارتا اور فکر وفن کی صورت گری کرتا ہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں علم اور ادب کو ہم آغوش کر دیا ہے اور تحقیق و تدقیق کا رنگ سطر سطر سے جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ہر آن علم و تحقیق کی دنیا آباد کرنا ان کا مشغلہ اور علم وادب کی نئی بستیوں کی تعمیر ان کا شیوۂ

---

(۱) مقدمہ، جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، ص: ۳۳، ج: ۲

زندگی ہے اور زندگی اسلاف کی یادگار ہے۔ پروفیسر مسعود احمد نقش بندی ان کی کتاب ”امام احمد رضا کی فقہی بصیرت“ کے ابتدائیہ میں رقم طراز ہیں:

”مولانا محمد احمد مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ کے استاذ، المجمع الاسلامی کے رکن اور دارالعلوم فیض العلوم [محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ] کے سابق پرنسپل ہیں۔ وہ محقق بھی ہیں، مصنف بھی ہیں، مدرس بھی ہیں، مقرر بھی ہیں اور قلم کار بھی۔ ان کی کئی نگارشات منظر عام پر آچکی ہیں جن سے ان کے تبحر علمی، دینی وفقہی بصیرت اور دقتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے —— راقم ان کے خلوص وللٰہیت، عاجزی وانکساری سے متاثر ہے۔ یہ خوبیاں علما میں عنقا ہوتی جارہی ہیں۔“(۱)

یہی وجہ ہے کہ ان کی بارگاہ فیض میں رہنے والے ان علمی اخلاقیات کے شیدا اور فکری جمال کے عاشق نظر آتے ہیں۔ ان کے رفیق درس مولانا بدرالقادری مصباحی، مولانا شکیل احمد اعظمی کو ایک خط [محررہ: ۲؍مئی ۱۹۹۴ء] میں یوں نصیحت فرماتے ہیں:

”حضرت مصباحی [علامہ محمد احمد مصباحی] صاحب، مولانا نصیرالدین صاحب اور مفتی نظام الدین صاحب وغیرہم علمی میدان میں دنیاے سنیت کی آبرو ہیں، ان کی خوش نودی حاصل کرتے رہنا۔ حضرت مفتی محمد شریف الحق قبلہ شارح بخاری عالم اسلام کی بلند پایہ شخصیت ہیں ان کے پیروں کے پاس جاکر بیٹھا کرنا۔“(۲)

راقم کا مشاہدہ ہے کہ جس نے بھی اس نصیحت پر عمل کیا اور ان بارگاہوں میں بیٹھ کر تعلیم وادب کے رموز سیکھے ان حضرات کی نگہ فیض اور ان کی ذات پر برسنے والی توفیقات الٰہیہ کی چھینٹوں سے مستفیض ہوا۔ اس بارگاہ میں بیٹھنے والوں کو علم وادب کی توفیق فراواں بھی میسر آئی اور شریعت وطریقت کے رموز بھی سیکھنے کو ملے۔ دینی تصلب اور مسلکی جمال بھی حاصل ہوا اور اخلاق وکردار کی پختگی سے بھی سرفراز ہوا۔ علم کی گتھیاں بھی سلجھائیں اور زبان

(۱) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۱
(۲) مولانا بدرالقادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۹۶

وادب کے مسائل بھی حل کیے۔

ان کے علمی وتربیتی اَفکارِ عالیہ میں طالبان علوم نبوت کی تعلیم وتربیت کا اچھا خاصا مواد موجود ہے، جس کے کچھ شواہد ان شاء اللہ آگے پیش ہوں گے۔ مولانا محمد فروغ القادری [ورلڈ اسلامک مشن، لندن] لکھتے ہیں:

''علامہ محمد احمد مصباحی ادام اللہ فضلہ کی پر شکوہ شخصیت میں نئے عہد کے طلبہ کے اخذ وجذب کے لیے بہت کچھ موجود ہے۔ ان کا ایوان علم مختلف النوع موضوعات وعناوین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دینی، مذہبی، اعتقادی اور مسلکی اعتبار سے شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جسے آپ کے اشہب فکر نے دو آتشہ نہ بنا دیا ہو۔ ان کے فکری وعملی پس منظر کو سمجھنے کے لیے تاریخ اسلام، تاریخ تجدید، تاریخ اجتہاد، تاریخ علوم اسلامی اور خاص مسلک امام احمد رضا محدث بریلوی کی تحریکات کا مطالعہ ضروری ہے۔ شب وروز کی دقت طرازی، محنت کوشی اور نئے نئے آفاق کو سر کرنے کی مسلسل جستجو نے ''مصباحی صاحب قبلہ'' کو عصر حاضر میں علم وفن کا امام بنا دیا ہے۔''(۱)

علوم وفنون کی جامعیت:

جواں سال قلم کار مفتی محمد صادق مصباحی [استاذ مدرسہ سعید العلوم، پچھی پور، مہراج گنج] ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''بہت سے علما واساتذہ سے کسب فیض کا موقع میسر آیا، ان میں سے کئی ایک کی تحریریں بھی پڑھیں مگر یہ فقیر اپنی زندگی میں جس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ صدر العلماء کی ذات بابرکات ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت علما ایسے ہیں جو اپنے اپنے

(۱) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

مخصوص فن میں اپنی مثال آپ ہیں، کوئی فن تفسیر کا ماہر ہے تو کوئی حدیث کا، کسی کی فقہی جزئیات پر اچھی پکڑ ہے تو کوئی اصول میں اپنا جواب نہیں رکھتا، کوئی نحو وصرف میں ید طولیٰ رکھتا ہے تو کسی کو بلاغت وعروض کی بادشاہی حاصل ہے، کوئی فن تجوید وقراءت کا امام ہے تو کسی کو منطق وفلسفہ میں زبردست مہارت حاصل ہے، کوئی علم ہیئت کا شناسا ہے تو کوئی علم تاریخ کا بے تاج بادشاہ۔ مگر حضرت صدر العلماء کی بات ہی نرالی ہے، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، بیان، معانی، بدیع، عروض، ہیئت، تاریخ، غرض جملہ علوم دینیہ متداولہ سے نہ صرف واقفیت رکھتے ہیں بلکہ ان علوم میں سے اکثر پر آپ کی گراں قدر اور محققانہ تصانیف بھی ہیں، جو آپ کی علمی حیثیت کو اجالتی نظر آتی ہیں۔ کم گو، خاموش طبع ہیں مگر جس فن پر گفتگو کیجیے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک علم کا دریا ہے، جو بہتا چلا جارہا ہے۔"(۱)

علم وہبی وعطائی اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے جو اپنے علم پر کامل طور پر عمل پیرا ہو۔ اس کی طرف اِس اثر سے اشارہ بھی کیا گیا ہے:

"من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم."

[یعنی جو اپنے علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے ان باتوں کا علم عطا فرماتا ہے جو اسے معلوم نہ تھیں۔]

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی زندگی کا مطالعہ ومشاہدہ کرنے پر یقینی طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زمانۂ طالب علمی سے پابند شرع اور خاشع ومتواضع رہے اور آج بھی علم پر عمل اور شریعت کی پابندی میں ان کی مثال دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں جامعہ اشرفیہ میں ان کے روم میٹ اور المجمع الاسلامی کے انتظام واہتمام میں تقریباً نصف صدی کی رفاقت

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، تاریخ: ۲۱؍ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

نبھانے والے ممتاز محقق و مصنف مولانا یٰسین اختر مصباحی [بانی ومہتمم دار القلم، دہلی] نے مجلس شرعی کے ۲۵ رویں فقہی سیمینار میں فرمایا تھا:

''حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صاحب سے میرے بچپن کے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات ہیں، جس کی مدت پچپن [۵۵] سال ہے، یعنی نصف صدی سے زیادہ۔ اس مختصر تعلق کے تعلق سے میں کہہ دوں کہ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے آج یہ جتنے بزرگ نظر آتے ہیں، پچپن سال پہلے بھی یہ اتنے ہی بزرگ تھے۔''(۱)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان میں رضویات کا ان جیسا کوئی واقف کار نہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ انتہائی متواضع، منکسر مزاج، قناعت پسند، زاہد صفت بزرگ ہیں۔ شریعت کے پابند، شبہات تک سے بچنے والے، تقویٰ شعار فرد، صاحب تصانیف دانش ور۔''(۲)

اساتذہ وطلبہ اشرفیہ کے علاوہ ایسے سینکڑوں علما ومشائخ ہیں جو ان کے اس وصف خاص کی شہادت دیں گے اور شریعت کی پابندی اور طریقت پر عمل کو اعتبار بخشیں گے۔ ان کے استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ کے یہ جملے بھی ان کی تقویٰ شعار زندگی کو نمایاں کرتے ہیں:

''آپ کی سعادت مندانہ زندگی اور مخلصانہ محبانہ روش اس منزل پر ہے کہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی غلطی اور ناراضگی کا کوئی گوشہ اور شوشہ نہیں ہے۔ میں آپ کا مخلص دعا گو ہوں۔''(۳)

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۷۷

(۲) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۹

(۳) ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، جون جولائی اگست ۱۹۷۸ء، ص: ۱۹۰

راقم الحروف کو آئے دن ان حقیقتوں کا ادراک ہوتا رہتا ہے اور دل ان کی مثالی ذات کے احترام میں جھکا جاتا ہے۔ اپنا تاثر یہی ہے کہ یہ بندۂ خدا شریعت وطریقت کا مجمع البحرین ہے اور اس کی زندگی اسلاف علما ومشائخ کی یادگار ہے۔

مولانا محمد فروغ القادری لکھتے ہیں:

''بلا شبہہ رب قدیر نے انھیں ماضی وحال کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان کے علم وعمل کی تابناک زندگی کا ہر گوشہ اربابِ نقد ونظر کے لیے خیرہ کن ہے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم ادب، علم منطق وفلسفہ، علم تصوف اور علم معانی وبیان پر ان کے رشحات قلم کی دقت طرازی قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ بیان کی شوخی، اظہار کا بانکپن، معاملات عشق کی حنا بندی اور تخیلات کی بلند پروازیوں کے باوجود زمینی قدروں سے ان کی فکری آگہی کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔''(۱)

ذرا ''حدوث الفتن'' کے اوراق پلٹیں اور چشم حقیقت سے علم کلام، علم تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، علم تاریخ، علم تذکرہ، عربی ادب وغیرہ علوم وفنون جلوہ ریز ہیں اور اس میں تین چہل احادیث [۱۲۰ رحدیثوں] کے انوار چمک رہے ہیں۔

''تدوین قرآن'' اور ''رسم قرآنی اور اصول کتابت'' میں علم تاریخ، علم حدیث، اصول حدیث، علم تفسیر، علم کتابت اور اردو وفارسی ادب وغیرہ کے حقائق موجود ہیں اور تسلیم پر آمادہ کرتے ہیں۔

''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت'' میں خود مصنف کا فقہی کمال نمایاں ہے۔ مزید علم حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، کلام، تاریخ، علم الاخلاق، اردو، عربی، فارسی شعر وادب وغیرہ علوم کی کہکشاں مجتمع ہے۔ پروفیسر مسعود احمد نقش بندی لکھتے ہیں:

''مولانا محمد احمد مصباحی نے جد الممتار [جلد اول ودوم] کا جو

---

(۱) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

تعارف کرایا ہے اس سے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت وعظمت اور کتاب کی اہمیت کا تو اندازہ ہوتا ہے مگر خود تعارف نگار کی علمی فضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے سمندر میں غوطہ زن ہو کر گوہر آبدار نکالے اور اس سلیقے سے سجائے کہ دیکھنے والے کا دل کھنچے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' (۱)

''امام احمد رضا اور تصوف'' میں تاریخ کے ساتھ تصوف وسلوک، علم الاخلاق، علم حدیث، علم فقہ، علم العروض، اردو ادب، فارسی ادب۔

''معین العروض'' میں ان کا عروضی گیان عکس ریز ہے اور عربی و اردو ادب کی جھلکیاں نمایاں ہیں۔

حاشیۂ تفسیر مدارک ''مواهب الجليل لتجلية مدارك التنزيل'' [۱۴۲۹ھ] اور تفسیر نسفی و بیضاوی کے عالمانہ دروس میں علم حدیث، علم تفسیر، علم تاریخ، علم توقیت، علم الاعداد، عربی ادب، اسماء الرجال اور تصوف وغیرہ علوم اور ادبی کمال کی تجلیاں نظر افروز ہیں۔ بطور خاص علم توقیت کا جمال حاشیۂ مدارک میں آیہ کریمہ ''ولبثوا فی کهفهم ثلث مأة سنين وازدادوا تسعاً.'' کے ذیل [مواهب الجليل، ص: ۲۲، ۲۳] میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''تنقید معجزات کا علمی محاسبہ'' میں علم حدیث، علم اصول حدیث، علم سیرت، علم تاریخ، فن اسماء الرجال، عربی اردو ادب وغیرہ علوم وفنون کا جلال و جمال موجود ہے۔ ''بیان واحد وجمع'' میں علم نحو، علم صرف، علم لغت وغیرہ کا جمال اور ''خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق'' میں تاریخ، سیرت، حدیث، فقہ، علم الاخلاق وغیرہ کا حسن جلوہ فگن ہے۔

ان کے تحریری خطبات کے مجموعے ''نواے دل'' میں بیشتر علوم وفنون بطور خاص علم فقہ واصول فقہ، علم تاریخ، علم الاخلاق، علم تصوف زیر بحث آئے ہیں اور زبان وادب میں ان کی مہارت بھی مجلا ہوئی ہے۔ ساتھ ہی انتہائی قیمتی افکار عالیہ بھی مثل کہکشاں موجود ہیں۔

---

(۱) تقدیم، مذکورہ کتاب، ص: ۲۱

علم ہیئت، علم توقیت، علم الاعداد، علم منطق، علم فلسفہ، علم العروض، علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم ادب وغیرہ کے حقیقت افروز نقوش ان کے تحریر کردہ حواشی، تعلیقات، مضامین، دروس، فقہی مجالس کی بحثوں اور تقریروں میں بآسانی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ کچھ شواہد ہم نے "مقالات مصباحی" کے مقدمے میں اجمالاً ذکر کیے ہیں، انھیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

چلتے پھرتے مادۂ تاریخ برآمد کرلینا ان کے لیے انتہائی آسان شغل ہے۔ اسی طرح عربی اشعار سن کر برجستہ ان کی تقطیع کرلینا اور بحور کی تعیین ان کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، لغت، علم الاشتقاق، زبان وادب کے رموز سے متعلق سوالات کا فوری جواب دینا ان کی پہچان ہے۔ اس کا مشاہدہ جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ وطلبہ اور ان مسائل میں ان سے استفسار کرنے والے علما وادبا نے بارہا کیا ہے۔ راقم الحروف آج بھی بڑی دل چسپی کے ساتھ ان حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس کمال میں قوت ذہانت کے ساتھ ان کی وسعت مطالعہ اور حیران کن مشق ومہارت کا کافی دخل ہے۔ علوم وفنون میں مہارت علمی تقاضوں کے ساتھ وفاداری، شریعت کی پیروی اور علما واساتذہ کے احترام کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔ حضرت صدر العلماء قوی الحافظہ بھی ہیں اور کثیر المطالعہ بھی۔ نادر ونایاب کتابوں کی تلاش اور دبیز پردوں میں چھپے ہوئے علمی مواد کی دریافت ان کا فطری شوق ہے جو دن رات انھیں کام پر لگائے رہتا ہے اور وہ علمی جزیرے کی جستجو میں پابہ رکاب رہتے ہیں۔

لسانی شعور:

ان کی لسانی مہارت انتہائی حیرت انگیز ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے اصول ومبادی سے متعلق ہند وپاک کے علما واساتذۂ ادب ان سے مشاورت کرتے ہیں۔ ان کا تحقیقی اسلوب بڑا سنجیدہ اور معروضی انداز بیان رکھتا ہے۔ ان کی تحریروں میں لطافت وبرجستگی شباب پر ہوتی ہے اور طرزِ تحریر میں قطعیت کا رنگ ہوتا ہے جو قبول پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ تینوں زبانیں برجستہ لکھتے اور بولتے ہیں اور ذرہ بھر اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔

انھوں نے اپنی پوری تعلیم جامعہ اشرفیہ میں مکمل کی ہے۔ یہ لسانی شعور اسی دانش گاہ کے علمی ماحول سے کشید کیا ہے، لیکن ان کی تحریریں عالم عرب میں پڑھی جاتی ہیں۔ عربی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم کے لیے شائقین طلبہ غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں اور مصر وعرب وبغداد کی بڑی یونیورسٹیوں میں داخلہ لے کر لسانی صلاحیت میں اضافہ کرتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے کہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ کو یہ چشمۂ سیال مبارک پور ہی میں نصیب ہوا اور انھوں نے جی بھر کے اس کے آبِ زلال سے آسودگی پائی۔

جامعہ اشرفیہ میں آپ کی تقرری عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے ہی ہوئی تھی، لیکن دیگر فنون کی کتابیں بھی ہمیشہ ان کے زیر درس رہیں اور مختصر مگر جامع تقریر درس نے بہت غور سے سننے والے طلبہ کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ اس میں بھی ان کی لسانی مہارت کام آتی تھی۔

ان کے شاگرد اور جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہسرامی اپنی کتاب ''عرفان عرب'' میں لکھتے ہیں:

> ''[علامہ] محمد احمد مصباحی: جامعہ اشرفیہ کے شیخ الادب والتفسیر تھے، اب شیخ الجامعہ ہیں۔ سینکڑوں مقالات اور درجنوں گراں قدر تصانیف رکھتے ہیں۔ طلبہ میں ادبی اور تحقیقی ذوق بیدار کرنا آپ کا خاص وصف ہے۔ ناچیز کو فکر وقلم کا جو بھی شعور حاصل ہوا، وہ حضرتِ استاذ کی فکری تربیت کا فیض ہے۔ عربی ادبیات کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ عربی نثر ایسی شستہ اور بے ساختہ لکھتے ہیں کہ عرب نژاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، اصول، فقہ، ادب، تاریخ میں مرتبۂ اختصاص پر فائز ہیں۔ چلتے پھرتے تاریخی مادے برآمد کر لینا آپ کے لیے عام سی بات ہے۔ آپ کی ذات گرامی مغتنمات روزگار سے ہے۔''(۱)

(۱) عرفان عرب، سلطان شیر شاہ سوری پبلی کیشنز، سہسرام، ۲۰۰۹ء، ص: ۵۵۴

مجلس برکات کی کئی درجن عربی، فارسی اور اردو نصابی کتب بھی ان کی مہارت زبان وبیان کا بین ثبوت ہیں۔ یہ حقیقت اس وقت اور زیادہ واضح نظر آئے گی جب ان کتابوں کے مصنفین اس موضوع کو اپنی تحریر کا حصہ بنائیں گے اور حضرت کی لسانی مہارت پر لوازمہ پیش کریں گے۔ ان کی لسانی مہارت کے ثبوت میں انتہائی عالمانہ ومحققانہ تصانیف ومقالات کے علاوہ، وہ خطوط بھی پیش کیے جاسکتے ہیں جن میں مکتوب الیہم کے استفسار پر آپ نے لسانیات کے مسائل کا حل تحریر فرمایا، یا اس سلسلے میں انھیں مناسب مشورہ دیا۔ راقم کی تحویل میں ایسے چند قیمتی خطوط ہیں جو بطور استشہاد درج کیے جاسکتے ہیں۔

پاکستان کے مولانا اسلم رضا شیوانی ایک باذوق اور محنتی محقق ہیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے کتب ورسائل کی تحقیق ان کا علمی مشن ہے۔ "شمائم العنبر" کی تحقیق کے دوران چند مقامات کی تحقیق میں انھیں شبہہ ہوا۔ انھوں نے ایک مکتوب کی شکل میں وہ حل طلب عبارتیں لکھ بھیجیں اور حضرت سے انھیں حل کرنے کی گزارش کی۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ کی کئی عبارتوں سے متعلق سوالات کیے اور حضرت نے جوابات بھیجے۔ یہ سوالات وجوابات محفوظ ہیں۔ بخوف طوالت یہاں نقل سے گریز کیا جاتا ہے۔

مولانا حسان رضا عطاری [پاکستان] نے بڑی محنت سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے ایک عربی حاشیہ پر تحقیق کی جو "تقریب التہذیب" پر تعلیق کی شکل میں تھا۔ اس کی تصحیح کے لیے انھوں نے صدر العلماء دام ظلہ العالی سے درخواست کی اور وہ تعلیقات یہاں ان کے پاس روانہ کیں۔ حضرت نے انھیں ملاحظہ فرمایا اور توجہ طلب امور کی ایک فہرست بنا کر انھیں بھیج دیا۔ ساتھ میں ایک عربی تقریظ بھی ارسال کی جو کتاب کے آغاز میں شامل کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

"کچھ توجہ طلب امور:

(۱) "**منهج الامام فی حاشیته علی التقریب**" کے تحت جو شواہد دیے گئے ہیں ان میں راویوں کا تذکرہ نمبر وہی ہونا چاہیے جو زیر طبع تعلیقات اور تقریب میں درج ہے

تاکہ فوراً مراجعت ہو سکے۔

(۲) آپ کے حواشی میں بعض جگہ پیراگراف کی تبدیلی کے بعد نئی سطر بالکل جڑے کمپوز ہوئی ہے۔ نئی سطر میں ذرا جگہ شروع میں خالی ہونی چاہیے، کمپوزر کو ہدایت دے کر درست کرادیں۔"

سلام مسنون۔ تعلیقات کی تحقیق میں آپ نے سخت علمی جدوجہد کی ہے، مولا تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔ تاثرات بھی ارسال ہوئے ہیں، ملنے پر اطلاع ضرور دیں۔

والسلام۔ [محمد احمد مصباحی، ۱۷ر ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ/ ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۴ء]

[اس کے بعد تقریباً دو صفحے میں غور طلب یا تصحیح طلب مقامات کی نشان دہی کر کے ان کی اصلاح فرمائی ہے]

مولانا محمد حنیف خاں رضوی [ڈائرکٹر امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف] نے "حدائق بخشش" کا تصحیح شدہ نسخہ شائع کرایا۔ یہ کام مولانا عبد السلام رضوی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف نے انجام دیا اور مزید تصحیح وتائید کے لیے حضرت صدر العلماء دام ظلہ کے پاس بھیجا۔ حضرت نے اپنا کام مکمل کر کے دو صفحاتی جوابی مکتوب انھیں ارسال کیا جو بہت سی قیمتی معلومات واصلاحات پر مشتمل ہے اس لیے پورا خط یہاں درج کیا جاتا ہے۔

باسمہ وحمدہ تعالیٰ وتقدس

محترم مولانا عبد السلام رضوی، زید فضلکم..........سلام مسنون

اسپیڈ پوسٹ تو اب تک موصول نہ ہوئی، ۲۸ر فروری ۲۰۱۷ء دوشنبہ کو جو اوراق آپ نے دیے تھے انھیں آج ۶ر مارچ ۲۰۱۷ء دوشنبہ ہی کو دیکھنے کی نوبت آئی۔ عرس [عزیزی] کی ہماہمی اور واردین وصادرین کے ہجوم میں کیا دیکھتا، کئی دن بعد بھی دیکھنے کی مہلت نہ ملی۔ آج یک سوئی سے دیکھا، نتیجۃً آپ کی یا آپ حضرات کی تائید کرتا ہوں، آپ نے کافی غور وخوض سے نظر ڈالی ہے۔

(۱) خانہ زادیم زاب وما درست (۱) پر یہ حاشیہ ڈال دیا جائے تو اکثر ناظرین کے

خلجان کا ازالہ ہو جائے گا۔

حاشیہ (۱) غیاث اللغات میں ہے:

اَب: بالفتح و تخفیف با، بمعنی پدر، وایں در اصل اَبُو بود، و بعضے فارسیاں بتشدید نیز آوردہ اند، از بہار عجم، ۱۲ عبد السلام رضوی

(۲) ''عین ہر فضل آنِ جدا کبرم'' جب سارے نسخوں میں ہے اور آگے بھی ''آنِ جدت'' ــــــ ہے تو یہی رہنا چاہیے۔ رضا اکیڈمی کے نسخے میں غلطی ہے۔

(۳) ''نیازیں یہاں، نمازیں وہاں یہ کس لیے؟ ہاں تمھارے لیے'' یہی رہنا چاہیے۔ ''ہاں'' قابل سقوط نہیں اور ''کے'' کے بغیر مفہوم درست ہے۔

(۴) میری نظر میں بھی ''دیں گفت حیات من از و، من گفتم'' ہونا چاہیے۔ ''حیاتِ من از من و گفتم'' میں خطأ کتابت ہے ''و'' من کے بعد ہو گیا جب کہ پہلے ہونا تھا۔

ــــــ من گفتم ایں جملہ صفات

از ذات بگو کہ آن ست عبد القادر گم شد من وانت

دل نے ان کو اپنی جان کہا، جان نے ان کو اپنا دین کہا، دین نے ان کو اپنی حیات کہا۔

میں نے کہا: یہ سب صفات ہوئیں (وہ میری جان، وہ میرا دین، وہ میری حیات) ذات سے متعلق بتاؤ یا انھیں ذات کہو، کہ دل بھی وہ، جان بھی وہ، دین بھی وہ۔ عبد القادر دل بھی ہیں، جان بھی، دین بھی۔ میں اور تو کی بات ہی نہ رہی۔

میرا بھی وجود ہے اور وہ میری جان، میرا بھی وجود ہے اور وہ میرا دین، میں بھی ہوں اور وہ میری حیات۔ ان سب کلمات میں انھیں صفت قرار دینا ہوا، جب کہ وہ خود دل، جان، اور دین ہیں۔ یہ کہنے کے بعد ''من و تو'' غائب ہو جائے گا۔

(۵) ''سینہ وقف داغ و بے خواب سرگرداں توئی'' کی تقطیع پر میں نے غور نہ کیا تھا۔ ''بے خواب'' بسکون با ہو یا بکسر با، وزن پورا نہیں ہوتا، آپ کی تصحیح بجا ہے۔ ایسی یا کی

تشدید اہل شعر و عروض کی نظر میں بکثرت ہے۔ میری نظر میں یہی ہونا چاہیے:

سینہ وقف داغ و بے خوابی و سرگرداں توئی

(۶) ''عرش شرف، فرش شرع'' پر غور کیا۔ آپ کے مذکورہ نسخوں کے مطابق یہی ہونا چاہیے:

عرش ش رف ست فر شِ عبدالقا در	فرشِ شر ع ست عر شِ عبدالقا در
مفعول مفاعلن مفاعیلن فع	فعولن فاعلن مفاعیلن فع
یعنی تا سر بپا ے [او] فرش نمود	سرہاشُ دَہ فرش عر شِ عبدالقا در
مفعولن فاعلن مفاعیل فعول	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

مفہوم یہ کہ عبدالقادر کا فرش، شرف [عزت] کا عرش ہے۔ (علاوہ معنی کے ایک لفظی نکتہ یہ کہ فرش کا پہلا حرف، شرف کا آخری حرف ہے، اِس کی ابتدا، اُس کی انتہا ہے۔) عبدالقادر کا عرش، شریعت کے لیے فرش ہے۔ (عرش کا آخری حرف، شرع کا پہلا ہے، عرش کی انتہا، شرع کی ابتدا ہے۔) یعنی جب سر کو پاے شریعت کے لیے فرش بنا دیا اور اس کی تابعداری میں سر رکھ دیا تو جو شریعت عبدالقادر کے لیے عرش تھی اس کے لیے سر، فرش ہو گئے۔ (سر، عرش عبدالقادر کے لیے فرش ہو گئے)

(۷) ''کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا'' کی نثر پر محبی مولانا صغیر اختر صاحب نے اچھی نظر ڈالی ہے۔ مصرعے کی ترکیب نحوی واقعی غور طلب ہے، ''اے درِ والا تیرا'' بنانے میں کلام یہ ہے کہ اب مخاطب ''در'' ہوگا، جب کہ بقیہ سارے مصرعوں میں مخاطب خود ذات والا ہے۔ ترکیب ضرور صحیح ہو جائے گی۔ حل ترکیب کے لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''تیرا'' بیان ہے یا بلفظ دیگر سوال مقدر کا جواب ہے۔ جب کہا گیا کہ کعبہ درِ والا کا طواف کرتا ہے تو اس میں ابہام ہو گیا، عیاں نہ ہوا کہ کس کا درِ مبارک؟ تو جواب ہوا کہ ''تیرا''۔ فتدبر، لعلہ یظہر لک وجہ آخر أحسن. بہر حال آپ حضرات کی دقیقہ سنجی اور غائرانہ نظر افگنی سے بڑی

خوشی ہوئی، غور وخوض اور تدبر وتامل سے بہت سے دریچے بستہ کھلتے ہیں، اللھم زد فزد۔ (۱)

حدائق بخشش [حصہ اول ودوم] کا تصحیح شدہ نسخہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی میں شائع ہوا، اس کے آغاز میں مولانا عبد السلام رضوی کی ایک تفصیلی تحریر شائع ہوئی جس میں تصحیح وتحقیق کی پوری داستان بیان ہوئی ہے، اس میں کئی جہتوں سے حضرت صدر العلماء کے علمی تعاون اور لسانی وفکری اصلاحات کا تذکرہ موجود ہے۔

چند الجھنوں کا ازالہ کرتا ایک خط مولانا فضل احمد چشتی [لاہور، پاکستان] کے نام آپ نے تحریر فرمایا، جو چشم کشا حقائق پر مشتمل ہے۔

محب گرامی مفتی محمد ازہار احمد امجدی [اوجھا گنج، بستی] کو تحریر وقلم اور فقہ وافتا سے خاصا شغف ہے، علم حدیث میں انھوں نے جامعہ ازہر، مصر سے ایم اے کی ڈگری پائی ہے، انھوں نے اپنی دو کتابیں: ''تارک نماز وجماعت'' اور ''تحقیقات ازہری'' حضرت صدر العلماء کی خدمت میں ارسال کیں تو حضرت نے علمی، فنی، فکری اور لسانی اصلاحات پر مشتمل ایک طویل جوابی مکتوب [محررہ: ۱۱ر رجب ۱۴۳۶ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۵ء، جمعہ] انھیں روانہ کیا، درمیانی حصے میں کئی جگہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور چند لسانی فروگزاشت کی جانب بھی ان کی توجہ مبذول کرائی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) خواص کی طرح لفظ عوام بھی مذکر ہے۔ [یعنی جمع مذکر]

(۲) فعل متعدی کا مفعول جب علامت مفعولی کے بغیر ہو تو فعل کی تذکیر وتانیث مفعول کے لحاظ سے ہوگی اور جب علامت مفعولی آجائے تو فعل واحد مذکر ہوگا۔

(۳) مصدر کبھی مفرد ہوتا ہے، کبھی دوسرے لفظ سے ملا کر پورا مصدر مانا جاتا ہے۔ اول جیسے لکھنا، پڑھنا۔ دوم جیسے بیان کرنا، روایت کرنا۔ اس میں قدرے فرق اور تفصیل ہے جو اساتذہ کی تحریروں میں غور کرنے سے معلوم ہو جائے گی۔

(۴) اردو میں دعا، ثنا، رضا، اکتفا وغیرہ کا املا بغیر ہمزہ کے ہے۔ لیے، دیے، کیے کا

---

(۱) محررہ: ۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ/ ۶ر مارچ ۲۰۱۷ء، شب سہ شنبہ

رائج املا ''ی'' کے ساتھ ہے۔ نثری تحریر میں یاے اضافت سے متعلق میرا رجحان یہ ہے کہ بغیر ہمزہ کے ہو، ثناے خدا، علماے دین۔ اسی طرح اولیاے کرام، حکماے عظام۔ نظم سے متعلق یہ خیال ہے کہ جہاں تقطیع میں دو حرف آئیں وہاں ''ئے'' پر ہمزہ لکھا جائے اور جہاں ایک حرف ہو وہاں صرف ''ے'' لکھی جائے۔ بعض لوگ نثر و نظم میں ہر جگہ حذف ہمزہ کے قائل ہیں اور بعض ہر جگہ ''ے'' پر ہمزہ لکھنے پر زور دیتے ہیں۔

(۵) میری راے یہ ہے کہ ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کی جگہ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' یا اس طرح کے [سرکار، آقا، ہمارے نبی، اللہ کے رسول وغیرہ] الفاظ لکھنا، بولنا چاہیے۔ میں نے اپنے بزرگوں کے کلام میں ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' نہ دیکھا۔ غالباً تبلیغیوں، دیوبندیوں اور کم سواد اردو نگاروں کی طرف سے اس کی ابتدا ہوئی پھر اپنے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو گئے۔

(۶) اردو میں معنی کو اہل زبان بکسر نون بولتے اور جمع استعمال کرتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی یہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحریروں میں بھی اس لفظ کا استعمال آپ کو بطور جمع ہی ملے گا۔ ہم لوگوں کی خالص اردو ترکیبوں میں اگر یہ بطور واحد استعمال ہو تو وہ قابل اصلاح ہے۔''

ہندو پاک کے معاصر ارباب قلم کے ساتھ شاگردوں کی اصلاح کا انداز بھی کافی من بھاوک اور حوصلہ افزا ہے۔ اس میں زبان و بیان کی اصلاح بھی شامل رہتی ہے اور تاریخ و سنین اور علمی و فکری اغلاط کی نشان دہی بھی۔ آپ کی لسانی مہارت کی گواہ مجلس برکات سے طبع ہونے والی نحو و صرف، ادب و انشا کی وہ تمام کتابیں اور رسالے ہیں جن پر آپ نے نظر ثانی فرمائی ہے۔ ان کے مختصر رسالے ''معین العروض، رسم قرآنی اور اصول کتابت'' اور ''بیان واحد و جمع'' کا مطالعہ بھی سودمند ثابت ہوگا۔ اسی طرح حاشیۂ مدارک میں بھی لسانی شعور کے جلوہ صد رنگ جھلکتے ہیں۔ اس کا اظہار ان کے عالمانہ دروس میں بھی پوری توانائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کے سوا سینکڑوں ایسی کتابیں جن پر آپ نے نظر ثانی کی، آپ کے لسانی شعور اور مہارت زبان و بیان پر شاہد عدل ہیں۔

مشہور مصنف ومترجم مولانا عارف اللہ فیضی استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ لکھتے ہیں:

"استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ میں کامل دست گاہ رکھنے کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر بھی مکمل دست رس رکھتے ہیں۔ عصری اسالیب میں عربی اور اردو میں آپ کی تصنیف کردہ کتب اور آپ کے تحریر کردہ مقالات وخطبات میرے اس دعوے پر شاہد عدل ہیں۔ قدیم فارسی زبان وادب کے ساتھ جدید فارسی زبان وادب میں بھی آپ کو جوزبردست عبور حاصل ہے اس کا اندازہ تین چار صفحات پر مشتمل آپ کے ایک پرمغز اور نہایت متین وسنجیدہ مضمون سے ہوا۔"(۱)

یہ لسانی شعور علم لغات اور ارباب ادب کی نثری وشعری نگارشات کے گہرے مطالعہ کی غمازی کرتا ہے جو ہفتوں کی محنت اور چند ادبی کتابوں کی مراجعت سے نہیں حاصل ہوا، بلکہ اس کے لیے برسوں کی ریاضت اور اعلیٰ پایہ وفورِ مطالعہ درکار تھا اور یہ سب کچھ حضرت صدرالعلماء دام ظلہ کی زندگی میں موجود ہے۔ جبھی یہ علمی وادبی کرشمہ سازیاں اور فکری وفنی توانائیاں عروج پر نظر آتی ہیں۔

لسانی شعور کے ضمن میں سخن فہمی کا ملکہ بھی ہے، جو عربی، فارسی، اردو ادبیات کی کثرت مطالعہ اور ان میں طویل فکر وتدبر کا نتیجہ ہے۔ بیضاوی اور مدارک شریف کی تدریس کے دوران متن کا حصہ بنے عربی اشعار یا مصرعے کا پس منظر بھی بیان کرتے ہیں اور شاعر کے احوال سے بھی باخبر کرتے ہیں، ساتھ ہی ان اشعار کی ایسی اچھوتی ترجمانی فرماتے ہیں کہ دل جھوم جاتا ہے۔ ان کی سخن فہمی کے بہت سے نمونے ادبی مضامین اور مصنفہ کتابوں میں موجود ہیں، یہاں صرف ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے جو ان کی کتاب "امام احمد رضا اور تصوف" کے حاشیہ میں دیا گیا ہے۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے اعتقادی تصوف کے

(۱) تقدیم، نوائے دل [مجموعہ خطبات]، مصباحی پبلی کیشنز، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۸

ذیل میں حضرت صدر العلماء نے ”مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم“ کا تذکرہ فرمایا ہے اور بطور حوالہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے مشہور زمانہ کلام کا یہ دو شعر نقل کیا ہے:

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

پھر حاشیہ میں ان اشعار کی توضیح کی گئی ہے جو انتہائی اہم ہے اور حضرت کی سخن فہمی اور تبحر علمی کا ثبوت بھی۔ پوری کتاب میں صرف یہی ایک حاشیہ درج ہے، بقیہ حوالوں کی تخریج ہے اور بس۔ لکھتے ہیں:

”حقیقت محمدیہ علیہا التحیۃ والثنا عامۂ ممکنات اور ذات واجب الوجود کے درمیان برزخ اور واسطہ ہے۔ اس مسئلہ کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہم نے موجود کی دو ہی قسمیں جانیں، واجب اور ممکن۔ ذات رسالت کو ہم کس میں شامل کریں؟ اگر واجب کہیں تو واجب بندہ نہیں ہوسکتا اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بندہ ہیں اور اگر ممکن کہیں تو ممکنات میں تصرفات واختیارات کی وہ قدرت کہاں جو ہم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ رہے ہیں؟

انھوں نے چشم زدن میں زمین سے آسمان اور آسمان سے لامکاں تک سیر کی، پھر اسی وقت لامکاں سے زمین تک واپس بھی آ گئے۔ اس عالم امکان میں ایک سے ایک ارباب فضل وکمال اور ارباب حکومت واقتدار رونما ہوئے لیکن یہ قدرت اور یہ کمال کسی میں نہ تھا۔ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا نے انگلی کے اشارے سے چاند دو

ٹکڑے کر دیا، سورج کو روک دیا، ان کی مرضی پر ڈوبا ہوا سورج واپس آیا، ان کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوا اور ایک لشکر سیراب ہوا۔ نہ جانے کتنے تصرفات واختیارات ہیں جو ان کی ذات سے چشم عالم نے ملاحظہ کیے اور کسی ممکن میں نہ دیکھے گئے۔ ایسے بیّن اور عظیم تفاوت کے باوجود انھیں ممکن کہیں تو کیسے کہیں؟ عقل حیران ہے کہ اگر کہیں کہ وہ واجب بھی نہیں، ممکن بھی نہیں تو یہ بھی خطا اور غلط ہے۔ وہ واجب نہیں تو ممکن ضرور ہیں، اس لیے حق یہ ہے کہ وہ خدا کے بندے اور ممکن ہونے کے ساتھ عالم امکان کے بادشاہ ہیں، نہ تو وہ خدا ہیں نہ عالم امکان یعنی عام ممکنات میں سے ہیں، بلکہ وہ اللہ کے راز سربستہ اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ اور برزخ ہیں۔

پہلے شعر میں ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا اشارہ ممکن اور واجب کی طرف ہے یعنی ان کی ذات سے ممکن و واجب دونوں کی نفی کرنا خطا ہے۔ کیوں کہ وہ واجب قطعاً نہیں اور ممکن ضرور ہیں، اگر چہ قدرت واختیار میں سارے ممکنات سے برتر وبالا ہیں۔ دوسرے شعر میں عالم امکان سے مراد عام ممکنات ہیں، جیسے ہم کہیں سکندر سارے انسانوں کا بادشاہ اور پوری دنیا کا حکمراں تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود دنیا سے باہر اور انسانوں سے ماورا کوئی ہستی تھا۔ بلکہ مراد یہی ہے کہ وہ تمام انسانوں کا بادشاہ ہونے کے باعث ان عام انسانوں کی صف میں شامل نہ تھا۔ اس میں اور دیگر انسانوں میں بیّن فرق تھا، سارے انسان اس کے سامنے ملکیت اور رعایا کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ ان کے بادشاہ اور فرماں روا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس کو ان محکوم انسانوں کی فہرست میں لانا درست نہیں۔ اگر چہ بالذات وہ خود بھی انسان تھا۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ دوسرے شعر میں ''عالم امکان'' سے مراد عام ممکنات ہیں اور دوسرے شعر میں ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا اشارہ عام ممکنات اور اللہ وخدا کی طرف ہے۔ شعر اول میں ذکر شدہ لفظ ممکن وواجب کی طرف نہیں، یعنی جب وہ عام ممکنات کے بادشاہ اور عالم امکان کے فرماں روا ہوئے تو وہ ان محکومین اور اپنے رعایا کی صف میں شامل نہ ہوئے اور جب وہ خدا کے بندے اور ممکن ہوئے تو خدا نہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ وہ عام ممکنات میں بھی نہیں اور خدا بھی نہیں، بلکہ دونوں کے درمیان برزخ وواسطہ ہیں۔

سننے میں آیا ہے کہ کچھ عناد پرور اور متعصب قسم کے جاہل افراد اعتراض واستہزا کے ساتھ ان شعروں کا عجب غلط سلط مطلب بیان کرتے ہیں۔ ایک متبحر عالم اور بلند پایہ عارف کا شعر سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا کرنی چاہیے۔ یہاں علم وفن میں دست گاہ اور شعر وسخن سے تعلق کے ساتھ ذوق لطیف اور پاسِ انصاف کی بھی سخت ضرورت ہے۔''(۱)

یہ اقتباس طویل ضرور ہو گیا، لیکن اس قدر اہم اور معلوماتی تھا کہ راقم الحروف بتمامہ درج کرنے سے خود کو روک نہ سکا۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک متبحر عالم اور بلند پایہ عارف کے اشعار کو سمجھنے کے لیے ایسے ہی عالم وسخن فہم کی ضرورت ہے، جو زبان شناس بھی ہو اور ادبی امور کا واقف کار بھی، جس فن یا علم کی اصطلاح کو شاعر نے شعر بند کیا ہے اس کے مبادی سے کما حقہ آگاہ اور رموز شعر کا شناسا ہو، جبھی شعر فہمی کا مرحلہ مکمل ہوتا ہے ورنہ بسا اوقات ناقد شعر کا ایسا مطلب بھی بیان کرتا ہے جو شاعر کی مراد بھی نہیں ہوتا، نہ ہی اس کے وہم وخیال میں اس مفہوم کا گزر ہوتا ہے۔ نقد وپیمائش میں کبھی شعر موضوع سے مہمل بن جاتا ہے کبھی معنوی تنسیخ وترمیم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے نقد شعر میں حد درجہ احتیاط

(۱) حاشیہ، امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء، ص: ۲۴، ۲۵

لازم ہے ورنہ وہ نقد نہیں، چیستان بن جائے گا۔

حضرت صدر العلماء کا علمی کمال اس قدر پختہ اور کامل ہے کہ حیرت ہوتی ہے، کیسا کیا علمی جمال ہے؟ کس قدر فکری رنگینیاں ہیں؟ تبحر وتدبر کا کتنا حیران کن عروج ہے؟ سچائی تو یہ ہے کہ یہاں علم کی جمالیات بھی ہے اور فن کی کرشمہ سازی بھی، ادب کا حسن بھی اور لسانی شعور کا جوش بھی، ان کے زور باطن اور سوز دروں میں علمی وفکری پہنائیاں بھی ہیں اور کردار وعمل کی تابانیاں بھی۔ عربی، فارسی، اردو زبانوں کی حقیقت افروز شناسائی بھی اور افکار عالیہ کی متاثر کن شہنائی بھی۔ یہ کمال خداداد بھی ہے اور کسب واکتساب کا نتیجہ بھی۔

صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ عربی زبان کے حروف ہجا کا تلفظ عام طور پر "بے، تے، ثے" کیا جاتا ہے، لیکن علمی حلقوں میں "با، تا، ثا" پڑھا جاتا ہے اور بطور تعریض اِمالہ یعنی بے، تے کے ساتھ تلفظ کو غلط خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۸/ مارچ ۲۰۲۰ء کو براکنگ، کشی نگر میں خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام منعقدہ انوارِ قرآن سیمینار میں ہم لوگ حاضر تھے، نماز فجر کے بعد ایک مختصر نشست میں اختلاف قراءت، نیز حروف تہجی کے طرز تلفظ اور اس کی ادائیگی پر بحث نکلی۔ حروف ہجا کے تلفظ کے بارے میں راقم الحروف کے علاوہ مولانا عبد الغفار اعظمی [استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو]، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا محمد قاسم مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی [اساتذۂ اشرفیہ] اور مفتی محمد صادق مصباحی [استاذ مدرسہ سعید العلوم، پچھی پور، مہراج گنج] صاحبان کا خیال تھا کہ عربی میں تہجی حروف کو "الف، با، تا، ثا" وغیرہ پڑھا جانا چاہیے جیسا کہ اب ایسا پڑھا جارہا ہے۔ ہاں اردو میں "الف، بے، تے، ثے" ہونا چاہیے تاکہ فرق رہے۔

استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی یہ باتیں سن کر مسکرانے لگے، فرمایا: دونوں طرح پڑھنا درست ہے، خواہ اردو کے تہجی ہوں یا عربی کے۔ مزید وضاحت فرمائی کہ تفخیم کی صورت میں با، تا اور اِمالہ کی صورت میں بے، تے پڑھا جائے گا اور یہ دونوں قراءت متواترہ سے ہیں۔ مثلاً "کھیعص" ھا، یا [بصورت تفخیم] اور "ہے، یے" [بصورت

اِمالہ] دونوں پڑھنا متواتر ہے۔"

اس حوالے سے راقم الحروف کو حضرت صدر العلماء کے حاشیہ مُدارک التنزیل میں شواہد بھی دستیاب ہوئے۔ سورۂ مریم کا آغاز "کھیعص" سے ہوتا ہے، اس کے حاشیے میں حضرت صدر العلماء لکھتے ہیں:

"قال فی مفاتیح الغیب: انّ حروف المعجم علی نوعین ثنائی، ثلاثی (فنحو با، تا، ثا ثنائی و دال، و ذال، کاف ثلاثی) وقد جرت عادۃ العرب بامالۃ الثنائیات (فیقولون: بے، تے، ثے) وبتفخیم الثلاثیات، وفی الزای اعتید الأمران لأنه قد یلحق آخرہ یاء، وقد لا یلحق فیصیر ثنائیا، ولا ریب أن التفخیم أصل، والامالۃ فرع علیه، فمن قرأ بامالۃ الھاء والیاء معاً فعلی العادۃ، ومن قرأ بتفخیمھما جمیعاً فعلی الأصل، ومن قرأ بامالۃ احداھما فلرعایۃ الجانبین۔ اھ بتلخیص۔"[۱]

آگے اختلافِ قراءت کا ذکر ہے۔ درج بالا اقتباس اور قرا کے اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں صورتیں درست ہیں۔

نثر نگاری:

نثر ایسا کلام ہے جس میں وزن اور قافیہ نہ ہو۔ نثر کی یہ تعریف اکثری مواد کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے ورنہ نثر موجز میں وزن اور نثر مقفیٰ میں قافیہ ہوتا ہے، لیکن ایسی نثر بہت کم لکھی جاتی ہے۔

صورت کے لحاظ سے نثر کی چار قسمیں ہیں: (۱) عاری (۲) موجز (۳) مسجع (۴) مقفیٰ، انھیں لفظی اقسام نثر کہتے ہیں۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی نثر کی چار قسمیں ہیں: (۱) دقیق رنگین (۲) دقیق سادہ (۳) سلیس رنگین (۴) سلیس سادہ، انھیں معنوی اقسام نثر کہا جاتا ہے۔

---

(۱) مواھب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل، مجلس البرکات، مبارکفور، ص: ۶۸

مطالب ومفاہیم کے اعتبار سے نثر کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں:

(۱) وضاحتی نثر (۲) بیانیہ نثر (۳) انانیتی نثر (۴) تاثراتی نثر

توضیحی نثر وہ ہے جس میں کسی خیال کی وضاحت کی جائے، خواہ اس کا تعلق علم سے ہو یا زندگی کے معمولات سے۔ بیانیہ نثر میں کسی واقعہ، شے یا شخص کا بیان ہوتا ہے۔ تاریخ، سفرنامہ، داستان، ناول، افسانہ، منظر نگاری اور کردار نگاری وغیرہ میں یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ انانیتی نثر میں نثر نگار خود اپنی ذات کا اظہار کرتا ہے۔ خودنوشت، روزنامچہ اور خطوط وغیرہ اس قسم کے ذیل میں آتے ہیں۔ اور تاثراتی نثر میں قلم کار اپنے گردو پیش کے احوال ومحسوسات قلم بند کرتا ہے۔ لیکن ان اقسام کی درجہ بندی اتنی آسان نہیں ہوتی اور کہیں نہ کہیں یہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں بطور خاص توضیحی، بیانیہ اور تاثراتی نثر میں اشتباہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے نثر کی جدید تقسیم یوں کی گئی:

(۱) تخلیقی نثر (۲) غیر تخلیقی نثر (۳) علمی یا استدلالی نثر

تخلیقی نثر میں شاعری کی طرح صنائع، بدائع اور فکر وتخیل کا استعمال ہوتا ہے اور محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور علامت ورمز وغیرہ سے ایک خاص قسم کا لطف پیدا کیا جاتا ہے جو بیحد دل چسپ اور فکر انگیز ہوتا ہے۔ اس میں کہیں شاعرانہ رنگ ہوتا ہے کہیں خطیبانہ لہجہ۔ غیر تخلیقی نثر میں معمولات زندگی، ذاتی احوال وکوائف اور ممتاز افراد ورجال کا ذکر ہوتا ہے۔ اس میں حسن ادا پر زور نہیں دیا جاتا۔ اور خالص علمی یا استدلالی نثر میں منتخب الفاظ وتراکیب کے سہارے پوری قطعیت، وضاحتی رنگ اور منطقی انداز میں مافی الضمیر نمایاں کیا جاتا ہے اور تحریر میں ایک خاص قسم کی ترتیب، سلیقہ مندی اور ایجاز وبلاغت پائی جاتی ہے، ساتھ ہی اس میں تاثر انگیز سنجیدگی بھی ہوتی ہے۔

نثر کی اہم خوبی مفہوم کی قطعیت ووضاحت ہے جس میں کسی قسم کا ابہام واشتباہ نہ ہو۔ خالص عالمانہ نثر میں یہی رنگ ہوتا ہے جس میں نثر نگار مفہوم کی ترسیل اور معنی کے ابلاغ پر مکمل دھیان دیتا ہے اور علمی حقائق کی نقاب کشائی میں کسی قسم کے بخل یا تعصب کو راہ نہیں دیتا۔

علامہ محمد احمد مصباحی کی تحریروں میں نثر کی تمام قسمیں موجود ہیں لیکن ان کا زیادہ تر تحریری مواد خالص علمی یا استدلالی نثر پر مشتمل ہے۔ جس میں انشا پردازی کی جلوہ آرائیاں بھی ہیں اور علم وادب، تحقیق وتنقید کی عشوہ طرازیاں بھی، زور بیان بھی ہے اور منطق نتیجہ خیزی بھی، تفکر وتدبر کا حسن وجمال بھی ہے اور علوم وفنون کا ماہرانہ استعمال بھی۔ معاصر ارباب کمال کی تحریروں میں یہ خوبیاں اتنی شوخ رنگ نہیں جتنی یہاں پائی جاتی ہیں۔ وہ عالم بھی ہیں اور ادیب بھی، یعنی ان کی تحریروں میں جوش علم بھی ہے اور حسن ادب بھی لیکن ان میں علم کا رنگ غالب ہے۔

آپ کی اکثر تحریروں میں اسلامی اقدار وروایات جدید تحقیق وتنقید کے ساتھ موضوع بحث ہیں اور تاریخی حقائق حال موجود کی منظر کشی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ علمی وادبی موشگافی اور نحوی وصرفی، بدیعی ولسانی نکتہ آفرینی محض اصلاح زبان وبیان کی غرض سے موجود ہے۔ یہ خوبی ''تدوین قرآن'' سے لے کر ''رہنماے علم وعمل'' تک میں پائی جاتی ہے۔ مجموعۂ خطبات ''نواے دل'' اور مجموعۂ مضامین ''مقالاتِ مصباحی'' میں بھی یہی رنگ منعکس ہے۔

مولانا محمد فروغ القادری رقم طراز ہیں:

> ''حضرت مصباحی صاحب قبلہ کا طرزِ تحریر اور طریقۂ استدلال بے حد دل نشیں اور مؤثر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بات دل سے نکل رہی ہے اور دل میں بیٹھ رہی ہے۔ یہ دل کش انداز، یہ وارفتگی شوق وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا دل ملت کے درد سے معمور ہو، جو قلم طرازی کے ہنر اور فن کی اہمیت سے واقف کار ہو۔ ان کی تمام تر تصانیف میں ان کے مؤثر ترین اندازِ تدریس کا جمالیاتی عکس دور دور تک پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''(۱)

ان کی علمی واستدلالی نثر کا یہ نمونہ دیکھیں جس میں استفہامی اور الزامی رنگ بھی

(۱) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

نمایاں ہے، ساتھ ہی طنزیہ انداز بھی جلوہ نما ہے:

"باری تعالیٰ کی بارگاہ منزہ ومقدس میں جسارت و بے لگامی اور گستاخی وبدکلامی کس قدر شنیع وقبیح ہے، جس کے بعد انسانی کی ذاتی شان وشوکت اور وجاہت وشہرت، شریعت مقدسہ کی عدالت عالیہ اور علماے ربانیین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس ولحاظ کے قابل نہیں رہ جاتی، جیسے دنیاوی کچہریوں میں قتل ناحق کا یقینی مجرم یا کسی شاہی حکومت میں پاک وصاف بادشاہ پر غلط بہتان وافترا کرنے والا باغی یا خلاف تہذیب گالیاں دینے والا بے باک یا ایسے کسی سلطان کا قاتل پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قابل رحم ولائق حمایت نہیں قرار پاتا اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دینا سراسر عدل وانصاف تصور کرتا ہے۔ یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تنزیہ وتقدیس اور اس کی اطاعت ووفاداری کا قلادہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک وبے عیب ذاتِ بلند کی شان اقدس میں یاوہ گوئی یا اس کے باجبروت قانون عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی وبغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے وفائی پر اتر آتے ہیں، یقیناً یہ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں۔ "نئی روشنی" کے بے جا تجدد پسندوں کو شاتمان خدا ورسول کی یہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی یا دماغوں کی صائب روشنی سے عاری ہو چکے ہیں، اس لیے مذکورہ بالا قسم کے دنیاوی فیصلوں کو تو حق وانصاف سمجھتے ہیں مگر اس سے زیادہ بڑے جرم پر شرعی فیصلوں کو طعن وتشنیع سے یاد کرنا، اپنے ذہن ودماغ کا کمال اور اپنی زبان وقلم کا ہنر سمجھتے ہیں۔ جب کہ یہ سراسر ناانصافی، بددماغی اور بدزبانی ہے۔ خدا

عقل سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔"(۱)

ایک عالمانہ ومحققانہ مضمون کا یہ چشم کشا اقتباس ملاحظہ کریں:

"انسانی زندگی کی بقا اور حفاظت کے لیے خورد ونوش، لباس وپوشاک اور خانہ ومسکن ضروری ہے اور ان ضروریات کی تکمیل کے لیے کسی نہ کسی حد تک سرمایہ ومال ہونا لابدی ہے۔ اور سرمایہ ومال کا حصول کسی ذریعہ وسبب کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے عقلی طور پر انسان اپنی زندگی میں حصول کا ذریعہ اپنانے کا محتاج ہے۔ شریعت اسلامیہ نے بھی انسان کی اس محتاجی کو نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے لیے کوئی ذریعۂ معاش اپنانا فرض قرار دیا ہے۔ لیکن اس باب میں اسے آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ جہاں سے چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے سرمایہ حاصل کرتا جائے، خواہ کسی پر زیادتی ہو، کسی کی ایذا رسانی ہو، کسی کی حق تلفی ہو، یاد الٰہی سے غفلت ہو، عبادتیں فوت ہوں، کچھ پروا نہ کرے، بس زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کرنے کی دُھن میں لگا رہے۔"(۲)

تخلیقی نثر جس میں شاعرانہ اوصاف جلوہ گر ہوتے ہیں اور صنائع وبدائع کی رنگینیاں ہوتی ہیں اس کے نمونے یہاں انفرادی شان کے ساتھ موجود ہیں اور رنگِ سخن چمکتا نظر آتا ہے، ملاحظہ کریں ایک نمونہ:

"دورِ ماضی کی یہ تابناک شخصیتیں امتدادِ زمانہ کی تہوں میں دبتی جا رہی ہیں اور ابنائے عصر کی تغافل کیشیاں اس پر مستزاد ہیں۔ جب کہ عہد حاضر کی بڑھتی ہوئی ظلمتیں دور کرنے کے لیے ان ہی قندیلوں کی ضرورت ہے، جن سے کل ان فضاؤں میں ہمہ گیر اجالا تھا۔

(۱) مضمون "مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ"، مشمولہ مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ

(۲) مضمون "مصطفیٰ جان رحمت کا درس کسب وتجارت"، مشمولہ مقالات مصباحی

وہ نہیں مگر ان کی زندگیوں کے تابندہ نقوش، ان کے علم وفضل، ان کے اخلاق ومحاسن اور ان کی تعلیمات وہدایات آج بھی منارۂ رشد وہدایت کا کام سرانجام دے سکتی ہیں لیکن انھیں بوسیدہ اوراق، منتشر صفحات اور عصر پارینہ کی آغوش سے نکال کر نئی جلوہ گاہوں میں ضیاباری کا موقع فراہم کرنا ہوگا۔ اس کے لیے محنت وکاوش، تلاش وجستجو، بحث وتحقیق، تحریر وترتیب اور نشر واشاعت کے صبر آزما مراحل کا سامنا کرنا ہوگا جس کے جذبات ایک زندہ قوم میں بیدار رہنا حیاتِ ملی کی بقا کے لیے ازحد ضروری ہے۔"(۱)

تخلیقی نثر کا ایک نمونہ اور دیکھیں:

"ان کی زندگی کا عجیب پہلو یہ ہے کہ آخرت کی رعنائیاں، جنت کی بہاریں، عقبیٰ کی مسرتیں اور حسن حقیقی کے دیدار کی لذتیں ان کے قلب ونگاہ میں نہ صرف تصور وتخیل بلکہ مشاہدہ اور چشم دید مناظر وواقعات کے ناقابل شکست یقین محکم کی حد تک بسی ہوئی ہیں۔ ظاہری نگاہوں کو ظلمت شب کا پردہ چاک ہونے کے بعد خورشیدِ عالم تاب کے ضیابار ہونے کا جو یقین ہوسکتا ہے اسی قدر یا اس سے زیادہ ان محرمانِ راز اور عارفانِ ذات کو اس دل فریب دنیا کے زوال اور اس عالم جاوداں کے قرار وثبات کا یقین ہوتا ہے اور اس جہانِ باقی کی آباد کاری کے لیے وہ اسی طرح منہمک نظر آتے ہیں جیسے ظاہر شناس انسان اس دنیاے فانی کی آبادکاری کے لیے ہر لمحہ بے قرار نظر آتا ہے اور اس یقین سے ہر آن بیتاب نظر آتا ہے کہ اگر میں نے ذرا بھی غفلت کی تو اپنے ہم سروں سے بہت پیچھے ہوجاؤں گا، تھوڑی سی چوک

(۱) حرف آغاز، سوانح مولانا ارشاد حسین رام پوری، قادری اکیڈمی، رام پور، ستمبر ۱۹۸۹ء

ہوئی تو میرا متوقع نفع خسارے میں تبدیل ہو جائے گا، ذرا لاپروائی ہوئی تو آسائش حیات مکدر ہو جائے گی، فکر ونظر نے خطا کی تو حکومت وقیادت کی باگ ڈور ہاتھ سے چھن جائے گی، سعی پیہم اور جہد شب وروز میں معمولی کوتاہی نے راہ پائی تو ہمیشہ پستی اور اپنے ہم چشموں کے سامنے ذلت وخواری کا مزہ چکھنا پڑے گا، علم وفن کے اشہب برق رفتار کی لگام ذرا ڈھیلی ہوئی تو برقی توانائیوں کی چکا چوند مدھم پڑ جائے گی اور بزم زمین کی آرائشوں میں بڑا فتور آ جائے گا۔ یہ دنیاے ظاہر کے وہ یقینیات ہیں جن کے بل پر اس کی ساری چہل پہل کا وجود ہے اور ان ہی سے اس کی ساری بہاریں قائم ہیں۔"(۱)

خالص ادبی آہنگ کے ساتھ علم وفن کے تقاضوں کی تکمیل کرتی یہ نثر ملاحظہ کریں:

"شعر میں ایک تو وزن وقافیہ کی پابندی ہوتی ہے، دوسرے کم لفظوں میں زیادہ معانی کو پرونا ہوتا ہے، تیسرے ثقالت اور تعقید لفظی ومعنوی سے بھی بچنا ہوتا ہے، چوتھے اس کے لیے شاعرانہ فطرت چاہیے یا طویل مشق وممارست۔ اسی لیے کسی مضمون کو شعری قالب میں ڈھالنا ہر ذی علم کو میسر نہیں ہوتا۔ پھر ایک عام نظم وغزل کی دنیا ہوتی ہے، جہاں شاعر اپنے خیالات واحساسات کا اظہار کچھ آزادی سے کرسکتا ہے، دوسری دنیا علمی مضامین کی ہوتی ہے جس میں شاعر دلائل اور مسلمات کا پابند ہوتا ہے، خصوصاً اگر کسی فن کی اصطلاحات کو اہل فن کے مطابق بیان کرنا ہے تو اس میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ ایک طرف اصطلاح کی پابندی، دوسری طرف وزن وقافیہ کی پابندی، تیسری طرف افہام وتفہیم کی صعوبت۔ اس لیے دیکھنے میں آتا ہے کہ

(۱) تقدیم، بزم اولیا، از: مولانا بدر القادری، مبارک پور، ۱۴۱۳ھ

شاعر نے کہیں حذف سے کام لیا، کہیں حشو سے خانہ پُری کی، کہیں سلاست سے دست بردار ہوا، کہیں تعقید میں گرفتار ہوا۔ کامیابی کے ساتھ اس میدان کو سَر کرنا بہت کم لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔"(۱)

غیر تخلیقی نثر جس میں معمولاتِ زندگی، ذاتی احوال وکوائف اور ممتاز افراد ورجال کا ذکر ہوتا ہے اس کے بے شمار نمونے تلاش کیے جا سکتے ہیں اور ان کا بیان ہو سکتا ہے۔ یہ نمونے ان تحریروں میں نظر آتے ہیں جو انھوں نے اپنے اساتذہ، ماضی قریب کے جید اربابِ علم وتحقیق، فقہا ومحدثین وغیرہم کی سیرت وسوانح پر لکھی ہیں یا ان خطوط میں جو انھوں نے ہندو پاک، مصر ولبنان وغیرہ ممالک کے محققین ومصنفین اور معاصرین واحباب کو ارسال کیے ہیں۔ اساتذہ میں جن پر مضامین ہیں ان میں استاذ جلیل حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، محقق زماں علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، مولانا قاری محمد عثمان اعظمی شامل ہیں۔ علما ومشائخ میں مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا نوری، احسن العلماء مولانا سید مصطفی حیدر حسن مارہروی، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، مولانا تحسین رضا بریلوی، مفتی شمس الدین احمد جعفری، اکبر المشائخ مولانا سید محمد اکبر چشتی، مفتی اشفاق حسین نعیمی، مفتی محمد اختر رضا ازہری، مفتی آفاق احمد مجددی، مفتی حبیب یار خاں، امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی، علامہ قمر الزماں اعظمی، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی پر ان کے مختصر اور مطول مضامین ہیں۔ بقیہ معاصر اہل قلم کی تصانیف پر لکھی گئی تقریظوں اور مقدموں میں بھی غیر تخلیقی نثر کے نمونے موجود ہیں۔ یہ تمام تحریریں "مقالات مصباحی" میں شامل ہیں۔

استاذ محترم حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اخلاقی محاسن پر لکھے گئے مضمون کا یہ اقتباس دیکھیں:

"دورِ طالب علمی میں ایک بار میں اشرفیہ میں بیمار پڑا، کسی طرح حضرت [حافظ ملت] کو معلوم ہو گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ

(۱) کلمۃ المجلس، نظم عقائد، از: مولانا سلمان رضا فریدی

حضرت خلاف معمول نیچے میرے کمرے میں تشریف لا رہے ہیں، قریب آئے، حال پوچھا، ہدایت کی اور دعائیں دے کر تشریف لے گئے۔ اسی طرح ایک بار بیمار ہو کر گھر آ گیا اور ایک ہفتہ کے بعد واپس ہو سکا تو وقت ملاقات فرمایا: تمھارے لیے بہت دعائیں کیں، مجھے معلوم ہو جاتا تو جانے نہ دیتا، یہیں علاج ہو جاتا۔''(۱)

اپنے برادرِ اصغر مفتی احمد القادری مصباحی [امریکہ] کو ایک خط [محررہ: ۲۷؍مارچ ۱۹۹۷ء] میں لکھتے ہیں:

''خط مرسلہ ۳؍مارچ ۱۹۹۷ء میں موصول ہوا، اس سے قبل والے خط کا جواب دے چکا ہوں۔ اس خط کو فیکس کرنے کی کوشش ایک ہفتے تک ہوتی رہی مگر ناکامی رہی، بالآخر ڈاک سے ارسال ہوا۔ یہاں جو فرسودہ نظام ہے اس میں فیکس اور فون سب پریشان کن ہے، ایک دن کراچی فون کے لیے رمضان میں کوشش ہوئی تھی تو تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا، شوال میں مولانا اقبال صاحب نے مبارک پور فون لگایا تو بڑی مشکل سے لائن ملی اور جب تک میں پہنچا لائن کٹ گئی، پھر انھوں نے کوشش کی مگر ناکامی رہی۔ اس طرح کے الم ناک حادثات معمول بن چکے ہیں۔ برطانیہ سے امریکہ ایک منٹ کے لیے صرف ۱۲؍پیسے میں کال ہو جاتی ہے، یعنی انڈین روپے سے سات روپے میں اور برطانیہ سے انڈیا ۶۵؍پیسے میں ہوتی ہے یعنی قریب چالیس روپے میں۔ اس کے بعد بھی اطمینان نہیں کہ گفتگو پوری ہو جائے۔''

خط کا یہ اقتباس اس لیے بھی منتخب کیا گیا کہ ذاتی احوال وکوائف کے ساتھ ساتھ اس سے بیسویں صدی کے دورِ اخیر میں ذرائع مواصلات کے سن طفولیت کا بھی اندازہ ہوتا

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۱۳

ہے۔ اور پھر اکیسویں صدی نے سائنسی ترقی کی فضائے بسیط میں جو چھلانگ لگائی ہے اس کے ہوش رُبا مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ مزید مثالیں بھی درج کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں اتنے پر بس۔

نثر کی تمام اقسام کی مثالوں کے تفصیلی جائزے کے لیے ان کی کتابوں، مضامین اور مکتوبات کا مطالعہ سودمند ثابت ہوگا اور یہ اندازہ بھی ہوگا کہ ان نثری نگارشات میں علم وادب کی کیسی کیسی جلوہ آرائیاں ہیں اور فکر وفن کا کیسا دبستان تشکیل دیا گیا ہے۔

اُسلوبِ تحریر:

جب علم وادب اور شعور وآگہی کی بے کرانی اور وفورِ شوق جمع ہو، ساتھ ہی کثرتِ مطالعہ کا جمال اور برسوں کی قلمی ریاضت کا حسن موجود ہو تو بندہ ایک خاص اسلوبِ تحریر کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہی طرزِ نگارش اس کی پہچان ہوتی ہے اور تحریر نگاہوں میں آتے ہی اس قلم کار کی تصویر ابھر آتی ہے۔ صاحب اسلوب ہونا بڑے کمال کی بات ہے اور یہ کمال پوری توانائی کے ساتھ استاذ گرامی کی تحریروں میں جلوہ گر ہے۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ کا اندازِ تحریر انتہائی عالمانہ، شگفتہ، شستہ اور رواں دواں ہے، اور موقع محل کی مناسبت سے ادبی رنگ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان کا کوئی مضمون پڑھیں یا کوئی مختصر تاثراتی تحریر، اسلوب کی روانی ایک سبک خرام ندی کا تصور دیتی ہے جو بے آواز بہتی چلی جاتی ہے اور بستیاں، کھیتیاں سیراب ہو جاتی ہیں۔ ان کی علمی وتحقیقی کتابوں کے طرزِ نگارش میں قطعیت اور معروضیت کا دھیما شور سنائی دیتا ہے جو قاری کے دل ودماغ کو قبول پر آمادہ کرتا ہے۔ آپ سنی سنائی باتیں اپنی تحریر میں درج نہیں کرتے، جب تک حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ جاتے انھیں آسودگی نہیں ہوتی اور وہ بات شامل تحریر نہیں ہو پاتی۔ اور حقیقت تک رسائی حاصل ہونے کے باوجود بھی اسے فوراً سپرد قرطاس نہیں کرتے بلکہ حقائق کی چھان پھٹک کے بعد ان کا تحلیلی جائزہ بھی لیتے ہیں کہ ماسبق محقق سے کوئی فروگزاشت تو نہیں ہوئی۔ جب یہ مرحلہ مکمل ہوتا ہے تب وہ باتیں قلم کے حصار میں قید کی جاتی ہیں۔

بات کسی نامی گرامی تاریخ نگار یا محقق ہی کی کیوں نہ ہو، ان کے یہاں مرعوبیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے یہ اسے بے دغدغہ قبول نہیں کر سکتے، بلکہ تحقیق حال ضروری گردانتے ہیں، بات خلاف واقعہ ہو تو معروضی انداز میں اس کی تردید کرتے ہیں اور شواہد بھی پیش کرتے ہیں یہ نہیں کہ ایسا میری تحقیق کے خلاف ہے یا میرے خیال میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے بھی یہ کوئی شاعری نہیں ہے کہ خیال بندی کو بنیاد بنا کر حقیقت کو پرکھا جائے۔ بلکہ یہ حقیقت ہے، جس میں تحقیق کے بعد خیال بندی کو ذبح کر دیا جاتا ہے اور زمینی سچ قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہاں جو کچھ ہے اور یجنل ہے اور اس کی بنیادیں انتہائی گہرائی میں اتری ہوئی ہیں۔

ان کی نثر نگاری کی سب سے ممتاز خوبی غیر مانوس اور الجھن پیدا کرنے والی تراکیب سے احتراز کرتے ہوئے انتہائی سادہ اور سلیس زبان کا استعمال ہے، جس میں اثر انگیزی بھی ہوتی ہے اور نفاست وشگفتگی بھی، علمی جلالت بھی رہتی ہے اور ادبی جمال بھی۔ یہ خوبی بہت کم نثر نگاروں میں نظر آتی ہے۔ اوروں کا علمی مقالہ انتہائی خشک اور بیجا تنقیدوں اور اپنوں کی شکایتوں سے بھرا ہوتا ہے، تمہیدوں میں ایک الجھاؤ کی سی کیفیت نظر آتی ہے، لیکن صدر العلماء کی تحریروں میں اس طرح کا نقص کم از کم ہمیں نہیں ملتا۔ یہاں ایک خاص قسم کا طربیہ بہاؤ ملتا ہے۔

ممتاز فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی رقم طراز ہیں:

> "ہمارے یہاں علمی کام کرنے والے اچھے نثر نگاروں کی بہت کمی ہے۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی جیسے اعلیٰ نثر لکھنے والے خال خال ہیں۔" (۱)

ان کے اسلوب نگارش کا ایک ممتاز پہلو یہ بھی ہے کہ شروع سے تا حال اس میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوا۔ ان کی تقریباً چوالیس برس کی علمی وادبی تحریریں راقم کی نگاہ سے گزری ہیں، آج سے چوالیس سال قبل جس انداز میں وہ لکھتے تھے آج بھی تقریباً وہی انداز

---

(۱) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا، از: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، پشت ورق، برکات رضا فاؤنڈیشن، ممبئی، ۲۰۰۷ء

باتی ہے۔ ان کی تحریروں میں نہ شروع میں ژولیدہ بیانی تھی، نہ اب ہے۔ بے پر کی جملہ بازی نہ ماضی میں تھی، نہ حال میں دکھائی دیتی ہے۔ الفاظ اور جملوں کی ثقالت نہ کل یہاں موجود تھی، نہ ابھی دکھائی دیتی ہے۔ ادبی آہنگ کل بھی تھا آج بھی ہے، تاریخیت کا جمال کل بھی تھا، آج بھی ہے، وفور علم اور زور قلم کل بھی تھا، آج بھی ہے۔ شگفتہ بیانی کا جلوہ کل بھی موجود تھا، آج بھی ہے۔ ایک خاص قسم کی روانی جو اکثر اعلیٰ پایہ ادیبوں کی ادبی تحریروں میں ملتی ہے وہ کل ان کے یہاں نظر آتی تھی آج بھی ہے، لیکن یہ نظر نظر کی بات ہے کسی کو وہ نظر آتی ہے اور کوئی چشم بینا نہیں رکھتا۔ اگر کوئی تحقیقی تحریر پڑھنی ہو یہاں مل جائے گی۔ ادبی مضمون دیکھنا ہو یہاں مل جائے گا۔ شعر فہمی کا خزانہ ملاحظہ کرنا ہو یہاں دیکھ سکتے ہیں۔ فقہی کمال اور اصولی جودت مشاہدہ کرنی ہو اس کے جلوے یہاں بکھرے نظر آئیں گے۔

ممتاز محقق ومصنف مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی لکھتے ہیں:

"عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ خالص درس گاہی اور دار الافتائی حضرات باغ وبہار اور طلسم ہوش ربا کے زمانہ کی اردوے معلیٰ لکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہ سہی لیکن کسی نہ کسی درجہ میں اس کو درست مانا جاسکتا ہے، تاہم اگر یہ قاعدۂ کلیہ ہی ہو تب بھی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح ہر قاعدۂ کلیہ سے کچھ جزئیات مستثنیٰ ہوتے ہیں اسی طرح اس قاعدہ سے دو لوگ مستثنیٰ ہیں (یہ میرا ناقص خیال ہے، ورنہ اس فہرست میں اور بھی نام ہو سکتے ہیں) ایک مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور دوسرے علامہ عبد الحکیم شرف قادری، ان دونوں حضرات کے قلم میں میں نے یہ خاص بات نوٹ کی کہ خالص درس گاہی ہونے کے باوجود یہ حضرات ایک شگفتہ اور معیاری نثر لکھنے پر قدرت رکھتے ہیں۔"(۱)

(۱) ماہنامہ جام نور، دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص: ۴۴، ۴۵

تقریباً سات برس قبل راقم الحروف نے حضرت صدر العلماء کی کتاب ''شرک کیا ہے؟'' کے پیش لفظ میں لکھا تھا:

''استاذ گرامی عمدۃ المحققین، خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ بے پناہ ذاتی خوبیوں، علمی کمالات، دینی خدمات اور فکری وفنی جمالیات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔ آپ بیک وقت ایک مشفق استاذ ومربی، متبحر عالم دین، بلند پایہ محقق، کامیاب مترجم، ماہر محشی اور صاحب طرز ادیب ومصنف ہیں۔ تحریر میں سلاست وشگفتگی، طرز خاص کی مطابقت اور قوت استدلال ومنطقی تجزیہ آپ کے امتیازات ہیں۔ آسان اسلوب کی حلاوت ذہن وفکر میں اس طرح گھل جاتی ہے کہ قاری دیر تک اس سے لذت اندوز ہوتا ہے اور نفس معانی کی کشش ایک زمانے تک اسے اپنا اسیر بنائے رکھتی ہے۔''[1]

محققین ادب نے اسلوب کی جو اقسام بیان کی ہیں وہ سب یہاں موجود ہیں۔ نثر سادہ بھی ہے، نثر مرصع بھی، استعاراتی لہجہ بھی ہے اور سادہ بیانی بھی، طنزیہ اسلوب بھی ہے اور حسن مزاح کا رنگ بھی۔ نثر مرصع کا جلوہ ملاحظہ فرمائیں:

''اس عالم رنگ وبو میں مہ وخورشید کی درخشانی، دریاؤں کی روانی، موجوں کی طغیانی، ستاروں کی تابانی، سیاروں کی گردش، نسلوں کی افزائش، اکتشاف وتحقیق کی کوشش، ثقافت وتمدن کے جلوے، کوچہ وبازار کے ہنگامے، کاخ وایوان کی زندگیاں، کشادہ فضاؤں اور جنگلوں کی نیرنگیاں، سبھی کچھ نگاہوں کے سامنے اپنی حیرت انگیز رفتار کے ساتھ گزرتے رہتے ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ بخت واتفاق کا کرشمہ ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

(۱) پیش لفظ، شرک کیا ہے؟ مطبوعہ ممبئی، ۲۰۱۴ء، ص: ۲

کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک قادر و توانا ہستی کے برپا کیے ہوئے مسلسل و مربوط نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ حسن ازلی نے جب چاہا کہ اس کی پرستش کی جائے، اس کی حمد وثنا اور مدح وستائش کے نغمے سنائے جائیں، اس کے جلووں سے دیدہ ودل آباد ہوں اور اس کے عشق وعرفان سے قلب وروح کا اضطراب وقرار برپا ہو تو اس کائنات رنگ وبو کو ظہور بخشا اور اس میں اپنے جلووں کو یوں عام کیا کہ چشم بینا ہو تو دیکھے، گوش شنوا ہو تو سنے، دل قابل ہو تو لطف اندوز ہو۔ پھر ایک وقت تک اس جہان بوقلموں کے قیام اور اس کی انواع گوناگوں کی بقا کا بھی حکیمانہ نظام کے تحت انتظام فرمایا۔‘‘(۱)

اس شگفتہ بیانی کی داد کیوں نہ دی جائے؟ ظاہری ملبوس میں کس قدر ادبی پاکیزگی اور فنی جمال موجود ہے اور باطن میں جو حقائق بحر بسیط کی مانند موجزن ہیں ان میں مبدا ومعاد، اللہ جل شانہ کی خلاقیت، اس کی بے پایاں کرم نوازی، نظام دنیا، کائنات کی تجسیم کاری، شاہکار قدرت کی رعنائی، نظام عبدیت کا نظم وضبط، کمال بندگی کا حسن اور عشق جاودانی کا سوز، سب کچھ یہاں موجود ومسطور ہے۔

امام احمد رضا قادری کے افتا کی ایک خصوصیت پر چوالیس سال قبل لکھے گئے مضمون کا ابتدائیہ دیکھیں:

’’امام احمد رضا مسائل کے جواب میں جہاں سائل کے فکر وعلم کا لحاظ فرماتے وہیں اس کی زبان کی بھی پابندی کرتے۔ سوال اگر اردو میں ہوتا تو جواب بھی اردو ہوتا۔ اور اگر فارسی میں سوال ہوتا تو فارسی میں ہی جواب دیتے اور اگر سوال عربی میں ہوتا تو عربی ہی میں جواب لکھتے۔ اور کمال زبان کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کی فارسی دیکھی جائے تو کسی

(۱) شادی اور آداب زندگی، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۷

قادر الکلام ایرانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی عربی دیکھے تو کسی فصیح اللسان عربی نژاد کا تصور سامنے آتا ہے۔ زبان کی برجستگی، بیان کی شیرینی، اسلوب کی لطافت، محاوراتِ اہل زبان کا استعمال اور ان سب سے بڑھ کر اصلاح وتاثیر کا نادر حسن سب جمع ہیں۔ جب کہ فقہی مضامین میں زبان وبیان کی ان خوبیوں کا قائم وباقی رکھنا انتہائی دشوار ہے۔"(۱)

چوالیس سال بعد بھی آپ کی نثر میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوا۔ وہی زبان، وہی اسلوب، طرزِ ادا کی دلکشی، ادیبانہ شان، ماہرانہ فن کاری کا جلوہ، موزوں اور فصیح الفاظ وعبارات کے انتخاب میں ایک خاص خوش سلیقگی، سب کچھ باہم شیر وشکر ہیں۔ ایک بالکل تازہ تحریری خطبۂ صدارت کا یہ اقتباس دیکھیں اور پھر دونوں تحریروں کا موازنہ کریں:

"قرآن اسلامی اصول وفروع کا پہلا ماخذ، علوم دینیہ کا سرچشمہ اور بہت سے علوم وفنون کا مصدر ومنبع ہے۔ دنیا ابتداے نزول سے آج تک اس سے اکتساب فیض کرتی آئی ہے۔ اور یہ لوگوں کے ظرف، ان کی ہمت اور ان کی ظاہری وباطنی صلاحیت کے مطابق ہر دور میں انھیں سیراب کرتا آیا ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور بکرمہ وعونہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا۔

قرآن اور رسول کائنات علیہ الصلوات والتحیات کا اصل احسان یہ ہے کہ انھوں نے بھٹکے ہوئے اور جہالت میں ڈوبے ہوئے جن وانس کو راہِ حق سے ہم کنار کیا، اس کے ساتھ خاص عرب پر بھی قرآن کا ایک بے نظیر احسان ہے، وہ یہ کہ عرب خواہ اسلام سے وابستہ ہوں یا نہ ہوں مگر قرآن نے ان کی عربی زبان کو بقاے دوام عطا کردی۔"(۲)

---

(۱) ماہ نامہ پاسبان، الہ آباد، شمارہ جولائی ۱۹۷۹ء، ص: ۱۳

(۲) خطبۂ صدارت، انوار قرآن سیمینار، کشی نگر، ۱۸؍ مارچ ۲۰۲۰ء، ص: ۲، ۳

دونوں تحریروں کی ابتدائی سطریں یہاں پیش ہوئیں، تفصیلی موازنے کے لیے پوری تحریر کا مطالعہ فرمائیں۔ نوجوان محقق و ادیب ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی [مالیگاؤں] نے اپنی ایک مختصر تحریر میں حضرت صدر العلماء کے نثری امتیازات اور اسلوب تحریر پر روشنی ڈالی ہے، خلاصہ کلام کے طور پر ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''علامہ محمد احمد مصباحی کے موئے قلم سے نکلی ہوئی تحریریں اردو کے نثری اثاثے میں گراں قدر اضافے سے کم نہیں۔ آپ کا طرزِ تحریر بڑا عمدہ، شگفتہ، سلیس، رواں دواں اور ادبی حسن و جمال سے مملو ہے۔ آپ ایک صاحب طرز ادیب ہیں، آپ کا اسلوب منفرد ہے، بیان کی سادگی، برجستگی، پختگی اور توضیح آپ کی نثر کا خاص وصف ہے، تصنع اور بناوٹ ان کے یہاں نام کو بھی نہیں ہے، وہ کوئی مضمون تکلف سے نہیں لکھتے، پیچیدگی کا ان کے یہاں گزر نہیں۔ ابہام انھیں پسند نہیں، ہر جگہ وضاحت و صراحت نمایاں ہے۔ سیدھے سادے جملے، سیدھے سادے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی نثر غیر معیاری نہیں ہے بلکہ ہر جگہ معیاری لب ولہجہ اور مستند زبان و بیان کی پاسداری ملتی ہے اور یہ چیز ان کی وسعتِ مطالعہ کا پتا دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ محمد احمد مصباحی کا مطالعہ بہت وسیع ہے، ان کی نثر میں سادگی کے ساتھ پُرکاری بھی ہے۔ ان کی تحریروں کی زیریں رو میں ادبی جمالیات کا ایک لہریں لیتا دریا رواں دواں ہے جو اہل ذوق کو سرشار کرتا چلتا ہے۔ قرآنی آیات، تفاسیر، احادیث کریمہ، سیرت طیبہ، تاریخ کے حوالوں سے آراستہ تحریریں بھی ایسی تازہ کاری اور ادبی علو سے ہم رشتہ ہیں کہ قاری کو بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔ روزمرہ اور محاورات کا برجستہ استعمال کرتے ہوئے اجمال میں تفصیل کا ابلاغ بھی آپ کی نثر کی بہت بڑی خوبی ہے۔''(۱)

جنھیں حقیقت حال کا مشاہدہ کرنا ہو وہ از خود ہمت کریں اور ان کی کتابوں، مضامین اور تحریری خطبات کے سمندر میں اتر جائیں۔

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۲۳ر جون ۲۰۲۰ء، روز سہ شبہ

اختصار نویسی:

عربی کی مشہور مثل ہے: خیر الکلام ماقل و دل۔ بہتر کلام وہ ہے جس میں الفاظ کم ہوں اور معنی خیزی زیادہ ہو۔ لیکن یہ خوبی ہر کس و ناکس کو نہیں حاصل ہوتی اور نہ بہت جلد کسی میں پیدا ہو جاتی ہے، اس کے لیے حد درجہ مشق و ممارست اور عرصۂ دراز تک قلمی و زبانی ریاضت لازم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو جوامع الکلم قرار دیا گیا ہے، ایجاز و اختصار اور جامعیت کے اعلیٰ نمونے احادیث نبویہ میں موجود ہیں۔ دنیا بھر کی قدیم و جدید نثر و نظم کا مطالعہ کر لیا جائے ایسے نمونے خال خال نظر آئیں گے جن میں اختصار و جامعیت کا حسن و جمال منعکس ہو۔

دنیا کی سب سے باثروت زبان ''عربی'' ہے، اسی لیے اس کا دائرۂ اثر بھی پوری دنیا کو محیط ہے۔ اس آسمان میں لاکھوں لاکھ الفاظ و تراکیب کی کہکشاں موجود ہے اور زبان و بیان کا ہر رنگ جھلک رہا ہے۔ اعلیٰ نثر و نظم کی جس قدر جامع مثالیں عربی زبان میں ملیں گی کسی اور زبان کو یہ کمال میسر ہی نہیں۔ ہزاروں محاوروں اور ضرب الامثال کے خوش نما گل بوٹے اس چمن کو لالہ زار بنائے ہوئے ہیں، یہ گلستان مہک رہا ہے اور اس کی خوشبو ہر طرف بکھری ہوئی ہے۔ اب جو زبان شناس ''عربی زبان'' کی نگارشات کا جس قدر زیادہ مطالعہ کرے گا اس کے شعور میں اسی قدر زبان دانی گھر کرتی جائے گی اور تحت الشعور مالا مال ہوتا جائے گا۔ قرآن و احادیث کا مطالعہ جہاں ایک کائناتِ معنی کا پتہ دیتا ہے اور حقائق و معارف کا ایک خزانہ دریافت ہوتا ہے وہیں ان سے زبان و بیان کے اعلیٰ، معیاری نثری نمونوں کی دلکشی بھی دامن دل کھینچتی ہے اور مطالعہ کرنے والے کے دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ انسان میں جس قدر اخذ و استفادہ کی صلاحیت ہوگی اثر و نفوذ کی رفتار بھی اتنی ہی تیز ہوگی۔ اس لیے قرآن کا علمی و ادبی مطالعہ بھی کرنا چاہیے اور اس کے اسلوب و آہنگ کا اثر قبول کرنا چاہیے۔

جب ہم حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن و احادیث سے ان کا شغف تام نظر آتا ہے۔ بلا ناغہ قرآن کی تلاوت ان کا محبوب مشغلہ

۷- مفتی محمد رئیس اختر مصباحی رقم طراز ہیں:

"حضرت صدر العلماء، دام ظلہ العالی قرآن کریم سے والہانہ محبت فرماتے ہیں، جس کے جلوے آپ کی زندگی میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ قرآن سے آپ کی شیفتگی کا عالم یہ ہے کہ کیسی بھی مصروفیت ہو، کیسا بھی انہماک ہو، پابندی کے ساتھ روزانہ تلاوت فرماتے ہیں اور اس سے متعلق علوم سے بھی گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔"(۱)

یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار وعمل میں قرآن اور اسوۂ رسول کا جلوہ نظر آتا ہے اور زبان وبیان میں قرآنی اسلوب کا رنگ بھی۔ آپ کی قلمی زندگی پر نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن تحریری ذوق وشوق کی فراوانی اور علمی وادبی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ ضرور خیال کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پچاس سے زائد کتابیں اور دو سو سے زائد مضامین تحریر کیے ہوں گے؟ لیکن تحریر وتصنیف میں صبا رفتاری کے باوجود پچاس سے زائد مضامین، تین درجن کے قریب کتب ورسائل اور ساٹھ کے قریب دیگر مصنفین کی کتابوں پر تقدیم وتقریظ اور عربی اردو خطوط ان کی قلمی یادگاریں ہیں۔ یہ کمیت میں کم ہوسکتی ہیں لیکن کیفیت میں بہت زیادہ ہیں اور ایجاز وجامعیت میں ان کا جواب نہیں۔

جن لوگوں نے ان کی کتابوں، مضامین، تقدیم، تقریظ وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے انھیں بہ خوبی اندازہ ہوگا کہ وہ تحریریں کس پایہ کی ہیں اور ان میں انشا پردازی کی کیا کیا خوبیاں موجود ہیں۔ ساتھ ہی وہ اختصار وجامعیت کے کس رنگ وآہنگ سے آراستہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد کلیم اللہ برکاتی اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں رقم طراز ہیں:

"موصوف [مولانا محمد احمد مصباحی] ایک صاحب طرز ادیب ہیں۔ آپ کی تحریریں اختصار اور جامعیت کا دلکش نمونہ ہوتی ہیں۔

(۱) سوانح، مقالاتِ مصباحی، ص: ۲۲

جب رَو میں آتے تو اس وقت آپ کی تحریریں لائق دید ہوتی ہیں۔... انھوں نے اپنے اشہب قلم سے دین وادب کی عظیم خدمت انجام دی ہے جسے کوئی بھی دیانت دار شخص نظر انداز نہیں کرسکتا۔'' (۱)

اختصار نویسی کی اسی خوبی کی بنیاد پر مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے فقہی سیمناروں میں فیصلہ قلم بند کرنے کی ذمہ داری نبھاتے ہیں، کیوں کہ فیصلوں میں اختصار وجامعیت دونوں چیزوں کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ اس بارے میں ناظم مجلس مفتی محمد نظام الدین رضوی کے کلمات نقل کیے جاچکے ہیں۔

مولانا بدرالدین احمد رضوی کی کتاب ''فیض الادب'' دوم میں اعداد کے چند قوانین ضروریہ تقریباً اٹھارہ سطروں میں مع مثال بیان کیے گئے ہیں۔ جو مبتدی طلبہ کے لیے حد درجہ مفید ہیں، اس پر حضرت صدر العلماء نے چار سطروں کا ایک مختصر وجامع حاشیہ لکھا ہے:

''حاصل یہ کہ ثلاث سے تسع تک [اعداد] ہمیشہ معدود کے خلاف ہوں گے، معدود اگر مذکر ہو تو یہ اعداد مؤنث ہوں گے اور معدود اگر مؤنث ہو تو یہ مذکر ہوں گے، خواہ ان کے ساتھ دہائی ہو یا نہ ہو۔ احد اور اثنان ہمیشہ معدود کے موافق ہوں گے۔ دہائیاں عشرون تا تسعون مذکر ومؤنث کے لیے یکساں ہوں گی۔ اسی طرح مأۃ وألف مذکر ومؤنث کے لیے یکساں ہوں گے۔ رہ گیا لفظ عشرۃ، یہ اگر اکائی کے ساتھ ہو تو معدود کے موافق ہوگا، تنہا ہو تو معدود کے خلاف ہوگا۔'' (۲)

مولانا محمد عاقل مصباحی نے شرح تہذیب لکھی، دوران تدریس راقم الحروف کی نگاہ سے ایک بحث کی تلخیص گزری جسے حضرت صدر العلماء نے انتہائی آسان اور شگفتہ انداز میں ملخصاً تحریر فرمایا ہے لیکن اس کی جامعیت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا ہے۔ منطق کا فن اور

---

(۱) اردو ادب کے فروغ میں فرزندانِ جامعہ اشرفیہ کا حصہ، مقالہ قلمی، ص: ۲۹۶

(۲) حاشیہ فیض الادب، دوم، طبع مجلس برکات، اگست ۲۰۱۲ء، ص: ۲۳

سہل نگاری قابل داد بھی ہے اور لائق استفادہ بھی۔ یعنی یہ مختصر نویسی نہ ابہام پیدا کرتی ہے نہ ایہام، بلکہ یہ اسلوب تقریب فہم میں معاون ہوتا ہے۔

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی [سابق صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی۔ موجودہ شیخ الحدیث دار العلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، ضلع سلطان پور] نے شمس العلماء مفتی شمس الدین احمد جعفری علیہ الرحمہ کے شہر جون پور اور مدرسہ حنفیہ کی ایک مختصر تاریخ لکھی اور حضرت صدر العلماء سے اس پر تقریظ لکھنے کی فرمائش کی۔ آپ نے کتاب ملاحظہ کی اور یہ مختصر تقریظ رقم فرمائی:

مبسملاًو حامداًو مصلیاًو مسلماً

شمس العلما نمبر کی مناسبت سے محب گرامی حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی نے شمس العلما کے شہر جون پور اور وہاں کے قدیم تعلیمی ادارے مدرسہ حنفیہ کی اجمالی تاریخ اور کچھ تفصیلی احوال رقم کر کے بڑا کرم کیا۔ اس اجمال میں بھی بہت سے نادر و نایاب یا کم یاب نقوش سامنے آجاتے ہیں۔ رب کریم مولانا موصوف کے فیوض و برکات کو مزید وسعت و فروغ عطا فرمائے، آمین۔ (۱)

اس مختصر تحریر میں غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ کتاب کے تعارف کے ساتھ مصنف کی حوصلہ افزائی بھی ہے اور شمس العلماء نمبر کی اشاعت پر خوشی کا اظہار اور مصنف کے لیے دعا بھی ہے۔ پھر ''وسعت وفروغ'' میں جو لفظی تفنن برتا گیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

محب گرامی مولانا اظہار النبی حسینی مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ] نے ''علامات امام مہدی'' کے نام سے ایک عربی کتاب کا اردو ترجمہ شائع کرایا اور حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ بعد مطالعہ انھوں نے سرورق کی پشت پر ایک مختصر تحریر لکھ کر مترجم کو عنایت کی جس میں ان کے علمی وقلمی کاموں کی ستائش اور ان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ چند قیمتی مشورے بھی

(۱) محمد احمد مصباحی [۲۲ رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۸ مارچ ۲۰۲۰ء، چہارشنبہ]

موجود ہیں، ملاحظہ کریں:

''کتاب کا ترجمہ پسند آیا، خصوصاً آپ کا تحقیقی، تفصیلی، تفہیمی مقدمہ، جزاک اللہ ووفقک للمزید مما یحبہ ویرضاہ. کچھ غلطیوں پر میں نے نشانات لگادیے ہیں ان کی تصحیح ہوجانی چاہیے۔ کوئی بات نہ سمجھ میں آئے تو زبانی دریافت کرلیں۔ میرا خیال ہے کہ برہان اور اس کے مآخذ میں کتب حدیث وغیرہ کے حوالے بھی تفصیلاً ہوں گے، آپ نے ان کو حذف کردیا اور کوئی نشان دہی بھی نہ کی۔''(۱)

سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کی کتاب ''عصمت انبیا'' ملاحظہ کرنے کے بعد ان جملوں میں تصدیق فرمائی:

''جزاک اللہ من فاضل، أجدتَ التحقیق، و أنعمتَ التدقیق، وأحسنتَ الترتیب والاستنباط، و کشفتَ الحق ودرأتَ اللبس، فیضک اللہ وایانا لما یحبہ ویرضی بہ، نعم المولیٰ ونعم النصیر.''(۲)

یہ ان کی اختصار نویسی کے نادر ودلکش نمونے ہیں جو اپنی معنی خیزی اور جامعیت کا جواب نہیں رکھتے۔ اللہ اُن کے اَمثال پیدا فرمائے اور ہمیں ان کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہونے کا خوب خوب موقع عنایت فرمائے، آمین۔

ابھی یہ جملے زیب قرطاس ہو رہے تھے کہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی ایک تحریر نگاہوں کے سامنے آئی جس میں آپ نے اہل سنت کے جماعتی مسائل سے مندوبین فقہی سیمینار کو آگاہ فرمایا ہے، ان مسائل میں ایک ادبی مسئلہ بھی تھا:

''اسی طریقہ سے ادبی میدان اور ادبی محکمے ہیں۔ ہمارے

---

(۱) محمد احمد مصباحی [۱۵؍ جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۴؍ مارچ ۲۰۱۸ء]

(۲) محمد أحمد الأعظمی المصباحی [۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۹؍ اکتوبر ۱۹۹۲ء]

یہاں اہل قلم بہت سے ہیں لیکن جب اہل ادب کے طرز پر لکھا جائے یعنی عام ادبی موضوعات پر کسی کی تحریریں ہوں، نظم میں، نثر میں تو اہل ادب کا مرکز توجہ بنتی ہے، وہ ان پر اپنے خیالات کا ظہار کرتے ہیں اور لکھنے والوں کو اُدبا کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں صاحب طرز اور صاحب اسلوب شخصیتیں موجود ہیں لیکن اُدبا میں ان کا شمار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود ان محکموں میں ہوں اور اپنا تعارف کرانے کی کوشش کریں اور ہمارے جو افراد وہاں پہنچے ہوئے ہیں ان سے ہمارا رابطہ ہو۔''(۱)

بر سبیل تذکرہ یہ اقتباس نقل کر دیا کہ اس سے حضرت کے ادبی نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ایک تو ہمیں مذہبی مواد بھی ادبی انداز میں لکھنا چاہیے تاکہ وہ تحریریں ارباب علم تک پہنچیں اور ان کے پراگندہ فکر وذہن کا میل دور ہو۔ دوسرے یہ کہ ادبا کی فہرست میں ہم بھی شمار کیے جائیں اور ادبی تاریخ میں ہمیں جگہ دی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے ادب اور مذہب کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور مذہبی تحریروں کو ادب کے زمرے میں شامل نہیں کرتے لیکن اچھی ادبی تحریریں انھیں مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اسے ادب مانیں اور تاریخ ادب میں انھیں قرار واقعی مقام دیں۔ زبان وادب پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ ادب ہے کیا؟ اس سلسلے میں استاذ احمد حسن زیات لکھتے ہیں:

''کسی زبان کے شعرا ومصنفین کا وہ نادر کلام جس میں نازک خیالات وجذبات کی عکاسی اور باریک معانی ومطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اس زبان کا ''ادب'' کہلاتا ہے۔ اسی ادب کی نفس انسانی میں شائستگی، اس کے افکار وخیالات میں جلا، اس کے احساسات میں نزاکت وحسن اور زبان میں سلاست وزور پیدا ہوتا ہے۔ ادب کا

(۱) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء، ص: ۴۷

اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو کسی علمی یا ادبی شعبے میں تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس لحاظ سے گویا لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے جو محقق علما کے انکشافات، مضمون نگاروں کے افکار، شاعروں کے انوکھے تخیلات اور نازک تصورات پر مشتمل ہوں۔"(۱)

اس خیال کی روشنی میں دیکھا جائے تو یقینی طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی علمی وتحقیقی تحریروں میں ادبی حسن اور فنی جمال موجود ہے اور ان کی سادہ، سلیس، شگفتہ نثر ادبِ عالی کا عمدہ انتخاب بن سکتی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ادبی دنیا میں ان کا تعارف ایک باکمال ادیب وسخن ور کی حیثیت سے کرائیں۔

ترجمہ نگاری:

ترجمہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں معروف محقق و ماہر ادبیات ڈاکٹر سلیم شہزاد لکھتے ہیں:

"ترجمہ: ایک زبان کے تکلمی یا تحریری خیالات کو دوسری زبان میں اس کے قواعد واصول کے مطابق تبدیل کرنا۔ ترجمہ بین لسانی ترسیل کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے دو بالکل مختلف زبانوں کے گروہ یا دو افراد ایک دوسرے کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ ترجمہ پوری طرح ایک زبان کے خیالات کو دوسری زبان میں منتقل نہیں کرسکتا مگر یہ نہ صرف معاشرتی، معاشی، مذہبی اور سیاسی لحاظ سے سودمند ہوتا ہے بلکہ مختلف زبانوں کے ادب کے تراجم سے ان زبانوں کے افراد کے باطنی کیفیات کو بھی کسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے۔"(۲)

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا انتہائی دقت طلب علمی کام ہے، جو اعلیٰ

---

(۱) تاریخ ادب عربی، مترجم عبدالرحمن طاہر سورتی، قاری پبلی کیشنز، ص: ۴۹

(۲) فرہنگ ادبیات، طبع مالیگاؤں، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳۰

درجہ ژرف نگاہی اور محنت شاقہ کا متقاضی ہے۔ ترجمہ نگاری حد درجہ مشق وممارست اور طویل ریاضت کا شغل ہے، جس کے لیے زبان وبیان کی مہارت اور لغت واعراب کی اعلیٰ سوجھ بوجھ درکار ہے۔ محض لفظی ترجمہ بھی ایک ادبی کام ہے مگر کسی تحریر کا بامحاورہ، سلیس، ادبی اور اعلیٰ پایہ علمی ترجمہ پتے کو پانی کرنے جیسا ہے۔ ترجمہ میں ایک زبان کی عبارت کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کیا جاتا ہے کہ دونوں عبارتیں معنی ومفہوم اور اثر وتاثیر میں یکساں ہو جائیں۔ ترجمہ علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کی ترسیل کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم ترجمہ کی اہمیت پر خامہ فرسا ہیں:

> ”ترجمے کے ذریعے علم وفن کے میدانوں میں انسانی فتوحات ہم تک پہنچتی ہیں۔ اگر انسان ترجمے کے فن کا استعمال نہیں کرتا تو ہماری علمی روایات ہزاروں سال پیچھے رہ جاتی ہیں۔ مترجموں نے اپنی جد وجہد سے ہر قدم پر انسانی علم میں اضافہ کیا ہے، ترجمے کے ذریعے ہی ایک مخصوص ملک کسی بھی جغرافیائی علاقے اور کسی بھی خاص قوم کے حالات اور اس کے علوم وفنون حاصل کر کے تمام دنیا تک پہنچتے ہیں۔“(۱)

ایک کامیاب ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصل زبان اور ترجمہ کی زبان دونوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ اس کی زنبیل فکر میں دونوں زبانوں کا ڈکشن محفوظ ہو۔ وہ دونوں زبانوں کی بنیادی اصطلاحات، محاروات اور تراکیب سے خوب آشنائی رکھتا ہو، ساتھ ہی اسے ان زبانوں کے نحوی، صرفی، اعرابی، اصولی، فروعی، ابلاغی وترسیلی قاعدوں پر خاطر خواہ دسترس ہو۔ زبان وبیان اور اسلوب وآہنگ کی نزاکتوں، ادبی شعور، فکری بصیرت، مطالعاتی تدبر اور رموز فن پر کامل طور پر آگاہ ہو۔ بیان مفہوم ومعنی میں نہ وہ بخیل ہو نہ حد درجہ فراخ دل، بلکہ لفظ ومعنی کی تشکیل وترتیب میں توازن واعتدال کا کمال رکھتا ہو اور اس کا ترجمہ طوالت واملال اور اطناب واخلال سے پاک ہو۔ شائستہ اسلوب اور آسان زبان میں

---

(۱) ڈاکٹر خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، دہلی، ۱۹۹۵ء

کیا گیا ترجمہ کامیاب مانا جاتا ہے۔ کیوں یہ ترسیل وتاثیر کی خوبیوں سے مالا مال ہوتا ہے۔

مواد کے اعتبار سے ترجمہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) علمی ترجمہ (۲) ادبی ترجمہ (۳) صحافتی ترجمہ۔

طرزِ ادا اور اسلوب نگارش کی بنیاد پر ترجمہ مزید تین اقسام رکھتا ہے:

(۱) لفظی ترجمہ (۲) آزاد ترجمہ (۳) معتدل ترجمہ۔

علمی اور لفظی ترجمہ کا عمل مذہبی اور سائنسی علوم میں ہوتا ہے، جب کہ ادبی اور آزاد ترجمہ کے اندر محاورہ، تشبیہ، صرب المثل اور استعارہ کا استعمال ہوتا ہے۔ صحافتی ترجمہ کا مقصد بالکل واضح ہے۔

ترجمہ بھی ایک ادبی صنف کا درجہ پا چکا ہے اور اس کا شمار بھی زبان وعلم کی خدمت کے طور پر ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے ترجمہ، اصل زبان میں کوئی تحریر لکھنے سے زیادہ مشکل اور اہم ادبی کارنامہ ہے۔ دنیا بھر میں موجود اقوام وملل اور ان کی اقدار وروایات، اور بے شمار علوم وفنون کا فروغ وابلاغ ترجمہ ہی کے ذریعے ممکن ہوا۔ اسی میڈیم سے مذہبی ادب کا ایک بڑا سرمایہ ہم تک پہنچا اور ہم نے اس سے استفادہ کیا۔ عالمی زبانوں کا ادبی خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک منتقل ہوا، اور ان زبانوں کی شعری ونثری اصناف سے ہم آشنا ہوئے۔ اس لیے ادب کی تاریخ میں تراجم اور مترجموں کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے اور زبان کی تاریخ میں بھی ایک مستقل باب ترجمہ کی زبان پر مشتمل ہوتا ہے۔

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی ایک کامیاب ترجمہ نگار ہیں اور ان کی مترجمہ تحریریں بھی ادبی آہنگ رکھتی ہیں۔ جو رنگ ان کی اوریجنل نثر نگاری کا ہے وہی ان کے ترجمہ کا بھی ہے۔ آپ عربی، فارسی اور اردو زبانوں کی ادبیات سے کما حقہ آگاہ ہیں اور ان زبانوں میں کسی بھی فن کی تحریر وتقریر سے اچھی طرح واقف ہیں۔ علامہ محمد صدیق ہزاروی سابق استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور لکھتے ہیں:

''آپ [مولانا محمد احمد مصباحی] قدیم وجدید علوم کے ماہر، کئی علمی وتحقیقی کتب کے مصنف ومترجم ہیں۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد رسائل اور فتاویٰ کو ترجمہ، تحقیق اور تحشیہ کے بعد عام اردو خواں حضرات کے لیے آسان بنا چکے ہیں۔''(۱)

عربی زبان وادب میں آپ کی مہارت پر کئی حوالے گزر چکے ہیں۔ بلند پایہ مصنفین ومحققین نے آپ کی نثر نگاری کا اعتراف کیا ہے، ادبی فنون اور لسانی نزاکتوں سے کامل آگاہی کی گواہ آپ کی وہ تمام علمی وادبی تحریریں اور تصانیف ہیں ہند وپاک کے ارباب کمال اور ماہرین فن نے جن کی ادبی وعلمی حیثیت کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی [استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ] کا تاثر ماسبق میں نقل ہو چکا ہے۔

زبان وادب کی مہارت میں ایک زمانہ درکار ہوتا ہے اور طویل مشق وریاضت لابدی ہوتی ہے جبھی کوئی قلم کار اچھا ادب پیش کرتا ہے اور فنی اعتبار سے اس کی تحریریں مکمل ہوتی ہیں۔ حضرت صدر العلماء نے کئی اہم عربی، فارسی تحریروں اور رسائل کا اردو، عربی زبانوں میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے فکری وفنی کمال کے اردگرد تین زبانیں یکساں گردش کرتی ہیں اور علوم وفنون تو درجنوں ہیں جن سے ان کے افکار روشن ہیں اور ان کی تصنیفات میں وہ علوم وفنون مجلاً نظر آتے ہیں۔

''مقالات مصباحی'' کے مقدمے میں راقم الحروف نے ان کی ترجمہ نگاری سے متعلق لکھا ہے:

''ان کی ترجمہ نگاری بھی عجب شان وامتیاز رکھتی ہے۔ عربی وفارسی سے اردو ترجمہ دیکھیں تو ان پر اصل کا گمان گزرتا ہے۔ مثال میں فتاویٰ رضویہ، جلد اول [باب التیمم تا آخر]. کی فارسی وعربی عبارتوں کا شاندار ترجمہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا

(۱) پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ، مترجم، رضا فاؤنڈیشن لاہور، اگست ۱۹۹۱ء، ص:۸، ج:۳

قادری کے فارسی قصیدے ''اکسیر اعظم'' اور اس کی فارسی شرح ''مجیر معظم'' کا اردو ترجمہ ایک شاہ کار کا درجہ رکھتا ہے۔ جد الممتار پر عربی مقدمے کا اردو ترجمہ بھی اسی امتیاز کو نمایاں کرتا ہے۔ یوں ہی اردو تحریر وفتاویٰ کا عربی ترجمہ بھی مستقل تحریر کو اُجالتا ہے، اس کی بھی مثالیں جد الممتار جلد اول و دوم میں مل جائیں گی، بطور خاص جلد دوم میں امام احمد رضا قادری کے دو مستقل رسالے ''عباب الأنوار أن لا نکاح بمجرد الاقرار'' اور ''ھبة النساء فی تحقق المصاھرة بالزنا'' کا عربی ترجمہ۔ ان تراجم میں سلاست و برجستگی بھی ہے اور شان ایجاز بھی، حسن ادب بھی ہے اور جمال بلاغت بھی، شگفتگی بھی ہے اور معنویت بھی، بیان کی شوکت بھی ہے اور اسلوب و اظہار کی ندرت بھی۔ یہ تحریریں بالکل سپاٹ ہیں نہ دقیق وفلسفیانہ۔ ان میں دوراز کار تعبیرات ہیں نہ غیر منطقی نتیجے۔ بلکہ ایک ایسا لطیف رنگ و آہنگ کہ زبان کو بھی بھلا معلوم ہو اور دل کو بھی چھو جائے۔ یہاں جو کچھ ہے نتیجہ خیزی کی خوبی سے مالا مال ہے۔ ژولیدہ بیانی اور الجھاؤ تو نام کا بھی نہیں۔''(۱)

جب آپ نے فتاویٰ رضویہ کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ کیا اور وہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور کے ذمہ داران اور جامعہ نظامیہ رضویہ کے اساتذہ نے پڑھا تو تحسین آمیز کلمات سے یاد کیا۔ اس سلسلے میں ادارہ کے ناظم مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''فتاویٰ رضویہ کے تیسری جز کے لیے آپ سے درخواست کی وجہ آپ کی ذات کے متعلق ہمارا یہ اعتمادِ صادق ہے کہ علوم وفنون پر مشتمل دقیق عبارات کے ترجمہ کے لیے ضروری جامعیت اور استعداد

(۱) مقدمہ، مقالاتِ مصباحی، ص: ۶

آپ کو حاصل ہے۔ اس پختہ نظریہ کے بعد ترجمہ کا جائزہ یا اس پر تبصرہ بے مقصد تھا، تاہم رسمی تحسین سے اس لیے گریز کیا گیا کہ جس شخصیت کے خلوص کا یہ عالم ہو کہ وہ اِس خدمت کے اظہار تک کو پسند نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ تحسین کے رسمی الفاظ کو پسند نہ کرے، حالاں کہ میں نے اور مولانا محمد عبد الحکیم [شرف قادری] سمیت جامعہ [نظامیہ رضویہ، لاہور] کے قابل ذکر علما نے اس ترجمہ کو پسند کرتے ہوئے سلیس، بامحاورہ، فنی اصطلاحات کی پاسداری کرتے ہوئے عبارات کا مکمل ترجمہ قرار دیا ہے۔ تاہم شکر ادا کرنا اخلاقی فرض ہے، اس لیے میں اور میرے ساتھی علمائے کرام آپ کے پرخلوص تعاون پر شکر گزار ہیں۔"(۱)

دسمبر ۲۰۱۱ء میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے امام احمد رضا قادری کے فارسی قصیدے "اکسیر اعظم" [۱۳۰۲ھ] اور اس کی فارسی شرح "مجیر معظم" [۱۳۰۳ھ] کا اردو ترجمہ مکمل کیا تو اس کا تاریخی نام "تابِ منظم" [۱۴۳۳ھ] رکھا۔ دسمبر ۲۰۱۲ء میں یہ ترجمہ المجمع الاسلامی، مبارک پور اور رضا اکیڈمی، ممبئی سے شائع ہوا۔ عرض مترجم سے ایک دلکش ادبی اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"دونوں ترجموں کا میں نے ایک تاریخی نام "تاب منظم" [۱۴۳۳ھ] تجویز کیا۔ نام مناسب ہوا یا نہیں؟ یہ ناقدین جانیں۔ میری نظر میں یہ ہے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے اکسیر اعظم اور مجیر معظم دونوں علمی وادبی موتیوں کا دلکش مجموعہ ہیں، خصوصاً اول، جو صورۃً بھی منظوم ہے اور اسی کی تنویر شرح میں ہے اور انھی دونوں کی روشنی ترجمے میں بھی جلوہ فشاں ہے۔ پھر اعظم و معظم کا قافیہ بھی مل جاتا ہے اور

---

(۱) مکتوب مفتی عبد القیوم ہزاروی، محررہ: ۲۷ ر ربیع الاول شریف ۱۴۱۰ھ

مجموعے سے صحیح تاریخ بھی نکل آتی ہے۔ تسمیہ کے لیے اتنی مناسبت اور صحت کافی ہے۔ والعظمۃ للہ۔"(۱)

طباعت سے قبل یہ ترجمہ بابائے فارسی مولانا سیف الدین شمسی [سابق استاذ شمس العلوم، گھوسی، مئو۔ متوفیٰ: ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۴ر جنوری ۲۰۱۸ء] کی نگاہ سے بھی گزرا ہے جنھیں فارسی ادبیات عالیہ کے درس وتدریس کا چالیس سالہ تجربہ تھا۔ کتاب پر ان کا تحریری تاثر بھی ہے، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت [مولانا محمد احمد] مصباحی صاحب ایک کہنہ مشق مصنف اور بہترین صاحب قلم ہیں، اب تک متعدد علوم وفنون میں آپ کی تصانیف اور مضامین منظر عام پر آکر صاحبان علم وفن سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ موصوف "رضویات" کے باب میں بھی گہری بصیرت ومہارت رکھتے ہیں۔ چناں چہ ترجمۂ اکسیر اعظم ومجیر معظم میں ان کی یہ شان بھی جلوہ گر ہے۔

برادر موصوف نے لفظی رعایت کے ساتھ بہت ہی فصیح وبلیغ ترجمہ کیا ہے۔ روانی اور سلاست ایسی کہ ترجمہ کے بجائے متن کا گمان ہوتا ہے، کسی قسم کی خشونت اور غرابت کا احساس نہیں ہوتا، نہایت عمدہ، سلیس، اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ پڑھنے کے بعد بے ساختہ زبان پکار اٹھتی ہے: اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ۔ ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ملاحظہ کر کے خود فیصلہ کریں اور علامہ مصباحی مدظلہ کے حق میں مزید علمی کام کرنے کی دعا فرمائیں۔" (۲)

---

(۱) تاب منظم، طبع مبارک پور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص: ۱۱

(۲) تاب منظم، ص: ۷

کتاب کے بالکل اخیر میں امام احمد رضا قادری کی ایک فارسی تحریر [محررہ: ۲۰ر رمضان ۱۳۰۲ھ] کا اردو ترجمہ و تلخیص [محررہ: ۱۷ر ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۵ر فروری ۱۹۷۸ء] بھی موجود ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ دوسری بار اس کتاب میں جگہ دی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک نوٹ، پھر خلاصۂ مضمون، پھر اصل فارسی تحریر اور اس کا اردو ترجمہ ہے۔

یہ ان کی ترجمہ نگاری کا نقش اول ہو سکتا ہے پھر بھی زبان و بیان کی نفاست اور اسلوب و آہنگ کی وہی دلکشی ہے جو ان کے بعد کے تراجم میں پائی جاتی ہے، اس کا ادبی رنگ بھی چوکھا اور پر کشش ہے۔ یہ ایک کامیاب ترجمہ نگار کا ادبی و علمی شاہ کار ہے۔

مفتی نثار احمد مصباحی ان کی ترجمہ نگاری کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ’’استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ اہل سنت علما و محققین کی صف اول میں ہیں۔ جہاں ایک طرف متعدد شرعی و عقلی علوم پر آپ کو عبور حاصل ہے وہیں دوسری طرف عربی اور فارسی زبانیں بھی آپ کے لیے اردو ہی کی طرح ہیں۔ ان تینوں زبانوں پر آپ کو یکساں دسترس حاصل ہے۔ جنھوں نے آپ کی خدمت میں کچھ وقت گزارا ہے وہ ہمارے اس دعوے کی صداقت کے شاہد ہیں۔
>
> اس کے علاوہ آپ کی اردو، عربی اور فارسی نثر کی سلاست و روانی اور جملوں کی نشست و برخاست اور تعبیرات کی شگفتگی و برجستگی بھی فصاحت بلکہ بلاغت کی دلیل ہے۔ ظاہر ہے کسی بھی زبان میں فصیح و بلیغ نثر اس زبان پر اقتدار کے بغیر ممکن نہیں۔ ان زبانوں پر جس کی ایسی گرفت ہو اسے پورا حق ہے کہ وہ اِن زبانوں کی کتابیں ترجمے کے مراحل سے گزارے۔ ورنہ آج کل ترجمہ نگاری کے نام پر جو ضرورت / بلا ضرورت عربی کتابوں کے بے ڈھب ترجمے ہو رہے ہیں ان میں سے

کچھ تو ایسے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایسے سقیم ترجموں سے بہتر ہے کہ وہ کتابیں بلا ترجمہ ہی رہیں۔" [آگے انھوں نے نثری تراجم کے آٹھ اوصاف بیان کیے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:]

"علامہ مصباحی دام ظلہ نے متعدد کتابوں کے ترجمے کیے ہیں جنھیں دیکھنے کے بعد ان زبانوں پر آپ کی مہارت اور فن ترجمہ نگاری پر آپ کی گہری نظر کا اعتراف کرنے پر ہر شخص مجبور ہو جاتا ہے۔ آج کل کے مترجمین میں ایسے افراد کی ایک وافر تعداد ہے جنھیں ترجمہ نگاری کے اصول و آداب ہی نہیں معلوم، یا اگر معلوم ہیں تو وہ سلیقے سے انھیں برت نہیں پاتے ہیں۔ مگر حضرت مصباحی صاحب کے جدید وقدیم تمام ترجمے ایک بہترین ترجمے کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ آج کل کے مترجمین میں یہ عام بات ہے کہ جہاں اصل کتاب میں تعبیرات مشکل یا الجھی یا لمبی ہوتی ہیں وہ ترجمے کی جگہ خالص ترجمانی اور خلاصے سے کام چلا لیتے ہیں۔ مگر میری معلومات کی حد تک حضرت مصباحی صاحب کے ترجمے اس سے پاک ہیں۔ ہم نے اب تک حضرت مصباحی صاحب دام ظلہ کے جتنے بھی ترجمے دیکھے ہیں، خواہ وہ اردو سے عربی ہوں یا عربی سے اردو یا فارسی سے اردو، وہ ترجمہ نگاری کے آداب اور اصولوں کی روشنی میں ممتاز نظر آتے ہیں اور ایک بہترین ترجمے کی جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ ان سب میں نظر آتی ہیں۔"(۱)

راقم الحروف کی نگاہ میں ان تراجم کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ترجمہ میں اصل زبان کے تمام کلمات اور گرامر کا لحاظ کرتے ہیں۔ یعنی فعل معروف، مجہول، فاعل، نائب فاعل، حال، تمیز، مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ، مبتدا، خبر، صفت مشبہ، اسم مبالغہ، اسم تفضیل، فعل تعجب، حروف تنبیہ،

---

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۱۰ رشوال ۱۴۴۱ھ مطابق ۳ رمئی ۲۰۲۰ء، چہار شنبہ

حروف قسم، حروف جار، افعال ناقصہ وغیرہ کی تعیین بھی بآسانی ہو جاتی ہے اور ماضی، مضارع، امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، نداوغیرہ کی تمیز بھی ہوتی ہے۔ حرف تحقیق و تقلیل، حروف تاکید، زمانۂ استقبال پر دلالت کرنے والے حروف اور دیگر حقائق ان میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

گویا ان ترجموں میں نحو و بلاغت کے تمام اصول وقواعد کی رعایت ہوتی ہے۔ راقم الحروف کی نگاہ سے عربی وفارسی کے ایسے تراجم گزرے ہیں جو ان کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں اور جن دیگر مترجمین کے تراجم کی انھوں نے اصلاح فرمائی ہے ان میں بھی چند کا مشاہد میں ہوں۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ ابھی ماہ رمضان میں پاکستان کے ممتاز عروض داں، شاعر، محقق و ناقد محترم پیرزادہ ابوالحسن واحد رضوی [سجادہ نشین آستانہ عالیہ، فیض آباد شریف، پنجاب، پاکستان] نے امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی ''نظم معطر'' کے متن کی تحقیق اور اردو ترجمہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی بارگاہ میں بغرض اصلاح روانہ کیا، ساتھ میں ایک مکتوب بھی بھیجا۔ حضرت نے اس کی اصلاح فرمائی اور جوابی خط ارسال کیا۔ یہ اصلاح شدہ کاپی راقم کے پاس محفوظ ہے جس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصلح کس قدر عالی خرد اور لسانی شعور میں پختہ کار ہے۔ اصلاح میں متن کی تحقیق پر بھی دھیان دیا اور عروض بھی مدنظر ہے۔ متن کی کچھ غلطیوں کو خطاے کتابت بھی قرار دیا گیا ہے۔ تحقیق متن کے سلسلے میں مترجم نے چند جگہوں پر متنی ترمیم بھی کی تھی، مصلح نے کچھ کو باقی رکھا اور کچھ کی اصلاح فرمائی۔ چند جگہوں پر ترجمہ کی اصلاح بھی ہے اور وجوہ ترمیم بھی مندرج ہیں تاکہ مترجم کو ترمیم قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ ۶۴ رویں رباعی کے چوتھے مصرع [ایں ہم بعلم براے عبدالقادر] میں مترجم نے ''ایں ہم بعلم'' کو ''زیں ہم بگور'' سے بدلا تھا۔ اس پر علامہ محمد احمد مصباحی نے نصف صفحے کی ایک تحریر رقم فرمائی ہے۔ قارئین کی ضیافت طبع کے لیے حاضر خدمت کی جاتی ہے:

''متن میں ''ایں ہم بعلم'' قابل تبدیل نہیں۔ یہ ایک مثل ہے جو ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتی ہے یعنی جیسے اور سب ویسے ایک یہ

بھی۔ اس کا مورد یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک خیاط ان کپڑوں سے جو اس کے پاس آتے کتر بیونت کر کے کچھ چرا لیتا۔ ایک واعظ صاحب نے اس کی تہدید کے لیے بیان کیا کہ قیامت میں لوگوں کے گناہ منظر عام پر ہوں گے اور سب کے سامنے مجرم کی رسوائی ہوگی۔ جو درزی کپڑے چراتا ہے اس کے ساتھ ایک بڑا سا جھنڈا ہوگا جس پر وہ سارے کپڑے رکھے ہوں گے جو اس نے زندگی میں چرائے تھے، لوگ یہ منظر دیکھ کر اس کی چوریوں کو جان لیں گے۔ اس وعظ کے بعد خیاط نے چوری چھوڑ دی، لیکن ایک بار بڑا قیمتی ریشمی کپڑا اس کے پاس سلائی کے لیے آ گیا تو اس کی طبیعت للچا گئی اور اس میں سے ایک ہاتھ کتر کر رکھ لیا اور کہا: ''ایں ہم بعلَم یا بر علَم''۔ جیسے میری زندگی کے اور سارے کپڑے جھنڈے پر ہوں گے، ایک یہ بھی سہی۔ اس مثل کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نثر میں بھی کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ ایک مقام خلاصۂ فوائد فتاویٰ مشمولہ حسام الحرمین میں مجھے یاد ہے، آپ بھی دیکھ لیں۔ ابتدائی تمہید میں مذکور ہے۔''(۱)

یوں ہی اس رباعی کے تیسرے مصرع میں لفظ ''رَضا'' کو ''رِضا'' بکسر را لکھا گیا ہے۔ اس پر یہ جملے تحریر فرمائے:

''رضا'' عربی میں بکسر را ہے جیسا کہ المعجم الوسیط کے علاوہ بھی معاجم میں مذکور ہے۔ مگر فارسی میں بفتح اول استعمال ہوتا ہے جیسا کہ منتخب اللغات وغیرہ میں ہے۔ عربی الفاظ میں اہل فارس کا تصرف نادر نہیں، صندوق، جمہور ان کے یہاں بفتح اول ہے جب کہ عربی میں بضم اول ہے۔ حیوان، دوران، سیلان، حرکت، عظمت وغیرہ ان کے یہاں

---

(۱) اصلاح شدہ کاپی، ص: ۶۵

بسکون دوم آتے ہیں جب کہ عربی میں بفتح دوم ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا قلمی
قصیدہ دیکھیں جس میں "قُمْ یا رَضا" بہت ہی صاف لکھا ہے۔"(۱)

کچھ اور دل چسپ علمی وادبی حقائق بھی ملاحظہ ہوں جو دوران اصلاح زیر قلم آ
گئے اور یہاں محفوظ کیے جاتے ہیں۔ مترجم نے ایک جگہ "آپ قدس سرہ" لکھا تھا، اس پر رقم
فرماتے ہیں:

"آپ" کی وضع دراصل مخاطب معظم کے لیے ہے۔ اب
غائب معظم کے لیے اس کا استعمال اس قدر عام ہو گیا ہے کہ لب کشائی
مشکل ہے۔ قدیم اساتذہ کے یہاں یہ استعمال میری نظر سے نہ گزرا۔
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحریریں دیکھیے، ایسے مقامات پر حضرت،
حضور، سرکار، حضور اقدس، حضرت اقدس وغیرہ ملے گا، "آپ" کہیں
نہ پائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ رضی اللہ عنہ، آپ رحمۃ اللہ
علیہ جیسی ترکیبیں میرے ذوق پر بہت گراں گزرتی ہیں۔"(۲)

ترجمہ کی اصلاح کا یہ کام آپ نے تین نشستوں میں مکمل کیا۔ تیسری نشست کی تاریخ
۲۵ر ماہ رمضان مبارک ۱۴۴۱ھ درج ہے۔ اس کے نیچے یہ چشم کشا سطریں بھی موجود ہیں:
"جتنی دیر میں آپ نے پورا ترجمہ لکھا، شاید اس سے زیادہ وقت ترجمہ پڑھنے میں صرف ہو
گیا۔ اسی سے میری حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔"

اصلاح شدہ کاپی کے ساتھ ایک مختصر مکتوب [محررہ: ۲۵ر رمضان المبارک
۱۴۴۱ھ، شب سہ شنبہ] بھی روانہ کیا جس میں ترجمہ نگار کی حوصلہ افزائی بھی ہے اور اپنی کم
مائیگی اور اعلیٰ درجہ فروتنی وانکسار کا اظہار بھی۔ سلام مسنون کے بعد لکھتے ہیں:

"میرا آپ سے سابقہ کوئی تعارف نہیں، شاید یہ مولانا مشاہد

(۱) ایضاً، ص: ۶۵
(۲) ایضاً، ص: ۶۸

رضا کی کارستانی ہے کہ آپ نے اپنا ترجمہ نظر ثانی کے لیے ایک طالب علم کے پاس بھیج دیا۔ ترجمے سے آپ کا علمی وفنی کمال عیاں ہے۔ اس مشکل نظم کو دل کش اردو نثر کا جامہ دینا آپ کی مہارت کی دلیل ہے۔ صوفی محمد اول صاحب کے ترجمے کی کاپی اتنی دھندلی اور ناصاف آئی کہ میں دو چار سطر بھی پڑھنے سے قاصر رہا۔ آپ کا ترجمہ دیکھتے ہوئے چند مقامات پر مجھے جو سمجھ میں آیا وہ نیچے لکھ دیا۔ بعض جگہوں میں صرف بطور مشورہ لکھا ہے، پسند ہو تو لے لیں ورنہ ترک کر دیں۔''

راقم الحروف کی نظر سے جب یہ سطریں گزریں اور پہلے سے غیر متعارف عالم وسخن ور کے تراجم کی اصلاح کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی کا یہ رنگ نگاہ میں بسا تو سوشل میڈیا پر گردش کرنے والی ایسے تحریریں یادداشت کا حصہ بنیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ہماری جماعت میں کوئی کسی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، یا نوجوان علما کی خفتہ صلاحیتوں کو جلا بخشنے والے اب نہیں رہے، یا عظیم شخصیات کی تراش وتلاش کا عمل بند ہو چکا ہے یا یہ جید علما، مفتیان ومفکرین نئی نسل کی تربیت میں غفلت برتتے ہیں، یا ہماری جماعت میں اچھا لکھنے والوں کی کافی کمی ہے یا اہم ضروری موضوع پر کام نہیں کرتے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسا لکھنے یا کہنے والا کوئی جاہل یا غیر معروف انسان ہو تو خاموش رہا جا سکتا ہے لیکن یہ باتیں وہ نوجوان علما لکھ رہے ہیں جنھیں علامہ محمد احمد مصباحی اور مفتی محمد نظام الدین رضوی جیسے علما ومفکرین نے تراشا ہے یا ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں یا ان کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے یا مناسب کام میں لگانے کی غرض سے جامعہ اشرفیہ کے دو سالہ تدریسی تربیتی کورس میں انھیں مدعو کیا ہے یا مجلس شرعی کے فقہی سیمیناروں میں انھیں ایک مندوب کی حیثیت سے شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ یاد رکھیں! تراشنے اور تلاش کرنے کا عمل ایک ماہر جوہری کا ہے جو ہر زمانے میں چند ہی رہے ہیں اور الحمد للہ یہ کام آج بھی جاری ہے۔ اور اس تعلق سے راقم کی نگاہ میں اگر کوئی فائق الاقران ہے تو وہ حضرت صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کی ذات گرامی ہے۔ اس

کے کچھ شواہد بھی ماقبل میں گزر چکے ہیں۔ جس کو اس بیان میں شک ہو وہ دیگر ذرائع سے حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔

فروغ رضویات:

یہ عنوان کافی بسط و تفصیل کا متقاضی ہے۔ اس موضوع پر حقائق زیادہ اور اتنے چشم کشا ہیں کہ وہ ایک مستقل باب میں سمائیں گے۔ یہاں اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ "رضویات" کیا ہے؟ اور اس کا دائرۂ اثر کتنا وسیع و بسیط ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ رضویات ایک ہمہ گیر شعبہ علم ہے جس میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے کار و افکار اور اعتقاد و نظریہ سے متعلق وہ تمام گوشے شامل ہیں جو اس موضوع کے تحت آتے ہیں۔ ان کی اور ان کے تلامذہ و خلفا، آبا و اساتذہ وغیرہ کا سوانحی تذکرہ، علوم و فنون کا علمی و ادبی جائزہ اور علمی و فقہی آثار کی تحقیق و تدوین و ترجمہ و تسہیل، یہ سب باب رضویات کے اہم گوشے ہیں۔ اس مفہوم میں مزید توسیع کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری کی فکر و تعلیم کے چار بنیادی نکات بھی ذکر کیے جا سکتے ہیں:

(۱) مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کا فروغ اور اس کے لیے علم کے قدیم و جدید تمام وسائل سے استفادہ کرنا۔

(۲) انسانی و اخلاقی واقدار کا فروغ، اصلاح معاشرہ اور ردِ بدعات و منکرات۔

(۳) عالم اسلام میں معاشی وسائل کا فروغ، خود انحصاری اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے اس کا استعمال۔

(۴) ملکی و بین الاقوامی ناگفتہ بہ حالات میں مسلمانوں کو جذباتیت اور تشدد کی بجائے سیاسی تدبر اور عمدہ سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی سلامتی کی تدبیر کرنے کی ترغیب دینا اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو ہلاکت میں پڑنے سے بچانا۔

صلاح و فلاح مسلمین سے متعلق یہ تدبیریں بھی باب رضویات کا اہم حصہ اور جملہ اہل اسلام کا مشن ہیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ اسلامی اقدار کے بہت بڑے داعی

اور فقہ حنفی کے اعلیٰ فکر مبلغ تھے۔ ان کی فکر واعتقاد میں اسلامی روح رقصاں تھی اور ان کے احوال وکوائف میں اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ موجود تھا۔ وہ چودہویں صدی ہجری کے مجدد اور عبقری فقیہ ومحدث تھے، اس لیے بھی ان کی ذمہ داریاں کافی سے زیادہ تھیں اور انھی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں وہ پوری زندگی جہاد باللسان والقلم کرتے رہے اور علمی دنیا سینکڑوں علمی وتحقیقی خزانوں سے مالا مال ہوئی۔ ان خزانوں کی دریافت اور نئی تراش وخراش کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرنا ایک علمی خدمت بھی ہے اور ان کی بارگاہ میں عمدہ خراجِ تحسین بھی۔ جنھیں یہ توفیق میسر آئی وہ چند ہی علما وارباب بصیرت ہیں۔ ان میں ایک نمایاں نام صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کا ہے۔

ان کی ذات سے جامعہ اشرفیہ کو اور جامعہ اشرفیہ سے ان کی ذات کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ انھیں جو کچھ علمی سرمایہ حاصل ہوا ہے وہ جامعہ اشرفیہ کی عطا ہے، اس حقیقت کا برملا انھوں نے کئی بار اعتراف بھی کیا ہے۔ اور جامعہ اشرفیہ افکارِ رضا کا سب سے بڑا داعی ومبلغ ہے، بلکہ مسلکِ رضا اس کے دستور کا حصہ ہے۔ مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی رقم طراز ہیں:

> ”اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ فروغ رضویات میں جامعہ اشرفیہ نے اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں جب بھی کوئی مورخ فروغ رضویات کے اسباب ووجوہ کی تاریخ مرتب کرنا چاہے گا وہ اس سے صرف نظر کر کے ترتیب پر قدرت ہی نہیں پائے گا۔“(۱)

فتاویٰ رضویہ کی تحقیق واشاعت، رسائل رضویہ کی ترتیب وتسہیل وترجمہ اور طباعت واشاعت، فروغ رضویات کے لیے ماحول کی سازگاری اور سینکڑوں محققین وادبا کی تربیت اور ملک وبیرون ہند علمی وتحقیقی کاموں میں ان کی مسلسل مشغولیت ایک مشن کے تحت ہے اور یہ مشن جامعہ اشرفیہ کا ہے جو آغاز تعلیم ہی سے طلبہ واساتذہ کے ذہن وفکر میں ازبر کرایا جاتا

---

(۱) تاثر، فروغ رضویات میں فرزندان اشرفیہ کا کردار، پیغام اسلام، اشرفیہ، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۴

ہے اور جب وہ یہاں سے فارغ ہوتے ہیں تو ایک معاہدہ کے ساتھ انھیں سندِ فراغت تفویض کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ دورِ حافظ ملت سے آج تک قائم ہے۔

انفرادی طور پر فروغ رضویات کا کام گزشتہ صدی عیسوی کے نصف آخر سے ہوتا رہا ہے۔ لیکن اجتماعی طور پر پاکستان میں اس کا آغاز مرکزی مجلس رضا، لاہور [بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ قائم شدہ: ۱۹۶۸ء] اور انڈیا میں المجمع الاسلامی، مبارک پور اعظم گڑھ [قائم شدہ: ۱۹۷۶ء] سے ہوا۔ حکیم صاحب نے اپنے رفقا کے ساتھ امام احمد رضا قادری کے کار وافکار کو جدید تحقیق وترتیب کے ساتھ علمی دنیا میں پہنچانے کا کام شروع کیا اور انڈیا میں ارکانِ المجمع الاسلامی اس سلسلۂ علم وتحقیق کو آگے بڑھایا۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور نے ان دونوں علمی وتحقیقی اداروں کی سراہنا کی اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"رضویات کے فروغ میں جامعہ اشرفیہ کا سب سے بنیادی اور کلیدی کام "فتاویٰ رضویہ" کی مختلف جلدوں کی تدوین وترتیب ہے اور جب سے "المجمع الاسلامی" کا قیام عمل میں آیا ہے فروغ رضویات کی رفتار اور بھی تیز تر ہوگئی ہے۔ کیوں کہ فرزندان اشرفیہ کا سب سے اہم مقصد، نصب العین اور مشن رضویات کا فروغ ہی ہے اور اس بے مثال خدمت کے سبب وہ ہمیشہ قدر واحترام کی نظروں سے دیکھے جائیں گے۔"(۱)

مجلس رضا، لاہور کے بانی ومہتمم حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کو مجلس کی مطبوعہ چند کتب ارسال کیں تو جوابی مکتوب میں حافظ ملت علیہ الرحمہ یوں لکھتے ہیں:

"آپ کی مرسلہ کتب: اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری، اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر، امام احمد رضا علماے حجاز کی نظر میں، محاسن کنز الایمان موصول ہوئیں۔ جن کے مطالعہ سے بے انتہا مسرت

(۱) تاثر فروغ رضویات میں فرزندان اشرفیہ کا کردار، پیغام اسلام، اشرفیہ، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۵

ہوئی، آپ کے ادارہ ''مرکزی مجلس رضا'' نے دین متین مذہب اہل سنت کی بڑی زریں خدمت کی۔ اس خصوص میں آپ کا ادارہ بلا شبہہ منفرد ہے، قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ مولاے قدیر اس ادارے کو ترقی دے کر بام عروج پر پہنچائے، دین متین کی بے شمار خدمات انجام دلائے، آمین و بہ نستعین۔''(۱)

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی حکیم صاحب سے خط و کتابت رہی، وہ لاہور سے اپنی مطبوعات روانہ کرتے تھے اور انڈیا سے ان کے پاس المجمع الاسلامی کی مطبوعات ارسال کی جاتی تھیں۔ حکیم صاحب کے احباب میں مولانا شمس بریلوی، مولانا عبد الستار خان نیازی، مولانا محمد منشا تابش قصوری، مولانا سید نور محمد قادری، مولانا سید محمد ریاست علی قادری، مولانا عبد الحکیم شرف قادری، مولانا عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی وغیرہم نمایاں ہیں۔ مرکزی مجلس رضا لاہور ایشیا میں رضویات پر تحقیقی کام کرنے والا سب سے قدیم ادارہ ہے۔ جس کے رفقا و ارکان سے علماے اشرفیہ کے علمی روابط بڑے مضبوط رہے۔

بعد میں جب رضا فاؤنڈیشن، لاہور قائم ہوا اور فتاویٰ رضویہ مترجم کا مہتم بالشان کام شروع ہوا تو مفتی عبد القیوم ہزاروی اور حافظ محمد عبد الستار سعیدی وغیرہما نے علامہ محمد احمد مصباحی سے علمی اشتراک چاہا۔ آپ نے فتاویٰ رضویہ جلد اول، سوم، چہارم اور نہم کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ فرمایا۔ جسے علماے لاہور نے بہت پسند کیا اور اس کی اشاعت ۱۴۱۲ھ میں رضا فاؤنڈیشن، لاہور کے زیر اہتمام ہوئی۔

مولانا محمد صدیق ہزاروی [جامعہ نظامیہ، لاہور] فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد سوم کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''رضا فاؤنڈیشن کے ارکان، ہندوستان کے عظیم محقق علامہ محمد احمد مصباحی [بھیروی] دامت برکاتہم العالیہ کے بے حد ممنون ہیں

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ فروری ۲۰۰۰ء، ص: ۴

جنھوں نے اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود مختصر وقت میں باب التیمم سے آخر تک کی عربی عبارات کا نہایت سلیس اور شستہ ترجمہ فرمایا۔ علامہ محمد احمد مصباحی [بھیروی] حضرت حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قابل شاگرد اور برصغیر پاک وہند کی مایہ ناز مادر علمی ''الجامعۃ الاشرفیہ''، مبارک پور [ہندوستان] کے شیخ الادب ہیں۔ آپ قدیم وجدید علوم کے ماہر، کئی علمی وتحقیقی کتب کے مصنف ومترجم ہیں۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد رسائل اور فتاویٰ کو ترجمہ، تحقیق اور تحشیہ کے بعد عام اردو خواں حضرات کے لیے آسان بنا چکے ہیں۔

علامہ مصباحی، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی علمی شخصیت اور آپ کی تحقیقات جلیلہ کو علم ودانش کی دنیا میں متعارف کرانے میں نمایاں کردار ادا کرنے والے ادارے ''المجمع الاسلامی''، مبارک پور کے روح رواں ہیں۔''(۱)

فتاویٰ رضویہ جلد اول کے ابتدائی ابواب کا ترجمہ مفتی سید شجاعت علی قادری [بانی دار العلوم نعیمیہ، کراچی] نے کیا تھا۔ یہ جلد مارچ ۱۹۹۰ء میں طبع ہوئی تھی۔ لیکن اس کا ترجمہ حد درجہ مجمل ومختصر ہونے کی وجہ سے سقیم سمجھا گیا، پھر یہ کام علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی کے سپرد کیا گیا۔ اس سلسلے میں مولانا حافظ عبد الستار سعیدی [ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور] رقم طراز ہیں:

''رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام فتاویٰ رضویہ کی جلد اول [مطبوعہ مارچ ۱۹۹۰ء] کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی سید

(۱) پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ، مترجم، رضا فاؤنڈیشن لاہور، اگست ۱۹۹۱ء، ص:۸، ج:۳

شجاعت علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ بانی دار العلوم نعیمیہ، کراچی نے فرمایا تھا جس میں کافی حد تک اجمال واختصار کے باعث سقم محسوس کیا گیا۔ لہٰذا حضرت علامہ مولانا مفتی محمد احمد مصباحی صاحب بھیروی دامت برکاتہم العالیہ ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے نئے ترجمہ کی درخواست کی گئی اور ترجمہ تفصیلی ہونے کی وجہ سے ضخامت پہلے کی بہ نسبت بڑھ گئی، لہٰذا اس جلد کو دو حصوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔"(۱)

اس عنوان پر کچھ حوالے ان شاء اللہ باب سوم میں بیان ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ ہندو پاک کے علمی حلقوں میں ایک زمانے سے صدر العلماء کا تعارف ماہر ادبیات ومحقق رضویات کی حیثیت سے ہوتا رہا ہے اور آج بھی اس موضوع پر ان کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔

انڈیا میں رضا اکیڈمی [بمبئی] اور امام احمد رضا اکیڈمی [بریلی شریف] قائم ہوئی، اسی طرح پاکستان لاہور میں مولانا اقبال احمد فاروقی نے ماہ نامہ جہان رضا جاری فرمایا اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے زیر اہتمام ماہ نامہ وسال نامہ معارف رضا جاری ہوا تو علمائے اشرفیہ نے انھیں بھرپور تعاون دیا۔ ۱۹۷۶ء میں المجمع الاسلامی قائم ہوا۔ بہ قول مولانا عبد المبین نعمانی: ''المجمع الاسلامی کی بنیاد ڈالی گئی تھی تو ارکانِ ادارہ کے سامنے مرکزی مجلس رضا، لاہور کا عملی خاکہ تھا۔'' ان اداروں کی بنیاد ایک وسیع وہمہ گیر منصوبے کے تحت پڑی اور اجتماعی طور پر کار آزمودہ علما ومحققین کی رفاقت میں انھیں بے پناہ کامیابیاں میسر آئیں اور اس کے اثرات ہندو پاک سے لے کر عالم عرب اور امریکہ وافریقہ وغیرہ ممالک میں محسوس کیے گئے۔ ۱۹۸۸ء تک المجمع الاسلامی نے امام احمد رضا قادری پر جو کتابیں شائع کیں ان کے نام یہ ہیں:

امام احمد رضا: ارباب علم ودانش کی نظر میں، امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات [از: مولانا یٰسین اختر مصباحی]، الفضل الموھبی [عربی ترجمہ: مولانا افتخار احمد

---

(۱) پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ، مترجم، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، حصہ الف، ص: ۱۰

قادری]، امام اہل سنت، اجالا، گناہ بے گناہی [از: پروفیسر مسعود احمد نقش بندی]، ارشادات اعلیٰ حضرت، تصنیفات امام احمد رضا [از: مولانا عبد المبین نعمانی]، کلام رضا [از: نظیر لدھیانوی]، عرفان رضا [از: ڈاکٹر الٰہی بخش اعوان]۔

رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے مئی ۱۹۸۸ء میں لکھا تھا:

''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مقدس شخصیت کے ساتھ ارکان المجمع الاسلامی کی جو فکری اور جذباتی وابستگی اور لگن میں دیکھ رہا ہوں اس کی روشنی میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس راہ میں ان کی پیش قدمی کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب المجمع الاسلامی ''رضویات'' پر تحقیقی کام کرنے کا بین الاقوامی ادارہ بن جائے گا۔''(۱)

المجمع الاسلامی مبارک پور کی تعمیر وترقی میں یوں تو اس کے بانی ارکان اور دیگر چند رفقا کی کوششیں شامل رہیں، لیکن اس ادارہ کو سب سے زیادہ جس ذات نے اپنے علم وتحقیق اور مکمل نگہبانی سے پروان چڑھایا وہ حضرت صدر العلماء کی ذات ہے۔

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد نقش بندی نے اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' میں الجامعۃ الاشرفیہ اور المجمع الاسلامی کی علمی وتحقیقی خدمات کا ذکر کیا ہے کہ اس دانش گاہ کے فرزندوں، اساتذہ اور طلبہ نے امام احمد رضا قادری کے کتب ورسائل کی تحقیق وطباعت واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بالخصوص المجمع الاسلامی کی مطبوعہ کتب میں ''امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، الفضل الموہبی کا عربی ترجمہ، جد الممتار، فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں، ارشادات اعلیٰ حضرت، تصنیفات اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا اور تصوف، اور طلبہ اشرفیہ کی جانب سے شائع کردہ رسائل اعلیٰ حضرت کا مسرت آمیز ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس جامعہ کے استاذ اور طلبہ امام احمد رضا کی تعلیمات

(۱) تقدیم، امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، مبارک پور، ص:۱۹، ۲۰

اور افکار کی اشاعت میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔ اس جامعہ کے رکن علامہ محمد احمد مصباحی نے امام احمد رضا کے حالات پر عربی میں ایک مقالہ قلم بند کیا جو ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے سہ ماہی عربی مجلہ "الدراسات الاسلامیہ" کے شمارہ مارچ اپریل ۱۹۸۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا محمد احمد مصباحی نے "امام احمد رضا اور تصوف" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جو ۱۹۸۸ء میں ہندوستان سے اور ۱۹۸۹ء میں پاکستان سے شائع ہو چکی ہے۔"(۱)

المجمع الاسلامی کا سب سے نمایاں کام امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے عربی حاشیۂ شامی "جد الممتار" کی تحقیق وطباعت ہے جس کی دو جلدیں کتاب الطہارۃ سے کتاب الطلاق تک حیدرآباد دکن اور مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع ہوئیں، بقیہ تین جلدیں مکتبۃ المدینہ نے جدید تحقیق وحواشی کے ساتھ شائع کیں۔ جد الممتار کی نقل مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی کے پاس محفوظ تھی وہاں سے دو جلدوں کی نقل مولانا عبد المبین نعمانی اور مولانا محمد احمد مصباحی نے کڑی محنت کے بعد تیار کی پھر ان دونوں جلدوں کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے قلمی نسخے سے مقابلہ کیا۔ جد الممتار کے ہر حاشیہ کے لیے نسخۂ امام اہل سنت کے صفحات کے ساتھ رد المحتار طبع جدید کے مقام حاشیہ کی تعیین اور صفحہ کا اندراج ہوا۔

ان مراحل کو طے کرنے میں کس قدر عرق ریزی اور دل سوزی کرنی پڑی ہوگی؟ جلد اول کی اشاعت میں مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا عبد المبین نعمانی کی علمی وقلمی توانائیوں کا اشتراک تھا لیکن جلد ثانی کا پورا کام حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے تنہا انجام دیا ہے۔ اور وہ بھی اس شان سے کہ جلد اول کے گزشتہ کاموں کے علاوہ جلد ثانی میں انھوں نے یہ کیا کہ شامی یا درمختار کے جس مقام پر حاشیہ تھا اس بحث کا پورا خلاصہ کتاب میں شامل کیا، ساتھ ہی ان جلدوں میں امام احمد رضا نے اپنے جس فتوے کا

(۱) امام احمد رضا اور عالمی جامعات، ادارۂ مسعودیہ، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۷

حوالہ دیا ہے اسے جد الممتار میں درج کیا ہے، اگر فتوی اردو میں تھا تو اس کی تعریب بھی کی۔ جلد ثانی میں بطور خاص دو مستقل رسالے کا عربی ترجمہ شامل کیا۔ پھر آپ نے ان دونوں جلدوں کا ایک جامع تعارف اور مصنف کی جلالت شان پر ایک وقیع عربی مقدمہ بھی لکھا۔ [جلد اول پر یہ تعارفی مقدمہ ۲۲ رصفر ۱۳۹۸ھ کو لکھا گیا اور جلد ثانی پر ماہ رمضان ۱۴۱۲ھ میں] جو ان جلدوں کے ساتھ شائع ہوا۔ یہی تعارفی مقدمہ بعد میں اردو زبان میں ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت'' کے نام سے مستقل کتاب کی حیثیت سے شائع کیا گیا۔ جس پر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی اور پروفیسر مسعود احمد نقش بندی نے ابتدائیہ اور تقدیم لکھی ہے۔ شارح بخاری نے اسی تحریر میں ایک جگہ لکھا ہے:

''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان میں رضویات کا ان جیسا کوئی واقف کار نہیں۔'' (ص:۹)

آپ کی ایک علمی تحقیق ''امام احمد رضا اور تصوف'' ہے جو المجمع الاسلامی، محمد آباد سے ۱۹۸۸ء میں منظر عام پر آئی۔ بعد میں اس کو ہند و پاک کے کئی اہم اداروں نے شائع کیا۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری [مدیر: مجلہ دبستان نعت، سنت کبیر نگر، یوپی] لکھتے ہیں:

''اب تک ان [علامہ محمد احمد مصباحی] کی متعدد تصنیفات و تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں مگر اردو ادب خصوصا تصوف میں ان کی ایک عظیم شاہکار ''امام احمد رضا اور تصوف'' ایسی علمی وادبی کاوش ہے جس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب المجمع اسلامی، فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ سے ۱۹۸۸ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی تھی۔ جس نے اہل علم و دانش کو اس قدر متاثر کیا کہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان سے شائع ہونے والے موقر علمی وادبی جریدے ''معارف رضا'' نے اسے قسط وار اپنے دو شماروں [شمارہ ۱۹۸۹ء اور شمارہ

۱۹۹۰ء] میں طبع کیا۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ یہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے قاری کے دل میں بحیثیت ایک صوفی ایسی تصویر بتاتی ہے جسے پڑھنے کے بعد قاری کے ذہن وفکر سے تادم مرگ وہ تصویر مٹ نہیں سکتی۔ بحیثیت صوفی قاری کے دل و دماغ میں جو تصویر حضرت صدر العلماء بناتے ہیں وہ بہت نمایاں اور گہری ہوتی ہے اور جب جب اس شاہکار کا تصور قاری کے پردۂ ذہن پر مرتسم ہوتا ہے دل عقیدت و احترام سے خود کو سجدہ ریز پاتا ہے۔"(۱)

امام احمد رضا کے جو رسائل توضیح وتسہیل وترجمہ کے ساتھ المجمع الاسلامی مبارک پورے طبع ہوئے ان میں "حقوق اولاد، حقوق والدین، دعوت میت، مزارات پر عورتوں کی حاضری، احادیث شفاعت، براءت علی از شرک جاہلی، فلسفہ اور اسلام، تقدیر وتدبیر، رسوم شادی، اہمیت زکوٰۃ، فوائد صدقات، اذان قبر، وصایا شریف، ندائے یارسول اللہ" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے جن رسائل رضویہ کی تحقیق وتسہیل وترجمہ کیا یا ان کی تلخیص فرمائی، پھر وہ المجمع الاسلامی یا کسی دیگر ادارے سے طبع ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) "معانقۂ عید" ["وشاح الجید فی تحلیل معانقة العید" [۱۳۱۲ھ] کی ترتیب جدید اور ساتھ ہی عید ثانی کی تلخیص بھی مرتب نے کر دی ہے۔ یہ کتاب رمضان ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے شائع ہوئی ہے۔]

(۲) "عباب الأنوار أن لا نکاح بمجرد الاقرار"

(۳) "هبة النسا فی تحقق المصاهرة بالزنا" [یہ دونوں عربی ترجمے جد الممتار، جلد دوم میں شامل ہیں۔]

(۴) "رسوم شادی" ["هادی الناس فی رسوم الاعراس" [۱۳۲۳ھ] کا

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۲۴/ مئی ۲۰۲۰ء۔

ترجمہ وتحشیہ ہے۔اس کی طباعت مجلس اشاعت طلبہ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڑھ [موجودہ ضلع مئو] سے ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔]

(۵) آپ نے امام احمد رضا قادری کے دو عربی قصائد کا مجموعہ ”قصیدتان رائعتان“ کا عکسی ایڈیشن جنوری ۱۹۸۹ء میں شائع کیا، اس کے آغاز میں ایک مختصر عربی تعارف بھی شامل ہے۔

(۶) اسی طرح امام احمد رضا کا عربی رسالہ ”الکشف شافیا حکم فونو جرافیا“ اپنی تحقیق وتقدیم کے ساتھ رضا اکیڈمی، بمبئی سے صفر ۱۴۱۸ھ مطابق جنوری ۱۹۹۷ء میں طبع کرایا۔ مصنف کا لکھا ہوا اصل قلمی نسخہ آج بھی ان کے پاس محفوظ ہے۔جس کی زیارت راقم الحروف نے بھی کی ہے۔

(۷) ”فلسفہ اور اسلام“ [”مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید“ [۱۳۰۴ھ] کا عرفی نام ہے جس کی انھوں نے تحقیق وترتیب جدید کی ہے۔ یہ رسالہ المجمع الاسلامی مبارک پور سے ۱۴۰۷ھ میں اور رضا اکیڈمی، بمبئی سے ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔

(۸) ”تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ“ [۱۳۱۲ھ] فاضل مترجم کے ترجمہ وترتیب کے بعد ”براءتِ علی از شرکِ جاہلی“ کے نام سے شائع ہوا۔

(۹) ”جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور“ [۱۳۳۹ھ] کا اردو ترجمہ ”مزارات پر عورتوں کی حاضری“ کے نام سے ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوا۔

(۱۰) ”تقدیر وتدبیر“ [یہ نام دراصل امام احمد رضا قادری کے دو رسائل ”التحبیر بباب التقدیر“ اور ”ثلج الصدر لایمان القدر“ کا اردو ترجمہ ہے۔ جسے پہلی بار جامعہ اشرفیہ کے طلبہ جماعت سابعہ نے ۱۴۰۱ھ میں شائع کیا اور ۱۴۰۶ھ میں یہ مجمع سے طبع ہوئی۔

”حدوث الفتن وجھاد أعیان السنن“ [۱۴۲۱ھ] ان کا بہت بڑا علمی وتحقیقی کارنامہ ہے۔ یہ عربی رسالہ پہلی بار ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں ”المعتقد المنتقد“ [از: علامہ شاہ فضل رسول بدایونی] کے ساتھ رضا اکیڈمی، بمبئی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ بعد

میں ہند اور مصر و بیروت سے اس کے متعدد نسخے کتابی شکل میں طبع ہوئے۔

یہ کتاب عرب و عجم میں کافی مقبول ہوئی۔ یہی وہ کتاب ہے جس کے مطالعے کے بعد مصری عالم و محقق شیخ محمد خالد ثابت کی نگاہ سے بد مذہبوں کے مکر و فریب کا پردہ ہٹا اور امام احمد رضا قادری کے تعلق سے بدگمانی دور ہوئی۔ پھر انھوں نے امام اہل سنت کی حیات و خدمات کا تفصیلی مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہو کر انھوں نے ''انصاف الامام'' کے نام سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے احوال و علمی آثار پر ایک تحقیقی کتاب لکھی اور مصر سے شائع کی۔ جس کا اردو ترجمہ ''امام عشق و عرفان'' المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہوا۔

''حدوث الفتن'' سے متعلق ان کی رائے کا خلاصہ ملاحظہ کریں:

''یہ کتاب اہل سنت کے طریقے پر تحریر کی گئی ہے اور اس میں فرق باطلہ کی پیدائش اور ان کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس میں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کے جہاد باللسان کا ذکر جمیل ہے، پھر ہند میں اہل باطل سے علمائے اہل سنت کی علمی و قلمی محاذ آرائی کو بیان کیا گیا ہے، انھی علمائے حق میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی ہیں۔

یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر اس کے مصنف مولانا محمد احمد مصباحی کوئی اور کتاب نہ لکھتے تو صرف یہی ان کے لیے کافی ہوتی اور ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ثابت ہوتی، جس میں آپ نے فرمایا ہے: ''آخری زمانے میں میری امت کو شدید بلا پہنچے گی جس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے اللہ کا دین پہچانا، پھر اپنی زبان اور دل سے اس پر جہاد کیا تو وہی ہے جس کے لیے سبقت کرنے والے انعامات ثابت ہوں گے۔'' اگر میرے دوست ڈاکٹر صاحب یہ

کتاب پڑھ لیتے تو ان پر اس کے خزانے اور فوائد مخفی نہ رہتے۔"(۱)

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی علمی وتاریخی تحقیق نے ایک مصری محقق سے اتنا بڑا کام کروایا اور عالم عرب میں امام احمد رضا کے تفصیلی تعارف کا سلسلہ تیزی سے بڑھنے لگا۔

مفتی محمد قمر الحسن بستوی مصباحی [امریکہ] لکھتے ہیں:

"انھوں نے رضویات پر جو کام کیا ہے وہ ایسے انمٹ نقوش ہیں جو رہتی دنیا تک تسلیم کیے جاتے رہیں گے۔ فتاویٰ رضویہ کی چار جلدوں پہلی، تیسری، چوتھی اور نویں کا ترجمہ جس میں سہل نگاری کا پورا پورا رنگ جھلکتا ہے۔ اور جس عظیم کام نے ان کو ارباب علم کی نگاہوں میں انتہائی گراں قدر اور باعظمت بنایا وہ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کا عظیم شاہکار "جد الممتار علی رد المحتار" کی اشاعت ہے، اس میں جس قدر آپ نے اور علامہ عبد المبین نعمانی صاحب مدظلہ العالی نے عرق ریزی کی وہ آپ دونوں حضرات ہی کا حصہ تھا۔ اس کتاب کی اشاعت نے علمی حلقوں میں جو اثر چھوڑا ہے وہ کبھی مندمل نہیں ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مگر ان سب کے باوجود میری نگاہ میں ان کی کتاب "حدوث الفتن وجهاد أعيان السنن" وہ کارنامہ ہے جس نے عرب ممالک میں "البريلوية" جیسی زہریلی اور مذموم کتاب کے اثرات کو کم کیا ہے اور جس کی ضرورت ہر سنی صحیح العقیدہ محسوس کر رہا تھا۔ اس کتاب میں امام اہل سنت کے چہرۂ بے داغ پر حقیقت کا وہ غازہ ملا گیا ہے جس سے سواد اعظم کا توارث بالحقانیہ نکھر کر سامنے آگیا۔ کتاب میں جو ترتیب رکھی گئی ہے وہ بالکل منطقی ہے اور اخیر میں امام اہل سنت کی خدمات جلیلہ، افکار سنیہ ونظریات سُنیہ کو راجح کر

(۱) ڈاکٹر خالد ثابت مصری، انصاف الامام، دار المقطم، قاہرہ، ص:۶

کے زعماے امت کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔“(۱)

دسمبر ۲۰۱۲ء میں امام احمد رضا کے فارسی قصیدہ ”اکسیر اعظم“ [۱۳۰۲ھ] اور اس کی فارسی شرح ”مجیر معظم“ [۱۳۰۳ھ] کا اردو ترجمہ ”تاب منظم“ [۱۴۳۳ھ] ان کے قلم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تو ترجمہ نگاری میں ان کے اعلیٰ اسلوب کی کافی تعریفیں ہوئیں۔ اس کتاب کے مقدمے میں انھوں نے قصیدہ کی فنی وادبی حیثیت پر ادبی انداز میں محاکمہ کیا ہے۔ راقم الحروف نے اس پر مستقل ایک اداریہ لکھا اور اس کتاب کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یہ ترجمہ رضویاتی ادب میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے جو زبان وادب میں حضرت صدر العلماء کی پختہ کاری اور علمی شان کا واضح ثبوت ہے۔

”فتاویٰ رضویہ: جہان علوم ومعارف“ کی تین جلدوں کا تذکرہ نہ کیا جائے تو یہ عنوان تشنہ سا محسوس ہوگا، ان تین جلدوں میں ایک درجن اہل علم وتحقیق کے علمی وتحقیقی مقالات ہیں جس کے کل صفحات ۱۳۹۲/ ہیں۔ اس کی ترتیب وتقدیم اور مکمل اصلاح ونظر ثانی کا کام حضرت صدر العلماء نے انجام دیا ہے۔ یہ کتاب صد سالہ عرس رضوی کی مناسبت سے صفر ۱۴۴۰ھ مطابق نومبر ۲۰۱۸ء میں المجمع الاسلامی سے شائع ہوئی ہے۔

خود لکھنا ایک علمی کام ہے لیکن دوسروں کو کسی علمی کام کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے لکھے ہوئے مواد کو قابل طباعت واشاعت بنانا اس سے بڑا علمی کام ہے۔ رضویات کا اہم مواد تلاش کر کے کسی محقق کے حوالے کرنا، امام احمد رضا کا کوئی رسالہ کسی عالم کو ترجمہ کی خاطر دینا اور بار بار اس کا مطالبہ کرنا، مکمل ہو جانے کے بعد اس کی تصحیح کرنا اور نظر عمیق ڈال کر اس کی طباعت واشاعت کرنا، یہ ایسا منفرد علمی کام ہے کہ جہاں تک راقم کی معلومات کا تعلق ہے گزشتہ صدیوں میں بھی ایسا کوئی علمی جانباز نظر نہیں آتا۔ یقین نہیں آتا تو المجمع الاسلامی اور مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے طبع شدہ کتابوں کا ابتدائیہ پڑھ ڈالیں یا رضویات پر موجود

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، محررہ: ۹ر جون ۲۰۲۰ء

علمی لٹریچر کا تجزیہ کر لیں، ان میں المجمع الاسلامی کے ارکان کے علمی تعاون کی جھلکیاں ضرور نظر آئیں گی۔ اس میں یا تو اِن حضرات کا اشتراکِ عمل دکھائی دے گا یا مشورہ اور ذہن سازی۔ الادب الجمیل، المدیح النبوی، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، حقیقتِ محمدیہ وغیرہا، مجلس برکات سے شائع ہونے والی کتابوں، مجلہ یادگار رایوبی کے تمام دستاویزی نمبروں میں ان کے علم وقلم کا نقش چھپا نظر آتا ہے۔ ابھی ایک سال قبل مجلہ یادگار رایوبی کا ''انوار امام احمد رضا'' نمبر دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے جس کی نگرانی اور اصلاح کا کام آپ نے کیا ہے اور اس کی ترتیب وتحقیق میں آپ نے اپنی علمی توانائیاں صرف کی ہیں۔

مولانا بدر القادری مصباحی جو آپ کے ہم درس بھی ہیں اور المجمع الاسلامی کے رکن بھی۔ انھیں شعر وادب سے کافی لگاؤ ہے، ایک درجن کے قریب ان کی نثری تصانیف اور اتنی ہی شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں، انھوں نے امام یافعی علیہ الرحمہ کی کتاب ''روض الریاحین'' کا اردو ترجمہ ''بزم اولیا'' کے نام سے کیا ہے۔ اشرفیہ کا ماضی اور حال، سنت کی آئینی حیثیت، اسلام اور امن عالم، اسلام اور خمینی مذہب، جادہ ومنزل، تذکرہ سید سالار مسعود غازی وغیرہ ان کی مشہور نثری تصانیف ہیں۔ ان کی چار کتابوں ''الرحیل، اسلام اور امن عالم، سنت کی آئینی حیثیت، بزم اولیا'' پر حضرت صدر العلماء نے تقریظ یا تقدیم رقم فرمائی ہے۔ آپ نے مولانا بدر القادری کو امام احمد رضا قادری پر کچھ کام کرنے کو کہا اور اس سلسلے میں ایک مکتوب روانہ فرمایا تو جوابی خط میں مولانا بدر القادری مصباحی نے یہ باتیں تحریر کیں:

> ''اس سے قبل کے مکتوب میں آپ نے [مولانا محمد احمد مصباحی] اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر کرنے کے کاموں میں جو چیزیں لکھی تھیں ان میں رسائل کی ترتیب کا کام اگر آپ میرے بس کا سمجھیں تو میں تو اسے کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری تہی دستیِ قسمت ہے کہ اب تک اعلیٰ

حضرت قدس سرہ پر مجھ سے کوئی کام نہیں ہوا۔"(۱)

ان شواہد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کو امام احمد رضا قادری کے کار وافکار سے کس درجہ شغف تام ہے اور امام احمد رضا کی علمی تحقیقات ان کی نگاہ میں کیا وقعت رکھتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے علوم وفنون کا بیش بہا خزانہ عطا فرمایا تھا۔ گویا ان کی ذات میں حقیقی علم جمع کر دیا گیا تھا جو ان کی کتابوں، رسالوں، فتاویٰ، مکتوبات، ملفوظات اور شعری نمونوں سے آج تک باہر نکلتا محسوس ہوتا ہے۔ یہاں علمی وفقہی تحقیق کا ایک سبک خرام دریا رواں ہے جو یک آواز پکارتا ہے: صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔

صدر العلماء دام ظلہ العالی جنھوں نے اس دشت کی زمانے تک سیاحی کی ہے اور امام احمد رضا قادری کے علوم وفنون کی گہرائی میں اتر کر مشاہدۂ علم وعرفان کرنے کا شرف پایا ہے۔ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے بارہویں فقہی سیمینار کے خطبۂ صدارت میں ایک جگہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> "میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ برصغیر کے ماحول میں بغیر فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے کوئی شخص عالم نہیں ہو سکتا، جو لوگ بھی اس سے بے تعلق رہتے ہیں ان کی اندر سطحیت نمایاں ہوتی ہے، گہرائی اور گیرائی نہیں پیدا ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جو اندازِ تحقیق ہے اور جس طریقہ سے وہ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور سیکڑوں برس کے مسائل جو حل نہیں ہو سکے تھے انھیں حل فرماتے ہیں اور بہت سی عبارتوں میں جو تعارض نظر آتا تھا اسے دفع کرتے ہیں۔ ان بحثوں کو پڑھنے کے بعد ذہن کھلتا ہے، غور وخوض اور تلاش وتتبع کا مادہ پیدا ہوتا

(۱) مولانا بدر القادری، حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی، گھوسی، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۹۳

ہے، اخذ واستخراج کا طرز معلوم ہوتا ہے۔''(۱)

پندرہویں فقہی سیمینار کے خطبۂ صدارت میں یہ جملے تحریر فرمائے تھے:

''ہمارے لیے تحقیق اور جستجو کی راہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متعین کر دی ہے۔ انھوں نے جو تحقیقات فتاویٰ رضویہ میں رقم کی ہیں اور جو اُسلوبِ تحقیق اور اندازِ بحث ان کا ہوتا ہے، یہ سب ہمارے لیے رہ نما اور لائحۂ عمل ہے۔''(۲)

مجلس شرعی کے پچیسویں فقہی سیمینار کے خطبۂ صدارت میں امام احمد رضا قادری کے جشن صد سالہ کی مناسبت سے ان کے کار وافکار پر اجمالاً گفتگو کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک پوری جماعت یا اکیڈمی مل کر جو کام نہ کر پاتی وہ تنہا انجام دیتے، قدرت نے انھیں مسلمانوں کی دینی، علمی، فقہی ضروریات کا کفیل بنا کر جلوہ نما فرمایا تھا۔''(۳)

۱۹؍رجب ۱۴۳۶ھ مطابق ۹؍مئی ۲۰۱۵ء کو جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں منعقدہ ایک اجلاس میں طلبہ کی دینی واخلاقی ذمہ داریوں پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

''اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے، کہ حقیقی علم ان کتابوں سے آپ کو حاصل ہوگا اور ساتھ ساتھ طرزِ تحقیق، طرزِ بیان، طرزِ گفتگو بھی معلوم ہوگا۔ جو چیزیں آپ کو بہت سی کتابوں میں نہیں ملیں گی وہ آپ کو اعلیٰ حضرت کے رسائل میں ملیں گی اور میں نے بارہا یہ سیمیناروں میں، مجمعوں میں کہا ہے اور نجی محفلوں میں بھی کہ برصغیر کے ماحول میں اعلیٰ حضرت کے رسائل کے مطالعہ کے بغیر کوئی شخص عالم نہیں

(۱) نوائے دل، مجموعۂ خطبات، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۳۰، ۳۱
(۲) نفس مصدر، ص: ۵۰
(۳) نفس مصدر، ص: ۱۵۴

ہو سکتا۔ یہاں ہم نصاب کی تکمیل کرنے والے کو سند جاری کر دیتے ہیں، عالم فاضل اس کو بتا دیتے ہیں، لیکن جس قدر وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے دور ہوگا، اسی قدر اس کے اندر سطحیت زیادہ ہوگی اور جس قدر وہ کتب اعلیٰ حضرت کو گہرائی اور گیرائی سے دیکھے گا اسی قدر اس کے اندر ژرف نگاہی اور تعمق پیدا ہوگا اور اسی قدر اس کے علم میں جلا آئے گی۔"(۱)

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے چوبیسویں فقہی سیمینار میں پیش کیے گئے خطبۂ صدارت میں نام نہاد مفکرین اور جدت پسند ناقدین کو آئینہ دکھاتے ہوئے تفصیلی گفتگو فرمائی، جس کے مطالعے سے ان کا قومی درد بھی جھلکتا ہے، ساتھ ہی مستقبل شناسی کا رنگ بھی منعکس ہے۔ آپ نے اس تحریری خطبے میں اہل مغرب کے تجارتی تصور، ان کی اسلام دشمنی، مستشرقین کی ریشہ دوانیوں اور خفیہ تدبیروں کی نقاب کشائی کی اور نت نئی پیدا ہونے والی تحریکوں اور مستشرقین کے حربوں سے متاثر ان کے قائدین کے ہفوات پر نشتر چلایا ہے۔ برصغیر میں انگریزوں کی شہ پر دین میں فتنہ پروری کو رواج دینے اور اسلامی عقائد وافکار کے خلاف خود ساختہ عقیدہ ومذہب گڑھنے والوں، نیز ائمۂ دین کے خلاف بکواس کرنے اور فروعی مسائل میں رخنہ اندازی کر کے اختلاف وانتشار کا ماحول تیار کرنے والوں کو جم کر لتاڑا ہے۔ یہ چشم کشا حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"ماضی قریب میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ [۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۰ھ] نے اصول دین اور حدود تکفیر وعدم تکفیر کو اپنی تحریروں میں اچھی طرح واضح ومبرہن کر دیا ہے اور ایک زمانے سے ان کے علم وتحقیق کا سکہ رواں ہے۔ ان کا اخلاص وتقویٰ، عشق خدا ورسول، محبت اسلام ومسلمین اور علمی وقلمی دیانت وامانت کا سونا بھی جانچا پرکھا ہوا ہے۔ ان کی امامت وپیشوائی مسلم ہے، اس لیے آج ان

---

(۱) نفس مصدر، ص: ۲۴۲، ۲۴۳

کے فتوائے تکفیر کو بھی خاص طور سے نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کی امامت ودیانت پر بھی ہرزہ سرائی کی جارہی ہے تاکہ اپنے باطل افکار کو امت میں اعتبار دے سکیں اور کہیں ان کی عبارتوں کی غلط تعبیر وتشریح یا بے جا استعمال کی بھی کوشش ہو رہی ہے تاکہ ان کا نام لے کر اپنے خود ساختہ فتنوں کو فروغ دے سکیں، والعیاذ باللہ۔''(۱)

اسی خطبۂ صدارت میں علما ومفتیان کرام کو فتنوں کے مقابلے کی ترغیب بھی دی اور پیش قدمی کی حوصلہ افزائی کی، فرماتے ہیں:

''حضرات علمائے کرام! آپ کے ہاتھوں میں کشتیِ ملت کی نگہبانی ہے، اس لیے ہر طرح کے فتنوں سے ہمہ دم ہوشیار رہنے اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کی بے دریغ کوشش آپ پر فرض ہے۔ فتنے ہماری اولاد میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ ہمارے مدارس کی چہار دیواریاں محفوظ نہیں، ہمارے گھروں کے بند کمروں میں لگے بستر ہلاکت خیز ہتھیاروں کی زد میں ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی فراوانی نے ہر طرح کا حصار توڑ رکھا ہے۔ اب آپ کو تنہائیوں میں اور یکجا ہو کر مخصوص نشستوں میں سیلاب بلا پر بند باندھنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی ہے اور اپنی سعی محکم سے فتنوں کا سینہ چاک کرنا ہے، تاکہ آپ اپنے فرض سے سبک دوش بھی ہوں اور امت کو تحفظ بھی نصیب ہو، السعی منا والاتمام من اللہ۔''(۲)

یہ وہ دانش ورانہ افکار ہیں جو امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی علمی وفقہی تحقیقات کی اہمیت وعلمیت کو بیان کرتے ہیں۔ بلکہ وہ علمی وفکری موتی ہیں جنھیں بحر افکارِ رضا میں اتر کر

(۱) خطبۂ صدارت، چوبیسواں فقہی سیمینار، جامعہ اشرفیہ، نومبر ۲۰۱۷ء، ص: ۳

(۲) خطبۂ صدارت، نومبر ۲۰۱۷ء، ص: ۳

چنا گیا ہے۔ ۵/۶ رجنوری ۲۰۱۹ء کو خانقاہ ایوبیہ، کشی نگر کے زیر اہتمام سرزمین ممبئی میں صد سالہ امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے امام احمد رضا قادری پر ایک جامع تحریری خطبۂ صدارت پیش فرمایا جس میں ان کا ذکر جمیل، ان کے نقوش حیات کا تعارف اور ان کی فکری وقلمی خدمات کا تذکرہ ہے۔ ایک مقام پر امام احمد رضا قادری کے اسلوب تحریر پر یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

''جو لوگ اسالیب کلام کی معرفت رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ درسی اسلوب الگ ہوتا ہے، [اسٹیج کا] تقریری اسلوب الگ، قلمی انداز الگ ہوتا ہے زبانی انداز الگ، فنی اور علمی طرزِ تحریر الگ ہوتا ہے ادبی اور صحافتی طرز تحریر الگ۔ اسی طرح افتا کا اسلوب الگ ہوتا ہے اور اصلاح وموعظت کا اسلوب الگ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ میں افتا کے ساتھ اصلاح وموعظت کا رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بعض فتاویٰ میں اسلوب افتا پر اصلاح وموعظت کا اسلوب غالب نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ وہ صرف دقیقہ رس مفتی ہی نہ تھے، زبردست مجدد اور مصلح بھی تھے، وہ صرف حکم شرعی بتا کر کنارہ کشی نہ چاہتے تھے بلکہ حالات میں انقلاب اور لوگوں کی زندگی میں سدھار اور نکھار بھی چاہتے تھے۔''(۱)

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ پر لکھے گئے ان کے دیگر مضامین، کتابوں اور مقدموں میں بھی اس طرز کے افکار غالیہ چمکتے نظر آتے ہیں بلکہ دیگر علمی وتحقیقی موضوعات پر ان کی تحریر کردہ کتابوں اور مضامین بھی امام احمد رضا کے کتب ورسائل کا حوالہ موجود ہے۔ اسی طرح ان کے عالمانہ دروس میں بھی امام احمد رضا کا حوالہ بار بار سنائی دیتا ہے۔ یہ راقم الحروف کی خوش قسمتی ہے کہ لاک ڈاون میں جب دیگر دانش گاہوں کی طرح مدارس اسلامیہ

(۱) نوائے دل، مجموعۂ خطبات، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۳۳۲

میں آن لائن تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور جامعہ اشرفیہ میں حضرت صدر العلماء کی سربراہی میں آن لائن درس کا سسٹم تیار کیا گیا تو ان کے درس بیضاوی ومدارک کو ریکارڈ کرنے کا قرعۂ فال میرے نام نکلا اور سولہ سالوں بعد ایک بار پھر بالمشافہہ حضرت سے استفادہ کا موقع میسر آیا۔ ہر روز ان دونوں کتابوں کا درس ہوتا ہے اور راقم ایک طالب علم کی حیثیت سے اس میں حاضر رہ کر ان کے افکار علمیہ سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ مدارک التنزیل کا عربی حاشیہ خود انھی کا تحریر کردہ ہے۔ آیۂ کریمہ: "واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن." کی تفسیر میں موجود "سجود تحیۃ أو سجود انقیاد" [ص: ۳۷] پر جو حاشیہ ہے اس میں آپ نے اس موضوع پر مختصر گفتگو فرمائی ہے اور اخیر میں امام احمد رضا قادری کے رسالے "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" [۱۳۳۷ھ] کا ذکر کیا ہے جس میں امام احمد رضا نے چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو جزئیات فقہیہ کی روشنی میں سجدۂ تعظیمی کی حرمت بیان کی ہے۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی میں آیۂ کریمہ: ایاک نعبد وایاک نستعین" کے درس میں برجستہ مذکورہ رسالے کا ذکر فرمایا اور امام احمد رضا قادری کی علمی تحقیق کی داد دی۔

گویا علمی مجلسیں ہوں، فقہی مذاکرہ ہو، دروس کی محفلیں ہوں، عوامی خطابات ہوں، کتب ورسائل ومضامین ہوں، امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا ذکر اور ان کی علمی وفقہی تحقیقات کا تحسین آمیز بیان حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کا شیوۂ زندگی اور ان کے فکر وفن کا حصہ ہے۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی امام احمد رضا قادری کے سلسلۂ علم وفیض سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ آپ شہزادۂ رضا مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا نوری علیہ الرحمہ سے شرف بیعت وارادت اور ان کے پیر خانے سے دولت خلافت رکھتے ہیں، ساتھ ہی آپ کو تلمیذ وخلیفۂ امام احمد رضا، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور حافظ ملت

علیہ الرحمہ سے سلسلۂ معمریہ منوریہ میں طالب بھی ہیں۔

آپ نے امام احمد رضا قادری کے علمی آثار کی تحقیق میں کافی علمی وفکری توانائی صرف کی ہے اور امام اہل سنت کے فکر وفن کے مطالعہ میں عمر عزیز کا اچھا وقت خرچ کیا ہے۔ اپنے احباب، معاصرین، اہل علم، اہل ذوق، تلامذہ اور ملاقاتیوں کو انھیں پڑھنے اور جم کر پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور ہند وبیرون ہند کے محققین رضویات کا علمی تعاون فرمایا ہے۔

مولانا محمد توفیق نعیمی [بانی وناظم المجلس الاسلامی، شیش گڑھ، بریلی شریف] نے ۱۹۲۱ء سے ۲۰۰۰ء تک امام احمد رضا قادری پر لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا ایک تفصیلی اشاریہ تیار کیا ہے جس میں المجمع الاسلامی کی مطبوعات کا بھی ذکر ہے اور اخیر میں یہ جملے ہیں:

> ''مرکزی مجلس رضا، لاہور - اس ادارے نے بھی تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کا محاذ اس وقت سنبھالا جب کہ اہل سنت اس میدان میں خال خال نظر آرہے تھے۔ قابل مبارک باد ہیں مولانا افتخار احمد قادری، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی اور مولانا یٰسین اختر مصباحی وراکین ادارہ کہ جنھوں نے بروقت بیدار ہوکر اپنی مہم کا آغاز فرمایا اور دوسروں کو بھی اس جانب راغب کیا۔ تصنیف واشاعتِ کتب، ترجمہ نویسی، دیگر مصنفین کی کتابوں کی تصحیح، نئے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی وتائید، طلبہ کو مضمون نگاری کی تربیت، رسائل اعلیٰ حضرت کی جدید ترتیب وتسمیہ، درس وتدریس، علمی جلسوں، سیمیناروں کی سرپرستی، تنظیم سازی اور صحافت وغیرہ ہر علمی میدان میں یہ حضرات پیش پیش نظر آتے ہیں۔ بلاشبہہ ان حضرات نے تصنیفی واشاعتی دنیا میں اہل سنت کے لیے روح کا کام کیا ہے۔''(۱)

اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی اگر کوئی ان کی علمی وتحقیقی خدمات کا اعتراف نہیں کرتا

---

(۱) سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء، ص: ۷۲

تو یہ اس کی کوتاہ نظری اور علمی بخل کے سوا اور کچھ نہیں، لیکن ہمیں ایسوں سے کوئی شکایت نہیں، وہ ذکر کریں یا حقیقت چھپا کر عوام وخواص کو بدظن کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر کوئی ان پر بیجا تنقیدوں کا نشتر چلائے یا دانستہ ان پر طنز کرے تو وہ علمی وادبی شدت پسندی کا شکار مانا جائے گا۔ ایک بار ایک مصنف نے اپنی کتاب میں اس طرح کی جسارت کی تو مفتی محمد فیضان المصطفیٰ قادری نے ان الفاظ میں اس کا جواب دیا:

> ''یہ حقیقت ہے کہ رضویات پر ان کی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ شائقین علوم رضا کی طرف سے بجا طور پر وہ تشکر اور دعاؤں کے حق دار ہیں۔ گزشتہ پچاس سالوں میں جن حضرات کی جہد مسلسل سے تصنیفات وتعلیمات رضا کی اشاعت کا کام ہوا ہے ان میں موصوف کا نام صف اول میں آنا چاہیے۔ جن لوگوں نے ان کے تحریری واشاعتی مشاغل کو آنکھوں سے دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی وراثت کی خوب سے خوب تر اشاعت میں آپ نے زندگی کے شب وروز لگائے ہیں۔ ''قصیدتان رائعتان، المعتمد المستند، جدالممتار'' کی شاندار اشاعت ان کی ہی توجہات کی رہین منت ہے۔ فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن میں عربی عبارات کے ترجمہ میں بھی آپ نے کردار ادا کیا ہے اور خود ''امام احمد رضا اور تصوف'' اور ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں'' جیسی شاندار تصنیف قوم کو عطا کی ہیں۔ یہ باتیں ہم اس لیے درج کر رہے ہیں تاکہ اس عہد خرافات میں کوئی جانباز حضرت مصباحی صاحب کی مندرج تحریر کو ان کی کردار کشی کے لیے استعمال کرنے سے پہلے ان کی خدمات پر بھی نظر ڈال لے۔''[1]

---

[1] اداریہ، ماہ نامہ پیغام شریعت، دہلی، ستمبر ۲۰۱۷ء، ص: ۶

سچ تو یہ ہے کہ فروغ رضویات کی کوئی بھی تاریخ ان کے ذکر جمیل کے بغیر ادھوری اور نامکمل مانی جائے گی۔ بلکہ برصغیر ہندو پاک کی مذہبی تاریخ بھی ان کی علمی خدمات کی شمولیت کے بغیر تشنہ ہوگی اور تاریخ نویسی منہ چڑھا رہی ہوگی۔

پاکستان میں رضا فاؤنڈیشن، لاہور نے جب فتاویٰ رضویہ کے ترجمہ وتخریج کا کام شروع کیا تو حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کو چند جلدوں کی عربی وفارسی عبارات کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری سونپی۔ یوں ہی امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف کے زیر اہتمام مفتی محمد حنیف خاں رضوی نے جب قدیم فتاویٰ رضویہ کی جدید طباعت واشاعت کا منصوبہ بنایا اور کمپیوٹر کتابت اور تخریج کے ساتھ منظر عام پر آئی تو اس گراں قدر علمی کام میں بھی علامہ محمد احمد مصباحی کی رفاقت ومشاورت رہی، جس کا اعتراف مفتی محمد حنیف خاں نے پہلی جلد کے ابتدائیہ میں کیا ہے۔ یعنی باب رضویات کے کسی بھی شعبۂ علم میں ان کے نام کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

فروغ رضویات کے ضمن میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کا وہ کام بھی جو نصابی ضرورت کے پیش نظر جامعہ اشرفیہ کے شعبۂ تحقیق کے اسکالروں سے اپنی نگرانی میں آپ نے کروایا اور پھر باضابطہ ان کی اصلاح ونظر ثانی کا کام انجام دیا۔ اس سلسلے میں قابل ذکر کام فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں کے تعارف کے لیے بارہ محققین کی نامزدگی اور ہر جلد پر مستقل تحقیقی مقالوں کی تیاری ہے۔ یہ تعارف ان کی کتاب امام احمد رجا کی فقہی بصیرت میں مندرج عناوین کی روشنی میں لکھا گیا، جس کا مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ: جہان علوم ومعارف'' کے نام سے تین جلدوں میں المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر تحقیق کے جن طلبہ نے آپ کی نگرانی میں امام احمد رضا پر علمی کام کیا ہے ان میں ایک نام مفتی محمد کمال الدین اشرفی کا بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''۲۰۰۱ء میں راقم السطور نے عالمیت اور فضیلت کی تکمیل کر کے تحقیق فی الفقہ میں داخلہ لیا۔ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے ''خصائص فتاویٰ رضویہ'' کے عنوان پر سب سے پہلے اس ناچیز کو

آمادہ کیا اور باضابطہ اس عنوان کو میرے لیے منتخب فرمایا۔ اپنی مایہ ناز تصنیف ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جدالممتار کے آئینے میں'' کا ایک نسخہ مقالے کی تیاری کے لیے بطور نمونہ عنایت کیا۔ ان کے علاوہ گاہے گاہے دیگر کتابوں اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ از ابتدا تا انتہا اس مقالہ کی تیاری میں میرا ہر طرح تعاون کیا۔''(۱)

یہ شواہد رضویاتی ادب میں ان کے حد درجہ شغف اور امام احمد رضا قادری کے فکروفن سے ان کی گہری وابستگی کا پتہ دیتے ہیں۔ جسے نہ بھلایا جاسکتا ہے نہ غلط فہمی اور نشتر زنی کی بدرنگ تھیلی میں بند کیا جاسکتا ہے۔

مفتی محمد قمرالحسن بستوی مصباحی [مقیم امریکہ] نے برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے:

''وہ [علامہ محمد احمد مصباحی] رضویات کی ایسی شناخت ہیں کہ جن کے قول وفعل اور حرکات وسکنات سے امام اہل سنت کی فکر جھلکتی ہے۔ رب قدیر موصوف کو تادیر اہل سنت پر سائبان بنا کر قائم رکھے، آمین۔''(۲)

افکارِ تصوف:

ہم نے قوی مشاہدے سے اس حقیقت کا ادراک کیا ہے کہ حضرت صدرالعلماء شریعت پر عمل کے ساتھ طریقت میں بھی راسخ ہیں۔ یعنی ان کی خاموش زندگی میں دو پرسکون سمندر پوشیدہ ہیں اور اس بنیاد پر آپ کی ذات مجمع البحرین ہوتی ہے۔ یہاں ان کے افکارِ تصوف کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

''تصوف'' کیا ہے اور کیا عہدِ رسالت میں اس کا وجود تھا؟ اس سوال کے جواب میں علما و محققین نے بیش قیمت کتابیں اور چشم کشا مضامین تحریر فرمائے اور دیگر حقائق کے ساتھ مختلف ادوار کے اجلہ صوفیہ کے اقوال وفرمودات کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کا حاصل یہ ہے

---

(۱) ایک غیر مطبوعہ تحریر سے اقتباس

(۲) مکتوب بنام راقم الحروف، ۹؍جون ۲۰۲۰ء

کہ تصوف کا نقطۂ آغاز حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے ہے جو ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر دورِ عروج کو چھولیتا ہے۔ صحابہ کرام کی زندگیاں بنام احسان تصوف کی حقیقتوں سے لبریز تھیں اور بعد کے ادوار میں علم شریعت کے زیر سایہ علم تصوف پروان چڑھا۔

''تصوف'' شریعت ہی کا ایک حصہ ہے، جب باقاعدہ فنون ایجاد ہوئے تو اس کا نام طریقت پڑ گیا لیکن کسی بھی دور میں اس کے اندر سے شریعت کی روح نہیں کشید کی گئی، بلکہ یہی مانا جاتا رہا کہ جس طریقت کو شریعت رد کردے وہ طریقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علما کو اسلامی وراثت کا امین بنایا اور انھیں شرعی امور کی معرفت بخشی، جس کا نام ''فقہ اسلامی'' ہوا۔ اس لیے یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ ''فقہی بصیرت'' ایک امانت الٰہیہ ہے اور یہ امانت اللہ تعالیٰ اس بندے کو سونپتا ہے جس کے ساتھ وہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے۔ حدیث پاک میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔ (۱)

گویا ''فقہ'' ہر خیر کی بنیاد ہے۔ علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے ''مرقاۃ المفاتیح'' میں امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''قال الامام مالک: من تفقه ولم یتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم یتفقه فقد تزندق، ومن جمع بینهما فقد تحقق۔''(۲)

یعنی جس نے فقہی بصیرت پائی اور راہِ تصوف نہ اختیار کی وہ فاسق ہوا، اور جس نے طریقت سیکھی اور فقہی بصیرت سے تہی دامن رہا وہ زندیق ہوا۔ ہاں جس نے فقہ وتصوف دونوں کو جمع کرلیا وہ حق آشنا ہوا۔

امام شعرانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''طبقات کبریٰ'' [ص:۱۸] میں ابو عبد اللہ محمد بن حنیف ضبی قدس سرہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل، ص:۱۱، ج:۵، حدیث:۲۷۹۰

(۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ص:۳۳۵، ج:۱

"التصوف تصفية القلب واتباع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الشریعة."

یعنی دل کو صاف کرنا اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا تصوف ہے۔ سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: "أقرب الطرق الی اللہ لزوم قانون العبودیة والاستمساک بعروة الشریعة."[1]

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ تھامے رہنا ہے۔ گویا شریعت پر استقامت کے بغیر خدا تک رسائی کامل نہیں ہوسکتی۔ "فقہ اسلامی" آسمانِ طریقت کا زینہ ہے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی سالک فقہ اسلامی کے زینے پر قدم رکھے بغیر طریقت کے آسمان تک رسائی پا جائے؟ اس سلسلے میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کے مکتوب گرامی کا یہ اقتباس پراگندہ ذہن وفکر کے جالے کو صاف کردیتا ہے:

"جو شخص طریقت کی راہ کا طلب گار ہو، اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہیے۔ تاکہ قصبۂ شریعت سے شہرِ طریقت میں پہنچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہوا، ملکِ حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس نے علم شریعت [فقہ] ہی کو نہیں سمجھا ہے وہ طریقت [تصوف] کو کیا پہچانے گا؟ اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیوں کر رسائی ہوسکتی ہے؟ اس لیے بے علم ومعرفت اور ناواقفِ شریعت کو اس راہ پر چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی خود رائی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک جائے گا اور اسی چکر میں اس کی جان بھی

---

(1) بهجة الاسرار للعلامة ابی الحسن علی الشطنوفی، ص: ۵۰

چلی جائے گی۔ بالکل ناممکن ہے کہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔"(۱)

مکتوب نمبر ۵٦ کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کرلیں:

"یہ خیال ہی خیال ہے کہ بغیر شریعت پر چلے ہوئے طریقت کا راستہ تم پر کھول دیا جائے گا۔ بغیر شریعت کے طریقت کام آنے والی نہیں اور بغیر طریقت حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی۔"(۲)

ایک سالک راہِ طریقت کے لیے شریعت کا علم بھی ضروری ہے اور شرعی احکام پر سختی کے ساتھ عمل کرنا بھی لازمی ہے۔ جب تک وہ فقہ میں محقق نہ ہوگا مسائل طریقت سے استفادہ اس کے لیے ناممکن ہوگا۔ شیخ منیری فرماتے ہیں:

"جب تک کوئی شریعت میں محقق نہ ہوگا طریقت سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔"(۳)

بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں اپنا سامان فروخت کرنے والے کو یہ حکم سناتے ہیں:

"لا یبع فی سوقنا الا من قد تفقه فی الدین." یعنی ہمارے بازار میں وہی شخص سامان بیچ سکتا ہے جو دین کا فقیہ ہو۔(۴)

اسی لیے ہر عہد کے صوفیہ نے راہِ تصوف میں قدم رکھنے سے پہلے فقہ اسلامی کے مسائل میں تحقیق کی، اس کے اصول وفروع سے آشنا ہوئے، کلیات وجزئیات کی تہ تک پہنچے اور فقہ کی تحصیل میں عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ خرچ کیا پھر تصوفِ اعتقادی وعملی کے زیور سے آراستہ ہوئے اور طریقت کی منزل پائی۔

درج بالا سطور میں اختصار کے ساتھ حقیقت تصوف کو بیان کیا گیا ہے۔ ان حقائق کی

---

(۱) شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مکتوبات صدی، ص: ۱٦۷، مکتوب نمبر: ۲۳

(۲) ایضا، ص: ۳٦۵

(۳) ایضا، ص: ۳۸۴، مکتوب: ۳۹

(۴) سنن ترمذی، ص: ٦۴، ج: ۱، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

روشنی میں ہم حضرت صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کے افکار علمیہ کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں طریقت وتصوف کی وہی روح موجود ہے جو صوفیہ کے احوال واقوال میں نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کی ایک مستقل کتاب ''امام احمد رضا اور تصوف'' اور چند مضامین رہنما ثابت ہوتے ہیں، ان مضامین میں ''توحید-تصوف اور اہل تصوف'' [اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، اکتوبر ۲۰۰۴ء] ''وحدۃ الوجود مشائخ چشت کا منظورِ نگاہ نظریہ'' [اہل سنت کی آواز، مارہرہ، مطہرہ، نومبر ۲۰۰۸ء] اور ''تصوف - روح اسلام'' [ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جولائی ۲۰۱۲ء] بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتب ومقالات میں بھی افکارِ تصوف کی ایک کہکشاں موجود ہے۔

''امام احمد رضا اور تصوف'' کا آغاز ہی حقیقت تصوف کے بیان سے ہوتا ہے، حاملانِ باطن کے چند اقوال کو بطور ثبوت پیش کر کے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

> ''اصل تصوف تصفیۂ قلب اور اتباع شریعت ہے۔ حقیقی اور اعلیٰ کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ سچا ولی وہی ہوگا جو سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی میں سچا ہو۔''[1]

اپنے مضمون ''تصوف روح اسلام'' میں انھوں نے تصوف اور صوفیہ کرام سے متعلق یہ حقیقت بیان کی ہے:

> ''کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف یا طریقت، شریعت سے کوئی جدا راہ ہے۔ اس خیال کو ان غلط کار متصوفوں نے بھی شہرت دی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت راہ ہے اور طریقت منزل، جو منزل تک پہنچ گیا اسے راہ کی کیا ضرورت؟ وہ اپنے کو تمام احکام وفرائض سے آزاد سمجھتے ہیں۔ درحقیقت یہ زندقہ ہے، صوفیہ نے کبھی یہ معنی بیان

---

[1] امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص:۹

نہ کیے، نہ ہی وہ طریقت کو شریعت سے بے نیاز سمجھتے ہیں، نہ ہی تصوف کو کتاب وسنت کی تعلیم سے الگ شمار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طریقت کو شریعت رد کردے وہ الحاد وزندقہ ہے، جو کشف معیارِ شرع پر پورا نہ اترے مکر شیطان ہے۔"(۱)

اب سوال ہے کہ شریعت پر استقامت کب مانی جائے گی؟ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

"شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر وباطن دونوں احکام الٰہی کے پابند ہوں، باطن اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہو اور ظاہر اوصاف حمیدہ سے آراستہ، صرف چند فرائض وواجبات کی ادائیگی اور چند ممنوعات وحرام سے پرہیز کر لینے سے شریعت کی پابندی کسی فقیہ کی نظر میں بھی کامل نہیں ہوتی، کسی عارف کے نزدیک کیا ہوگی؟" (۲)

آگے اوصاف ذمیمہ اور اخلاق حمیدہ کی ایک فہرست بھی دی گئی ہے، ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ طالب صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکارم اخلاق حاصل کرے اور مقامات واحوال کی مشق کرے۔ مقامات کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں بندہ یہ تصور رکھے کہ میرا باطن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور احوال دل کے معاملات کا نام ہے یعنی ذکر کی صفائی سے دلوں میں جو واردات آتے ہیں وہ احوال ہیں۔ اسی مضمون میں چودہ مقامات اور گیارہ احوال کو بیان کیا ہے۔ اخیر کے ساڑھے تین صفحات میں ریا کی مختلف صورتوں اور قسموں اور ان کے احکام کی تفصیل ذکر کی ہے تاکہ ان بد فطرت معترضین کی زبان وقلم کو لگام لگے جو تصوف کی حقیقی تعلیم اور صوفیہ کی زندگی کو نشانہ بناتے ہیں۔

انھوں نے تصوف کی دو قسم بیان کی ہے: تصوف اعتقادی اور تصوف عملی۔ تصوف اعتقادی میں شریعت کے اعتقادی نظریات سے بحث کی جاتی ہے اور یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ صوفیہ بھی

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، جولائی ۲۰۱۲ء

(۲) نفس مصدر

اسلام کے بنیادی عقائد کے حامل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی ایک اچھی بحث ان کے مضمون ''توحید، تصوف اور اہل تصوف'' میں موجود ہے۔ ''امام احمد رضا اور تصوف میں'' ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''صوفیۂ کرام ان تمام عقائد کے معتقد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہیں، کسی بھی مسئلہ میں اور کسی بھی جگہ وہ ان سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو اہل سنت کے مسلمہ عقائد ہیں انھیں بھی وہ مانتے ہیں۔ لیکن عقائد کی بعض فروع میں، کشف و شہود کے نتیجے میں ان پر بہت سی ایسی باتیں عیاں ہوتی ہیں جن تک عام عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی اور وہ متفقہ عقائد کے خلاف بھی نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں پختگی اور تقویت کا سامان ہوتی ہیں۔''(۱)

چند سطروں بعد لکھتے ہیں:

''قرآن و حدیث کے لطائف و معانی کی انتہا نہیں۔ وفوق کل ذی علم علیم. اس لیے یہ کوئی مقام حیرت نہیں کہ بہت سے معانی تک عام عقلوں کی رسائی نہ ہو سکے اور اربابِ کشف و مشاہدہ کو صفائے قلب اور فضل ربانی کے نتیجے میں ان معانی کا بدیہیات و محسوسات کی طرح ادراک ہو جائے اور ارباب ظاہر کسی دیدہ ور کی تفہیم و تلقین کے بغیر انھیں سمجھنے سے بھی قاصر ہوں۔ یہ عام عقلوں کا قصور ہے، اُن اجلہ اولیا اور ان کے پاکیزہ و بلند عقائد و افکار کا نہیں۔''(۲)

''توحید، تصوف اور اہل تصوف'' میں نتیجۂ بحث کے طور پر خامہ فرسا ہیں:

''صوفیہ کرام کے عقائد بھی وہی ہیں جو اکابر سلف اور اَعلام امت کے ہیں، جو قرآن مجید اور سنت نبویہ سے ماخوذ ہیں۔ ان سے وہ سرمو

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۱۴

(۲) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۱۵

انحراف گوارا نہیں کرتے۔ ہاں کشف والہام کے نتیجے میں ان پر کچھ اسرار ومعارف منکشف ہوتے ہیں جن کو وہ شریعت کی میزان پر تولتے ہیں، اگر وہ شریعت سے متصادم ہیں تو رد کردیتے ہیں اور اگر موافق ہیں تو قبول کرتے ہیں مگر انھیں دوسروں پر لازم نہیں کرتے۔''(۱)

ان تفصیلی بحثوں سے انھوں نے صوفیہ کے اعتقادی نظریات کی حقانیت وصداقت کو مدلل بیان کیا ہے جو اعتقادی تصوف میں خود اُن کے افکار کو بھی مجلا کرتی ہیں۔ ''امام احمد رضا اور تصوف'' کے باب اول میں تصوف اعتقادی پر گفتگو فرمائی اور اس کے ذیل میں وحدۃ الوجود، صفات باری، کلام الٰہی، مقام مصطفی، علم مصطفی، اختیار مصطفی اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق منکشف کیے ہیں، ساتھ ساتھ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے اقوال واشعار کی شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ اسی طرح باب سوم میں تصوف عملی کے تحت امام احمد رضا قادری کے عشق رسول، غیرت عشق، تعظیم سادات، مجاہدہ، ایمان ویقین، تقویٰ، تواضع ومحاسبۂ نفس، اخلاص وحسن نیت، تجدید واصلاح، بارگاہ قادریت میں ان کی نیاز مندی اور چند کرامتوں کو بیان کیا ہے اور مستند شہادتوں سے ان کی باکمال صوفیانہ حیات کا نقشہ کھینچا ہے۔

امام احمد رضا کے علاوہ تصوف عملی میں دیگر صوفیہ وعلما کے احوال زندگی کے نشانات چند بزرگوں پر لکھے گئے حضرت صدر العلماء کے مضامین وتاثرات میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں شیخ عزالدین عبدالسلام [ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ فروری ۱۹۷۶ء]، صاحب ہدایہ [ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ مئی ۱۹۷۸ء]، علامہ فضل حق خیرآبادی [ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ دسمبر ۲۰۰۱ء]، شاہ ابوالحسین احمد نوری [ماہ نامہ استقامت، کان پور، مفتی اعظم نمبر، مئی ۱۹۸۳ء]، مفتی اعظم ہند [انوار مفتی اعظم، رضا اکیڈمی، ممبئی، اکتوبر ۱۹۹۲ء]، مفتی احمد یار خان نعیمی [مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، مطبوعہ کان پور]، صدر الشریعہ [اسلامی اخلاق وآداب، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۸۶ء]، حافظ ملت [ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ اگست ۱۹۷۸ء/ نومبر دسمبر

---

(۱) اہل سنت کی آواز، مارہرہ، مطہرہ، اکتوبر ۲۰۰۴ء

۱۹۹۲ء]، احسن العلماء [ماہ نامہ اشرفیہ، سید ین نمبر، اکتوبر ۲۰۰۲ء]، مولانا حافظ عبدالرؤوف بلیاوی [تذکرۂ حافظ عبدالرؤوف بلیاوی، المجمع الاسلامی، جنوری ۱۹۹۳ء]، صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی [صدر العلماء محدث میرٹھی، حیات وخدمات، مطبوعہ مسجد نور الاسلام، بولٹن، ۲۰۱۰ء، جلد اول] وغیرہم پر تحریر ہوئے مختصر وطویل مضامین قابل ذکر ہیں۔ یہ سارے مضامین ''مقالات مصباحی'' میں شامل ہیں۔ ایک مضمون مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ کی کتاب التصوف کی تلخیص پر مشتمل ہے جس میں تعلیمات تصوف کی جلوہ گری بھی ہے اور مصنف کی جلالت علمی کا بیان بھی۔

راقم الحروف اپنے مشاہدات کی روشنی میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ سطریں لکھتا ہے کہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی حیات کے شب وروز اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ ان میں بھی تصوف اعتقادی وعملی کی جھلکیاں پوری طرح نمایاں ہیں اور ان کی خاموش، سنجیدہ، سادہ اور باوقار ذات میں علم وعرفان کی ہزار ہا رنگینیاں موجود ہیں۔ چشم بینا ہو تو دیکھے، گوش شنوا ہو تو سماعتوں میں محفوظ کرلے۔

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی سلسلہ رضویہ، نوریہ میں مرید، سلسلہ معمریہ منوریہ میں طالب اور سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں خلیفہ ہیں۔ ان کا علمی شجرہ محض دو واسطوں سے امام احمد رضا قادری تک اور تین واسطوں سے علامہ فضل حق خیرآبادی تک پہنچتا ہے۔ گھر کا ماحول بزرگوں کی عقیدتوں اور علما کی محبتوں سے جگمگا رہا تھا۔ والدین سلسلۂ اشرفیہ میں مرید تھے اور اپنے فرزند کی تعلیم وتربیت اسی نہج پر کی جس سے دل میں علم کا شوق، علما کی محبت اور مشائخ کرام کی عقیدت جاگزیں ہو جائے اور وہ طلب علم کے ساتھ عمل کے تقاضوں کی تکمیل بھی کر سکے۔ یہی ان کی کوشش بھی تھی اور اسی کی دعائیں بھی دیتے تھے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں بھی سن لیں اور ان کی کوششوں کو بارآور بھی کر دیا۔ دونوں فرزند علامہ محمد احمد مصباحی اور مفتی احمد القادری نے علم بھی حاصل کیا اور عمل صالح کی دولت بھی سمیٹی، زمرۂ علما میں منفرد شان کے بھی مالک ہیں اور عملی زندگی میں ایک مثال پیش کر رہے ہیں۔

سنجیدگی اور دین داری میں دونوں کا جواب نہیں۔ان کا تصلب فی الدین بھی قابل رشک ہے اور علم پر عمل کا جذبہ بھی لائق تحسین ہے۔دین پر استقامت، بزرگوں سے محبت، اسلاف کا احترام، علما کی توقیر، چھوٹوں پر شفقت، صحابہ کرام کے اندازِ سے والہانہ وارفتگی، حنفیت پر اعتماد اور قادریت سے انسلاک، دین پروری اور علما نوازی وغیرہ ایسے خصائص ہیں جو انھیں اقران پر فائق کرتے ہیں۔یہی ان کی کرامت ہے اور یہی ان کی شناخت ہے۔

تصوف اعتقادی اور تصوف عملی کے ساتھ تصوف علمی کے حقائق بھی ان کی کتابوں اور مضامین میں بھی موجود ہیں، اس کے کچھ نظائر ماقبل کی سطور میں گزر چکے ہیں اور چند کا ذکر آگے آرہا ہے۔

آپ کے تصوف علمی کے مظاہر کتبِ علوم شرعیہ کے دُروس میں بھی چمکتے نظر آتے ہیں۔دس شوال المکرم ۱۴۴۱ھ سے راقم الحروف کو دوبارہ ان کی بارگاہ فیض وعرفان میں بیٹھ کر درس تفسیر بیضاوی ومدارک سننے کا موقع مل رہا ہے۔یہ ایک تجدیدی عمل ہے جو علم میں نکھار اور عمل میں پختگی کا اشارہ دیتا ہے۔اُن دُروس میں بسا اوقات حضرت کی آنکھیں بند رہتی ہیں اور علم تصوف ان کی زبان فیض ترجمان پر ایک آبشار کی مانند بہتا محسوس ہوتا ہے۔گویا کوئی عرفانی چشمہ ہے جو اُبل رہا ہے، کوئی سبک خرام ندی ہے جو بہتی جارہی ہے۔کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم وادب کا ایک آسمان ہمارے وجود پر سایہ فگن ہے اور ابر بارندہ کی مانند بڑی خاموشی سے برس رہا ہے اور ہم نہال ہورہے ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ”ایاک نعبد وایاک نستعین“ کے تحت ایک نفیس عارفانہ بحث کا اجمال ذکر کیا گیا ہے۔

بیضاوی شریف کی عبارت یہ ہے:

بنی أول الکلام علی ماهو مبادی حال العارف من الذکر والفکر والتأمل فی أسمائه والنظر فی آلائه والاستدلال بصنائعه علی عظیم شانه وباهر سلطانه، ثم قفی بما هو منتهی

أمره وهو أن يخوض لجة الوصول ويصير من أهل المشاهده فيراها عيانا ويناجيه شفاها، اللهم اجعلنا من الواصلين دون السامعين للأثر۔ (۱)

[ترجمہ: اول کلام کی بنیاد اس پر رکھی جو عارف کے حال کا مبدا ہے یعنی ذکر، فکر، اس کے اسما میں تامل، اس کی نعمتوں میں نظر، اس کی کارسازیوں سے اس کی عظمت شان اور روشن سلطان پر استدلال۔ پھر اس کے بعد اس کو رکھا جو اس کے معاملے کی انتہا ہے۔ وہ یہ کہ وصول کے بھنور میں داخل ہو کر اہل مشاہدہ میں سے ہو جائے، تو اسے آنکھوں سے دیکھے اور بالمشافہہ اس سے ہم کلام ہو۔ [معنی یہ ہے] اے اللہ! ہمیں واصلین میں شامل کر دے، صرف خبر سننے والوں میں نہ رکھ۔]

سورۂ فاتحہ میں ''الحمد للہ رب العالمین'' سے ''مالک یوم الدین'' تک غائب کے صیغے آئے ہیں تو اس کے بعد ''ایاہ نعبد وایاہ نستعین'' ہونا چاہیے تھا، ''ایاہ'' کی تقدیم سے حصر کا حکم مستفاد ہوتا لیکن اس کی بجائے ''ایاک نعبد'' کہا گیا یعنی غیبت سے خطاب کی طرف عدول کیا گیا۔ ایسا کیوں؟ اس کی تین وجہیں بیان کی گئیں، ایک علماے ظاہر کے لحاظ سے، دوسری علماے باطن اور تیسری علماے عربیہ کے لحاظ سے۔ علماے باطن کے لحاظ سے اس کی وجہ کے بیان میں جو تفصیلات حضرت صدر العلماء نے ذکر کی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''انسان بنفسہٖ تجلی ذات کی استعداد اور مشاہدہ کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن ابتدا یعنی بچپن میں عقل ناقص ہوتی ہے، اور وہ محسوسات سے مانوس ہوتا ہے۔ انسان کو دو قوتیں عطا کی گئی ہیں: قوت شہوانیہ، قوت غضبانیہ۔ قوت شہوانیہ کا کام بدن انسانی کے مناسب چیزوں کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور قوت غضبانیہ اس کی ذات سے نقصان دہ چیزوں کو دفع کرتی ہے۔ یعنی اول سے جلبِ منفعت اور ثانی سے دفعِ مفسدہ کا کام لیا

(۱) تفسیر البیضاوی، ص: ۸

جاتا ہے، تاکہ ایک مدت تک اس کی حیات جاری رہ سکے۔ ان دونوں قوتوں کا انسان پر غلبہ ہوتا ہے اور وہ مصالح کی جمع آوری اور مفاسد کے سد باب میں لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اخلاق ذمیمہ اس کے اوپر حاوی ہو جاتے ہیں اور وہ ان کی تاریکیوں میں پڑا رہتا ہے اور رب تعالیٰ کی جانب توجہ نہیں کر پاتا اور اس سے روگرداں ہوتا ہے۔

یہ انسان کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔ چوں کہ ہر چیز کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے۔ اس لیے ابتدا میں رب تعالیٰ کی جانب سے بندہ کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اس کا ذکر کرے۔ اس عمل سے مذکور [اللہ تعالیٰ] اس کے دل ودماغ پر حاوی ہو جائے گا، اس کی محبت انسان کے اندر پیوست ہو جائے گی اور ماسوا سے اس کا دل خالی ہو جائے گا۔ یہ خوبی اس کے اندر کثرتِ ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ ذکر کے بعد اس کی اندر فکر [یعنی معرفتِ الٰہیہ کے استحضار] کی صلاحیت واستعداد پیدا ہوگی۔ فکر کی جولان گاہ ذات نہیں ہے کیوں کہ حقیقتِ ذات کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے۔ اس سے انسان ایسے ہی عاجز ہے جیسے چمگادڑ سورج کی روشنی میں عاجز ہوتا ہے۔ تو فکر کی جولان گاہ صفات الٰہیہ ہیں۔ اس لیے اسے چاہیے کہ اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ، افعال عظیمہ اور صفات کمالیہ کے مظاہر میں غور وفکر کرے کہ اسے زمین وآسمان کی بادشاہت حاصل ہے، نظام کائنات اسی کے قبضہ واختیار میں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جیسے جیسے وہ فکر کی گہرائی میں اترتا جائے گا، نفس اور اس کے احوال وکیفیات سے غائب ہوتا جائے گا۔ جس سے اس کی فکر میں ترقی حاصل ہوگی اور اسے مقام قرب حاصل ہوگا، پھر وہ مذکور کے مشاہدے میں ذکر سے بھی غائب ہو جائے گا اور یہ مقام مقام فنا ہوگا۔

فنا تک ترقی پانے کے بعد وہ وصول تک پہنچے گا تو نورِ حق سے ہر چیز کا مشاہدہ کرے گا۔ یعنی ذکر سے فکر تک کا مرحلہ پار کرنے میں اسمائے الٰہیہ میں نظر کرنا، صفات اور مظاہر قدرت میں غور وخوض کرنا لازمی ہوتا ہے۔ صفات میں سے "رب العالمین" میں غور وفکر کرنے سے وہ یقین کرے گا کہ وہ موجود ہے، تکمیل فرمانے والا ہے اور تربیت کرنے والا ہے۔

الرحمٰن الرحیم'' میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ سب سے بڑھ کر فضل واحسان کرنے والا ہے۔ اور بغیر سابقہ استحقاق کے اس نے یہ انعامات واحسانات کیے ہیں۔ جب وہ نعمتوں میں نظر کرے گا تو اسے شکر وامتنان کی توفیق حاصل ہوگی اور اس میں امید وبیم اور توکل کی کیفیت پیدا ہوگی اور ریا وسمعہ کو ترک کردے گا۔ پھر افعال کی حیثیت سے دیکھے گا تو اس کو یقین ہوگا کہ وہی فاعل ہے، قادر ہے، عالم ہے اور حکومت وبادشاہت اسی کی ہے۔ ان طریقوں سے جو یقین حاصل ہوتا ہے اس سے کسی نہ کسی درجۂ وصول پر وہ پہنچتا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عوارف المعارف'' میں فرمایا:

''جو بھی ذوق اور وجدان کی راہ سے یقین کی صفائی تک پہنچتا ہے تو وہ کسی نہ کسی درجۂ وصول پر ہوتا ہے، اس کے بعد لوگوں کے مراتب وحالات جداگانہ ہوتے ہیں، کوئی افعال کی راہ سے وصول حاصل کرتا ہے، یعنی وہ یہ دیکھتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے سب فعل الٰہی ہے اور سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب اس پر وہ نظر کرتا ہے تو اپنا اور سب کا فعل اس کی نظر میں منتفی ہو جاتا ہے۔ محض فعل الٰہی کو وہ دیکھتا ہے اور تدبیر واختیار سے بھی باہر آجاتا ہے۔ تو یہ بھی وصول کا ایک درجہ ہے۔ کوئی ہیبت اور اُنس کے مقام پر پہنچ کر اس کے جلال وجمال کا مشاہدہ کرتا ہے جس سے اس کے دل پر مکاشفہ ہوتا ہے، جلال کے مشاہدے سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور جمال کے مشاہدے سے اُنس پیدا ہوتا ہے، اس طرح ہیبت واُنس کے مقام سے گزر کر بندہ وصول حاصل کرتا ہے۔ یہ بھی وصول کا ایک درجہ ہے جو صفات کے ذریعہ اسے حاصل ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد پھر وہ اس طرح ترقی کرتا ہے کہ یقین اور مشاہدہ کے انوار اس کے باطن پر چھا جاتے ہیں اور تمام ماسوا یہاں تک کہ نفس اور اس کے احوال سے بھی وہ غافل ہو جاتا ہے۔

یہ وصول تجلی ذات کے طریقے سے ہوتا ہے۔ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے اعلیٰ ہے۔ ان تین درجوں سے آگے حق الیقین کا درجہ ہوتا ہے، جس میں نورِ حق اس کے پورے وجود میں سرایت کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح، قلب، نفس، قالب، یہ بھی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ درجہ خواص کو حاصل ہوتا ہے۔ ہر درجہ سے اوپر اور درجات ہیں، اس لیے کہ تجلی ذات کی کوئی انتہا نہیں۔"

یہ اَفکار حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کے درس بیضاوی سے ماخوذ ہیں، جن کی سماعت کا شرف راقم الحروف کو ۱۴ر جون ۲۰۲۰ء کو حاصل ہوا ہے۔ ان کے مطالعے حقیقت کی گرہیں کھلتی ہیں اور مشاہدہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

تاریخ گوئی:

اس کا مطلب ہے تاریخی مادہ برآمد کرنا۔ "تاریخ گو" قطعاتِ تاریخ کہنے والے شاعر کو کہا جاتا ہے۔ انشا اور مومن اردو کے مشہور تاریخ گو شعرا ہیں۔ وکی پیڈیا میں لکھا ہے کہ فن تاریخ گوئی سے مراد کسی شعر، مصرع یا نثر کے حروف کے ابجد سے کسی واقعہ کی تاریخ کا برآمد کرنا ہے۔ یہ روایت اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ہے۔ جو شعر برآمد ہوا ہے "مادہ" یا "مادۂ تاریخ" کہا جاتا ہے۔ فارسی و اردو میں یہ "تاریخ" اور عربی میں "قطعۂ تاریخ" اور ترکی میں یہ "رمز" بھی کہا جاتا ہے۔ اردو میں یہ روایت کئی صدیوں سے جاری ہے مگر اب کا اس کا رواج اردو سے عدم واقفیت کی بنا پر کم ہوتا جا رہا ہے۔"

خاص قطعہ نگاری بھی تاریخ گوئی کی ایک قسم ہے، جس میں کسی واقعے کا سال وقوع حروف ابجد کے حساب سے سادہ یا صنعت کے ساتھ نظم کیا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) صوری (۲) معنوی۔ صوری تاریخ میں الفاظ سے سال کا اظہار کیا جاتا ہے اور معنوی تاریخ میں یہ اعداد حساب جمل یا ابجد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر اعداد پورے کرنے کے لیے کچھ الفاظ یا حروف بڑھانے پڑیں تو اس عمل کو تعمیہ اور اگر گھٹانے پڑیں تو تخرجہ کہتے ہیں۔ اس فن

میں مرزا غالب دہلوی، داغ دہلوی، حسن رضا بریلوی وغیرہ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

تاریخ گوئی اور تاریخ نویسی دونوں جدا جدا فن ہیں۔ تاریخ گوئی دراصل تاریخی مادہ برآمد کرنا ہے اور تاریخ نویسی تاریخی حقائق برآمد کرنے کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا لفظ کی مشاکلت سے کوئی دھوکا نہ کھائے۔ یہ ایک مشکل فن ہے، اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے علم الاعداد میں مہارت لازم ہے۔ ماضی قریب کے طبقہ علما میں امام احمد رضا قادری، علامہ فضل رسول بدایونی، مولانا محمد ظفر الدین رضوی، مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا حسن رضا بریلوی وغیرہم کو فن تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ امام احمد رضا قادری کو اللہ عزوجل کی جانب سے جو علمی کمالات عطا ہوئے تھے ان میں تاریخ گوئی بھی ہے۔ مولانا محمد ظفر الدین رضوی لکھتے ہیں:

> ''اس [تاریخ گوئی] میں وہ کمال اور ملکہ تھا کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا تھا اعلیٰ حضرت اتنی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے ارشاد فرما دیا کرتے تھے۔ جس کا بہت بڑا ثبوت حضور کی کتابوں میں اکثر وبیشتر کا تاریخی نام ہے اور وہ بھی ایسا چسپاں کہ بالکل مضمون کتاب کی توضیح وتفصیل کرنے والا ہے۔''(۱)

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کو بھی اس فن میں کمال حاصل ہے، آپ کی کئی کتابوں کے نام تاریخی ہیں، مثلاً **حدوث الفتن وجهاد أعيان السنن** [۱۴۲۱ھ]، **مواهب الجليل لتجلية مدارك التنزيل** [۱۴۲۹ھ]، تاب منظم [۱۴۳۳ھ]، اسی کا دوسرا مادہ تاریخ ''تنویر ادب مفخم'' [۱۴۳۳ھ] ہے۔

اسی طرح مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے طبع شدہ کئی حواشی اور تعلیقات کا تاریخی نام متعین فرمایا ہے۔ یوں ہی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے سند فضیلت وتحقیق حاصل کرنے والے فضلا بھی دستار بندی کے موقع پر حضرت سے اپنے نام کی تاریخیں نکلواتے ہیں اور آپ برجستہ یہ کام مکمل کر کے دے دیا کرتے ہیں۔ درس بیضاوی میں کئی مقامات پر راقم

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور، ص: ۲۲۷

الحروف نے بالمشافہہ اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔

مکتوب نگاری:

"مکتوب" ایک قلم برداشتہ، بے تکلف لکھی جانے والی تحریر کا نام ہے اور مکتوب نگاری انشا پردازی کا ایک مستقل شعبہ ہے اور اس کی ادبی ولسانی حیثیت مسلم ہے، تاریخ سلاطین وام میں بھی اس کی نامزدگی ہے اور احوال اُدبا وعرفا میں بھی اس کا تفصیلی بیان موجود ہے، اصناف ادب میں بھی اسے ایک باوقار شخصی صنف کا درجہ حاصل ہے۔ ممتاز محقق سلیم شہزاد لکھتے ہیں:

> "خطوط نگاری اپنے مخاطبانہ، غیر رسمی اور بے تکلف طرز کے سبب خصوصاً دانش ور افراد اور ادیبوں اور فن کاروں کے درمیان مراسلت ادبی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ ان کے خطوط میں زندگی اور ادب وفن کے متعدد مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ عصری افکار اور معاشرے سے تعارف کے لیے بھی ان کے خطوط اہم ہوتے ہیں، اس لیے ان کی باہمی مراسلت ادبی اظہار کا ایک حصہ بن جاتی ہے جسے خطوط نگاری کہا جاتا ہے۔"(۱)

محققین کا ماننا ہے کہ اردو میں باقاعدہ مکتوب نگاری کے آغاز کا سہرا مرزا غالب دہلوی کے سر ہے جو اپنے خاص اسلوب وآہنگ اور ادبی محاسن کی بنیاد پر انشا پردازی کا اعلیٰ نمونہ تسلیم کیے گئے ہیں، ان خطوط کا انداز نگارش بے حد اچھوتا اور دلکش ہے، خود مکتوب نگار کا دعویٰ ہے کہ: "میں نے مراسلہ کا مکالمہ بنا دیا ہے۔"

"اردوے معلّٰی" اور "عود ہندی" میں غالب کے خطوط بے تکلف نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ شعرا، ادبا، محققین، ناقدین، علما، صوفیہ کے مکتوبات کے مستقل مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن میں علمی وادبی مسائل بھی ہیں اور فکری ودعوتی تنبیہات وتہدیدات بھی۔ مولانا عبدالرحمن جامی، سیدنا مخدوم اشرف سمنانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ شرف الدین

(۱) سلیم شہزاد، فرہنگ ادبیات، منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۳۶

یحییٰ منیری، مرزا مظہر جان جاناں اور امام احمد رضا قادری جیسے جلیل الشان علما وعرفا کے خطوط تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ بلکہ مکتوباتی ادب پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اہل علم کی مکتوب نگاری سے متعلق مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

"مکتوب نگاری ہماری علمی وادبی روایت کا حصہ ہے، اہل علم کا ہمارے یہاں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ کبھی کسی سوال کے جواب میں، کبھی کسی نکتے کی شرح میں اور کبھی کسی مسئلے کے بیان میں اس ذریعۂ اظہار وابلاغ کو استعمال کرتے آئے ہیں، بلکہ کتنے ہی علمی، ادبی، فکری اور نظری مباحث پر اہل علم وفن کے مابین مکتوباتی مناقشے چلتے رہے ہیں، چناں چہ علمی وادبی سرمایے کی صورت میں ہمارے پاس مکاتیب کا بھی ایک معتد بہ ذخیرہ ریکارڈ پر موجود ہے اور یہ مکاتیب اپنی قدر وقیمت کے لحاظ سے دوسری علمی تخلیقات ونگارشات سے کسی طرح کم نہیں۔"(۱)

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کا زمانۂ طالب علمی، ان کی تدریسی زندگی اور علمی وتحقیقی مشغولیت کا دورِ عروج برقی شعاعوں میں الجھی ہوئی زندگی کا زمانہ ماقبل ہے اور آج بھی وہ موبائل جیسے الیکٹرانک پرندے کو محض حد گفتگو تک پرواز کی اجازت دیتے ہیں۔ اس سے علمی کاموں کے لیے وقت کی بچت بھی ہوتی ہے اور سکونِ دل بھی میسر رہتا ہے۔ انھوں نے اپنے اساتذہ وتلامذہ کے علاوہ ہند وبیرون ہند کے علما وارباب قلم کو عربی اور اردو زبان میں بے شمار خطوط لکھے ہیں، لیکن چند ہی خطوط کی نقلیں محفوظ تھیں۔ تقریباً چودہ خطوط پاکستان سے ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی اور محترم محمد ثاقب رضا قادری نے ارسال کیے، امریکہ سے مفتی احمد القادری نے چند مکتوبات بھیجے، مولانا محمد اسحاق رام پوری نے چند عربی اردو والا نامے روانہ کیے۔ ان سب کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ بقیہ مکتوب الیہم کی تحویل میں ہیں، جن کی تلاش جاری ہے۔

راقم الحروف نے "مقالاتِ مصباحی" کے اخیر میں ایک مستقل باب میں ان کے

---

(۱) نعت اور آداب نعت، مہر منیر اکیڈمی، پاکستان، ص: ۳۱

حاصل شدہ مکاتیب جمع کر دیے ہیں، انھی خطوط کی روشنی میں یہ سطریں لکھی جارہی ہیں۔ ان کے خطوط کا غالب موضوع علم وادب ہے، چند خطوط ذاتی احوال وکوائف پر مشتمل ہیں اور کچھ رشتہ داروں کی خیریت معلوم کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں۔

استاذ جلیل حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں مختلف احوال سے متعلق انھوں نے جو خطوط روانہ کیے تھے ان میں سے ایک بھی خط محفوظ نہیں ہے، بس ان کے مضمون سے آگاہی ہو جاتی ہے، اس سلسلے میں ''حافظ ملت کے علمی افادات'' [ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، اگست ۱۹۷۸ء] میں حضرت صدر العلماء نے استاذ جلیل کے چند جوابی خطوط شامل کیے ہیں، ساتھ ہی ان کا پس منظر بھی تحریر فرمایا ہے۔ ان جوابی خطوط اور بیان کیے گئے پس منظر سے مرسلہ خطوط کے مضامین سے آشنائی ہوتی ہے۔

(۱) علمی رابطہ:

۱۹۸۵ء میں جامعہ اشرفیہ میں ''شرعی بورڈ'' تشکیل دیا گیا اور اجتماعی طور پر امت مسلمہ کے لاینحل مسائل کے تصفیہ کی کوشش کا آغاز ہوا۔ ریڈیو سے ثبوت ہلال اور لاوڈ اسپیکر پر نماز واقتدا موضوع منتخب ہوا۔ عربی اور اردو زبان میں سوال نامہ مرتب ہوا، سوال نامے کی ترتیب کا کام رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے انجام دیا۔ ہندوستان کے علما ومفتیان کرام سے رابطہ کرنے اور انھیں سوال نامہ بھیجنے کی ذمہ داری بھی انھی کے سر تھی۔ عالم عرب کے علما ومحققین سے رابطہ کر کے انھیں سوال نامہ روانہ کرنے اور پھر جواب حاصل کرنے کی ذمہ داری صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کو دی گئی۔ چوں کہ علمائے عرب کو آپ نے دو مکتوب روانہ کیے، پہلا مکتوب ۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۱۹۸۵ء کو بھیجا گیا اور دوسرا مکتوب ۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۷/ ستمبر ۱۹۸۵ء کو روانہ ہوا۔ پہلا خط ذرا تفصیلی ہے جو شرعی بورڈ کے قیام کی ضرورت اور مسئلہ دائرہ کی وضاحت پر مشتمل ہے اور دوسرا خط تقاضے کا مختصر ہے، لکھتے ہیں:

فضیلة الشیخ الجلیل.... حفظه الله

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

قد وجهنا الیٰ سماحتکم مسائل عن اعلان ثبوت الهلال بالمذیاع فی مثل بلادنا، وعن استخدام المجهار فی خلال الصلاة وأداء الأرکان بسماع صوته. نرجو من برکات علومکم الکشف عن وجوه المسائل والایضاح عن المعضلات فی الوقت المحدود- آخر ستمبر ۱۹۸۵ء- ولا یبعد عن سماحتکم أن ترسلوا اسامی جوابکم قبله. وان لم یمکن الی ۳۰/ ستمبر فبفضلکم أفیدونا عن فیوضکم وواضح فتواکم ولو بعده بعدة أیام.

اللجنة الشرعیة ستعقد جلستها فی ۳۰/ أکتوبر ۱۹۸۵ء ببلدة وارانسی. وقبل ذلک علینا أن نستجمع الفتاویٰ ونقدمها الیٰ أعضاء اللجنة فی الجلسة ونلخصها ان کان التلخیص لازماً. فنظراً الیٰ هٰذه الظروف تکرموا علینا بجوابکم فی أقرب حین، لیمکن لنا ویسهل علینا ما بعد ذلک من الأمور. ولیس الکرم صعباً علی الکرام. والسلام علیکم. [محمد أحمد الأعظمی المصباحی][1]

جب مجلس شرعی قائم ہوئی تو حضرت صدر العلماء اس کے رکن منتخب ہوئے، بعد میں ناظم مجلس اور پھر صدر مجلس مقرر ہوئے جو ایک نازک اور ذمہ دار منصب ہے۔ اس منصب پر رہ کر سال بہ سال منعقد ہونے والے فقہی سیمیناروں کے لیے مندوبین علما و محققین کو سوال نامہ جاری کرنا، وقت متعین تک موصول ہونے والے مقالات کو جمع کرنا، ان کی تلخیص کرانا،

(۱) عضو اللجنة الشرعیة والقائم بأمور الرابطة، محرره ۲۱ر ذوالحجة ۱۴۰۵ھ

مقالات اور تلخیص کا مطالعہ کرنا، پھر ایک جامع خطبۂ صدارت لکھنا ایک جاں گسل کام ہے ان ذمہ داریوں کو آپ نے بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ جب سے نظامت کا منصب شرعی مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی نے سنبھالا اور کچھ کام جامعہ اشرفیہ کے استاذ مفتی محمد ناصر حسین مصباحی اور مولانا محمد عرفان عالم مصباحی صاحبان کرنے لگے تو پہلی ہولی ذمہ داریوں کا کام ہلکا ہوا۔ فقہی سیمینار کے سلسلے میں اچھی خاصی خط وکتابت کی ضرورت پیش آتی ہے جو اکثر آپ کے قلم سے تکمیل آشنا ہوتی ہے۔ مفتی محمد عالم گیر مصباحی [استاذ دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور] کو لکھتے ہیں:

"مجلس شرعی کے نویں سیمینار سے متعلق آپ کے جوابات موصول ہو گئے ہیں ——— آپ بھی حضرات سیمینار میں شرکت فرمائیں تو اچھا ہوگا، کوشش کریں کہ آپ کے علاوہ کم از کم مفتی شیر محمد صاحب ضرور آ جائیں۔"

[محررہ: ۲۴؍رجب ۱۴۲۰ھ مطابق ۴؍نومبر ۱۹۹۹ء]

(۲) علمی تعاون:

یہ ایسا وصف ہے جس میں دور دور کوئی ان کا شریک وسہیم نظر نہیں آتا۔ باذوق ارباب علم وقلم کو ضروری موضوع سے آگاہ کرنا، انھیں مواد فراہم کرنا اور کام مکمل ہونے کے بعد ان کی تصحیح وتحقیق کا فریضہ نبھانا، قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ خدمت علم دین کا یہ سلسلہ ابتدا سے تا حال جاری ہے اور مکمل اخلاص وللہیت کے ساتھ۔ اس عنوان پر لسانی شعور کے ذیل میں چند خطوط کا ذکر ہو چکا ہے۔ انڈیا میں پروفیسر شبیر احمد غوری، مولانا محمد اسحاق رام پوری، مولانا محمد حنیف خاں رضوی، مولانا شہاب الدین رضوی، مولانا عبد السلام رضوی، مولانا سید محمد اکرام الحق مصباحی، الحاج محمد سعید نوری وغیرہم کے نام اور بیرون ملک مفتی عبد القیوم ہزاروی، مولانا محمد صدیق ہزاروی، حکیم محمد موسی امرتسری، مولانا عبد الحکیم شرف

پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، مولانا محمد اسلم رضا شیوانی، مولانا محمد حسان رضا عطاری قادری، [پاکستان]، مولانا افتخار احمد قادری [مدینہ منورہ]، مولانا بدر القادری مصباحی [ہالینڈ]، مفتی محمد القادری [امریکہ] وغیرہم ارباب علم وتحقیق کا نام لیا جاسکتا ہے۔ حضرت صدر العلماء کے بھیجے گئے خطوط اور دیگر علما کے ارسال کردہ مکاتیب کے مطالعے سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ تقریباً ساٹھ سے زائد دیگر مصنفین کی کتابوں پر حضرت صدر العلماء نے جو تحریریں تقدیم، تقریظ، تاثر اور تعارف کی شکل میں لکھی ہیں، ان میں یہ حقائق پوری طرح جلوہ گر ہیں۔ یہ تحریریں "مقالاتِ مصباحی" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ ماہ نامہ استقامت [کان پور] نے کئی اہم خصوصی نمبر شائع کیے تھے، ان میں "سیدنا محمد عربی نمبر" [مئی ۱۹۸۵ء] بطور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے مدیر مولانا ظہیر الدین تھے، یہ رسالہ اہل سنت کا آرگن تھا اور قصبہ مبارک پور میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس کے مدیر اعلیٰ کو تقریباً پچیس لائف ممبر دیے تھے اور لفظ "استقامت" پر گولہ بازار میں ایک زبردست خطاب فرمایا تھا۔ استقامت کے محمد عربی نمبر کی خاکہ گری اور فہرست سازی کے ساتھ مضامین کی فراہمی اور نمبر کی ترتیب میں حضرت مولانا عبد المبین نعمانی اور حضرت صدر العلماء دونوں حضرات کا کافی زیادہ علمی وقلمی تعاون شامل تھا۔ اس نمبر کی اشاعت کے ساتھ ایک کانفرنس بھی منعقد ہوئی تھی۔ نمبر کی اشاعت اور کانفرنس کے انعقاد کا حال مولانا منشا تابش قصوری استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "استقامت کا نمبر شائع ہوگیا۔ بمشکل ایک عدد حاصل ہوا ہے، مزید کا انتظار ہے۔ کانفرنس توقع سے زیادہ ناکام رہی، بیرونی مندوبین نفی کے برابر رہے، اخبارات ورسائل میں اعلانات کہیں نظر سے نہ گزرے، خیریت کہیے کہ نعمانی صاحب اور راقم کی غیر معمولی کاوش کے باعث نمبر کامیاب ہے۔ فہرست کے بارے میں ہم نے جو خاکہ بنا کر دیا تھا وہ نامکمل تھا مگر زبانی طور پر سب ہدایات دے دی گئی تھیں،

اصحاب ادارہ کی لیاقت کا کرشمہ ہے کہ عجب طرح کی فہرست بنائی۔
... مقصد یہ تھا کہ سب کو سمیٹا جائے اور اکثر اہم حصوں پر کچھ نہ کچھ مضامین آجائیں، چناں چہ اسی قسم کے مضامین راقم نے خود اپنی نگرانی میں یہاں کے اہل قلم سے تیار کرائے جو شامل مجموعہ ہیں۔ ایک تو اشاعت میں ترتیب باقی نہ رکھی، دوسرے فہرست میں مرتب طریقہ پر سب کو (باختلاف صفحات سہی) نہ دکھا سکے۔ تاہم نمبر وقیع اور قابل مطالعہ ہے جسے امید قوی ہے کہ پذیرائی حاصل ہوگی۔" (۱)

اس خط میں بڑی صاف گوئی کے ساتھ حقیقت حال کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس سے ہمیں ایک اہم دریافت ہوئی۔

(۳) دین کا درد:

ایک سچا عالم دین اپنے مذہب کا متبع، سنت کا پیروکار اور دینی غیرت وحمیت کا حامل ہوتا ہے۔ نہ وہ مذہب کی توہین برداشت کرتا ہے نہ مذہبی علما و مبلغین پر الزام تراشی، وہ ہر آن اکابر علما و مشائخ کی عقیدتوں میں ڈوبا ہوا ان سے سلسلہ فیض وعرفان قائم رکھتا ہے۔ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین محافظین صحابہ وتابعین، مجتہدین ومجددین، سالکین، واصلین، صوفیہ، علما، ارباب کمال اور دیگر داعیان اسلام کی زندگیاں اس کی نگاہ میں ایک کامیاب مرد مومن، وفا شعار مجاہد اور پر عزم انسان کی شکل میں چمکتی ہیں اور وہ ان سے حظ اٹھاتا ہے۔ ایک عالم دین کی عزت انتہائی قیمتی اور اس سے سچی محبت دنیا وآخرت میں سرخ روئی کا سبب ہے۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی کتابِ زندگی کا یہ ورق بھی بڑا خوش رنگ ہے، جس کے شواہد ان کے خطوط میں بھی موجود ہیں۔ دین کا درد بھی عیاں ہے اور علما کا احترام بھی جواں ہے۔

---

(۱) مکتوب بنام مولانا منشا تابش قصوری، لاہور، مرقومہ: ۵ر شوال ۱۴۰۵ھ

جس دور میں احسان الٰہی ظہیر نے "البریلویۃ" کے نام سے امام احمد رضا قادری اور اہل سنت کے خلاف بہتان تراشیوں اور مجنونانہ عصبیت کا مجموعہ تیار کیا اور عالم عرب میں سنیوں کی شبیہ مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی، اس وقت سخت ضرورت تھی کہ اس کتاب کا عربی، اردو میں جواب لکھا جائے اور البریلویہ کے اثرات کو ختم کیا جاسکے۔ ہندو پاک کے علما میں اس درد کو حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے محسوس کیا۔ وہ کتاب علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے پاکستان سے یہاں بھیجی، تو جوابی مکتوب میں انھیں یوں تحریر فرمایا:

"آپ کی طرف سے "البریلویہ" ملی تھی، یہاں کے علما میں بھی اس کے باعث کافی اضطراب ہے، علامہ مشتاق احمد نظامی نے شعبان میں اس سلسلے میں ایک مجلس علمائے الٰہ آباد بلائی تھی، جس میں کچھ تجاویز طے ہوئیں۔ شوال کی ملاقات میں مجھ سے کہہ رہے تھے، اس کا جواب ضرور لکھوں گا۔ اردو میں لکھ کر ایک عزیز سے ترجمہ کرائیں گے اور ترجمہ سے پہلے اور بعد مختلف اہل نظر کو دکھائیں گے۔ خدا کرے جلد مکمل ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس کے تمام مندرجات کو سامنے رکھ کر اثباتی طرز پر ایک کتاب لکھی جائے جس میں مسلک اہل سنت کا احقاق اور نجدیت وغیر مقلدیت کا ابطال ہو، ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ کی عظمت وعبقریت پر ان کے معاصر علمائے حجاز کی آرا پیش کر دی جائیں اور ان کے صحیح حالات بھی بیان ہوں۔ دیباچہ میں ظاہر کیا جائے کہ یہ کتاب البریلویہ کے رد کے طور پر ہے۔ اور البریلویہ کی چند کھلی ہوئی غلطیوں کی نشان دہی بھی کر دی جائے۔ جوابی کتاب کا نام "الشيخ احمد رضا البريلوی وأهل السنة" یا "البريلوية: عقائد وحقائق" ہی رکھ دیا جائے یا اور کوئی نمایاں نام جس سے سابقہ کتاب کی طرف ذہن منتقل ہو سکے، "البريلوية هدف

الظالمین الکاذبین."(۱)

یہ اہل سنت کا درد اور امام اہل سنت سے ان کی سچی عقیدت ہی ہے جو خط میں عکس ریز ہے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب البریلویہ نئی نئی چھپ کر مارکیٹ میں آئی تھی اور عالم عرب میں اس کے اثرات بڑی تیزی سے پھیل رہے تھے اور امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے متعلق غلط فہمیاں رواج پارہی تھیں۔ خط کا اثر یہ ہوا کہ علامہ شرف قادری نے پہلے اردو میں اس کا رد لکھا، پھر عربی میں شاندار کتاب تصنیف فرمائی۔ ادھر انڈیا میں تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ نے "مرأة النجدیة" تحریر فرمائی جس میں البریلویہ کا رد وابطال ہے۔ حضرت صدر العلماء نے کئی دن بریلی شریف میں قیام پذیر رہ کر اس کتاب کی تصحیح فرمائی اور اس پر ایک جامع مقدمہ بھی لکھا۔ [ابھی چند روز قبل حضرت نے یہ بات مجھے بتائی۔ اس بات کا ذکر علامہ تحسین رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے وصال پر لکھے اپنے مضمون میں بھی کیا ہے۔] لیکن وہ مقدمہ شامل کتاب نہ ہو سکا۔ جب پاکستان سے علامہ شرف قادری کے قلم سے عربی جواب لکھے جانے کی خوش خبری ملی تو ان کے پاس اس عربی مقدمے کی ایک کاپی روانہ کی تاکہ وہ کتاب کے شروع میں شامل کر لیا جائے، لیکن اس میں بھی نہ شامل ہو سکا۔ "من عقائد أهل السنة" منظر عام پر آنے اور یہاں پہنچنے کے بعد انھیں مبارک باد کا ایک خط لکھا جس میں ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

"راقم نے "مرأة النجدیة" پر لکھے ہوئے اپنے مقدمہ کی نقل ارسال خدمت کی تھی۔ قدرے ترمیم کے ساتھ وہ بھی شامل اشاعت ہو جاتی تو کارآمد ہو سکتی تھی، اس میں کچھ اصولی بحثیں اور دل چسپ تنقیدیں ہیں۔"

(۴) قلم کاروں کی حوصلہ افزائی:

علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ سے عرصہ دراز تک حضرت صدر العلماء کی

---

(۱) مکتوب بنام علامہ عبد الحکیم شرف قادری، لاہور، تاریخ محو ہو چکی ہے۔

مراسلت رہی، کتابوں کے تبادلے کے ساتھ علمی معاونت اور وقتِ ضرورت مفید موضوعات پر علمی و تصنیفی کام کرنے کے سلسلے میں مشاورت بھی تھی۔ انھوں نے شرح نحو میر تحریر فرمائی اور انڈیا ارسال کی تو ایک تفصیلی مکتوب میں اس شرح پر یہ جملے تحریر فرمائے:

”غالباً اوائل ستمبر میں الدراسات الاسلامیہ کی ایک کاپی اور مضمون کی کئی کاپیاں موصول ہوئی تھیں اور تابش صاحب کے نام اطلاعی عریضہ بھی لکھ دیا تھا۔ ساتھ ہی شرح نحو میر بھی نظر نواز ہوئی تھی جو اپنے اختصار، جامعیت، حسن تفہیم، تمرینات قواعد، ضمیمہ تعریفات، مصطلحات نحویہ وغیرہ فوائد کثیرہ کے باعث سابقہ تمام شروح میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ اور طباعت وکتابت کا حسن ان سب پر مستزاد ہے، فجزاکم اللہ عنا وعن سائر الطلبة خير الجزاء، ووفقنا وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔“(۱)

علامہ شرف قادری نے مولانا عبد الستار سعیدی کے ذریعہ علما و محققین اہل سنت کی کتابوں کا انسائیکلوپیڈیائی اشاریہ تیار کروایا اور اس پر ایک جاندار مقدمہ تحریر کیا۔ جب یہ کتاب یہاں پہنچی تو انھیں ایک والا نامہ [محررہ: ۱۲ ربیع النور ۱۴۰۱ھ] ارسال کیا، اس میں یہ جملے بھی تھے:

”مرأة التصانیف“ آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ مقدمہ بھی بہت جاندار اور ضرورت کے بالکل مطابق ہے۔ ”التعلیق المجلی“ کی اشاعت دوسرا عظیم کارنامہ ہے۔“

اسی طرح احسان الٰہی ظہیر کی ہفوات پر مشتمل کتاب ”البریلویة“ کے رد میں بزبان اردو علامہ شرف قادری نے ”اندھیرے سے اجالے تک“ تحریر فرمائی تو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انھیں یہ تبصراتی خط [محررہ: ۴ ربیع النور ۱۴۰۶ھ] بھیجا، لکھتے ہیں:

(۱) مکتوب بنام علامہ شرف قادری، لاہور، تاریخ محو ہو چکی ہے۔

”اندھیرے سے اجالے تک“ آپ کا عظیم جماعتی اور علمی وتاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی ــــــ آپ نے اہل سنت کو ایک عظیم فرض کفایہ سے سبک دوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ رب کریم آپ کو ہم تمام سنیوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اور اس کتاب کے عربی ایڈیشن اور دیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن واکمل طور پر بہت جلد فرمائے۔“

پھر جب ”من عقائد أهل السنة“ کے نام سے بزبان عربی اس کا رد لکھا تو یہ حوصلہ افزا مکتوب [محررہ: ۶ر محرم ۱۴۱۶ھ] روانہ فرمایا:

”من عقائد أهل السنة“ کی زیارت سے آنکھیں پرنور اور دل مسرور ہوئے۔ رب کریم اس فرض کی ادائیگی پر آپ کو اپنی بیکراں نعمتوں سے نوازے۔ زبان، حسن بیان، اختصار ووضوح، طرزِ استدلال، اندازِ رد وجواب بھی قابل ستائش ہے۔ اس کتاب کی تحریر واشاعت پر آپ کو اور آپ کے ادارہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔“

جامعہ اشرفیہ کے ایک ممتاز فاضل مولانا حکیم محمد اسحاق مصباحی رام پوری نے تصنیف وترجمہ اور تحقیق وتدوین کے سلسلے میں ایک زمانے تک حضرت صدر العلماء سے خط وکتابت کی۔ راقم کی تحویل میں مولانا محمد اسحاق رضوی کے نام عربی، اردو کے کئی خطوط موجود ہیں جن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت صدر العلماء باذوق ارباب قلم کا نہ صرف علمی تعاون فرماتے ہیں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار کافی عرصہ تک جب ان کی علمی وقلمی سرگرمیوں کی کوئی خبر حضرت کو نہ ملی تو ۸ر فروری ۱۹۹۰ء کو حیرانی اور درد وکرب میں ڈوبا یہ مکتوب گرامی انھیں روانہ فرمایا:

”خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔ ایک عرصہ سے نہ آپ کا کوئی خط ملا، نہ آپ کی قلمی سرگرمیوں کا کچھ سراغ مل سکا۔ ایک

صاحب کمال کا قرطاس وقلم سے رشتہ توڑ لینا اپنے کو زندہ دفن کرنے کے مترادف ہوگا۔ ساتھ ہی اپنی مخفی صلاحیتوں اور علمی توانائیوں کے ساتھ ناانصافی بھی۔ رب کریم آپ کو آسیب روزگار سے بچائے اور دین وعلم کی نمایاں خدمات میں لگائے، تعلیمی اصلاح سے متعلق آپ نے جو مضمون لکھا تھا وہ کہیں شائع ہوا یا نہیں؟ نور مصطفی، حجاز، تہذیب الاخلاق علی گڑھ میں ترمیم ونظر ثانی کے ساتھ بھیج دیں تو مناسب ہوگا۔ آپ کی خوش حالی وترقی اور علمی وقلمی سربلندی کا متمنی ودعا گو ہوں، انتظار جواب کے ساتھ۔''

پھر جب حقیقتِ حال کی اطلاع ملی تو ۱۵ر ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ کو یہ مسرت افزا خط انھیں ارسال کیا:

''آپ کا خط ملا۔ بڑی مسرت ہوئی کہ تحریری کام کی جانب پھر آپ کا میلان طبع ہوا، میں تو یہ سوچ چکا تھا کہ ایک آدمی ہم نے کھو دیا، خدا کرے آپ دل جمعی کے ساتھ کچھ کریں۔ ردِ قادیانیت سے متعلق رسالہ کو دوبارہ دیکھنے اور طبع کرانے کا خیال بالکل جاتا رہا، اب ان شاء المولیٰ تعالیٰ اسے تلاش کر کے پاکستان بھیج دوں گا، امید ہے کہ وہاں سے طبع ہو جائے گا۔''

امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی کے معاون مولانا عبد السلام رضوی [استاذ جامعہ نوریہ رضویہ] کو ایک تفصیلی مکتوب روانہ فرمایا جس کے اخیر میں مولانا محمد حنیف رضوی کے لیے یہ حوصلہ افزا کلمات بھی شامل ہیں:

''حضرت مولانا محمد حنیف صاحب کی خدمت میں بعد سلام عرض ہے کہ فتاویٰ رضویہ اور امتناع النظیر کی زیارت سے شاد کام ہوا۔ میرا تصور صرف یہ تھا کہ صحیح سے صحیح تر نسخہ لانے کی کوشش ہے، مگر کاغذ،

طباعت اور رنگارنگی دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ ایسے پائدار، دبیز اور مضبوط کاغذ، پھر رنگارنگ طباعت کے ساتھ اگر کوئی شخص ایسی کسی کتاب کی ایک جلد کو شائع کرنے کی ہمت کرلے [جیسے رضا اکیڈمی، ممبئی سے حدائق بخشش شائع ہوئی تھی] تو اس کے حوصلوں کی داد دیتے دیتے زبانیں تھک جائیں، ایسی ۲۲ جلدیں ایک ساتھ منظر عام پر لانا کسی ہمتِ عرش پرواز ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ مولا تعالیٰ قبول فرمائے، توفیق مزید بخشے اور اصحاب عالی ہمم کو تعداد میں اضافہ فرمائے۔ ہر جلد میں ابواب اور رسائل کی فہرست نے بڑی آسانی پیدا کردی ہے۔ امید ہے کہ یہ جلدیں جہاں پہنچ جائیں گی وہاں سے یہ سوال نہ ہوگا کہ فلاں رسالہ، یا فلاں باب کس جلد میں ملے گا۔ بالفرض کہیں سے سوال آہی جائے تو جواب دینے والے کے لیے کوئی ایک جلد اٹھالینا کافی ہوگا۔ مزید کیا لکھوں؟ بوجھل دماغ سے قرار واقعی تعریف وتبصرہ بھی نہیں ہو پاتا۔ مولائے عفو وغفور مجھے معاف فرمائے، والسلام۔"(۱)

ایسے کئی خطوط ہیں جن میں کوئی کتاب بھیجنے، ترجمہ کروانے یا طبع کروانے سے متعلق باتیں موجود ہیں، ایک کتاب کا نام اپنے تمام مشمولات کے لحاظ سے نامناسب تھا تو اس کی اصلاح فرمائی۔

مفتی محمد ازہار احمد امجدی [اوجھا گنج، بستی] نے جب اپنی دو کتابیں: "تارک نماز وجماعت" اور "تحقیقات ازہری" حضرت صدر العلماء کی خدمت میں ارسال کیں تو علمی، فنی، فکری اور لسانی اصلاحات پر مشتمل ایک طویل جوابی مکتوب [محررہ: ۱۱ر رجب ۱۴۳۶ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۵ء، جمعہ] انھیں روانہ کیا، درمیانی حصے میں کئی جگہ ان کی حوصلہ افزائی

---

(۱) مکتوب بنام مولانا عبد السلام رضوی، محررہ: ۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۶ر مارچ ۲۰۱۷ء۔

زبان۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”آپ برابر لکھتے رہیں تو زبان میں مزید شگفتگی اور برجستگی پیدا ہوسکتی ہے۔ جب مخاطب عوام ہوں تو شگفتہ بیانی، شکوہِ الفاظ اور سوز دروں کی بے تکلف جھلک سے تاثیر میں زبردست اضافہ ہوجاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی محنت بہت جلد یہ رنگ بھی پیدا کرسکتی ہے۔“

محب گرامی مولانا سید محمد اکرام الحق مصباحی [صدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی] نے ”الجزء المفقود من المصنف“ کا اردو ترجمہ کیا اور کتاب طبع ہوکر حضرت کی خدمت میں پہنچی تو انھیں یہ مکتوب روانہ فرمایا:

”الجزء المفقود من المصنف“ عرصہ ہوا اس کے کئی نسخے یہاں آئے تھے، میں نے مطالعہ بھی کیا تھا، مگر ہندوستان میں کہیں سے اس کی اشاعت نہ ہوئی۔ آپ حضرات کی کوششوں سے نہ صرف یہ کہ یہاں اس کی اشاعت عمل میں آئی بلکہ اس کا سلیس اور عام فہم ترجمہ بھی ہوگیا، ترجمے میں آپ نے شگفتگی اور روانی کے ساتھ تفہیم عام کا خاص خیال رکھا ہے۔ اب علما، طلبہ، عوام سبھی کے لیے اس سے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔ رب تعالیٰ آپ کو توفیق مزید سے نوازے۔“

مولانا ابوالحسن واحد رضوی [سجادہ نشین آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، پاکستان] نے امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی فارسی نظم معطر کا اردو ترجمہ کیا اور بہ غرض اصلاح حضرت صدر العلماء کی بارگاہ میں بھیجا، تصحیح کے بعد آپ نے جو جوابی مکتوب [محررہ: ۲۵ ر رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ، شب سہ شنبہ] روانہ فرمایا، اس میں یہ جملے بھی ہیں:

”ترجمے سے آپ کا علمی وفنی کمال عیاں ہے، اس مشکل نظم کو دل کش اردو نثر کا جامہ دینا آپ کی مہارت کی دلیل ہے۔“

مولانا محمد شکیل مصباحی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی سے عربی زبان میں بعنوان

"الكتاب المشهورون في روهيلكند وخدماتهم في الأدب العربي" پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا، انھوں نے حضرت کی خدمت میں روانہ کیا، مطالعہ کے بعد آپ نے عربی ہی میں ایک مکتوب [۵ رشوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰ جون ۲۰۱۸ء] انھیں بھیجا جس میں ان کی تھیس کے مشمولات پر مختصر تبصرہ بھی ہے اور یہ حوصلہ افزا جملے بھی:

"قد أجاد الباحث الفاضل في التنميق والتزيين، واختار رشاقة العبارة وحسن الاشارة، والعزو الى المصادر والمراجع. فجزاه الله عن انجاز هذا العمل الهام الذي يتطلب تقديرا جميلا عن القراء عامة وعن أهل المنطقة خاصة، وفقه الله تعالىٰ للمزيد من خدمات علمية و كثر أمثاله، وهو الموفق لكل خير."

اخلاص کے ساتھ حوصلہ افزائی کے چند جملوں سے اگر کسی صاحبِ قلم کی علمی وقلمی فتوحات میں وسعت ہوتی ہو تو اس میں نقصان کس چیز کا ہے؟ حوصلہ افزائی اور دعا ایک طاقت کا نام ہے جو اپاہج کو ٹھیک، مریض کو صحت مند اور کمزور کو توانا بنا دیتی ہے۔ کسل مند انسان تیز رو ہو جاتا ہے اور معطل شخص کو کام میں مزہ آنے لگتا ہے۔ لیکن ایسی حوصلہ افزائی جو اسے غلط روی سے باز نہ رکھے، بلکہ فکری وعملی خطا پر جری بنا دے یہ نقصان دہ ہے۔ بچہ گالی دے یا کسی کو تھپڑ رسید کرے تو اس پر اس کی حوصلہ افزائی کرنے والا باپ اس کا مصلح ومربی نہیں، بلکہ نادان مفسد ہے۔ اس لیے اہل اخلاص اچھے کاموں پر حوصلہ بڑھاتے ہیں اور غلط کاریوں پر تنبیہ کرتے ہیں۔ شہر بمبئی کے ایک پرجوش غیر عالم قلم کار کے نام جو بمبئی سے "غوث الوریٰ" نامی رسالہ نکالنا چاہتے تھے ایک تفصیلی خط [محررہ: یکم جون ۱۹۸۶ء] میں حضرت صدر العلماء ایک رسالہ یا اخبار جاری کرنے کے سلسلے میں گیارہ اہم توجہ طلب امور اور احتیاطی تدابیر کی نشان دہی کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جن تجربات اور خیالات کے پیش نظر میں نے یہ مشورے رقم

کیے ہیں ان کی تفصیل زیادہ صفحات کی متقاضی ہے اور بہت سی باتوں سے آپ خود واقف ہیں اور غور کر کے باقی کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

میرا مقصود حوصلہ شکنی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی ہے مگر میں ایسی حوصلہ افزائی کا قائل نہیں جو صرف لفظوں تک محدود ہو اور وقتی خوش دلی کے سوا دائمی جادہ پیمائی عطا نہ کر سکے۔"

حضرت صدر العلماء کا یہ وصف بار بار مشاہدہ بن چکا ہے کہ وہ صرف مشورہ نہیں دیتے بلکہ علمی تعاون کا یقین بھی دلاتے ہیں اور پیہم مصروفیات کے باوجود علمی تعاون کے لیے تیار رہتے ہیں۔

(۵) علمی وفنی اسقام کا ازالہ:

اس عنوان پر چند شواہد "لسانی شعور" کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ ہندو پاک کے اہل علم مختلف مسائل میں ان کی رائے کا انتظار کرتے ہیں اور اپنی علمی وفنی تحقیقات پر ان کی تصدیق چاہتے ہیں۔ کبھی بالمشافہہ ملاقات کر کے یہ کام پورا کیا جاتا ہے، جب کہ اکثر مراسلت کے ذریعہ تعاون لیا جاتا ہے۔ کسی کتاب یا رسالہ کو مطالعہ کرنے کے بعد از خود بھی مصنف یا مدیر کو بذریعہ مکتوب اصلاحی مواد بھیج دیتے ہیں اور فکری وفنی غلطیوں کی نشان دہی کر دیتے ہیں، لیکن راقم نے اس میں بھی یہ خوبی ملاحظہ کی ہے کہ اپنی علمی وتحقیقی رائے کسی پر جبری مسلط نہیں کرتے بلکہ اسے ردو قبول کا اختیار دیتے ہیں۔ پیر ابوالحسن واحد رضوی کو ارسال کیے گئے "ترجمہ نظم معطر" کے اصلاح شدہ حصوں میں کئی جگہ اس طرح کی جملے ملتے ہیں کہ آپ چاہیں تو قبول کر لیں ورنہ چھوڑ دیں۔

دیگر علوم کی طرح علم لغت میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ ۱۹۹۰ء کے آس پاس انھوں نے ایک عربی لغت بھی مرتب کرانی شروع کی تھی پھر یہ کام زیادہ آگے تک نہ جا سکا۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے مکتبہ قادریہ قائم کیا اور اس کی مطبوعات یہاں روانہ کرتے اور المجمع الاسلامی کی مطبوعات ان کے پاس لاہور بھیجی جاتیں۔ اس سلسلے میں لفظ

''رَضا'' اور ''رَضوی'' سے متعلق ایک مکتوب انھیں ارسال کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکمل مکتوب یہاں درج کر دیا جائے کیوں کہ وہ کافی اہم معلومات پر مشتمل ہے، لکھتے ہیں:

''اِدھر آپ کے یہاں سے طبع ہونے والی کتابوں میں رِضا، رِضوی وغیرہ کی را پر زیر کا التزام برابر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اصلاً یہ عربی لفظ ہے اور عربی کے تمام لغات حتی کہ قاموس اور تاج العروس، لسان العرب وغیرہ سب میں را کے زیر ہی سے ہے، زبر سے [رَضا] کوئی لفظ نہیں۔ اس لحاظ سے آپ لوگوں کا التزام درست معلوم ہوتا ہے۔ اہل بیت میں سے امام رضا کے نام اور ان کی طرف نسبت میں را کو زیر بجا ہے۔ لیکن منتخب اللغات میں رَضا بالفتح خوشنودی لکھا ہوا ہے اور اہل فارس کے استعمال میں یہی ہے۔ محب گرامی مولانا رحمت اللہ صاحب عزیزی بلرام پوری شاگرد علامہ غلام جیلانی میرٹھی اپنے استاذ مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ رَضا بالفتح تصرفات اہل فارس سے ہے اور کسی شخص کو سلام یا نعت میں اگر بالکسر سنتے تو سختی سے منع کرتے اور بالفتح بتاتے۔ مولانا سید شاہد علی صاحب رام پوری کہتے ہیں کہ مفتی اعظم ہند قبلہ نے ایک بار فرمایا کہ ہم لوگ زبر سے ہیں۔''

اور یہ تو راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت [مفتی اعظم ہند] نے مجھے بیعت کرتے وقت اور میرے ساتھ بہت سے لوگوں کو الگ الگ بیعت کرتے وقت ہر بار سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رَضَوِیہ بہت صفائی کے ساتھ ادا کیا تھا۔ تصرفاتِ اہل زبان کوئی نئی چیز نہیں، عربی میں صُندوق اور جُمہور (بالضم) ہے لیکن فارسی میں اور فارسی سے منتقل ہو کر اردو میں صَندوق اور جَمہور بالفتح ہے۔ اسی طرح عربی میں سُؤال اردو میں سُوال ہے۔ ''چراغ ہدایت'' میں ہے کہ اہل فارس متحرک دوم کو

اکثر ساکن کر لیتے ہیں جیسے سَیلان، دَوَران، حَیوان، عَظمت، حَرَکت وغیرہ کو فارسی اردو میں بسکون دوم بولے جاتے ہیں۔ اس طرح کے تصرفات کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

خاندان اعلیٰ حضرت کے علاوہ اہل ایران کے اَعلام میں بھی جو رضا آیا ہے وہ فتح کے ساتھ استعمال ہوا، پھر جو نام فارسی ہو کر اردو میں آیا تو فتحہ کے ساتھ رہا۔ رَضا بالفتح اور اس کی طرف نسبت رَضَوِی ہوئی۔

ان باتوں کے پیش نظر میری یہ رائے ہے کہ امام النحو مولانا غلام جیلانی صاحب اور دیگر علمائے ہند کا رَضا بالفتح اور رَضَوی بالفتح لکھنا پڑھنا زیادہ صحیح ہے۔ ویسے آپ حضرات کی جو رائے ہو، فقیر کا عمل مفتی اعظم قبلہ اور علامہ میرٹھی کے تلفظ پر ہے۔" (۱)

جامعہ اشرفیہ کے ممتاز فاضل، اہل سنت کے نامور خطیب اور پر گو شاعر مولانا محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی [استاذ دار العلوم غریب نواز، الٰہ آباد] نے امام احمد رضا قادری کے ایک شعر [گیسو و قد لام الف، کر دو بلا منصرف - لا کے بہ تیغ لا، تم پہ کروروں دُرود] کی تشریح میں تین محققین کی آرا لکھ کر ایک مختصر مضمون حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جس میں کچھ باتیں بالکلیہ غلط تھیں اور کچھ تعبیر نامناسب استعمال کی گئی تھی اور کچھ مقامات پر دورازکار مضمون سازی کی گئی تھی۔ حضرت نے "ملاحظات" کے عنوان سے ڈیڑھ صفحاتی تحریر انھیں ارسال کی جو کافی اہم ہے اس لیے یہاں درج کی جاتی ہے، لکھتے ہیں:

(۱) جب تک طرفین [مشبہ، مشبہ بہ] باقی ہیں تشبیہ باقی ہے۔ اداۃ تشبیہ اور وجہ شبہ کے حذف کرنے سے استعارہ نہیں ہوتا، تشبیہ بلیغ ہوتی ہے۔ الاستعارۃ تشبیہ حذف احد طرفیہ. طرفین میں سے کوئی حذف ہو تو بھی استعارہ اس وقت ہوتا ہے جب حذف بطور استعارہ ہو یعنی مشبہ حذف کر کے اس کی جگہ مشبہ بہ لایا جائے یا مشبہ بہ حذف کر کے اس

(۱) مکتوب بنام علامہ عبد الحکیم شرف قادری، لاہور، مرقومہ: ۵؍شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۵؍جون ۱۹۸۵ء

کا کوئی لازم ذکر کیا جائے۔ اگر محذوف، مقدر اور ملفوظ کے درجے میں ہو تو استعارہ نہیں، تشبیہ ہے۔ "صم بکم عمی" تشبیہ ہے، اس لیے کہ مراد ہے: هم صم بکم عمی۔ اسی طرح یہ مصرع "أسد عليَّ وفي الحروب نعامة" تشبیہ ہے اس لیے کہ مراد ہے: أنت أسد و [أنت] نعامة. طرفین موجود ہیں۔ گیسو وقد مشبہ، لام الف مشبہ بہ، دو تشبیہ بلیغ ہے۔ اول مشابہ ل، دوم مشابہ ا۔

(۲) "لا" تین جگہ نہیں، دو جگہ ہے۔ بلا اور لا میں تجنیس ناقص کہہ سکتے ہیں۔

(۳) ترتیب بدل کر لام، الف کو الف لام بنانا تکلف بلکہ تعسُّف ہے۔ ضروری نہیں کہ لفظ منصرف آ گیا تو اسے نحوی پہیلی ہی بنایا جائے۔

(۴) تیغ کا تقاضا وجود ہی کا خاتمہ ہے، اگر غیر منصرف کو منصرف بنا دیا تو بھی وجود تو باقی رہا۔ "مررت بمنازل" کو "بالمنازل" بنانے سے "منازِل" کا خاتمہ نہ ہوا۔ شاعرانہ انداز میں کہہ سکتے ہیں کہ "عدم انصراف کا گلا کٹ گیا۔" یہ بھی متفق علیہ نہیں۔

(۵) "تیغ لا" میں اضافت تشبیہی ہے۔ "تیغ" مشبہ بہ، "لا" مشبہ، اس کا تقاضا یہ ہے کہ پورا "لا" کے تیغ کے مشابہ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ "لا" بخط نسخ لکھنے میں الف تیغ کے مشابہ ہوتا ہے یا لام تیغ کے مشابہ ہوتا ہے تو یہ منطوق کلام کے خلاف ہے۔ منطوق یہ ہے کہ پورا "لا" تیغ کے مشابہ ہے، نہ یہ کہ اس کا صرف ایک جز تیغ کی طرح ہے۔

(۶) گیسو کی تشبیہ ل سے، قد کی تشبیہ الف سے، دونوں کو جمع کرنے سے "لا" کی صورت بنتی ہے۔ لا نفی کے لیے ہوتا ہے اس لیے تیغ لا یعنی تیغ نفی سے "بلا" منفی ہو جائے گی، یعنی نیست و نابود ہو جائے گی۔ بلا کو تیغِ لا کے تحت لا کر منصرف کر دیں، پھیر دیں، ختم کر دیں۔

منصرف، غیر منصرف کی بحث شامل کرنے میں ترتیب کی تبدیلی اور "تیغ لا" سے ہم آہنگی نہ ہوتی تو اسے قبول کیا جا سکتا تھا۔ هذا ما ظهر لي، مع الاعتراف بأني لست من

اہل الشعر۔ (۱)

خط کے ان دونمونوں سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ انھیں صحیح تلفظ، درست املا، علم وفن کی عظمت اور فکر وسخن کا وقار کس درجہ ملحوظ خاطر رہتا ہے اور آپ دیانت داری کے ساتھ ترسیل فن وفروغ علم کا کام انجام دیتے ہیں۔

(۶) معاملات میں شفافیت:

حضرت صدر العلماء کی زندگی کا یہ پہلو بھی انتہائی روشن اور تقلیدی ہے۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مکتبہ قادریہ، لاہور کے مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور کراچی میں پروفیسر مسعود احمد نقش بندی وغیرہم کے پاس انڈیا سے المجمع الاسلامی کی مطبوعات روانہ کی جاتی تھیں اور وہ حضرات پاکستان سے اپنے مکتبہ کی نشریات بھیجتے تھے، یوں کتابوں کا تبادلہ ہوجاتا تھا اور یہی زرمبادلہ سمجھا جاتا تھا۔ دونوں طرف کے ذمہ داران اس کا حساب رکھتے تھے۔ اور کچھ کتابیں بطور تحفہ ارسال کی جاتی تھیں تو خط میں ان کی نشان دہی ہوتی تھی تاکہ اسے حساب میں جوڑ کر نہ رکھا جائے۔ دونوں طرف کے خطوط میں ہم نے اس حقیقت کو موجود پایا ہے۔ بہت سے مکتوبات ایسے بھی ہوتے تھے جن کے اندر انڈیا کی دیگر اہم علمی شخصیات کے نام محفوظہ خطوط [یعنی ایک لفافے میں کئی خطوط] ہوتے تھے اور انڈیا ہی انھیں ڈاک کے حوالے کیا جاتا تھا، اس میں بھی مکمل دیانت داری اور شفافیت کا خیال کیا جاتا تھا۔ ایک مکتوب کے یہ جملے دیکھیں:

> ”بائبل، قرآن اور سائنس“ کے لیے ناشر کو خط لکھ رہا ہوں، آنے کے بعد ارسال خدمت کردوں گا۔ ”استقامت“ مولانا تابش قصوری، ممتاز احمد قادری اور سید حامد لطیف صاحبان کے نام ہدیۃً بلاعوض بھیجتا ہوں، تساہلی میں اِدھر کئی بار اُن کے نام ہدیہ ارسال نہ

(۱) مکتوب بنام مولانا محمد مجاہد حسین رضوی، الٰہ آباد، مرقومہ: ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۷ جولائی ۲۰۲۰ء

کرسکا، جس کی وجہ سے گڑبڑی ہوئی، آئندہ خیال رکھوں گا۔'' (۱)

ایک دوسرا مکتوب ملاحظہ کریں:

۳؍جون ۱۹۸۵ء کا مرسلہ کرم نامہ نظر نواز ہوا، اس سے قبل سنن ابوداؤد شریف اور سنن ابن ماجہ ملیں، پھر الافاضات الیومیہ اور الجوہر المنظم وغیرہ دستیاب ہوئیں، عنایات فراواں کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مولانا شرف قادری صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ کتابوں کا اندراج ضرور رکھیں گے، اور اِدھر سے کمی کی صورت میں آگاہ فرماتے رہیں گے، میں بھی یادداشت رکھنے کی کوشش میں رہتا ہوں۔'' (۲)

مرکزی مجلس رضا، لاہور کے بانی وصدر کو لکھتے ہیں:

''الرد المحکم المنیع کے ساتھ مجلس کی چند کتابیں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے پتہ پر راقم سطور کو دست یاب ہوئیں، اطلاع میں غیر معمولی تاخیر ہوئی، جس پر معذرت خواہ ہوں۔ غالباً ۴۲؍روپے کے ٹکٹ اس پیکٹ پر لگ گئے تھے، وزن کے لحاظ سے مجھے کچھ زیادہ محسوس ہوئے، میں بہت جلد مجلس کے لیے کچھ کتابیں ارسال کرنا چاہتا تھا جو کم از کم ڈاک خرچ کی تلافی کرسکیں، لیکن دیر ہوتی جارہی ہے۔ کرم الٰہی شامل حال ہوا تو جلد ہی مولانا شرف قادری مدظلہ کے ذریعہ آپ کو فلسفہ اور اسلام [مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید] اور اسلامی اخلاق وآداب وغیرہ موصول ہوں گی۔'' (۳)

ان مکتوبات سے معاملات کی شفافیت بھی عیاں ہے اور علمی تعاون کا جذبۂ بے کراں

---

(۱) مکتوب بنام مولانا عبدالحکیم شرف قادری، لاہور، غیر مؤرخ

(۲) مکتوب بنام مولانا منشا تابش قصوری، لاہور، مرقومہ: ۵؍شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۳؍جون ۱۹۸۵ء

(۳) مکتوب بنام مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مجلس رضا، لاہور، مرقومہ: ۲؍دسمبر ۱۹۸۶ء

بھی منعکس ہے۔

(۷) عذر خواہی کا انوکھا انداز:

اچھا انسان ہمیشہ سچ بولتا ہے خواہ اس کا مخاطب کچھ لمحوں کے لیے سخت حیرانی اور پشیمانی کیوں نہ ظاہر کرے۔ یہ وصف اعتماد بھی بحال کرتا ہے اور رتبہ بھی بڑھاتا ہے۔ کسی خط کا جواب دینے میں عذر چاہنا ہو یا کوئی علمی تحفہ ارسال کرنے میں تاخیر ہونے پر معذرت کرنی ہو تو کن جملوں میں اپنا مدعا ظاہر کیا جائے گا، یہ درج ذیل دو مکتوب گرامی کے چند نمونوں سے عیاں ہو جاتا ہے:

> ''حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کا والا نامہ موصول ہوئے کئی ماہ گزرے، جواب دینا بہت ضروری تھا۔ اس درمیان آپ کے اور مولانا محمد منشا صاحب کے خطوط بھی موصول ہوئے مگر میں اپنی بے توفیقی کی کیا توجیہ کروں، خود کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ چند ماہ عجب پریشان خاطری میں گزرے کہ کوئی کام سا کام بھی نظر نہیں آتا جسے دکھا کر کچھ عذر کر سکوں، بس میرے حق میں دعائے خیر کریں۔''[۱]

یہ پریشان خاطری اس وجہ سے بھی تھی کہ حضرت کے والد ماجد جناب محمد صابر اشرفی ۷؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۳؍ دسمبر ۱۹۹۰ء کو وصال ہو گیا تھا۔ اس وقت آپ رضا فاؤنڈیشن لاہور کے لیے فتاویٰ رضویہ باب التیمم کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ شروع کیا تھا لیکن اس حادثۂ جاں کاہ کی وجہ سے ترجمہ کے کام میں بھی غیر معمولی تعطل واقع ہوا تھا۔

تقریباً بیس اکیس سال قبل رضا اکیڈمی، بمبئی نے ال معتقد المنتقد مع المعتمد المستند جدید تحقیق کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے آغاز میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی سے بطور مقدمہ ایک تحریر لکھنے کا عریضہ بھیجا۔ آپ نے بزبان عربی فل اسکیپ سائز کے سو صفحات میں ایک جامع تحریر [تاریخی نام: ''حدوث الفتن

---

(۱) مکتوب بنام مولانا عبد الحکیم شرف قادری، مرقومہ: ۱۵؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳؍ جنوری ۱۹۹۱ء

وجہاد أعیان السنن" ۱۴۲۱ھ] لکھی جو کتاب میں تقریباً دو سو صفحات میں آتی، لیکن تین سو صفحات کی کتاب میں دو سو صفحے کا مقدمہ انگشت نمائی کا سبب بنتا، اس لیے اسے ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے اخیر میں شامل کیا گیا، بعد میں الگ سے شائع ہوئی۔ لیکن تاخیر ہونے کی وجہ کیا بیان کی؟ اس خط میں ملاحظہ کریں:

"تاخیر کا سبب یہ ہے کہ احادیث کے انتخاب اور سوانح علما کی تلاش میں کم وبیش چار ہزار صفحات کی ورق گردانی اور مطالعہ کرنا ہوا، جب کہ تدریسی کام بھی جاری ہے، کئی کئی بار رخصت بھی لی، تعطیلات بھی زیادہ تر اسی میں استعمال کیں، مگر جو وقت لگنا تھا لگ کر رہا، کچھ اپنی صحت کی ناہمواری کا بھی دخل ہے۔ بہر حال ہو گیا، اس پر رب کریم کا شکر ہے۔ امید کہ آپ لوگ بھی معاف کریں گے، میری وجہ سے آپ لوگوں کو کام روکنا پڑا اور انتظار کی مصیبت جھیلنی پڑی۔"(۱)

ایک عربی مکتوب بھی ملاحظہ کریں:

"أسفاً وندماً علیٰ أنی لم أکتب الیکم شیئاً مع ما تسلمت الترجمۃ، فأزیلوا ہمومکم بأنی قد ألفیت کل ما أرسلتم الیٰ بید الطالب توقیر أحمد وبالبرید مرتین، انی مفجوع بفوات الأوقات فی ہٰذہ الدار، وذا لأسباب، أدعو المولیٰ الموفق الکریم أن یمنح لی الفرص ویوفقنی للخیر ویزیل العائقات."(۲)

(۸) رضویات:

رضویاتی ادب اور افکار امام احمد رضا کی تحقیق واشاعت ان کا فطری ذوق ہے۔ ان کا فکری ارتکاز امام احمد رضا قادری کے افکار وتعلیمات کی جانب ہے اور ان کے مکتوبات

---

(۱) مکتوب بنام مولانا اسلم رضا والحاج محمد سعید نوری، بمبئی، مرقومہ: ۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۹۹ء

(۲) مکتوب بنام مولانا محمد اسحاق رام پوری، مرقومہ: ۱۴ر جنوری ۱۹۸۷ء

علما و محققین سے علمی رابطے کا غالب موضوع بھی یہی ہے اور اربابِ علم وتحقیق بابِ رضویات میں ان کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس عنوان پر اچھا خاصا مواد ماقبل میں پیش کیا جا چکا ہے، یہاں ان کے مکتوبات میں روشنی میں چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ مرکزی مجلس رضا کے بانی مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری، رضا فاؤنڈیشن، لاہور کے بانی ومہتمم مفتی عبد القیوم ہزاروی، مکتبہ قادریہ کے بانی وناظم علامہ عبد الحکیم شرف قادری، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے استاذ مولانا منشا تابش قصوری، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، کراچی، رضا اکیڈمی کے سکریٹری الحاج محمد سعید نوری، بمبئی، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی کے ڈائرکٹر مولانا محمد حنیف رضوی، مولانا محمد اسحاق رام پوری، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، بریلی، المجمع الاسلامی کے ارکان اور ہندوپاک کے محققین کو حضرت صدر العلماء نے جو خطوط روانہ فرمائے ان میں ”رضویات“ ایک مستقل عنوان کی حیثیت سے چمکتا دمکتا ہے۔ اس حوالے سے کچھ شواہد ماقبل میں بھی پیش ہوئے، چند کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

> ”امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات“ کا پیکٹ چند دنوں پہلے حضرت علامہ شرف قادری مدظلہ کے نام ارسال ہوا ہے، غالباً ایک نسخہ آپ کا بھی ہے، تاثرات سے آگاہ فرمائیں تو نوازش ہوگی، خصوصاً حکیم محمد موسیٰ صاحب سے مولانا شرف صاحب کچھ تحریر کرالیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ امید کہ حضرت شرف صاحب بھی کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے اور کچھ نقد وتبصرہ سے بھی ضرور شادکام فرمائیں گے، مولانا یٰسین اختر صاحب بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔“(۱)

> ”(اندھیرے سے اجالے تک میں) ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تار

(۱) مکتوب بنام مولانا منشا تابش قصوری، لاہور، محررہ: ۷؍ جمادی الآخرہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۰؍ مارچ ۱۹۸۵ء

عنکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی بھی حامل ہے۔"(۱)

"المجمع الاسلامی سے نومبر میں "مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید" پہلی بار منظر عام پر آئی ہے، عرفی نام فلسفہ اور اسلام ہے، اسلامی اخلاق وآداب کے نام سے بہار شریعت حصہ شانزدہم کی تجدید ہوئی ہے۔ یہ کتابیں جلد ہی آپ کے پتہ پر جائیں گی۔"(۲)

"فتاویٰ رضویہ اول کی تعریب کا کام سات آٹھ سال پہلے میں نے شروع کیا تھا جو چند صفحات سے آگے نہ بڑھا، خیال تھا کہ اصل کتاب کو باقی رکھا جائے اور اردو عبارتوں کی مقدار میں ہی عربی ترجمہ کی کتابت کرا کے چپکا دیا جائے اور امتیاز کے لیے اس پر یہ نشان [] دونوں طرف ہو۔ اس طرح تصحیح کی زحمت سے نجات مل جائے گی، مگر عربی کتاب کی نکاسی اور طباعت کا معاملہ ہمارے لیے بہت سنگین ہے اس لیے قلم رکا تو پھر آگے نہ بڑھ سکا۔ اب آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ مفتی [عبد القیوم ہزاروی] صاحب نے دو فاضلوں کو اس پر لگا دیا ہے اور کام ایک مقدار میں ہو چکا ہے۔"(۳)

"بفضلہ تعالیٰ امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی خدمات کم سواد معاندوں کے اعتراف واقرار کی محتاج نہیں۔ اہل نظر کے سامنے حضرۃ الامام کے قلم سے نکلی ہوئی کوئی ایک تحقیق وتحریر بھی رکھ دی جائے تو اسی سے وہ اعتراف کمال پر مجبور ہو جائے گا۔ عالم اسلام اور علمی دنیا کا بڑا

---

(۱) مکتوب بنام مولانا عبد الحکیم شرف قادری، لاہور، محررہ: ۴ ربیع النور ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۸۵ء

(۲) مکتوب بنام مولانا عبد الحکیم شرف قادری، لاہور، محررہ: ۲ دسمبر ۱۹۸۶ء

(۳) مکتوب بنام مولانا عبد الحکیم شرف قادری، لاہور، محررہ: ۲۱ جون ۱۹۸۷ء

طبقہ علمی میدان میں اعتراف حقائق کا عادی بھی ملے گا۔" (۱)

"رسائل ردِ مرزائیت کا ایک نسخہ مطبوعہ کراچی، قادری بک ڈپو، بریلی سے آیا ہے، اب اس کی فوٹو کاپی جلد ہی آپ کو ارسال ہوگی، ساتھ ہی رسالہ تعزیہ داری بھی۔ رسالہ تعزیہ داری میں بعض مراسم سے متعلق سوالات ہیں، ان مراسم کی توضیح حاشیہ میں کرنی ہوگی تاکہ قاری سوال وجواب بخوبی سمجھ سکے۔" (۲)

ان شواہد سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ امام احمد رضا قادری کے افکار وتحقیقات کا فروغ اور عالم اسلام میں ان کی حیات اور کارناموں کا تعارف حضرت کی نگاہ میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔ خود بھی کام کیا ہے اور دوسروں کو بھی کام پر لگایا ہے۔

(۹) عیادت:

مریضوں کی عیادت ایک پسندیدہ سنت نبوی ہے، یہ خبر گیری اور غم خواری بھی ہے اور …ی بھی۔ ایک بندۂ مومن میں یہ وصف درجہ کمال کو پہنچا ہوتا ہے۔ وہ اپنے اعزہ، اقربا، احباب اور متعلقین، بلکہ جملہ مسلمین کا خیر خواہ ہوتا ہے اور ان کی سلامتی کے لیے دعا گو بھی رہتا ہے۔ کوئی قریب میں ہو تو اس کے پاس جا کر خیریت دریافت کی جائے، دور ہو تو بذریعہ مراسلت یا برقی پیغام سے اس کی ڈھارس بندھائی جائے۔ حضرت صدر العلماء کی ذات میں یہ وصف بھی نمایاں ہے، لیکن یہاں صرف ان کے مکتوبات کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے، اس لیے بطور نمونہ ایک عربی خط کے چند فکر انگیز اور معنی خیز جملے درج کیے جاتے ہیں، لکھتے ہیں:

"سمعنا عن اختلال صحتكم واصابتكم بالتعب الشديد والبرد الوجيع في سفركم، ساء نا هذا الخبر المفاجئ و أحزننا، ونرجو من فضل الله سبحانه أن يلبسكم

(۱) مکتوب بنام مولانا عبدالحکیم شرف قادری، لاہور، محررہ: ۳۱ر جنوری ۱۹۹۱ء

(۲) مکتوب بنام مولانا محمد اسحاق رام پوری، محررہ: ۸ر شعبان ۱۴۱۶ھ

ثوب الصحة والعافية، ووقاكم كل مرض وألم، ونفع بكم الأمة المسلمة وخاصة أهل الدين والعلم. ومما يعث القلوب على الأسف والحزن ارتفاض سفركم الى مبارك فور ولكن صحتكم وراحتكم أحب الينا وليس ببعيد أن يرزقنا الله زيارتكم بمناسبة سعيدة.“(۱)

حضرت صدر العلماء کے برادر عزیز مفتی احمد القادری مصباحی امریکہ میں خدمت دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ انڈیا اور امریکہ میں دن اور رات کا فرق رہتا ہے۔ سفر کی مدت کافی طویل ہے اور ہوائی جہاز کا یہ سفر انتہائی تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ ایک بار انڈیا سے ان کی روانگی ماہ رمضان میں تھی، اس لیے روزہ سے تھے، افطار کب کرتے جب غروب آفتاب ہو جاتا؟ لیکن یہ مرحلہ ٹلتا گیا اور غروب کی مدت طویل ہوتی گئی تو روزہ بھی طویل ہو گیا جو مشقت بھرا معلوم ہوا۔ امریکہ پہنچ کر سفر کے کچھ احوال مکتوبی شکل میں انڈیا روانہ کیا تو جوابی خط میں حضرت صدر العلماء نے بشارت آمیز یہ جملے تحریر فرمائے:

”۲۷ ررمضان کو مرسلہ خط ملا۔ میں آپ سے کہنے والا تھا کہ سفر کے دن روزہ نہ رکھیں مگر کئی بار ملاقات کے وقت بھولتا گیا، جانے کے بعد سوچا کہ آپ خود ہی اس کا لحاظ رکھیں گے، خیر پریشانی تو ہوئی مگر افسوس کی بات نہیں، جس طرح یہ روزہ زندگی کا سب سے بڑا روزہ ہوا، اسی طرح ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ اس کا اجر بھی سب سے بڑا ہوگا۔“(۲)

اس خط میں تسلی بھی دی گئی ہے اور خوش خبری بھی، ساتھ ہی افسوس ظاہر نہ کرنے کی تلقین بھی شامل ہے۔

---

(۱) مکتوب بنام شیخ عمر عبد اللہ کامل، مکہ مکرمہ، مرقومہ: ۱۰ رصفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۵ رجنوری ۲۰۱۱ء

(۲) مکتوب بنام مفتی احمد القادری، امریکہ، مرقومہ: ۲۰ رشوال ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۷ رفروری ۱۹۹۷ء

(۱۰) تعزیت:

کسی شخص کے وصال پر اس کے اعزہ واقربا کے پاس جا کر تعزیت پیش کرنا ایک محبوب عمل ہے، متعلقین دور ہوں تو دیگر مواصلاتی ذرائع سے تعزیتی بیان روانہ کیا جاتا ہے۔ حضرت صدر العلماء کے چند خطوط اس عنوان کا بھی احاطہ کرتے ہیں۔ مارہرہ مطہرہ میں حضرت احسن العلماء علیہ الرحمہ کی اہلیۂ محترمہ کے وصال پر ان کے چاروں فرزندان گرامی [حضرت سید امین ملت، سید محمد اشرف، سید نجیب حیدر اور سید محمد افضل مدظلہم العالی] کو یہ تعزیت نامہ ارسال کیا:

> ''حضرت والدہ مخدومہ کا سایہ اٹھ جانا بڑے ہی رنج والم کا باعث ہے، اس کا احساس فرزندوں کو جس قدر ہوگا دوسرے اس کا اندازہ کماحقہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ دنیا میں ہر آنے والا اپنے جانے کا بھی ایک مقررہ وقت لے کر آیا ہے جسے ہم جانیں یا نہ جانیں مگر وہ کسی نہ کسی دن رونما ضرور ہوتا ہے۔ **وذلک تقدیر العزیز العلیم، ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا.**
>
> اقارب، اعزہ اور اہل تعلق کے دل غم زدہ، آنکھیں اشک بار، پلکیں نم ناک اور چہرے افسردہ ہو جاتے ہیں۔ یہ وقت مقرر سے ناآشنا انسانوں کے فطری اُنس کا ظہور ہے اور وہ عزیز علیم کی تقدیر غالب کا قہر وتسلط۔ خالق ومالک وہی ہے، حکومت اسی کی، فیصلہ اسی کا۔ بندوں کے لیے صبر ورضا کے سوا چارہ کیا ہے؟ اسی میں اجر ہے اور اسی سے درجات کی بلندی۔''(۱)

۴ر مارچ ۲۰۱۴ء کو خانقاہی محقق ومصنف مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری نامعلوم حملہ آوروں کے حملے میں بغداد شریف کے اندر شہید ہوئے۔ یہ عجب سانحہ تھا اور انتہائی

(۱) مکتوب بنام مخدومانِ گرامی خانقاہ مارہرہ، مرقومہ: ۳رصفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۹رجنوری ۲۰۱۱ء

تکلیف دہ بھی، لیکن مرضی مولیٰ کے آگے انسان بے بس ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے کارپردازوں کی جانب سے حضرت صدر العلماء نے ان کے والد گرامی شیخ عبد الحمید سالم القادری کو جو تعزیتی خط روانہ کیا اس کی ابتدائی سطریں ملاحظہ کریں:

''جو بھی دنیا میں آیا ہے اسے یہاں سے جانا ہے مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بندہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ الٰہی! کیا سے کیا ہو گیا۔ عزیز گرامی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کا ناگہانی سانحہ ایسا ہی ہے۔

زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کا علمی شغف، سنجیدہ فکر اور متوازن سلوک اَقران اور اصاغر واکابر کے درمیان معروف تھا۔ جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد تعلیم وتبلیغ، تصنیف واشاعت، حسن تنظیم وانتظام وغیرہ میں ان کے انہماک کے ثمرات بڑے حوصلہ افزا تھے۔ سبھی مخلصین کو ان کی ذات سے طویل عرصے تک ہمہ جہت اور دوررَس خدمات کی امیدیں وابستہ تھیں مگر ان کی ناگہانی رحلت کے باعث سبھی سخت غم زدہ اور بالکل ناامید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔''(۱)

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی کی اہلیہ کے انتقال پر انھیں یہ مکتوب روانہ فرمایا:

''خبر ملی کہ آپ کی اہلیہ محترمہ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت کر گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک دیرینہ مونس وشریک حیات کی ناگہاں جدائی کسی کوہِ الم سے کم نہیں، یقیناً آپ کو زبردست صدمہ پہنچا اور فرزندوں کو بھی، مگر قضاے الٰہی میں کسی کو دخل اندازی کا یارا نہیں، ولا راد لقضاءہ، للہ ما أخذ وما أعطی وکل شیء عندہ الی أجل مسمّی۔''(۲)

---

(۱) مکتوب بنام شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری، بدایوں، مرقومہ: ۲۲؍مارچ ۲۰۱۴ء

(۲) مکتوب بنام علامہ قمر الزماں اعظمی، لندن، مرقومہ: ۱۲؍شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶؍جون ۲۰۱۹ء

بیس جولائی ۲۰۲۰ء کو محب گرامی مولانا ارشاد احمد مصباحی کے دو دن کے بچے کا انتقال ہوا تو یہ مختصر تعزیتی پیغام بھیجا:

''ابھی ابھی مولانا ارشاد احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے نوزائیدہ بچے کے انتقال کی خبر سنی، انا للہ وانا الیہ راجعون. للہ ما أخذ وما أعطی وکل شیء عندہ الیٰ أجل مسمیٰ. اللہ تعالیٰ انھیں صبر جمیل کی توفیق بخشے اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔''(۱)

ان کی زندگی سنت نبوی کی آئینہ دار اور شریعت کی تابع دار ہے۔ انھوں نے جلیل القدر اساتذہ اور مشائخ اہل سنت کی شریعت مزاج اور طریقت آشنا زندگیاں دیکھی ہیں، جس کے اثرات خود اِن کی زندگی میں رچ بس گئے ہیں۔

(۱۱) فکر عالی:

حضرت صدر العلماء کی تصنیفات، مضامین، خطباتِ صدارت اور مکتوبات میں انتہائی بیش قیمت افکارِ موجود ہیں جو ان کی اعلیٰ فکری، تعمق نظری اور مستقبل شناسی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مختصر جملوں میں ایک جہانِ معنی ڈھال دینا ان کا امتیازی وصف ہے۔ اُن افکار کے لفظ لفظ موتی اور سطر سطر چشم کشا حقائق کی لڑیاں ہیں۔ ان کے خطوط سے چند نثری جملے ملاحظہ کریں:

''خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتے ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور معاند کی پر تعصب کاوشِ فکر و قلم خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔''(۲)

''عربی اور انگریزی زبان میں زیادہ سے زیادہ کام ہونا ضروری ہے، ابھی یہ میدان تقریباً بالکل خالی ہے جس کے باعث گمنامی ہے اور نام پہنچا بھی تو ردو ذم کے ساتھ، جس کا جواب اب دس سال

(۱) مرقومہ: ۲۸ ر ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰ ر جولائی ۲۰۲۰ء

(۲) مکتوب بنام علامہ شرف قادری، لاہور، محررہ: ۴ ر ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۸ ر نومبر ۱۹۸۵ء

کے بعد منظر عام پر آ رہا ہے۔ پہلی کمی افراد کی ہے، دوسری روابط کی، تیسری وسائل اور وسائل کے صحیح استعمال کی۔ اب جو نوجوان اچھی عربی لکھنے والے تیار ہو رہے ہیں انھیں اس طرف لگایا جائے، محض ادھر ادھر کی منفعت بخش ملازمتوں میں وہ گم ہو کر نہ رہ جائیں، کچھ دینی وقلمی کام بھی کریں (اگر چہ معقول معاوضہ کے ساتھ کریں۔) تیسری کمی بھی محض ذکر کی حد تک ہے اگر چہ حکومت نہیں، پھر بھی اہل سنت کے باثروت عوام دین کے لیے قربانی پیش کرنا جانتے ہیں، وہ اس طرف متوجہ کیے جائیں تو بہت کام ہو سکتا ہے۔ کام جب ہوگا تو روابط میں وسعت، ان شاء اللہ تعالیٰ خود ہی آ جائے گی۔"(۱)

"سنی علما اور سنی شعرا کی تاریخ مرتب ہونی بہت ضروری ہے، اس کا احساس آپ کو بھی ہوگا، پاکستان کے اہل قلم نے اس میدان میں نمایاں پیش قدمی کی ہے۔ ۱۴۰۰ھ میں معاصر علماے اہل سنت پاکستان کی مختصر تاریخ "تعارف اہل سنت" کے نام سے شائع ہوئی۔ اہل سنت کی تیرہویں، چودہویں صدی کی تصانیف کی فہرست "مرأۃ التصانیف" قریباً ساڑھے چھ ہزار کتابوں کے اجمالی تذکرے پر مشتمل سال مذکور میں لاہور سے شائع ہوئی۔ لیکن ہمارے یہاں ابھی وہی ریت ہے، زبانی زیادہ، قلمی کم، بلکہ کالعدم۔" (۲)

"ایک صاحب کمال کا قرطاس وقلم سے رشتہ توڑ لینا اپنے کو زندہ دفن کرنے کے مترادف ہوگا، ساتھ ہی اپنی مخفی صلاحیتوں اور علمی توانائیوں کے ساتھ ظلم وناانصافی بھی۔"(۳)

---

(۱) مکتوب بنام علامہ شرف قادری، لاہور، محررہ: ۶ر محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۶ر جون ۱۹۹۵ء
(۲) مکتوب بنام ... محررہ: ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ
(۳) مکتوب بنام مولانا محمد اسحاق رام پوری محررہ: ۸ر فروری ۱۹۹۰ء

''تحریری کام بہر حال مشکل ہے، اس کے لیے محنت واستقلال ضروری ہے یا آدمی اُس کا اِس قدر خوگر ہو جائے کہ جب تک کچھ لکھ نہ لے اسے قرار نہ ملے، دو باتوں میں سے کوئی ایک ضروری ہے اور دوسری زیادہ کارگر اور بارآور ہوتی ہے۔''(۱)

''بدمذہب قابل تحقیر ہوتا ہے خصوصاً وہ جو اپنی بدمذہبی کا داعی ومبلغ، ضال مضل ہو۔ اور کلمۂ ترحم ''رحمہ اللہ'' وغیرہ سے اس کی توقیر ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام. اگر کسی کے کلام میں بدمذہب کے لیے ایسا کلمہ استعمال ہو تو منکر ہے جسے مٹانا چاہیے، نہ کہ مزید بڑھانا اور پھیلانا۔''(۲)

یہ چند عنوانات ہیں جو ان کی مکتوب نگاری کی خوبیوں سے اخذ کیے گئے ہیں اور شواہد کی روشنی میں انھیں مجملاً کیا گیا ہے۔

علما ومشائخ سے روابط:

یہ عنوان کافی بسط وتفصیل کا متقاضی ہے، لیکن یہاں اختصار کے ساتھ چند حقائق سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں۔ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کے والد ماجد محمد صابر اشرفی مرحوم علما ومشائخ کے کافی معتقد وشیدا تھے اور علما ومشائخ سے برابر مستفیض ہونا زندگی کی معراج تصور کرتے تھے۔ اس باب کے ابتدائی صفحات میں یہ حقائق گزر چکے ہیں۔ گھر میں اندر باہر ان بزرگوں کا ذکر خیر بھی ہوتا تھا اور لوحِ قلب پر علما ومشائخ کی عظیم الشان زندگی کا نقش بھی ابھر رہا تھا۔ جن کا فیض باطنی آج بھی ان کی علمی وروحانی حیات کو تازگی فراہم کر رہا ہے۔ والد ماجد پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ اشرف حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ اور والدہ ماجدہ محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھیں۔

---

(۱) مکتوب بنام مولانا محمد اسحاق رام پوری، محررہ: ۱۵؍ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ

(۲) مکتوب بنام مفتی ازہار احمد امجدی، بستی، محررہ: ۱۱؍رجب ۱۴۳۶ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۵ء

خود صدر العلماء کے اساتذہ کرام میں ایک سے ایک جلیل الشان اساطین علم وفضل شامل ہیں جن کی بارگاہ میں بیٹھ کر علم وادب کی گتھیاں سلجھائیں اور علوم ظاہری وفیوض باطنی سے مالا مال ہوئے۔ جامعہ اشرفیہ میں سال میں کئی بار ملک وملت کے اعلیٰ دماغ اعاظم زمانہ اور صاحبان علم وعرفان کا ورود ہوتا رہتا تھا، امتحانات میں ممتحن کی حیثیت سے بھی اور سالانہ جلسوں میں خطیب وسر پرست کی حیثیت سے بھی۔ یوں ہی بعض علمی شخصیات حافظ ملت علیہ الرحمہ اور دیگر ماہرین فن سے اکتساب فیض کے لیے بھی حاضر ہوتی تھیں۔

جس وقت آپ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد میں زیر تعلیم تھے وہاں ایک بار تاج الاصفیا حضرت مولانا سید مصطفیٰ اشرف کچھوچھوی اور ایک بار ان کے فرزند ذی شان اشرف الاولیا حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی علیہما الرحمہ کی زیارت سے شاد کام ہوئے۔ بعد میں جب مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے تو محمد آباد میں دوبارہ مجتبیٰ میاں کی زیارت ہوئی، ان کا قیام مدرسہ ہی میں تھا، اس وقت آپ کی کتاب ''تدوین قرآن'' چھپ چکی تھی، وہ کتاب آپ نے انھیں نذر کی۔ اس کے بعد بھی کئی بار دید وشنید کا موقع ملا مگر بہت سرسری۔

جامعہ اشرفیہ میں دورانِ تعلیم آپ کے مرشد گرامی حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ تشریف لاتے تو ان کی زیارت ہوتی۔ ایک بار کا واقعہ انھوں نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، طلبہ مصافحہ اور دست بوسی کے ساتھ اپنی اپنی حاجت بھی عرض کرتے اور کچھ طلبہ تعویذ بھی مانگتے۔ میں نے بھی مفتی اعظم ہند سے نیاز حاصل کیا اور تعویذ کے لیے گزارش کی، حضرت نے کاغذ پر لکھ کر ایک دعا اور حفاظت ذہن وجان کے لیے ایک تعویذ عنایت کیا اور دعاؤں سے نوازا۔ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق جون ۱۹۷۲ء میں جامعہ اشرفیہ کی پہلی تعلیمی کانفرنس اور ۱۹۷۳ء میں دوسری کانفرنس میں بھی ان کی تشریف آوری ہوئی تو زیارت کا موقع میسر آیا۔ صفر ۱۳۹۳ھ میں ان سے مرید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مضمون ''مفتی اعظم عوام وخواص کا مرکز عقیدت'' میں مرشد گرامی کے دست حق پرست

بیعت ہونے سے تین سال پہلے کا ایک واقعہ مولانا سید شاہ عبدالحق اعظمی اور دوسرا مولانا شاہ غلام آسی سے متعلق لکھا ہے جس کی نقل گزر چکی ہے۔

بریلی شریف عرس اعلیٰ حضرت میں جب شرکت ہوتی تو مفتی اعظم ہند کی زیارت سے شاد کام ہوتے۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا وصال ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء کو بریلی شریف میں ہوا۔ وصال سے بیس روز قبل ۲۸ر ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ کو حضرت صدر العلماء اپنے دو رفقا مولانا عبدالمبین نعمانی اور مولانا بدرالقادری مصباحی صاحبان کے ہمراہ خاص حضرت پیر ومرشد کی زیارت کے لیے بریلی حاضر ہوئے جہاں ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ کے ساتھ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ رفیق سفر مولانا عبدالمبین نعمانی دام ظلہ العالی واقعہ کی تفصیل اور زیارت کے احوال میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ”دیکھا گیا کہ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور چہرۂ انور سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جن کی تابانی پہلے سے کہیں گنا زیادہ تھی، نقاہت اور ضعف اس قدر تھا کہ بغیر اٹھائے چارپائی سے اٹھنا مشکل تھا اور بیٹھے رہنے کی بھی طاقت نہ تھی، ڈاکٹروں اور حکیموں نے عام طور سے لوگوں سے ملنے جلنے کی ممانعت کر دی تھی۔ اس لیے حضرت کی زیارت تک پہنچنا آسان نہ تھا، چند منٹ رخ روشن کی زیارت کا شرف حاصل رہا، پھر خدام کی فرمائش پر واپس آنا پڑا۔“(۱)

عرس رضوی ہی میں برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری، امین شریعت مولانا ریحان رضا بریلوی، مولانا تحسین رضا بریلوی، مفتی محمد اختر رضا ازہری اور دیگر علما ومشائخ سے ملاقات وزیارت ہوئی۔ انھوں نے اپنے چند مضامین میں مولانا تحسین رضا بریلوی اور مفتی محمد اختر رضا ازہری علیہما الرحمہ کی ملاقاتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ جد الممتار جلد اول ودوم کی

(۱) جہان مفتی اعظم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۱۲۲

نقل کے لیے بھی بریلی میں قیام رہا اور وہاں کے علما وارباب افتا سے تبادلہ خیال ہوا۔ جو الممتار کی نقل مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی کے پاس تھی ان کی نقل سے آپ اور مولانا عبدالمبین نعمانی نے نقل لی اور پھر ان دونوں جلدوں کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے لکھے ہوئے نسخے سے باضابطہ مقابلہ کیا گیا۔ جلد اول کے مقابلے میں مولانا عبدالمبین نعمانی اور جلد ثانی کے مقابلے میں مولانا نصر اللہ رضوی بھیروی شریک کار رہے۔ دیگر رسائل رضویہ کی تلاش وتحقیق کے سلسلے میں بھی خانوادۂ رضا کی معزز علمی شخصیات سے گفت وشنید رہی۔

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی سے بھی خط وکتابت اور ملاقات وگفتگو رہی، فقہی سیمناروں میں بھی وہ تشریف لاتے تھے۔ ان کا ایک خط [محررہ: ۱۶ر ستمبر ۱۹۸۵ء] راقم کی تحویل میں ہے جس میں انھوں نے حضرت صدر العلماء کو" قرطاس وقلم کے جادوگر، الفاظ ومعنی کے مسیحا حضرت علامہ مصباحی صاحب" سے یاد کیا ہے۔ مزید ایک جملہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو انھوں نے بطور دلیل تحریر فرمایا ہے:

> "... مضمون کی ترتیب اور تزئین جس انداز میں آپ نے فرمائی ہے، روح خوش ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کو زبان مل گئی، نہیں نہیں بلکہ جان مل گئی۔ ایک غنچۂ ناشگفتہ کو آپ نے گل خنداں کر دیا، یہ مسیحائی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ ان شاء اللہ آئندہ اسی انداز میں دوسرے مضمون کی ترتیب ہو گی اور پھر مضمون کی نہیں اپنی اصلاح کے لیے خدمت میں روانہ کرتا رہوں گا۔"

یہ والا نامہ حضرت صدر العلماء کی علمی وتحقیقی شفافیت وقطعیت کے ساتھ ان کی ذات پر ماہرین علم وفن کے اعتماد کلی کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ ان کے اساتذہ نے ان پر اعتماد کیا اور ان کے حق میں دعائیں کی ہیں۔ راقم الحروف کا تاثر یہ ہے کہ ان کی ذات میں استاذ گرامی حضرت حافظ ملت کی علمی جلالت اور مرشد گرامی حضرت مفتی اعظم ہند کی روحانی توانائی کا دریا رواں ہے۔ یہی وجہ کہ وہ علوم وفنون میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں اور

عرفانی حقائق بھی ان کی ذات میں جلوہ آرا ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بھی گہرے روابط رہے، یہ ربط وتعلق اب کافی مستحکم ہو چکا ہے۔ آپ ایک زمانے سے مسلسل وہاں کے اعراس میں شرکت فرماتے ہیں۔ احسن العلماء مولانا سید شاہ مصطفی حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ کی کئی بار زیارت وملاقات ہوئی، پہلی بار ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں عرس قاسمی میں شارح بخاری علیہ الرحمہ کے ہمراہ شریک ہوئے تو شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ رمضان ۱۴۱۴ھ میں جد الممتار کی تحقیق وتعلیق کے بعد طباعت کے سلسلے میں جب حضرت صدر العلماء بمبئی حاضر ہوئے تو بمبئی کی کھڑک مسجد میں آخری بار حضرت احسن العلماء سے ملاقات ہوئی، انھیں علم ہوا کہ جد الممتار کے سلسلے میں بمبئی آنا ہوا ہے تو اس کے لیے از خود ایک ہزار روپے عنایت کیے۔ یہ ان کی کرم نوازی اور علمی کاموں میں تعاون بالخصوص امام احمد رضا قادری کے کار وافکار سے حد درجہ عشق کا نتیجہ تھا۔ اپنے ایک مختصر مضمون میں ایک جگہ یہ چشم کشا حقیقت تحریر فرماتے ہیں:

> ”اس وقت دنیاے سنیت میں ان کی ذات تمام علماے اکابر واصاغر کے لیے مرجع ومقتدا کی حیثیت رکھتی تھی۔ مفتی اعظم قدس سرہ کے زمانے میں جب کوئی سنگین اختلاف رونما ہوتا تو فیصلہ کے لیے نگاہیں مفتی اعظم کی طرف اٹھتیں، ان کے بعد یہ اعزاز حضرت احسن المشائخ کے حصے میں آیا۔“(۱)

حضرت احسن العلماء کے وصال کے بعد ان کے فرزندان گرامی تاج المشائخ حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی [جو آپ کے مرشدِ اجازت بھی ہیں]، حضرت سید محمد اشرف مارہروی، حضرت سید نجیب حیدر برکاتی اور حضرت سید محمد افضل میاں سے روابط ہوئے۔ مارہرہ شریف آنا جانا برابر جاری ہے، راقم الحروف پہلی بار ۲۰۰۵ء میں عرس قاسمی میں شریک ہوا تو صدر العلماء بھی حاضر تھے اور وہاں سے موصول علمی تحائف مبارک پور لانے کی ذمہ

(۱) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، سیدین نمبر، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص: ۹۳۸

داری مجھے سونپی۔ فکر وتدبیر کانفرنس بھی ان کی شرکت ہوتی رہی۔ ادھر کچھ سالوں سے عرس قاسمی کی پہلی شب میں منعقد ہونے والے تجوید وقراءت کے مقابلے میں بہ حیثیت جج ان کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ اور دیگر ججوں کے فیصلے پر جب آخری نظر حضرت ڈال لیتے ہیں تو اسے فائنل سمجھا جاتا ہے اور پھر نتیجے کا اعلان ہوتا ہے۔ جس وقت ولی عہد سجادہ مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد امان میاں برکاتی جامعہ اشرفیہ میں بغرض تحصیل علم حاضر تھے تو چند فنون کی کتابیں حضرت صدر العلماء سے بھی پڑھنے کا شرف پایا اور وہ آج بھی ان اسباق پر فخر کرتے ہیں۔ گویا کسب واکتساب علم وفیض کا سلسلہ طرفین سے جاری ہے۔

ماضی قریب کے جید علما میں مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن عباسی اڑیسوی، فقیہ ملت مفتی محمد جلال الدین امجدی، پاسبان ملت مولانا مشتاق احمد نظامی، صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی وغیرہم کا نام نمایاں ہے، ان حضرات سے بھی کئی بار ملاقاتیں ہوئیں، مبارک پور میں بھی اور یہاں سے باہر بھی۔ مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ پر آپ نے چھ صفحے کا ایک حقیقت افروز مضمون بھی لکھا ہے جو ان کی حیات وخدمات پر مشتمل کتاب میں شامل ہے۔ اسی مضمون میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ”مجھے یاد آتا ہے کہ مبارک پور میں دار العلوم اشرفیہ کا جلسۂ دستار بندی تھا، حضرت ممدوح [مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی] بھی مدعو تھے اور ان کے رفیق درس مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری سابق استاذ جامعہ اشرفیہ بھی۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زمانے میں امتحان سالانہ کے لیے ان رفقائے کرام میں دو تین حضرات ضرور مدعو ہوتے تھے بلکہ کبھی زیادہ بھی ہوتے۔ مولانا محمد سلیمان اشرفی علیہ الرحمہ نے رات کے اجلاس میں ایک مختصر تقریر کی، جس میں انھوں نے فرمایا کہ پہلے مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے متعلق فرماتے تھے کہ ”یہ علم کی لائبریری ہیں۔“ اور اب میں مولانا غلام جیلانی صاحب

کے متعلق کہتا ہوں کہ ”یہ علم کی لائبریری ہیں۔“(۱)

رئیس القلم علامہ ارشد القادری ممتاز فرزند اشرفیہ اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ارشد تلمیذ تھے۔اشرفیہ ان کی روح میں سمایا ہوا تھا اور اس کی تعمیر وترقی ان کے مشن میں شامل تھی۔حافظ ملت کو ان پر بہت اعتماد تھا، بلکہ ہر سال وہ ان کے قائم کردہ مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوتے اور پندرہ شعبان کی شب وہیں گزارتے تھے۔۱۹۷۲ء میں منعقدہ جامعہ کی پہلی تعلیمی کانفرنس میں منصوبہ سازی اور انصرام وانتظام کی ذمہ داری حافظ ملت نے انھی کو سونپی تھی۔وہ سال میں کئی بار جامعہ اشرفیہ مبارک پور آتے تھے،تقریباً پانچ سال تک ان کے قائم کردہ مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور میں آپ نے منصب تدریس سنبھالا تھا تو ان سے کافی ملاقاتیں رہیں۔۱۹۸۵ء میں جب جامعہ اشرفیہ میں علامہ ارشد القادری کی تحریک پر ”شرعی بورڈ“ قائم ہوا تو اس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی میٹنگوں اور علمی مذاکروں میں شرکت رہی، ساتھ ہی عالم عرب کے علما و ماہرین فقہ وافتا سے رابطہ کرنے اور انھیں سوال نامہ ارسال کرنے کی ذمہ داری بھی حضرت صدر العلماء کو سونپی گئی۔راقم الحروف کی تحویل میں عربی زبان میں علمائے عرب کو لکھا گیا دو خط اور علامہ ارشد القادری کا مرتب کردہ سوال نامہ بھی موجود ہے۔بعد میں بھی حضرت رئیس القلم سے خط وکتابت رہی۔

دیگر علما و مشائخ میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، اکبر المشائخ مولانا سید محمد اکبر چشتی، مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی اور مفتی آفاق احمد مجددی وغیرہم سے ربط وتعلق خاطر رہا۔شارح بخاری پر آپ نے ایک طویل مضمون ”شارح بخاری کی جلالت علمی سے میری روشناسی“ تحریر فرمایا اور ان کی حیات وخدمات پر مشتمل کتاب ”معارف شارح بخاری“ میں شریک مرتب رہے اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کی مرتبہ کتاب ”شارح بخاری“ پر تقریظ بھی لکھی۔”شارح بخاری ایک گلدستہ محاسن“ کے عنوان پر ایک مختصر تحریر ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی کے شارح بخاری نمبر، اپریل ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔جامعہ

(۱) صدر العلماء محدث میرٹھی، حیات وخدمات، مطبوعہ مسجد نور الاسلام، بولٹن، ۲۰۱۰ء، جلد اول، ص: ۲۹۵

اشرفیہ میں ایک طویل زمانے تک دونوں علمی بزرگوں کی رفاقت رہی۔ آپ کی کتاب "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" پر شارح بخاری نے ایک شاندار ابتدائیہ تحریر فرمایا۔ اس کا ایک اقتباس ماقبل میں گزر چکا ہے، صرف ایک جملہ ملاحظہ کرلیں، شارح بخاری لکھتے ہیں:

''میں خود جن چند علما سے متاثر ہوں ان میں آپ کی شخصیت نمایاں ہے۔''(۱)

حضرت شارح بخاری آپ پر کافی اعتماد فرماتے اور آپ کی علمی وتدریسی خدمات کی سراہنا کرتے تھے، مجالس علما میں بھی اس حقیقت کا برملا اظہار فرماتے اور کبھی کبھی یہ جملے بھی کہتے کہ'' دنیا پھنستی ہے تو میرے پاس آتی ہے اور میں الجھتا ہوں توان سے بات کرتا ہوں۔''

مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے اولاً صرف صحیح بخاری کا اردو ترجمہ لکھنا شروع کیا تھا، یہ کام انھوں نے اشرفیہ کے استاذ مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کی گزارش پر شروع کیا تھا۔ لیکن حضرت صدر العلماء کے مشورہ پر ان پر تشریحی نوٹ کا اضافہ فرمایا، اس طرح شرح بخاری کا کام آگے بڑھا۔ دسمبر ۱۹۸۲ء میں کام شروع ہوا تھا اور دسمبر ۱۹۹۸ء میں انھوں نے شرح بخاری مکمل کی۔ پھر جب اس کا شہرہ خوشبوؤں کی طرح ملک بھر میں پھیل گیا تو رضا اکیڈمی ممبئی نے ایک جشن منانے کا منصوبہ بنایا۔ رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی کو دہلی سے مبارک پور بلایا گیا، انھوں نے یہاں مستقل قیام پذیر ہوکر ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ایک کتاب '' شارح بخاری'' لکھی جو ستمبر ۱۹۹۹ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی اور پھر اس کتاب کی روشنی میں ملک کے اہل قلم سے ان پر مضامین لکھوائے گئے، جنھیں مولانا یٰسن اختر مصباحی اور مولانا محمد احمد مصباحی نے مشترکہ طور پر مرتب کیا اور یہی کتاب'' معارف شارح بخاری'' کے نام سے شائع ہوئی۔ مبارک پور سے ممبئی تک اس کے جشن کی تیاری ہوئی، اس جشن کی جو رپورٹیں راقم کی نگاہ سے گزری ہیں ان کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں سے وہاں تک منصوبہ سازی اور کاموں کی نگرانی حضرت

(۱) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص:۱۱

صدر العلماء نے کی اور رضا اکیڈمی، ممبئی کے زیر اہتمام منعقدہ ''جشن شارح بخاری'' [۲۹ / ۳۰ / جنوری ۲۰۰۰ء] میں ایک عمدہ خطاب بھی فرمایا، یہ خطاب تحریری شکل میں ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ مارچ اپریل ۲۰۰۰ء [ص: ۳۳، ۳۴] میں شامل کیا گیا ہے۔ ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شارح بخاری سے آپ کو کس قدر والہانہ عقیدت تھی۔

ماقبل میں تنظیم المدارس کے قیام کی اولین کوششوں کے ذیل میں بھی علما و ماہرین درس کے اجتماع اور بحث و مذاکرہ کا حال بیان ہو چکا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے قیام سے لے کر صدر بنائے جانے کے احوال بھی گزر چکے ہیں۔ ملک کے اندر منعقد ہونے والی دیگر علمی و نصابی مجالس مذاکرہ میں بھی ان کی شرکت لازمی سمجھی جاتی ہے۔ عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ کے موقع پر منعقد ہونے والی فکر و تدبیر کانفرنس، شہر ممبئی میں منعقدہ جشن مفتی اعظم اور جشن شارح بخاری، الجامعۃ القادریہ، رچھا، بریلی کا علمی سیمینار، شرعی بورڈ، دہلی کا فقہی سیمینار، دار العلوم احمدیہ، قنوج کا تصوف سیمینار، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر کے مختلف سیمینار وغیرہ۔ ان علمی و فقہی مجالس و محافل مذاکرہ میں بھی علم و ادب کے ماہرین اکٹھا ہوئے تو ایک مندوب کی حیثیت سے آپ بھی شریک ہوئے اور اس میں اپنی محکم رائے یا مضمون پیش فرمایا۔ وہ تمام تحریریں ''مقالاتِ مصباحی'' میں شامل ہیں۔

یوں ہی ملک و بیرون کے اہم مذہبی رسائل و جرائد کے مدیران اور علمی و تحقیقی اداروں کے علما و محققین و ناشرین سے بھی گہرے روابط رہے۔ ان میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے محقق شبیر احمد غوری، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، مرکزی مجلس رضا، کراچی کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، جامعہ نظامیہ، لاہور کے اساتذہ میں مفتی عبد القیوم ہزاروی، مولانا عبد الحکیم شرف قادری، مولانا منشا تابش قصوری، مولانا حافظ عبد الستار سعیدی اور مولانا محمد صدیق ہزاروی، وغیرہم۔ انڈیا میں پاسبان کے مدیر مولانا مشتاق احمد نظامی، ماہ نامہ استقامت کے مدیر مولانا ظہیر الدین رضوی، ماہ نامہ المیزان، بمبئی کے مدیر ڈاکٹر حسن مثنیٰ، ماہ نامہ حجاز جدید، دہلی کے مدیر مولانا یٰسین اختر مصباحی، ماہ

نامہ اشرفیہ کے چاروں مدیران وغیرہم سے ان کے روابط تھے اور جو باحیات ہیں ان سے اب بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں۔

پاکستان کے دو ممتاز محققین پروفیسر مسعود احمد نقش بندی اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری سے آپ کے علمی تعلقات کافی مضبوط تھے، اس بات کا ثبوت وہ خط وکتابت ہے جو ان بزرگوں کے درمیان ایک طویل زمانہ تک ہوتی رہی۔ راقم الحروف کی تحویل میں ان ارباب کمال کے چار درجن سے زائد مکاتیب ہیں جن کے مطالعہ سے چشم کشا حقائق سامنے آتے ہیں اور بزرگان علم وتحقیق کے گہرے روابط کا یقین ہوجاتا ہے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور تشریف آوری کی ایک مختصر داستان ماقبل میں گزر چکی ہے۔ ان اسفار میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ سے ان کی خصوصی ملاقات رہی۔ حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی سے بھی کافی یارانہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے بہت سے خطوط ان دونوں حضرات کے نام مشترکہ طور پر لکھے گئے ہیں۔ راقم نے ایسے کئی خطوط دیکھے ہیں جن میں علامہ محمد احمد مصباحی اور مولانا عبدالمبین نعمانی کو ایک ساتھ سلام مسنون پیش کیا گیا ہے۔ اگست ۱۹۹۲ء میں شرف قادری صاحب سرہند شریف [پنجاب، انڈیا] تشریف لائے اور اس کی اطلاع اِن حضرات کو دی تو یہ لوگ ان سے خصوصی ملاقات کی غرض سے سرہند شریف حاضر ہوئے۔ اس کا حال مولانا عبدالمبین نعمانی دام ظلہ العالی کی ایک قلمی یادداشت میں درج تھا، اہمیت کے پیش نظر یہاں درج کیا جاتا ہے:

''مورخہ ۲۶؍صفر ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۶؍اگست ۱۹۹۲ء، بروز چہار شنبہ بشمول مولانا نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی [استاذ دار العلوم قادریہ چریاکوٹ] سرہند شریف میں حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب سے ملاقات کی، رات قیام رہا، دوسرے روز صبح واپسی ہوئی۔ ملاقات میں علمی، ادبی، تصنیفی اور تبلیغی موضوعات پر گفتگو رہی۔ کچھ کتابیں تحائف میں پیش کی گئیں، کچھ انھوں نے عنایت کیں۔ اسی

روز مولانا محمد احمد مصباحی صاحب نے بھی ملاقات کی، وہ علاحدہ سفر کر کے گئے تھے۔ ان کی واپسی کے بعد ہم لوگ پہنچے۔ لانبا قد، متوسط جسم، ریش زیادہ تر سفید، بزرگی چہرے بشرے سے عیاں تھی، گفتگو میں بھرپور وقار اور عالمانہ شان ہویدا تھی۔ ملت کے درد میں ڈوبے ہوئے انداز گفتگو نے کافی متاثر کیا۔ خاص طور سے حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ العالی کی مصروفیات کا تذکرہ ہوا۔ ان کی مصروفیات کا علم ہو کر حیرت ہوئی، ایک شخص سے بیک وقت اتنے کام کا صدور اور وافر ذمہ داریوں کا تحمل قریب بہ کرامت ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کی عمر و عمل میں مزید برکتیں دے، آمین۔"(۱)

۱۹۹۸ء میں پہلی بار براہ بمبئی وہ جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور طلبہ و اساتذہ کی بزم سے خطاب بھی فرمایا۔ ۲۰۰۰ء میں جب تشریف لائے تو مجلس برکات کے دائرہ عمل، طریقہ کار اور حواشی کے انتخاب کے سلسلے میں یہاں ہفتوں ان کا قیام تھا۔ اس دوران دونوں علمی نابغوں میں کافی مذاکرات علمیہ ہوئے اور ربط و تعلق خاطر میں اضافہ ہوا۔ وہ پاکستان سے اپنے قائم کردہ مکتبہ قادریہ، لاہور کی مطبوعات یہاں روانہ کرتے تھے اور المجمع الاسلامی کے بانیان اپنی مطبوعات اور دیگر علمی و تحقیقی کتابیں ان کے پاس ارسال کرتے تھے، یہ سلسلہ ان کے وصال تک جاری رہا۔ یہ علم دوستی خلوص پر مبنی تھی، ایسے مخلص کرم فرما اب بہت کم ملتے ہیں۔ استاذ گرامی مولانا محمد صدر الوریٰ قادری کے عربی حاشیہ شرح عقائد پر علامہ شرف قادری علیہ الرحمہ نے ایک مختصر تقریظ رقم فرمائی ہے، اس تحریر میں انھوں نے جامعہ اشرفیہ کے علمی ماحول، اساتذہ اور طلبہ کے علمی و تحقیقی ذوق کی سراہنا کی ہے اور اس سفر کی خوش گوار یادیں اجمالاً ذکر کی ہیں۔

یوں ہی پروفیسر مسعود احمد نقش بندی علیہ الرحمہ سے آپ کا ربط و تعلق خاطر محض علمی

---

(۱) قلمی یادداشت، یکم ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

بنیاد پر قائم تھا، خط وکتابت کا موضوع عام طور سے علمی مواد، رضویاتی ادب، علمی تحقیق، کتاب کی فراہمی، رسائل کی ترسیل وغیرہ مسائل ہوتے تھے، جیسا کہ ان کے چند خطوط کی قراءت سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ پہلی بار پروفیسر صاحب سے آپ کی ملاقات بریلی شریف میں ہوئی اور یہاں آنے کی اطلاع انھوں نے خود بذریعہ خط آپ کو فراہم کر دی تھی، آخری ملاقات انڈیا کے آخری سفر میں دہلی کے اندر ہوئی، درمیان میں ایک بار عرس امام احمد رضا میں بریلی شریف میں اور ملاقات ہوئی۔ یہ کل تین ملاقاتیں ہیں جن میں اہم علمی امور پر تبادلہ خیال ہوا، ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ عالم عرب میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے حقیقی تعارف اور ان کے علمی آثار کی ترسیل موضوع سخن رہی۔ ان ملاقاتوں میں حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ پروفیسر مسعود احمد کے کئی خطوط راقم کے پاس محفوظ ہیں اور سب کا موضوع خالص علم وادب ہے۔

مولانا منشا تابش قصوری سے بھی مختلف علمی وتحقیقی معاملات میں خط وکتابت کا سلسلہ رہا، جس کا اندازہ دونوں حضرات کے مابین مراسلت سے لگایا جا سکتا ہے، جن میں یہ حقائق پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ مراسلت کے کچھ نمونے راقم کے پاس موجود ہیں۔

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کے روابط وتعلقات کا تجزیہ کرنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ رشتہ داروں کے علاوہ اگر ان کا کسی سے تعلق خاطر تھا تو وہ اہل علم وتحقیق تھے یا نشریاتی وطباعتی اداروں کے ذمہ داران اور رسالوں کے مدیران۔ اور آج بھی ایسے ہی باکمالوں سے ان کے تعلقات استوار ہیں جو ان کے اخلاص وللّٰہیت کا ثبوت ہیں۔ انڈیا میں رضا اکیڈمی [ممبئی] کے جنرل سکریٹری محترم الحاج محمد سعید نوری اور امام احمد رضا اکیڈمی [بریلی شریف] کے ڈائرکٹر مفتی محمد حنیف خان رضوی سے بھی ان کے روابط خالص علم وتحقیق سے متعلق ہیں۔ دونوں اداروں سے بطور خاص امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے رسائل اور فتاویٰ رضویہ کی تحقیق وطباعت واشاعت کا کام انجام پایا ہے، ان امور میں دونوں حضرات نے حضرت صدر العلماء سے مشاورت بھی کی اور علمی تعاون بھی لیا ہے۔ کچھ حقائق ان

دانوں حضرات کے نام تحریر کیے خطوط سے منکشف ہوتے ہیں اور بہت کچھ پردۂ خفا میں ہیں جن کا اظہار وہ اخلاص کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اصلاح ونظر ثانی:

یہ عنوان ہوسکتا ہے کسی کی نگاہ میں ہلکا پھلکا اور علمی وفکری اعتبار سے اضافی لگتا ہو، لیکن آگے کی سطریں پڑھنے کے بعد ہر قاری اپنے رویے پر نظر ثانی کا محتاج ہوگا اور حقیقت اس کے سامنے روشن ہوجائے گی۔

یہ حقیقت ہر خاص وعام پر روشن ہے کہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے نسلوں کی تحریری وقلمی، فکری واخلاقی، علمی وکلامی تربیت فرمائی ہے۔ یہ سلسلہ دورِ طالب علمی سے تاحال پورے اخلاص کے ساتھ جاری ہے۔ تحریر وقلم ان کا عنوانِ زیست ہے اور علم وعمل ان کی شناخت۔ دین حق کی ترویج وتبلیغ اور علم دین وزبان وادب کی نشرواشاعت ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ ''المجمع الاسلامی'' جیسے تحقیقی ونشریاتی ادارے کی داغ بیل ان کی اور ان کے احباب کی اسی فکر کا ثمرہ ہے، مقصد یہ کہ اس کے زیر اہتمام مختلف دینی وعلمی موضوعات پر داد تحقیق دی جاسکے اور قدیم وجدید کتب ورسائل کی طباعت واشاعت کا کام بھی ہو۔ الحمد للہ! اس میدان میں بڑی کامیابیاں ملیں اور المجمع الاسلامی کی مطبوعات نے علم دین کے ساتھ زبان وادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ادبی دنیا کو شاید اس طرح کا مذہبی ادب قبول کرنے میں پس وپیش ہو لیکن یہ سچ ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ اِن جیسے علما وارباب کمال نے بھی ادب تحریر کیا اور زبان واسلوب کی ایک رنگا رنگ کہکشاں تشکیل دی ہے، ساتھ ہی نئی نسل میں تحقیقی وتنقیدی مزاج بھی پیدا کیا ہے۔

''المجمع الاسلامی'' کے زیر اہتمام انھوں نے ارکانِ ادارہ کی لکھی ہوئی علمی وتحقیقی کتابیں بھی شائع کیں اور دیگر محققین وعلما کے کتب ورسائل کی جدید تحقیق وترتیب اور نظر ثانی واصلاح فرمائی۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''اسی طرح المجمع الاسلامی سے شائع ہونے والی تقریباً تمام اہم

علمی کتابوں پر نظر ثانی اور بہ مشورہ واجازت مصنفین مناسب اصلاح وترمیم۔ یہ بھی ایک مشکل اور جانکاہ عمل ہے جس کے باعث خود لکھنے کا موقع بہت کم ملتا ہے اور نظر ثانی واصلاح کا کوئی اعلان واظہار بھی نہیں ہوتا۔ دو تین کتابوں میں خود مصنفین نے شکریہ کے ساتھ ذکر کر دیا ہے ورنہ مولانا کا کام بلا امید تشکر وشوق نمائش برابر جاری ہے۔"(۱)

جب نام نہاد دشنام طراز مصنف احسان الٰہی ظہیر نے اپنی بدنام زمانہ کتاب "البریلویۃ" تحریر کی اور عالم عرب میں جماعت اہل سنت اور امام احمد رضا قادری کے عقائد وافکار کے غلط رخ سے پیش کیا تو اس فسوں سے حضرت صدر العلماء کافی رنجیدہ ہوئے اور ہندو پاک کے کئی علما سے اس کتاب کا جواب لکھنے کی گزارش کی۔ پاکستان سے مولانا عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے پہلے اردو میں "اندھیرے سے اجالے تک" کے نام سے اس کا رد لکھا، پھر عربی میں "من عقائد اهل السنة" تحریر کی۔ ادھر انڈیا میں تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا ازہری علیہ الرحمہ نے "مرأة النجدية" تصنیف کی جس کی تصحیح حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے بریلی شریف میں رہ کر کی اور اس پر ایک وقیع عربی مقدمہ بھی لکھا لیکن وہ کتاب میں شامل نہ ہو سکا۔ لیکن اس کی اکثر بحثیں "حدوث الفتن" میں آگئی ہیں۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری جب جامعہ اشرفیہ میں استاذ تھے تو نصابی ضرورت کے پیش نظر عربی ادب کی دو اہم کتابیں مرتب کیں، اول الذکر نے "المديح النبوي" مرتب کی اور ثانی الذکر نے "الأدب الجميل" ترتیب دی۔ ابھی جماعت اہل سنت میں کوئی نصاب ساز ادارہ تشکیل نہیں دیا گیا ہے نہ کوئی نصاب ساز کمیٹی بنی تھی۔ گویا یہ اساتذۂ اشرفیہ برسوں پہلے تنظیم المدارس کے قیام کا تمہیدی کردار ادا کر رہے ہیں اور نصابی دنیا کی بہت بڑی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ فلسفے کی کتاب "ہدایۃ الحکمت" کا اردو ترجمہ "فیض الحکمت" [از: مولانا احمد القادری] اور علم عروض کی اہم کتاب "معین

(۱) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص: ۱۰

العروض والقوافی'' [از: مولانا محمد احمد مصباحی] اسی دور کی پیداوار ہے۔

''المدیح النبوی'' اور ''الادب المجمیل'' کا زمانۂ تالیف ۱۹۷۹ء ہے۔ اوران دونوں کتابوں کی ترتیب وتحقیق میں حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کے علمی تعاون اور مشوروں کو دخل ہے۔ بعد میں جب تنظیم المدارس کا قیام عمل میں آیا تو یہی فردِ فرید اس کا بنیادگزار بھی بنتا ہے اور نصاب ساز کمیٹی کا صدرالصدور بھی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جب نصابی کتابوں کی تحقیق، تصنیف، تحشیہ، ترجمہ اور تعلیق اور درسی کتابوں کی طباعت واشاعت کی غرض سے ''مجلس برکات'' قائم ہوتی ہے تو یہی ذات اس ادارے کی اصل الاصول قرار پاتی ہے۔ مجلس برکات کی مطبوعات گواہ ہیں کہ جس نفاست وتحقیق کے ساتھ حضرت مصباحی صاحب ان کتابوں کو لائق طباعت بناتے ہیں کتابی دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جب ہم ''المجمع الاسلامی'' [محمد آباد گوہنہ ومبارک پور] اور ''مجلس برکات'' [جامعہ اشرفیہ] کی مطبوعہ کتب ورسائل پر جب طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ ان میں کی اکثر کتابوں کی اصلاح ونظر ثانی انھوں نے ہی فرمائی ہے۔

طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے شائع ہونے والے قدیم کتب ورسائل کی نشان دہی اور انتخاب سے لے کر تحقیق، تحشیہ، تعلیق، تقدیم اور ترتیب وطباعت میں اس ذات کی کوششیں دکھائی دیتی ہیں۔ یوں ہی جامعہ اشرفیہ کی مجلس شرعی کی صدارت سے وابستہ علمی تحقیقی کام اور مجلس فقہی کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ''فتاویٰ جامعہ اشرفیہ'' کی مجلدات میں بھی آپ کی حصہ داری ہے۔

اسی طرح مجلہ یادگار ایوبی، پراکنک، کشی نگر کے قریبا تمام خصوصی شماروں کی خاکہ نویسی، انتخاب مضامین، اصلاح ونظر ثانی میں ان کا نام اور کام چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان علمی کاموں کو دیکھ کر برملا یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں اور تنہا ایک اکیڈمی کا کام کرتے ہیں۔ مفتی محمد قمر الحسن بستوی مصباحی [چیف قاضی امریکہ] لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی مکمل اکاڈمیکل آدمی

ہیں، مشاغل علمیہ سے ان کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ میں سمجھتا ہوں وہ خواب بھی اپنے انھی ممارست علمیہ کا دیکھتے ہوں گے۔ اس ٹیکنالوجیکل دور میں ان کے کام کا انداز بالکل جدید نہج کا ہے۔ ان کا مزاج صرف علمی ہے اور ان کے قلم سے جو جواہر پارے منصۂ شہود پر آتے ہیں وہ بھی بالکل علمی ہوتے ہیں۔''(۱)

اصلاح ونظر ثانی کا یہ ذیلی عنوان ایک مبسوط تحریر کا متقاضی ہے، اس کے کچھ شواہد ماسبق میں گزر چکے ہیں۔ یہاں اتنے پر بس۔

بیعت وخلافت:

اپنے مضمون ''مفتی اعظم عوام وخواص کا مرکز عقیدت'' میں مرید ہونے سے تین سال پہلے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں:

''میں رمضان ۱۳۹۰ھ میں رانچی پہنچا، اس وقت مدرسہ غریب نواز رانچی کے بانی مولانا سید شاہ عبدالحق چشتی امجدی اعظمی وہیں تشریف فرما تھے۔ دو دن ان کے مدرسہ میں میرا قیام رہا، اس دوران ان سے بہت سے موضوعات پر گفتگو رہی، انھوں نے مجھ سے پوچھا: تم کسی سے مرید ہو یا نہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: مرید ہونا ہے تو مفتی اعظم سے مرید ہونا، سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔''(۲)

اسی مضمون میں آگے بیان کرتے ہیں:

''حضرت مولانا غلام آسی بلیاوی جو ایک سلسلے کے معروف پیر اور درس نظامی کے جید فاضل ہیں، ان سے جمشید پور وغیرہ میں اکثر میری

---

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف

(۲) انوار مفتی اعظم، مرتبہ علامہ محمد احمد مصباحی، رضا اکیڈمی، بمبئی، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص: ۱۹۹

ملاقات اور گفتگو رہی، ایک بار فرمانے لگے کہ اس وقت تین اکابر ہیں:
مفتی اعظم، حافظ ملت، مجاہد ملت۔ ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے،
خدا ان کا سایہ دراز کرے، ان کے بعد پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔"(۱)

اس لیے بیعت ورادت کے سلسلے میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی نگاہِ انتخاب شہزادۂ امام احمد رضا، مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمہ پر پڑی، چناں چہ عرس رضوی کے ایک روز بعد ۲۶ رصفر ۱۳۹۳ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۷۳ء بروز دوشنبہ رضوی دار الافتاء، محلہ سوداگران، بریلی شریف میں انھی کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ برکاتیہ نوریہ رضویہ میں شرف بیعت وارادت حاصل کیا۔ پھر ایک سال بعد ربیع الاول ۱۳۹۴ھ میں استاذ گرامی حافظ ملت علیہ الرحمہ سے مبارک پور میں سلسلۂ قادریہ، منوریہ، معمریہ میں طالب ہوئے۔ مولانا عبد الغفار اعظمی لکھتے ہیں:

"شاہ منور علی الہ آبادی علیہ الرحمہ کی عمر شریف ساڑھے پانچ سو سال تھی۔ اس لیے اس سلسلے میں حافظ ملت علیہ الرحمہ سے حضور سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمہ تک صرف چار واسطے ہیں۔"(۲)

اس سلسلے میں ممدوح گرامی حضرت صدر العلماء دام ظلہ کی یہ تحریر نہایت دل چسپ اور چشم کشا ہے، لکھتے ہیں:

"میں صفر ۱۳۹۳ھ میں مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بریلی شریف میں بیعت ہوا۔ پابندی سے شجرہ خوانی کی تاکید تھی، مگر کوشش کے باوجود کبھی کبھی مجھ سے ناغہ ہو جاتا تھا۔ میں حیرت سے سوچا کرتا تھا کہ کم مشاغل کے باوجود شجرہ پڑھنا مجھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ہمارے پیران بزرگ جو دن رات کاموں

---

(۱) نفس مصدر
(۲) فتنوں کا ظہور، تعارفِ مصنف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۲

اور متنوع لوگوں کے ہجوم میں رہتے ہیں کیسے پابندی کرتے ہوں گے؟ شاید ان کے لیے کچھ رخصت ہو؟ - ۲۹ر صفر ۱۳۹۴ھ کو میں اور برادر گرامی مولانا عبدالمبین نعمانی سلسلۂ قادریہ معمریہ میں داخل ہونے کے لیے حافظ ملت کے یہاں پرانے مدرسہ بعد ظہر حاضر ہوئے۔ اس سلسلہ میں طالب ہونے کا اشتیاق اس لیے تھا کہ حافظ ملت کے مرشد حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے غوثِ پاک تک اس میں صرف چار واسطے ہیں۔ حضرت حافظ ملت نے ہمیں سلسلۂ معمریہ میں داخل کیا اور فرمایا کہ ''شجرہ کی پابندی کرتے رہنا، میں جب سے بیعت ہوا، کبھی شجرہ خوانی کا ناغہ نہ ہوا۔''

اس ارشاد سے شجرہ خوانی کے بارے میں میرے مذکورہ بالا خیال کی تردید ہوگئی۔ اور حضرت کی پابندی معمولات کا اور ایک نقش ذہن میں مرتسم ہوگیا۔ مزید فرمایا کہ: ''بریلی شریف میں بھی یہ سلسلہ ہے مگر اس میں ایک واسطہ زیادہ ہوجاتا ہے۔''(۱)

اسی مضمون میں چند صفحات کے بعد ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حافظ ملت نے مجھ سے ایک بار بیان فرمایا کہ حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ ہمارے زمانۂ طالب علمی میں اجمیر شریف پہنچے، ان کے پاس سلسلۂ معمریہ تھا جس میں غوث اعظم تک صرف چار واسطے ہیں۔ ہم چالیس رفقائے درس ایک ساتھ اس سلسلے میں داخل ہوگئے اور سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ میں طالب ہوئے۔'' (۲)

ان دونوں اقتباسات اور مولانا عبدالغفار اعظمی کے گزشتہ بیان میں فرق واضح

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۱۰، ۱۱

(۲) نفس مصدر، ص: ۱۶

ہے۔ یہ اقتباس بتا رہا ہے کہ سلسلۂ معمریہ میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مرشد گرامی اور غوث اعظم علیہما الرحمہ میں صرف چار واسطے ہیں اور اعظمی صاحب کی تحریر میں چار واسطہ حافظ ملت اور غوث پاک کے درمیان دکھایا گیا ہے۔ یہی بات مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے بھی اپنے ایک مضمون میں تحریر کی ہے۔ (۱)

اس سلسلے میں ایک روز راقم الحروف نے صدر العلماء دام ظلہ سے استفسار کیا تو حضرت نے فرمایا: ''دونوں درست ہے، شاہ منور علی الہ آبادی علیہ الرحمہ، شاہ ڈولا علیہ الرحمہ کے واسطے سے غوث اعظم تک پہنچے ہیں، پھر براہِ راست بھی غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے شرفِ خلافت رکھتے ہیں۔ سلسلہ یوں ہے: غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) شاہ ڈولا (۲) شاہ منور علی (۳) ملا عبدالکریم معروف بہ ملا فقیر اخوند (۴) شاہ امیر احمد کابلی (۵) شاہ علی حسین اشرفی میاں (۶) حافظ ملت علیہم الرحمۃ والرضوان۔''

مجاہد ملت رئیس اڑیسہ حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمن قادری ۱۳۹۵ھ میں فیض العلوم، جمشید پور تشریف لائے تو حضرت صدر العلماء کو دلائل الخیرات شریف و جملہ اوراد و وظائف کی اجازت عطا فرمائی۔ ۳۰؍ اکتوبر ۲۰۱۰ء عرس قاسمی کے موقع پر شہزادۂ احسن العلماء امین ملت حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی [سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ] نے آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی خلافت واجازت عطا فرمائی اور آپ کی عظیم دینی ودعوتی خدمات کے اعتراف میں تکریم نامہ پیش کیا۔ اس کا ایک حصہ پیش خدمت ہے:

> ''حضرت والا جہاں ایک متبحر عالم، باکمال مدرس، صاحب طرز نثر نگار اور بلند پایہ محقق ہیں وہیں دین وسنیت کے بے لوث خادم اور اخلاق وایثار کے سچے آئینہ دار ہیں۔ آپ کی علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کا احاطہ دشوار ہے۔ خدمات کا ایک طویل سلسلہ ہے جن میں کچھ تو ایسی ہیں جن سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں، مگر ان ہی کی

---

(۱) سال نامہ اہل سنت کی آواز، شمارہ، نومبر ۲۰۱۴ء، ص: ۵۲۹

تہہ میں بہت سی ایسی خدمات بھی ہیں جو عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں جب کہ وہ آپ کی مخلصانہ جدوجہد، جفاکشی اور عرق ریزی کا نتیجہ ہیں۔ صاحب رائے، اپنی دنیا میں مگن، وقت کے قدر دان، تحقیقی نظر اور تعمیری فکر کے حامل، کم گو اور بسیار جو۔ یہ تمام صفات آپ کی شخصیت میں مجتمع ہو کر ہزاروں سے ممتاز اور نمایاں کرتی ہیں۔''

مولانا ساجد علی مصباحی کی وضاحت (اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۱۴ء، ص: ۵۳۳) کے مطابق یہ کوئی ۱۹۸۸ء کا واقعہ ہے جب پہلی بار صدر العلماء، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے ساتھ مارہرہ شریف عرس قاسمی میں شریک ہوئے، پھر اس کے بعد مفتی صاحب قبلہ کے ہمراہ مارہرہ آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۵ء دوشنبہ جب احسن العلماء حضرت مولانا سید شاہ مصطفی حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی شارح بخاری کے ہمراہ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے سفر کیا۔ یوں ہر سال عرس قاسمی میں آپ کی خصوصی شرکت ہوتی ہے اور سجادگان مارہرہ بڑی محبتوں کے ساتھ اپنا برکاتی فیضان نچھاور کرتے ہیں۔

ایک جامع شرائط پیر کے تمام اوصاف آپ کی ذات میں جمع ہیں لیکن کسی کو مرید نہیں کرتے، پتہ نہیں کیوں؟ اس کے جملہ حقوق انھی کو نذر کر کے خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

ازدواجی زندگی:

آپ کا عقد مسنون محلہ پچھم بھیرہ، محمد آباد میں جناب محمد عمر مرحوم کی بیٹی سے ہوا، ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمیم رضا عرف غلام جیلانی رکھا گیا، یہ بچہ بیمار رہتا تھا، ماہ رمضان ۱۳۹۳ھ میں آپ نے استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ سے تعویذ کی درخواست کی۔ اسی خط میں اپنی علمی مصروفیت اور حصول کمال کے لیے اپنی سعی و محنت کا بھی ذکر کیا تو تعویذ کے ساتھ استاذ محترم کا یہ خط بھی موصول ہوا:

''یہ جملہ بڑا ہی پیارا تھا کہ حصول کمال کی کوشش کر رہا ہوں۔

خداوند کریم آپ کو باکمال کرے، عمر میں برکت، علم وفضل میں وسعت عطا فرمائے، آمین۔ پینے کا تعویذ روانہ ہے، بچے کے لیے بھی تعویذ ہے جس پر تاگہ بندھا ہے۔ تاخیر جواب کا سبب میری علالت ومصروفیت ہے۔ عبد العزیز عفی عنہ۔" [محررہ: ۲۴ر رمضان ۱۳۹۳ھ]

یہ بچہ ٹھیک نہ ہوا اور قضائے الٰہی سے بچپن میں اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر کچھ ناموافق حالات کے سبب اہلیہ سے علاحدگی ہوگئی۔ دوسرا عقد مسنون علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ کی دختر نیک اختر عارفہ خاتون سے ہوا، لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور وہ داغ مفارقت دے گئیں۔ اس کے بعد مولانا محمد فاروق علیہ الرحمہ [حسین پور، گھوسی] کی بیٹی قمر النساء سے عقد ہوا جن کے بطن سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں بقید حیات ہیں: (۱) سالمہ خاتون قاسمہ (۲) مولانا عرفان رضا مصباحی (۳) سعیدہ خاتون (۴) مبارک حسین رضوی (۵) مولانا نیفان رضا امجد مصباحی (۶) ام الخیر فاطمہ۔ سب کی شادی ہوچکی ہے۔

حج وزیارت:

حضرت صدر العلماء دام ظلہ دوبار حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے، ۱۹۹۶ء میں پہلا حج فرمایا، پھر ۲۰۱۴ء میں دوبارہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔ یہ آپ کی حیات کے وہ قیمتی لمحات ہیں جو ان دو مقدس شہروں اور ان کے متبرک مقامات کی زیارت میں گزرے۔ ایک کعبہ انھوں نے زمین پر حرم پاک میں دیکھا اور ایک کعبہ ان کے دل میں چمک رہا ہے اور وہ ہے اللہ ورسول کی سچی محبت جو در حقیقت ایمان کی جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عبادتوں میں مزہ آتا ہے اور ذکر واذکار ان کے روزمرہ کے معمولات ہیں۔

اخلاق وعادات:

اچھے اخلاق وکردار انسانی زندگی کا حسن وزیور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تاج کرامت سے نوازا ہے اور حکم دیا ہے کہ انسان اس تمغۂ امتیاز کی حفاظت کرے۔ اخلاق وکردار اسی تمغۂ امتیاز کا دوسرا نام ہے، بلفظ دیگر اسے انسانیت کہہ سکتے ہیں۔ اچھا کردار نہ ہو تو انسان کسی

کہانی کا یادگار کردار نہیں بن سکتا۔ اخلاق و کردار انسان کی تکمیل کا استعارہ ہیں۔ یہ استعاراتی نظام ابتداے آفرینش سے تاحال قائم وجاری ہے۔ خاتم الانبیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "وانک لعلی خلق عظیم۔" کا وصف خاص ذکر فرمایا ہے۔ قول رسول "بُعِثتُ لأتمِمَ مَكارمَ الأخلاق۔" [میری بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل ہے۔] اسی استعاراتی نظام کی ترجمانی کرتا ہے۔ ایک عالم ذیشان کو اوصاف کمالیہ سے حظ وافر ضرور اٹھانا چاہیے، بزرگوں نے اخلاقی قدروں کا جو ورثہ چھوڑا ہے اس کا حامل بھی ہونا چاہیے اور محافظ وامین بھی۔ اخلاق و کردار عمل کی ایک شاخ کا نام ہے، اگر کوئی عالم، علمی تقاضوں کی تکمیل میں کوتاہی کرتا ہو تو رفتہ رفتہ وہ فیضانِ علم سے دور چلا جاتا ہے اور مسند علم وتدریس پر فائز ہونے کے باوجود اس کی زندگی میں علم وفضل کی نورانیت نظر نہیں آتی۔

استاذ گرامی صدر العلماء، علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے اپنے جید اساتذہ سے علمی ورثہ بھی پایا اور عمل کا فیضان بھی حاصل کیا۔ جس طرح ان کا سلسلۂ علم وتدریس مختلف دبستان سے مربوط ہے اسی طرح سلسلۂ فیض وکرم بھی روحانی مراکز سے وابستہ ہے۔ ماقبل میں ہم نے ان حقائق پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، انھیں وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔ اس جگہ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت صدر العلماء نے اپنے اساتذۂ کرام کی کتابِ زندگی بھی پڑھی ہے جس کا ورق ورق شریعت کی پاسداری، عمل بالسنہ، استقامت فی الدین، بلند اخلاقی اقدار کی حفاظت اور حسن بندگی کے قمقموں سے سجا ہوا ہے۔ استاذ جلیل حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے علم بھی سیکھا اور عمل بھی۔ گویا علم وعمل کی دولت فراواں ان کی ذات میں جمع تھی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گرمی نے اس ذات کو تپا تپا کر کندن بنا دیا تھا۔ یہی فیض بخشی حضرت صدر العلماء کی ذات میں دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے بھی اپنے استاذ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ سے علم وعمل دونوں سرمایہ حاصل کیا ہے۔

معمولاتِ روز وشب:

آپ کے روز وشب کے معمولات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کامل وابستگی، دینی وعلمی کتابیں، اور اوراد ووظائف ہی ان کی غذا ہیں، کھانا کم کھاتے ہیں لیکن روحانی غذائیں زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ کثیر المطالعہ ہیں اس لیے کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے پاس رہتا ہے، ان کی کتاب دوستی ضرب المثل بن چکی ہے۔ یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے، جسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ شہزادۂ رئیس القلم ڈاکٹر غلام زرقانی [چیئرمین حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ، ہیوسٹن] لکھتے ہیں:

> ''موصوف [حضرت صدر العلماء] اپنے عہد میں اس جہت سے یکتائے روزگار ہیں کہ آپ کے شب وروز کا حاصل ہی درس وتدریس ہے، قرطاس وقلم ہے اور علوم وفنون کے گہرے سمندر کی تہہ تک پہنچنے کی مخلصانہ جدوجہد ہے۔ کتاب ہی ان کی غذا ہے، کتاب ہی ان کا لباس ہے، کتاب ہی ان کی گفتگو ہے، کتاب ہی ان کی دوست ہے، کتاب ہی ان کے لیے تفریح طبع کا سامان فراہم کرتی ہے۔ یہی کتاب انھیں مغموم کرتی ہے اور یہی کتاب خوشی بھی عطا کرتی ہے، یہی کتاب انھیں ہنساتی بھی ہے اور یہی کتاب انھیں رلاتی بھی ہے۔''(۱)

نماز باجماعت کی پابندی:

نماز کی پابندی تو اکثر علما ومشائخ کرتے ہیں، لیکن مسجد پہنچ کر نماز باجماعت کی پابندی کم لوگ کر پاتے ہیں۔ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی سے متعلق میں نے کئی اساتذۂ اشرفیہ سے یہی سنا کہ اس وصف میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جلسوں، دینی محافل اور تبلیغی دوروں میں بھی اس کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ورنہ دیگر حضرات یہ کہہ کر زبان بند کردیتے ہیں کہ ہم مسافر ہیں اور مسافر پر جماعت واجب نہیں۔ لیکن جماعت میں شریک

---

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۱۲ر جون ۲۰۲۰ء

ہونے سے اس کا ثواب تو ضرور ملے گا، ہم زیادہ حصول ثواب کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ کیا صرف رخصت پر عمل کیا جائے؟ وقت نکال کر عزیمت پر کیا جائے تا کہ دوسروں کو ترغیب ہو اور کوئی غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ فلاں حضرت اتنے بڑے عالم دین ہیں اور مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے۔

استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی [شیخ الادب جامعہ اشرفیہ] بیان کرتے ہیں کہ دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ کے سالانہ جلسے میں اکثر حضرت مصباحی صاحب کی شرکت ہوتی تھی، میں نے دیکھا کہ دوسرے خطبا وعلما قیام گاہ ہی میں نماز پڑھ لیتے تھے لیکن حضرت مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھتے تھے۔

مولانا اختر حسین فیضی [استاذ جامعہ اشرفیہ] بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ نماز باجماعت حضرت کی خو میں شامل ہے۔ ہم لوگ کئی سالوں سے خانقاہ ایوبیہ، پراکنک، کشی نگر کے سیمناروں میں حضرت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں وہاں بھی ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ خانقاہ سے قریب مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے ہیں، حالاں کہ خانقاہ میں ایک جگہ نماز باجماعت ہوتی ہے۔

اوصاف حمیدہ:

آپ کے برادر عزیز مفتی احمد القادری مصباحی [امریکہ] کا یہ تاثر گرامی ملاحظہ فرمالیں جو مجموعی طور پر حضرت صدر العلماء کے اخلاق حمیدہ کو بیان کرتا ہے:

> ”دوران تعلیم مجھے آپ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ خلوص وایثار، جود وکرم، امانت ودیانت، تقویٰ وپرہیزگاری، احساس ذمہ داری، بے لوثی، خود اعتمادی وخود داری، عہد وپیمان میں پختگی، اوقات وجماعت کی پابندی، اوراد وظائف اور سنن ونوافل پر استقامت، کاموں میں سرعت، تحریر میں

فصاحت، زبان و بیان میں بلاغت، تقریر میں اختصار و جامعیت، ہر علم و فن میں مہارت، مسائل میں باریک بینی و نکتہ سنجی، معانی میں گہرائی و گیرائی، ظاہر و باطن میں یکسانیت، دینداروں سے محبت، بے دینوں سے نفرت، بد مذہبوں سے اجتناب، بزرگوں کا احترام، اکابرین کا ادب، اصاغرین پر شفقت، مقدمات کے فیصلے میں دور بینی، ہمت و شجاعت، حق گوئی و بے باکی، رعب و دبدبہ، عالمانہ وقار، نظم و نسق میں کمال، افہام و تفہیم کا ملکہ، بے لوث خدمات کا جذبہ اور اعمال و کردار کے اعلیٰ نمونے جو یہاں دیکھے، کم دیکھنے میں آئے۔ آپ کے بہت سے قیمتی افادات ذہن کے خانوں میں منتشر ہیں۔ کاش! انھیں یکجا صفحات قرطاس پر منتقل کرنے کی توفیق میسر آتی۔"(۱)

استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی [شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] لکھتے ہیں:

"ان الشیخ - حفظہ اللہ تعالیٰ - صار موضع ثقة واعتماد لدی العلماء والمشایخ والأساتیذ والتلامیذ والأحباء والأقران والصغار والکبار لما تتحلی به شخصیته الکریمة من العلم والعمل والحکمة والاستراتیجیة والفکرة والبصیرة والاعتدال والاتزان وذاعت شهرته فی أوساطهم کعالم متوازن فی الرای، معتدل فی الفکر، له رغبة طبیعة الی الأعمال الایجابیة البنائة والاشتغال العلمیة النافعة، یقوم بها بکل ما لدیه من قوة محکمة وعزیمة راسخة، ومن خصاله الممتازة الثقة باللہ تعالیٰ ثم بنفسه فی کل شیء، ومن رسالاته المفیدة التوفیق بین مقتضیات الدین ومتطلبات العصر الحدیث ویزیدنی فی ما ذکرت من أوصافه وخصاله بلا تردد کل من یراه من قریب

(۱) حالات صدر العلماء، غیر مطبوعہ، ص: ۱۹

ويزور شخصيته الكريمة الجذابة الصامتة."(۱)

[حضرت صدر العلماء کی شخصیت علم و عمل، حکمت و دانائی، فکر و تدبر، اعتدال و توازن کا پیکر ہے۔ اس لیے آپ علما و مشائخ، اساتذہ و تلامذہ، اکابر و اصاغر، معاصرین اور اہل محبت کے درمیان درجۂ اعتبار پر فائز ہیں۔ آپ ان میں فکری توازن اور معتدل نظریہ رکھنے والے عالم دین کی حیثیت سے معروف ہیں۔ فطرۃً مثبت تعمیری امور اور مفید علمی مشاغل کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اور ان تمام کاموں میں غیر معمولی توانائی اور عزم محکم کی تصویر نظر آتے ہیں۔ ان کی ایک عادت جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد رکھتے ہیں جس کی وجہ سے خود اعتمادی ان کی خو بن چکی ہے۔ ان کا اہم پیغام یہ ہے کہ دینی و عصری تقاضوں کے درمیان تطبیق کی صورت نکالی جائے۔ میری ذکر کردہ باتوں کی تائید ہر وہ شخص کرے گا جس نے ان کی خاموش اور پرکشش شخصیت کا قریب سے مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔]

حضرت کے تلمیذ رشید مولانا عبد الغفار اعظمی [استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو] اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

> "مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور میں دورانِ تعلیم حضرت کے اخلاق و عادات میں سے جو کچھ میں نے نوٹ کیا ہے اور جہاں تک میرا حافظہ کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ بڑے کم گو اور نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ ہنسنے مسکرانے کے تعلق سے مجھے یاد آتا ہے کہ اُس زمانے میں کم از کم میں نے انھیں قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ اور اس کا ذکر میں اپنے والدین سے بھی کرتا تھا کہ حضرت ہنستے نہیں ہیں مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ ترش رو یا بد مزاج رہے ہوں۔ کم بولتے تھے، وقت کی پابندی کرتے، ہر کام وقت پر کرتے، مطالعہ کثرت سے کرتے،

(۱) مقدمہ، حدوث الفتن وجہاد أعیان السنن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء، ص: ۱۷، ۱۸

گھومنے پھرنے اور تفریحی امور سے کوئی دل چسپی نہیں تھی، نرم مزاج، کفایت شعار اور فضول خرچی سے گریزاں تھے، لیکن طبیعت میں بخل نہیں تھا، سر میں تیل کی مالش اور خمیرہ کا استعمال ان کے معمولات میں سے تھا، کھانا کم تناول فرماتے، تمباکو اور پان وغیرہ سے تو ایسی نفرت تھی کہ خود تو کیا کھاتے اگر کوئی طالب علم اس حال میں نظر آتا کہ اس کے منہ میں پان یا پان کی سرخی موجود ہوتی تو اس پر کافی برہم ہوتے اور سخت تنبیہ فرماتے۔ اور اب معاملہ برعکس ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔"(۱)

یہ تین اقتباسات ان ارباب علم وتحقیق کے ہیں جنھوں نے حضرت صدر العلماء سے براہ راست شرف تلمذ پایا ہے اور آج بھی ہم ان کی ذات میں مذکورہ اوصاف کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب ذیل میں مختلف عناوین کے تحت اوصاف وکمالات کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ آپ اخلاق وکردار کی کس منزل پر فائز ہیں اور آپ کی عادات واطوار میں کس قدر شفافیت موجود ہے۔

اُصول کی پاسداری:

ایک بندۂ مومن اگر عمدہ اخلاق کا پیکر نہ ہو تو اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اُصول شرع کی پاسداری اس کی زندگی کا نصب العین ہوتی ہے، کسی بھی شعبۂ زندگی میں وہ ان اصولوں سے سمجھوتا نہیں کرتا۔ جہاں تک راقم الحروف کی دید وشنید ہے حضرت صدر العلماء کے اندر یہ وصف پوری طرح مجلاّ نظر آتا ہے۔ شریعت کی پاسداری، اصول شرع کی پابندی اور قانون اسلامی کی ترجیح ان کی زندگی کا بین خاصہ ہے۔ ہم نے بہ حیثیت استاذ، بہ حیثیت صدر المدرسین، بہ حیثیت ناظمِ تعلیمات، بہ حیثیت منتظم ان کی حیات کے شب وروز کا تجزیہ کیا تو اندازہ ہوا کہ ان کی یہ خوبی ہر مقام پر تازہ بہ تازہ دکھائی دیتی ہے۔ ایک استاذ کی شکل میں حضرت صدر العلماء کار تدریس میں انتہائی مخلص اور دیانت دار ہیں، پوری امانت داری

(۱) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

کے ساتھ دروس کی تیاری اور تلامذہ کے درمیان علمی ورثہ کی تقسیم کا عظیم کام انجام دیتے ہیں، نہ کوتاہ اندیش ہیں، نہ غیر امین، طلبہ کے بہی خواہ بھی ہیں اور سرپرست بھی۔ صدر المدرسین کی حیثیت سے بھی ان کی ذات کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ کام آپ اس وقت سے انجام دیتے ہیں جب یہ سرکاری منصب آپ کو تفویض بھی نہیں کیا گیا تھا، انتظامیہ کو بھی اعتماد تھا اور سابق صدر المدرسین کو بھی ان کی کارکردگی پر بھروسہ تھا۔ اساتذہ اور طلبہ کو ان کی بعض سختیاں ضرور خلجان کا باعث لگتی تھیں اور دشواری پیش آتی تھی لیکن تب بھی وہ مطمئن رہتے تھے کہ حضرت اصول کے پکے ہیں اور اس کے خلاف وہ نہیں کریں گے۔ آج بھی اشرفیہ کے اساتذہ اور فارغ ہونے والے مصباحی برادران اس وصفِ خاص کا تذکرہ کرتے ہیں۔ راقم کو المجمع الاسلامی، مبارک پور کے بانی ارکان کے دفتری خطوط دیکھنے کا موقع ملا، جن سے اندازہ ہوا کہ وہ سب کے سب انتظامی معاملات میں حضرت صدر العلماء کی امانت دارانہ روش پر کامل اعتماد رکھتے ہیں اور دیگر شعبوں میں ان کے مشوروں کو اہمیت دیتے ہیں۔

اصول پسندی کے معاملے میں ان کے یہاں بالکل لچک نہیں ہے، ان کی داخلہ وخارجہ پالیسی بالکل شفاف ہے، اصول اشرفیہ کی روشنی میں انھوں نے ایک بار قلم چلا دیا تو آخری وقت تک اس پر قائم رہتے ہیں، ان کے یہاں نہ کسی کی سفارش چلتی ہے، نہ تعلق کام آتا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے استاذ حضرت مولانا دستگیر عالم مصباحی بیان کرتے ہیں کہ اگر مصباحی صاحب نے کسی کا خارجہ کر دیا تو اپنے قلم سے کبھی اس کو واپس نہیں لیا۔ معافی تلافی کے بعد اگر حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب نے دوبارہ داخلہ لے لیا تو درخواست میں ان کے نام کی صراحت ضرور کر دیتے تھے، لیکن اپنے قلم کا لکھا قلم زد نہیں کرتے تھے۔ یہی حال داخلے کا بھی تھا، کوئی کتنا بڑا آدمی ہو اس کے لیے داخلہ ٹیسٹ دینا لازمی ہوتا ہے اور بغیر داخلہ ٹیسٹ کے حضرت کوئی کاروائی نہیں شروع کرتے تھے۔ راقم کے استفسار پر ایک دن الحاج پرویز نعمانی [نعمانی دواخانہ، قصبہ مبارک پور] بیان کرنے لگے کہ درجۂ حفظ میں ایک بچے کے داخلے کی خاطر میں حضرت مصباحی صاحب کے پاس گیا، ان سے بتایا کہ میں حاجی

نعمان صاحب کا بیٹا ہوں اور اس بچے کے داخلے کا مسئلہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ''آپ بڑے گھر سے آئے ہیں، حاجی نعمان صاحب کے فرزند ہیں، لیکن میں کچھ نہیں کرسکتا، آپ سربراہ اعلیٰ صاحب سے مل لیں، اگر وہ کہیں گے تو داخلہ ہو جائے گا۔''

ایسا اس لیے ہوا کہ طالب علم کو کسی درجے میں داخلے کے لیے ۹ رشوال کو درخواست دینی ہوتی ہے، پھر اس کا ٹسٹ ہوتا ہے اور کامیابی کے بعد داخلہ منظور ہوتا ہے۔ یہ کارروائی سات آٹھ دن میں مکمل ہو جاتی ہے۔ ۹ر ۱۰ ر شوال گزرنے کے بعد کوئی اچانک داخلہ چاہے تو اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔

یہ وہ اصول پسندی تھی جس کی داد آج بھی لوگ دیتے ہیں، ہاں بعض انتہا پسند حضرات اسے انتہا پسندی نام دیتے ہیں کیوں کہ انھیں ہر جگہ اپنا عکس جھلکتا نظر آتا ہے، ان کی نگاہ میں شرافت و دیانت ایک شجرۂ ممنوعہ ہے۔ اعتدال پسند شخص حالات زمانہ سے ناواقف ہے۔

ارکانِ اسلام کی پابندی، سنتِ نبوی کی پیروی اور اَسلاف علما و مشائخ کے نقش پا کا اتباع ان کی حیات کا تابناک وصف ہے جس کی گواہی ہر وہ شخص دیتا ہے جس کی حضرت سے کسی طرح کی راہ ورسم ہے۔ مولانا فروغ القادری [برطانیہ] لکھتے ہیں:

''فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی أطال اللّٰہ عمرہ عابد شب زندہ دار ہیں، مشیت نے ان کی طبیعت میں سمندر کی گہرائی اور تخیل میں آسمان کی بلندی عطا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برسوں کی ریاضت نے ان کی ناقابل تسخیر شخصیت میں ایک حیران کر دینے والی ترتیب اور ششدر کر دینے والی بے نیازی پیدا کر دی ہے۔ ان کے چہرے کی چمک اور پیشانی کی ابھرتی ہوئی لکیروں سے آسمانوں جیسا تقدس جھلکتا ہے۔''(۱)

---

(۱) غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

وقت کی پابندی:

مشہور عربی مقولہ ہے: ”الوقت کالسیف، ان لم تقطعه یقطعک.“ [وقت تلوار کی مانند ہے، اگر تم اسے نہیں کاٹو گے تو وہ تمھیں کاٹ ڈالے گا۔] اگر کوئی انسان منٹ منٹ کا حساب رکھتا ہو تو اس کا کام برکتوں سے بھرا ہوتا ہے، ایک مسلمان کے لیے عبادت بھی موقت کردی گئی ہے، بطور خاص نمازوں کے اوقات کی تعیین ایسا خدائی انعام ہے جو اسے زندگی کی دیگر شاہ راہوں پر کامیابی کے ساتھ دوڑنے کا ہنر سکھاتی ہے۔ نمازوں کی پابندی آپ کو وقت کا پابند بنا دیتی ہے، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، کارِ معیشت انجام دینا، صحت بخش زندگی، سب کچھ وقت کی رہین منت ہے اور ایک کامیاب انسان کی زندگی میں وقت کی پابندی کا اہم رول ضرور ہوتا ہے۔ حضرت صدر العلماء کی شناخت بھی وقت کے پابند عالم دین کی ہے، اس کمال کا تذکرہ کل بھی اساتذہ وعلما کی زبان پر تھا اور آج بھی ان کی زندگی میں یہ کمال پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آج جب کہ آپ جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات اور اعزازی استاذ ہیں، دو منتہی کتابوں کا درس دیتے ہیں لیکن وقت کی پابندی کا وہی حال ہے جو کل تھا۔ کسی میٹنگ میں شریک ہونا ہو، علمی وفقہی سیمینار میں موجود رہنا ہو، محفل مذاکرہ ہو، ہر جگہ وقت پر پہنچنا ان کی پہچان ہے۔ خود وقت کی پابندی کرتے ہیں اور اپنے تلامذہ واحباب کو اس کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علمی کاموں میں خوب برکت دیکھنے کو ملتی ہے اور ہم لوگ سوچتے ہیں کہ حضرت اتنے کم وقت میں اتنا سارا کام کیسے کر لیتے ہیں؟

ایک دن بعد نمازِ عصر ہم چند اساتذۂ اشرفیہ حضرت سے ملاقات کی غرض سے المجمع الاسلامی، ملت نگر پہنچے، ان میں محب گرامی قاری محمد ابوذر مصباحی بھی شامل تھے اور اس وقت وہ عزیز المساجد میں خدمت امامت پر مامور تھے۔ دست بوسی ہوئی، ضیافت کا مزہ لیا گیا، حضرت نے حال چال دریافت کیا، کچھ اور باتیں ہوئیں، نمازِ مغرب میں قریب دس بارہ منٹ کا وقت بچا تھا کہ آپ نے فرمایا: ”قاری صاحب! اب جائیں، آپ کو مغرب

پڑھائی ہے۔'' پھر ہم لوگ اذان ہوتے ہوتے اشرفیہ پہنچ گئے، حالاں کہ ارادہ یہ تھا کہ مغرب کی نماز حضرت کی اقتدا میں وہیں پڑھ کر آئیں گے۔ لیکن حضرت کی یاددہانی سے یہ سمجھ میں آیا کہ ایک تو انھوں نے ذمہ داری کا احساس دلایا اور دوسرے وقت کی اہمیت کا پتہ چلا۔ یہ خو، اب عنقا ہو چلی ہے۔ وہ حقیقت میں صدر العلماء ہیں، ان کا یہ لقب ان کی مصروف علمی زندگی کا روشن استعارہ ہے۔

مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی [استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد] رقم طراز ہیں:

> ''حضرت والا اپنے زمانۂ طالب علمی ہی سے وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف تھے، اسی لیے اپنا قیمتی زمانہ نہ صرف اپنی نصابی کتابوں کے مطالعے اور ان کے مضامین کو ذہن نشیں کرنے میں گزارا، بلکہ نصاب سے باہر کی ان کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ فرمایا جو مستقبل کی زندگی کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔'' (۱)

زبان کی حفاظت:

زبان کی حفاظت بہت بڑا انسانی کمال ہے، یہ کمال بغیر اعلیٰ درجہ صبر و ضبط کے پیدا نہیں ہو سکتا، ناپ تول کر لکھنا قلم کی حفاظت ہے اور ناپ تول کر بولنا زبان کی حفاظت ہے۔ بعض لوگ زیادہ بولنے اور خاموش نہ رہنے کو اپنا کمال سمجھتے ہیں، لیکن ان کی یہ عادت انھیں یادہ گوئی اور فضول گوئی پر آمادہ کرتی ہے، اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ کم بولو اور تول کر بولو۔ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی پہچان ایک خاموش سمندر کی سی ہے، کم بولنا اور تول کر لکھنا، بولنا ان کا امتیازی وصف ہے۔ اشرفیہ کے در و دیوار اس خاموش رنگ تکلم کے گواہ ہیں۔ مولانا سلمان رضا فریدی مصباحی [مقیم حال مسقط، عمان] رقم طراز ہیں:

---

(۱) مقدمہ، نوائے دل، مجموعہ خطبات، محمد آباد، ص: ۸

”[حضرت صدر العلماء کی] زبان وقلم میں ایسی جامعیت اور حشو وزوائد سے ایسا احتیاط کہ اپنی بات کو مختصر اور فصیح لفظوں میں اس طرح ادا فرماتے ہیں جو ضرورت سے کم ہو نہ زیادہ، یعنی ہر چیز کو ناپ تول کر لکھنا، بولنا حضرت کی پہچان ہے۔ علم وفن میں ایسی شان مگر زندگی نہایت سادہ، جو تقویٰ و پرہیز گاری، عجز وانکسار سے عبارت ہے، جس میں اسلاف کی حیات مبارکہ کا عکس جمیل نظر آتا ہے۔“(۱)

اکیسویں صدی انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی ہنگامہ آرائی کی صدی ہے، جس میں اکثر لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم جتنا زیادہ بولیں گے اتنی ہی ہماری عزت افزائی ہوگی چاہے زبان سے کچھ بھی نکلے اور خاموشی ہمارے ذاتی ہنر کو دبا دے گی، حالاں کہ یہ سراسر خیال خام ہے۔ اگر زیادہ بولنا اور بے محابا بکواس کرنا ہی ہنر اور ذریعہ تعارف ہے تو اللہ بچائے ایسی سوچ سے۔ ہمیں ایسے کسی بھی طرز عمل سے خود کو بچانا ہوگا جو دنیا وعقبیٰ میں ضرر رساں ہو، وہ تعارف کس کام کا جس کی بنیاد یادہ گوئی اور فضول گوئی پر رکھی جائے؟ جہاں ضرورت ہو تو خاموش رہنا جرم ہے اور جہاں خاموش رہنا ہزاروں فوائد کا پیش خیمہ ہو وہاں بولنا غیر دانش مندی ہے۔

شان استغنا وتوکل:

علم دین پر کما حقہ عمل عالم ربانی کو انتہائی متواضع اور انکسار واستغنا کا پیکر بنا دیتا ہے۔ یہ شانِ عبدیت ہے کہ بندہ عاجزی وفروتنی میں پختہ کار ہو اور زمین جیسی تواضع رکھتا ہو۔ جب بندہ اپنے رب پر کامل یقین رکھتا ہے اور راضی بہ رضائے الٰہی رہتا ہے تو اس کی ذات میں انکسار واستغنا کے جواہر غیبی طور پر ڈال دیے جاتے ہیں۔ دنیا کی رعنائی، دل فریبی اور چکا چوند کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بے صبرا پن، بدمزاجی اور غم روزگار کا اس کی ذات میں دور دور کوئی نام ونشان نہیں رہتا۔ لالچ، سراسیمگی اور معاش کی الجھنوں سے وہ تہی دامن ہوتا ہے۔ قناعت اور توکل اس کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں تب شان استغنا پیدا ہوتی ہے۔ جہاں تک راقم کا

---

(۱) ایک غیر مطبوعہ تحریر سے اقتباس

مشاہدہ ہے، حضرت صدر العلماء کی ذات میں جوہر استغنا بھی پوشیدہ ہے اور کمال انکسار بھی جلوہ گر ہے۔ محب گرامی مفتی محمد رئیس اختر مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ لکھتے ہیں:

''حضرت صدر العلماء تواضع وانکسار اور امانت ودیانت کے پیکر ہیں، تواضع آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہے، طلبہ پر شفقت، چھوٹوں پر مہربانی اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ معاصرین کی خوبیوں کا دل کھول کر تذکرہ کرتے ہیں، کبھی ان کی یا کسی کی بھی غیبت سننا پسند نہیں کرتے، نہ کسی کی بے جا تعریف کرتے ہیں اور نہ اپنی قرار واقعی تعریف سننا پسند کرتے ہیں۔''(۱)

ان کی شان استغنا کا صرف ایک حوالہ سپرد قلم کرتے ہیں۔ محب گرامی مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی جو حضرت کے شاگرد ہیں اور قلمی ذوق بھی اچھا پایا ہے، اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ دار جلنگ کی بہت مشہور چائے فیکٹری سے اعلیٰ قسم کی چائے پتی کا ایک پیکٹ میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ کے لیے بھی لا یا۔ اسے لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس چائے کی خوبیوں کا ذکر کیا تو آپ نے یہ فرماتے ہوئے لینے سے انکار کر دیا: ''یہ کسی اور کو دے دیجیے، اگر آپ مجھ کو تحفہ دینا چاہتے ہیں تو جب یہاں سے فارغ ہو کر کہیں ملازمت کے لیے جائیں اور کبھی اشرفیہ آنا ہو تو جو کچھ لے آئیں گے اس وقت میں ضرور قبول کرلوں گا۔ ابھی تو آپ طالب علم ہیں، اتنی مہنگی چائے کی پتی لانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان روپیوں کو لکھنے پڑھنے میں خرچ کیجیے۔'' (۲)

---

(۱) سوانح، مقالات مصباحی، ص: ۲۰

(۲) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

ہوسکتا ہے کچھ کرم فرما اس انکار کو بد خلقی پر محمول کریں کہ ہدیہ قبول کرنا سنت رسول ہے اور یہاں انکار کیا جارہا ہے؟ لیکن اگر نگاہ بصیرت اور عدل گسترانہ صفت موجود ہے تو غور کریں کہ یہاں ایک استاذ اپنے شاگرد کو اخلاقیات کا سبق از بر کرارہا ہے کہ ابھی تمھارے پاس جو پیسہ ہے وہ والدین نے تمھیں تعلیمی امور میں خرچ کرنے کی غرض سے دیا ہے، یہ تمھاری اپنی کمائی نہیں ہے، ان پیسوں کا حق یہ ہے کہ وہ لکھنے پڑھنے میں خرچ کیے جائیں۔ اور جہاں تک بات ہے استاذ کو ہدیہ دینے کی تو اس کا صحیح وقت بعدِ فراغت ہے جو تم اپنی کمائی سے دے سکتے ہو۔ اس لیے یہ انکار بداخلاقی ہرگز نہیں، بلکہ یہ ایک عمدہ سبق آموزی ہے۔ اس لیے اساتذہ کو چاہیے کہ اپنے شاگرد سے کوئی سامان اس کے شہر یا گاؤں سے لانے کو نہ کہیں، اور اگر ضروری سامان کسی اور شہر سے منگانا ہی ہو تو رقم پیشگی ادا کردیں۔

ہم نے بہ چشم خود ملاحظہ کیا ہے کہ حضرت نے اپنے ایک شاگرد کی شادی میں شرکت کی تو زادِ راہ بھی قبول نہیں کیا۔ نکاح کا نذرانہ بھی قبول نہیں کرتے بلکہ اصرار کرنے پر وہاں کے دارالعلوم یا مکتب میں دینے کو کہہ دیتے ہیں۔ اسی برس بعدِ عید حضرت کو ابراہیم پور میں ایک نکاح پڑھانا تھا، حضرت تشریف لے گئے، ساتھ میں ممتاز قلم کار مولانا اختر حسین فیضی بھی تھے۔ انھوں نے بتایا کہ واپسی میں حضرت کو نکاح خوانی کا نذرانہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ یہ رقم یہاں کے مدرسہ میں دی جائے۔

ابھی ماہِ رمضان میں راقم الحروف دو مرتبہ کچھ افطاری اور کھانا بنوا کر المجمع الاسلامی، ملت نگر حاضر ہوا۔ عید بعد جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو از راہِ تشکر فرمایا: ”رمضان میں آپ نے شاندار کھانا کھلایا۔“ لیکن چلتے چلتے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت کچھ نہیں کہا کہ کہیں آپ پھر نہ لے کر آجائیں۔“ یہ ان کی طرف سے ہدیۂ تشکر و اظہارِ مسرت تھا اور جملوں کے بین السطور میں شانِ استغنا بھی عکس ریز بھی تھی۔

ایک اور حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں لیکن ڈر ہے کہیں حضرت اس چیز کو ناپسند نہ کریں۔ المجمع الاسلامی ایک قومی ادارہ ہے اور حضرت کی نگرانی و سربراہی میں ترقی کی شاہراہ

پر گامزن ہے۔ حضرت مستقل طور پر وہیں قیام پذیر ہیں اور اس کے انتظامی، طباعتی واشاعتی امور کو انجام بھی دیتے ہیں، اس کا سارا حساب وکتاب ان کے پاس رہتا ہے۔ یہاں سے جو بھی کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کی اصلاح ونظر ثانی کا کام خود مکمل کرتے ہیں، بعض کاموں میں حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مدظلہ العالی کی بھی شرکت رہتی ہے۔ المجمع الاسلامی میں کئی علما شعبہ تحقیق وانتظام میں برسر روزگار ہیں جن کے قیام وطعام وتنخواہ کی ذمہ داری ادارہ ادا کرتا ہے۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ حضرت صدر العلماء کی کوئی تنخواہ نہیں ہے، نہ جامعہ اشرفیہ سے کچھ لیتے ہیں۔ وہ پینشن کی رقم سے اپنا خرچ پورا کرتے ہیں اور راز کی بات یہ ہے کہ المجمع الاسلامی میں ہر ماہ اپنی خوراکی کی رسید بھی کٹواتے ہیں۔ یہ بات میں نے سن رکھی تھی تو بھی یقین تھا لیکن جب حضرت کے پاس کچھ کاغذوں کی تلاش میں چند ایسی رسیدیں نظر نواز ہوئیں جو خوراکی سے متعلق تھیں تو حق الیقین حاصل ہو گیا۔ یہ ایک شفاف کردار ہے جو اسلاف کی یاد دلاتا ہے۔

محب گرامی مولانا صادق رضا مصباحی لکھتے ہیں:

> ”آپ برصغیر کی علمی دنیا میں ایک تبحر اور نہایت مستند ومعتمد عالم دین کی حیثیت سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اپنے اقران اور ہم عصروں میں علم وفضل، امانت ودیانت، فکری اصابت، علمی بصیرت اور تقویٰ وطہارت میں آپ کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ ضبط اوقات اور حفظ صلاۃ میں نادر روزگار ہیں، تواضع وانکساری کا پیکر ہیں۔“(۱)

سادگی وبے ریائی:

اس رنگین دنیا میں فریب خوردگی کا اتنا سامان موجود ہے اور تاثیر وتعارف میں لوگ جبہ ودستار کو جو اہمیت دیتے ہیں وہ سب پر عیاں ہے۔ گویا علم وہنر بھی آرائش بن گیا ہے۔ ایسے وقت میں سادگی کے ساتھ رہنا اور سادہ بیانی کے ساتھ جینا بہت مشکل ہے۔ حال یہ

(۱) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

ہے کہ اب تصوف بھی رنگین اور دل فریب ہو گیا ہے، آج کے صوفیہ مہنگے قالین پر محفل ذکر جما کر شغل مجاہدہ ومراقبہ اپنائے ہوئے ہیں اور باقاعدہ ان ریاضتوں کی ویڈیو ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ وہ تشہیر وتعارف میں عصر جدید کے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ نہ سادگی ہے، نہ بے ریائی، نہ علم شریعت ہے نہ رموزِ عرفان، ہر چہار جانب شور ہے ان کی طریقت کا، چرچا ہے ان کے تصوف کا۔

تشہیر وتعارف کے ان تمام حربوں کے برخلاف حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی زندگی سادگی وبے ریائی، خوش گفتاری اور افکارِ تصوف کی آئینہ دار ہے، نہ کوئی نمائشی بیان بازی ہے، نہ آرائش واشتہار کی ادنیٰ سی کوشش، نہ خود شوق رکھتے ہیں نہ کسی شاگرد کو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں ذرا سا مبالغہ بھی ناقابل برداشت ہے۔ اپنی ذات پر ہونے والے اعتراض کا نہ خود جواب دیتے ہیں نہ کسی کو ابھارتے ہیں، کچھ سناؤ تو ٹال دیتے ہیں اور کسی علمی کام میں وقت خرچ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ان کا ہر کام بے ریا انجام پاتا ہے، نہ کسی کے علمی کام میں کوئی خیانت کرتے ہیں نہ اپنے نام کرتے ہیں، ان کے نام سے جو کچھ شائع ہوا ہے الحمد للہ ان کا تحریر کردہ ہے، ہاں دوسروں کے نام سے بہت کچھ ایسا ضرور چھپا ہے جس میں ان کے علم ووقت کا اچھا خاصا سرمایہ خرچ ہوا ہے، کسی نے اس کا تذکرہ کر دیا تو ٹھیک، نہیں کیا تو بھی کوئی شکوہ نہیں۔ یہ فقط ادعا نہیں، ایک حقیقی مشاہدہ ہے۔

معروف محقق ڈاکٹر سراج احمد قادری [مدیر مجلہ دبستان نعت، سنت کبیر نگر] لکھتے ہیں:

> ''حضرت صدر العلماء کی ذات میری اپنی نگاہ میں دو حیثیت سے عظیم ہے۔ اولاً ان کا پایۂ علم اور دوسرے ان کی سادگی۔ اللہ نے جس طرح ان کو علم وفضل سے نوازا ہے اتنا ہی ان کے اندر سادگی بھی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ اگر وہ کسی عام مجلس میں ہوں تو ان کی وضع قطع سے ایک انجان آدمی اندازہ ہی نہیں کر سکتا ہے کہ یہ اتنے بڑے

عالم دین ہیں جب کہ عصر حاضر میں حال اس کے برعکس ہے۔ علما خود اپنے علم وفضل کے اظہار میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔ میری دانست میں حضرت صدر العلماء کا تبادر ذہنی کبھی خود کی آراستگی و پیراستگی یا خود نمائی کی طرف گیا بھی نہ ہوگا۔ ان کے ذہن وفکر میں یہ بات کبھی آئی بھی نہ ہوگی کہ مجھے بھی آراستہ و پیراستہ رہنا چاہیے جس سے کہ لوگ مجھے علم وفضل کا کوہ ہمالیہ سمجھیں۔''(۱)

مولانا طارق انور مصباحی [مدیر ماہ نامہ پیغام شریعت، دہلی] حضرت صدر العلماء کی متنوع الاوصاف زندگی کا خاکہ یوں کھینچتے ہیں:

''حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں سنتا تھا کہ ان کے تلامذہ و متعلقین میں ہر کوئی یہی سمجھتا کہ حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز ہم سے بہت زیادہ محبت وشفقت فرماتے ہیں۔ یہ قابل ستائش وصف حضرت صدر العلماء دام ظلہ الاقدس میں بھی موجود ہے کہ اپنے تلامذہ سے انتہائی شفقت ومحبت کا سلوک فرماتے ہیں، خواہ قدیم فارغ التحصیل ہو یا جدید، علامہ ہو یا محض عالم یا زیر تعلیم طالب علم۔

استاذ ممدوح کی سادہ مزاجی وتواضع وانکساری بھی قابل رشک ہے۔ اتباع شرع، مذہبی تصلب، امام احمد رضا قادری ودیگر جملہ اکابرین اہل سنت سے والہانہ وابستگی، عربی زبان وادب میں ید طولیٰ، گراں قدر تصانیف وتحقیقات، المجمع الاسلامی کا قیام واستحکام، فائدہ بخش غیر مطبوعہ کتابوں کی اشاعت، تلامذہ وعلمائے کرام کی تحریروں پر نظر ثانی واصلاح، غیر ضروری اختلافی امور سے کنارہ کشی، مجلس شرعی کی صدارت ونگرانی، تعلیمی اداروں کی سرپرستی وغیرہا اوصاف عالیہ سے

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۲۴ر مئی ۲۰۲۰ء

متصف اور خدمات عظیمہ سے منسلک ہیں۔ عہد حاضر میں مخدوم گرامی کی شخصیت متعدد جہات واوصاف کے اعتبار سے ہمارے لیے نمونہ اور آئیڈیل ہے۔"(۱)

محب گرامی مفتی محمد رئیس اختر مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] لکھتے ہیں:

"حضرت صدر العلماء کی پوری زندگی سادگی کا نمونہ ہے، سادہ بیانی، سادہ مزاجی اور سادہ لباسی آپ کی دستار کے وہ طرے ہیں جن پر ہزاروں رنگینیاں قربان۔ اتنے بلند پایہ عالم دین ہونے کے باوجود انتہائی سادہ زندگی گزارتے ہیں۔ کبھی بھی اپنے علم وفضل کا اظہار نہیں کرتے، جب کہ آج کے دور میں ذرا سا علم ہوا نہیں کہ اس کے اظہار کی فکر ہونے لگتی ہے۔ یقیناً آپ "کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن" کا صحیح مصداق اور "یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم" کی خوب صورت تصویر ہیں۔ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں، لیکن اس سادگی سے بھی رعب ٹپکتا ہے اور اندازِ فقیری میں بھی شاہانہ جلال جھلکتا ہے۔"(۲)

یہ بالکل سچی بات ہے کہ حضرت کی ذات ان کے استاذ جلیل حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نگاہ کیمیا کا انتخاب ہے اور ان کی پاکیزہ دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ اس سلسلے میں حضرت کے داماد مولانا محمد ابوالوفا رضوی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

"حضور حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ ایک مرتبہ آپ کے گھر تشریف لائے تو آپ کے والد گرامی جناب محمد صابر اشرفی مرحوم نے دورانِ گفتگو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے عرض کیا: حضور! ہمارے مولوی صاحب کو بھی اچھا عالم بنایئے گا۔ ارشاد

---

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۴؍جون ۲۰۲۰ء، پنج شنبہ

(۲) سوانح، مقالات مصباحی، ص: ۲۵

فرمایا: ''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دعاؤں کا یہ اثر ہے کہ آپ کردار وعمل، گفتار ورفتار، علم وحکمت اور دینی خدمات کی انجام دہی میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔''(۱)

حضرت حافظ ملت نے آپ کو عالم بھی بنایا اور عامل بھی، ساتھ ہی عمدہ اخلاق وکردار کا پیکر مجسم بھی، یقین نہ آئے تو ان سے مل کر دیکھ لیں، ان کے پاس رہ کر دیکھ لیں، ان کی مجلس میں بیٹھ کر دیکھ لیں۔

مہمان نوازی:

یہ سچ ہے کہ جو خالص دنیادار ہوتا ہے سرمایہ کاری اور ذخیرہ اندوزی اس کی عادت بن جاتی ہے، بخل کا جرثومہ اس کی نس نس میں گھل جاتا ہے، ایسا انسان سخاوت وفیاضی کو فضول خرچی مانتا ہے اور مہمان نواز تو بالکل نہیں ہوتا، ہاں چاپلوسی میں جتنا خرچ کرنا پڑے دریغ نہیں کرتا۔ اکثر دنیادار ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسے ہی نظر آتے ہیں۔ مہمان نوازی بھی ایک خوبی ہے جو اچھوں میں پائی جاتی ہے اور فیاض صفت انسان مہمانوں کو اللہ کا انعام سمجھتا ہے اور بخیل شخص مہمان کو ایک بوجھ گردانتا ہے۔ حضرت صدر العلماء کی ذات اس وصف میں بھی ممتاز نظر آتی ہے۔ کیوں کہ یہاں نہ ذخیرہ اندوزی ہے، نہ بخل سے یارانہ، بلکہ اللہ کی ذات پر توکل ہے اور اس کے رزاق ہونے پر کامل یقین۔ اس یقین نے انھیں اس درجے میں پہنچا دیا ہے کہ مہمان نوازی میں انھیں مزہ آتا ہے۔

ہم جیسے کتنوں کو اس دسترخوان سے اپنا رزق چننے کا بار بار موقع ملا ہے۔ ابھی حال ہی میں مسلسل ایک ہفتہ تک حضرت کے ہمراہ المجمع الاسلامی میں کھانا کھانے کا شرف حاصل رہا، بتا نہیں سکتا کہ کتنا مزہ آیا اور کتنا محظوظ ہوا۔

علمی مجالس:

سچا عالم وہی ہے جو فیض بخش ہو۔ بلا ضرورت شرعی کتمان علم قابل تعزیر جرم ہے۔

---

(۱) تذکرہ علماے بھیرہ ولید پور، مصباحی پبلی کیشنز، محمد آباد، ۲۰۱۸ء، ص: ۱۲۰

اہل حق بلا خوف لومتِ لائم اظہارِ حق کرتے ہیں، حق گوئی ان کی شناخت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بارگاہِ علم وفیض سے استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے۔ اوقاتِ تدریس کے علاوہ بھی طلبہ ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اب ایسا عالم جس سے علمی استفادہ کرنے والے صرف اس کے تلامذہ واحباب ہی نہ ہوں، بلکہ دنیا بھر کے تشنگان علوم اور اربابِ تحقیق اس کے علمی حل پر کامل اعتماد کرتے ہوں اور علمی، تحقیقی، لسانی، ادبی مسائل میں اس سے رجوع کرتے ہوں تو اس کی علمی مجالس کا کیا کہنا؟ جسے یہ موقع میسر آئے کہ براہِ راست اس کی علمی مجلس میں شریک ہو وہ خوش نصیب بھی ہے اور موقع شناس بھی۔ استاذ گرامی حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی ذات ایسے ہی ایک فیض رساں علمی چشمے کی مانند ہے جو سب کو سیراب کرتا ہے۔ جن مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ہیں وہاں طلبہ اوقاتِ درس کے علاوہ بھی آپ سے استفادہ کرنے کے مجاز ہوتے تھے، بلکہ کچھ طلبہ باقاعدہ مستقل کتابیں ان وقتوں میں پڑھا کرتے تھے۔ مولانا عبد الغفار اعظمی [استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد] نے اپنے ایک تاثراتی مضمون میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ جب میں جمشید پور فیض العلوم میں پڑھتا تھا، حضرت صدر العلماء گھنٹیوں کے اوقات کے بعد مجھے مستقل طور پر عربی زبان وادب کی تعلیم دیتے تھے۔ مفتی احمد القادری [امریکہ] نے بھی مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ کا حال لکھا ہے کہ ہم لوگ اوقاتِ درس کے علاوہ ان کی بارگاہ میں حاضر رہ کر کتابوں کا درس لیتے تھے، بلکہ حضرت ہمیں زیر درس کتابوں کا نوٹ بھی لکھ کر عنایت کرتے تھے جس کی نقلیں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کے طلبہ واساتذہ آج بھی ان کے علمی مجالس سے حظ اٹھاتے ہیں۔ المجمع الاسلامی میں قیام پذیر طلبہ بھی مستفیض ہوتے ہیں اور بعد عصر حاضر ہونے والے طلبہ واساتذۂ اشرفیہ بھی، جہاں ان کی ضیافت بھی ہوتی ہے اور علمی مسائل کی گتھیاں بھی سلجھتی ہیں۔

شہزادۂ رئیس القلم ڈاکٹر غلام زرقانی [چیئرمین حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ، ہیوسٹن]

اپنا حال بیان کرتے ہیں:

''ہوش سنبھالنے کے بعد [حضرت صدر العلماء سے] میری چند ملاقاتیں رہی ہیں، لیکن جب بھی مجھے ان کی مجلس میں حاضری کا شرف ملا ہمیشہ یہ دیکھا کہ علما، طلبہ اور ذمہ دارانِ ادارہ باادب بیٹھے ہوئے ہیں اور پڑھنے پڑھانے کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے۔ یہاں پہنچ کر مجھے یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہیں ہے کہ دورِ حاضر میں موصوف کی ذات گرامی علامت ہے دینی علوم وفنون کی، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی اور کہنے دیجیے کہ یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ مصدر سے مشتقات نہیں، بلکہ مشتقات سے مصدر کی شناخت کی جائے۔''(۱)

تلامذہ کی تربیت:

تعلیم وتدریس کے ساتھ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی تربیت کا انداز بھی نرالا ہے۔ جب اس اندازِ تربیت پر غور کرتے ہیں تو جو نفسیاتی گرہیں کھلتی ہیں وہ کافی حیران کن بھی لگتی ہیں اور اطمینان بخش بھی نظر آتی ہیں۔ آپ غیر معمولی قوتِ حافظہ رکھتے ہیں، ساتھ ہی قوی المشاہدہ بھی ہیں، طلبہ کی حاضری پر بھی ان کی کڑی نگرانی رہتی ہے اور ان کی رخصتوں کو بھی جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔ جب جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین تھے تو ان کا یہ وصف سب کو چوکنا کیے رہتا تھا، طلبہ کی حاضری، غیر حاضری کا سارا لیکھا جوکھا ان کے پاس رہتا تھا، بچوں کو رخصت دینا، واپس آنے کے بعد ان سے حساب لینا، پھر کھانا جاری کرنا، یہ سارا کام وہ تنہا انجام دیتے تھے۔ نماز باجماعت کی حاضری کے لیے بھی ان کا قانون کافی سخت تھا، درس گاہوں میں وقت پر پہنچنا، پوری گھنٹی میں درس گاہ میں حاضر رہنا، اس پر ان کی خصوصی توجہ ہوتی تھی اور اس میں کوتاہی کرنے والے بخشے نہیں جاتے تھے۔ وہ زبان سے کم بولتے

---

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، ۱۲ر جون ۲۰۲۰ء

تھے لیکن ان کا قلم اچھے اچھوں کی ہیکڑی نگل جاتا تھا۔

آج وہ صدر المدرسین نہیں ہیں، لیکن طلبہ واساتذہ پر ان کے رعب کا عالم وہی ہے جو اس منصب جلیل پر قائم رہتے ہوئے نظر آتا تھا۔ ان کے ہاتھ میں چھڑی کبھی نہیں دیکھی گئی لیکن ان کا قلم اس سے زیادہ تیز ضرب پہنچا دیتا تھا، اس لیے سب خائف رہا کرتے تھے۔ ان کے یہاں نہ بہانہ بازی چلتی تھی نہ شاطر دماغی کام کرتی تھی، چھٹی دینے میں سخت تھے اور حساب کرنے میں بھی۔ یہ جاں گسل اور محنت طلب کام وہ اس لیے کرتے تھے تاکہ طلبہ نظم وضبط کے پابند ہوں اور یہ پابندی ان کی تعلیم وتربیت میں کافی معاون ہوتی ہے۔

اس تعلق سے محب گرامی مولانا صادق رضا مصباحی [پیلی بھیت] اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

> ''ان کی نظر میں یہ بات بھی ضرور تھی کہ کامیاب وہی ہوتے ہیں جو نظم وضبط اور حفظ اوقات کے پابند ہوتے ہیں۔ اس طرح کرکے گویا حضرت مصباحی صاحب قبلہ افراد سازی کر رہے تھے اور کردار سازی میں منہمک تھے۔ طلبہ کی تربیت، تشکیل شخصیت اور کردار سازی کا عنوان میں سمجھتا ہوں کہ حضرت کی حیات وخدمات کا ایک اہم موضوع ہے اور ایک عظیم حوالہ بھی۔ جامعہ اشرفیہ میں اپنی صدارت کے چودہ سالہ دور میں طلبہ کو سنوارنے، تعلیمی معیار میں اضافہ کرنے، طلبہ کو کارآمد بنانے، جامعہ کے شعبوں کو متحرک کرنے، انھیں نظم وضبط کے دھاگے میں باندھنے اور کارآمد اساتذہ سے کام لینے میں آپ نے جو بنیادی کردار ادا کیا ہے اسے تاریخ اشرفیہ بلکہ تاریخ اہل سنت میں نہایت جلی حروف سے جگہ دی جانی چاہیے۔'' (۱)

---

(۱) ایک غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

طلبہ کو نماز باجماعت کا پابند بنایا، شریعت کی اصولوں سے آشنا کرنا، بڑوں کا ادب سکھانا، ماں باپ کی گاڑھی کمائی کو تعلیمی امور میں استعمال کرنا، کام کے آدمی بننا، کتابوں سے محبت کرنا، ہمیشہ علمی وقلمی کاموں میں مصروف رہنا، اسلاف پر طنز وتعریض سے پرہیز کرنا، اساتذہ کا ادب کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی طرف مختلف اوقات میں توجہ دلاتے تھے، بطور خاص جب عزیز المساجد میں کوئی تقریب منعقد ہوتی تو ان کا ناصحانہ خطاب سننے کے لائق ہوتا تھا اور آج بھی ان کا یہ انداز دیکھتے بنتا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے استاذ مولانا اختر حسین فیضی مصباحی بتاتے ہیں کہ جس وقت میں مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد میں زیر تعلیم تھا، نماز کی پابندی تو کرتا تھا، لیکن ایک بار ایسا ہوا کہ فجر میں مسلسل تین دن جماعت میں شریک نہ ہوسکا، اور تینوں دن اتفاق سے حضرت مصباحی صاحب کا آمنا سامنا ہوا کہ وہ مسجد سے واپس ہو رہے ہیں اور میں وضو بنا کر مسجد جا رہا ہوں۔ تیسرے دن فرمایا: ”سویرے اٹھا کرو۔“

اس مختصر سے جملے میں تربیت کا رنگ بھی ہے اور تنبیہ کی معنیٰ خیزی بھی۔ ایک دوسرا واقعہ جامعہ اشرفیہ کا بیان کرتے ہیں کہ جامعہ اشرفیہ میں سینٹرل بلڈنگ میں حضرت اپنے مخصوص حجرے میں تشریف فرما تھے، میں ایک کام سے کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ میری نظر چٹائی پر پڑے پانچ کے نوٹ پر گئی اور میں نے وہ نوٹ اٹھا کر حضرت کو بتایا کہ یہ پیسہ یہاں پڑا تھا۔ فرمایا: وہ نوٹ وہیں واپس رکھ دو۔ اسے نہیں اٹھانا چاہیے، اس کا حکم بہت سخت اور انتہائی ذمہ داری کا متقاضی ہے۔ لقطہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی پڑی ہوئی چیز نظر آئے تو اولاً اسے اٹھانا نہیں چاہیے اور اٹھا لیا تو مالک کو تلاش کر کے اس تک پہنچانا ضروری ہو جاتا ہے۔ مالک کو تلاش کرنے میں اشتہار واعلان کا ذریعہ استعمال کرے گا یہاں تک کہ ظن غالب ہو جائے کہ مالک واپس نہیں آئے گا، اس کے بعد صدقہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن اگر بعد میں مالک واپس آ گیا تو سامان کی رقم ادا کرنی ہوگی یا روپیہ تھا تو وہ دینا ہوگا۔ بہار شریعت میں ہے:

''پڑا ہوا مال کہیں ملا اور یہ خیال ہو کہ میں اس کے مالک کو تلاش کر کے دے دوں گا تو اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اندیشہ ہو کہ شاید میں خود ہی رکھ لوں اور مالک کو نہ تلاش کروں تو چھوڑ دینا بہتر ہے اور اگر ظن غالب ہو کہ مالک کو نہ دوں گا تو اٹھانا، ناجائز ہے اور اپنے لیے اٹھانا حرام ہے اور اس صورت میں بہ منزلۂ غصب کے ہے اور اگر یہ ظن غالب ہو کہ میں نہ اٹھاؤں گا تو یہ چیز غائب وہلاک ہو جائے گی تو اٹھا لینا ضرور ہے، لیکن اگر نہ اٹھاوے اور ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں۔''(۱)

خردنوازی:

ایک عام شکایت یہ ہے کہ اکابر علما و مشائخ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، اگر چہ یہ الزام پورا سچ نہیں ہے لیکن مکمل جھوٹ بھی نہیں ہے۔ جو علم کی قدر و قیمت سے آشنا ہیں اور فروغ علم کا جذبۂ بے کراں ان کے سینوں میں مچلتا ہے وہ حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں اور مناسب رہ نمائی بھی کرتے ہیں۔ کیوں کہ حوصلہ افزائی کے چند جملے انسان کو بہت موثر روحانی توانائی عطا کرتے ہیں، اس کے کام کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور قلبی طور پر وہ اپنے کام سے مطمئن رہتا ہے۔ لیکن حوصلہ افزائی کے متمنی افراد کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ان کا کوئی استاذ یا بڑا عالم و شیخ کسی مسئلے میں ان کی اصلاح کرتا ہے یا اچھا مشورہ دیتا ہے تو اسے قبول بھی کرنا چاہیے۔

حضرت صدر العلماء کے اب تک جو احوال بیان ہوئے ہیں ان کی روشنی میں قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ انھوں نے اس سمت کیا پیش قدمی کی ہے اور ہند و پاک کے اہل قلم نے ان کی بارگاہ سے کس طرح کا فیض اٹھایا ہے؟ سچ تو ہے کہ انھوں نے محققین، مصنفین، مدرسین اور منتظمین کی ایک ایسی نسل کی تربیت کی ہے جو آج پوری توانائی کے ساتھ میدان عمل میں

---

(۱) بہار شریعت، حصہ دہم، لقطہ کا بیان، ص: ۴۷۳

سرگرداں ہے اور پوری دنیا میں اسلام و علم کے فروغ و استحکام کی کوشش کر رہی ہے۔

دعوت قبول کرنا سنت رسول ہے، یہ کرم نوازی بھی ہے اور خرد نوازی بھی، لیکن اگر کسی دعوت سے کوئی ایسی رسم نمو پاتی ہے جو غیر ضروری ہو اور مسلمانوں کے لیے بارِ گراں بھی تو قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔ گزشتہ برس حج پر جانے سے قبل مولانا اختر حسین فیضی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ حضرت صدر العلماء کو دعوت طعام دینے المجمع الاسلامی حاضر ہوئے، راقم بھی ہمراہ تھا۔ عرض کیا: کل ہمارے یہاں دو پہر کی دعوت ہے، تشریف لائیں۔ حضرت نے برجستہ فرمایا: ''اب یہ بدعت بھی بڑھتی جارہی ہے، حج یا عمرہ کرنے جائیں تو لوگوں کی دعوت کریں، اس کا کتنا غلط اثر پڑتا ہے۔'' حضرت نے دعاؤں سے نوازا، لیکن دعوت میں حاضری سے معذرت کر لی۔

بات بالکل سچ تھی کہ حج یا عمرہ پر جانے سے پہلے کی یہ دعوت ایک رسم بنتی جارہی ہے اور عازم حرمین کے لیے ایک بوجھ بھی ہے، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس دعوت کا اہتمام نہیں کر پاتا تو اہل محلہ غلط زبان استعمال کرتے ہیں، اسے بخیل گردانا جاتا ہے۔ یعنی اگر حج پر جانا ہو تو اس کے اخراجات کے ساتھ ایک بڑی دعوت کا خرچ بھی تیار کر رکھے، جو یقیناً ایک بوجھ ہے اور غیر ضروری خرچ بھی۔

واقعی معاشرہ میں یہ رسم جڑ پکڑتی جارہی ہے، جس پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی دعوت فی نفسہٖ غلط نہیں ہے اگر جائز و حلال مال سے کھلائی جائے۔ لیکن ایسی دعوت جس کی وجہ سے غریبوں کو غیر ضروری دشواری برداشت کرنی پڑے اور وہ رسم کی شکل اختیار کر لے اس سے بچنا چاہیے۔ لہٰذا اس پر تنبیہ فرمانا بھی خرد نوازی ہے، ایسی خرد نوازی عدیم المثال ہے۔

ایسی جگہوں پر خواص، علما حضرات کی توجہ سے بہت سی اصلاحات ہو سکتی ہیں، انسانی زندگی کے بہت سے مسائل یوں بھی سلجھ جائیں گے۔

بذلہ سنجی اور خوش مذاقی:

سچ پر مبنی مزاح سنت رسول بھی ہے اور ایک اخلاقی کمال بھی۔ بذلہ سنجی اور ظرافت طبعی کے سوتے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ ہر اچھا اور بافیض انسان اس خوبی سے مالا مال ہوتا ہے لیکن یہ خوش مذاقی بھی حد درجہ مزاج شناسی کا مطالبہ کرتی ہے۔ انسان طبیعت شناس نہ ہو تو اس کی خوش مذاقی غلط رخ اختیار کر لیتی ہے اور دل جوئی کی بجائے دل شکنی کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان کو اتنا سنجیدہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ملاقاتی اسے مغرور قرار دیں اور اتنا پُر مذاق بھی نہیں ہونا چاہیے کہ چھوٹا یا بڑا کوئی اس کی بات کا اعتبار نہ کرے۔ گویا سنجیدگی اور خوش مذاقی میں توازن ہونا ضروری ہے جبھی انسانی ذات کا وقار بھی قائم رہ سکتا ہے اور اس کی ذات سے متعلقہ امور بھی پورے ہو سکیں گے۔

حضرت صدر العلماء کی ذات میں سنجیدگی بھی ہے اور خوش مذاقی بھی لیکن ایک خاص رچاؤ کے ساتھ، جو اس کا احساس نہیں کر پاتا وہ انھیں انتہائی سنجیدہ گردانتا ہے اور بسا اوقات مغرور بھی سمجھتا ہے، لیکن جو اس وصف کی نزاکت سے واقف ہیں وہ بر ملا اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک علمی شخصیت کے لیے بارعب بھی ہونا ضروری ہے اور سنجیدہ بھی، ضرورت پر ہی اس کی زبان کھلتی ہے اور فضول گوئی اس کے علمی وقار کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔ راقم الحروف کو اس لاک ڈاؤن میں بار ہا حضرت صدر العلماء کی سنجیدگی سے سابقہ پڑا ہے اور خوش مذاقی کا رنگ بھی دیکھنے کو ملا۔ احباب کی بزم میں، تلامذہ کے درمیان وہ علما واساتذہ کی بذلہ سنجی کے واقعات سناتے ہیں اور خود بھی بسا اوقات ایسے جملے بولتے ہیں جن میں اعلیٰ درجہ بذلہ سنجی ہوتی ہے، لیکن ان میں پھوہڑ پن اور جھوٹ بالکل بھی نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ ہم چند اساتذۂ اشرفیہ بعد عصر حضرت سے ملاقات کے لیے المجمع الاسلامی، ملت نگر حاضر ہوئے، دورانِ گفتگو حضرت علامہ عبدالشکور عزیزی [سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ] کا ذکر خیر چل پڑا تو ان کی عمر کی بات آئی، ہمارے ایک دوست نے

کہا کہ ان کی عمر تو آپ کے آس پاس ہی ہوگی۔ حضرت نے فرمایا: یہ آپ نے کیسے سمجھا؟ عرض گزار ہوئے: اندازہ یہی کہتا ہے۔ فرمایا: ”اتنا غلط اندازہ آپ نے کیسے لگا لیا؟“ حضرت کے تلمیذ رشید مولانا عبد الغفار اعظمی لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ بذریعہ بس حضرت [صدر العلماء] بنارس جا رہے تھے، میں اور حضرت مولانا نصر اللہ رضوی علیہ الرحمہ [م: ۹ر نومبر ۲۰۱۳ء] سابق استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد شریک سفر تھے۔ بس کے آگے ایک ٹریکٹر چل رہا تھا۔ شہر کی بھیڑ میں دیر ہونے لگی تو حضرت مصباحی صاحب نے فرمایا: ہماری بس ٹریکٹر کی قیادت میں چل رہی ہے۔“ (۱)

ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ تحریر کرتے ہیں:

”قاضی شریعت حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ [متوفی: ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۰ء] میری گاڑی [ہیرو مجسٹک] سے مدرسہ ضیاء العلوم، خیرآباد فی سبیل اللہ تدریس کے لیے جایا کرتے تھے، سردی کا زمانہ تھا، ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۰ء کی سخت ٹھنڈک میں اسی کھلی گاڑی سے صبح صبح مدرسہ تشریف لے گئے، حضرت کو ٹھنڈک لگ گئی اور پھر رات میں ان کا وصال ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد میں اسی گاڑی سے گزر رہا تھا، حضرت مصباحی صاحب راستے میں ملے، میں نے گاڑی روک دی اور عرض کیا: حضرت چلیں گے؟ آپ نے برجستہ فرمایا: ”نہیں، مجھے کچھ دن اور جینے دیجیے۔“ (۲)

---

(۱) ایک غیر مطبوعہ تحریر سے اقتباس

(۲) ایک غیر مطبوعہ تحریر سے اقتباس

اختصار کے ساتھ ہم نے حضرت صدر العلماء کے اخلاق وعادات کے چند نمونے پیش کیے ہیں، ان کی روشنی میں حضرت کی عالی مرتبت علمی شخصیت اور بلند کردار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ممتاز شاعر مولانا محمد سلمان فریدی مصباحی (مسقط، عمان) نے حضرت صدر العلماء پر لکھی اپنی ایک نظم میں یوں گویا ہیں:

یہ وہ ہستی ہے جسے سونے سے تولا جائے
پھر بھی اعزاز و عقیدت کا یہ ہدیہ کم ہے
بلکہ ہر لعل ہے اس بحرِ ہنر کا ایسا
سامنے جس کے یہ سب دولت دنیا کم ہے

ایسا پروانہ و دیوانہ وہ نورِ فن کا
اشرفیہ نے جسے کر دیا مصباحِ علوم
نام آتا ہے لبوں پر جو ''محمد احمد''
دل پہ ہوتی ہے کمالات کی طلعت مرقوم

ایک صوفی جو ہتھیلی میں اٹھا کر ذرے
علم کا نور بھرے اور قمر کر ڈالے
اک مفکر جو ستاروں کو بنا کر سورج
شب ہستی میں کمالوں کی سحر کر ڈالے

جس کا محتاط قلم صدق و یقیں کی تعبیر
جس کی مسعود زباں حسنِ بیاں کا گل زار
اے فریدیؔ یہ دعا ہے کہ سلامت رہے وہ
علم و حلم و سخن و فکر و نظر کا مینار

●●

باب سوم

علمی اور تحقیقی یادگاریں

علمی اور تحقیقی یادگاریں

علم و آگہی کے کوہِ صفا میں اگر فکری و فنی آبشار نہ دکھائی دے تو حیرت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ جوہرِ فن، اظہارِ فن پر آمادہ کرتا ہے اور ذوقِ سخن، مشقِ سخن کا دبستان تشکیل دیتا ہے۔ یہ گل بوٹے انسانی مزاج کو ہرا بھرا رکھتے اور فکری تطہیر کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی کے ذاتی خصائص و کمالات میں ان کی علمی و قلمی انفرادیت کا جواب نہیں۔ آپ ایک کثیر المطالعہ شخص ہیں، طبیعت اخاذ پائی ہے، علم و ادب کی کوہ پیمائی اور فکر و فن کی صحرانوردی ان کا عشق ہے، یہ عشق انھیں کسی پل چین نہیں لینے دیتا، ان کی کتابِ زندگی میں کتابیں ہی کتابیں چمک رہی ہیں اور اس کتاب کا ہر ورق اتنا روشن و تابناک ہے کہ اس روشنی سے ہزاروں زندگیاں نازاں و فرحاں دکھائی دیتی ہیں۔ ماقبل میں گزرا کہ ان میں تحریر و قلم کا شوق زمانہ طالب علمی سے تاحال قائم ہے اور علمی مشق کا سلسلہ پوری توانائی کے ساتھ آج بھی رواں دواں ہے۔ عربی، اردو، فارسی نثر نگاری کا جلوہ لیے یہ صاحبِ قلم سیکڑوں مضامین اور درجن سے زائد علمی و تحقیقی کتب و رسائل کا خزانہ جمع رکھتا ہے اور پچاس سے زائد دیگر مصنفین کی کتابوں پر تحریر کی گئی تقریظیں اور مقدمے اس پر مستزاد ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحبِ قلم اور اصحابِ فتویٰ گزرے ہیں جن کا تحریری سرمایہ امت مسلمہ کے مزاج و منہاج کو تبدیل کرنے کا اختصاص رکھتا ہے۔ حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کے علاوہ ممتاز محقق مولانا حافظ عبد الرؤوف بلیاوی، معروف مفتی و شیخ الحدیث بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی، مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی، مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری جیسے اساطین علم کی علمی و قلمی تربیت میں رہ کر کون ایسا ہوگا جس کے اندر تحریر و قلم کا شوق نہ پیدا ہو؟ یہ علم و ادب کے وہ آسمان ہیں جنھوں نے کتنی بنجر زمینوں کو سینچا اور سوکھے درختوں کو ہرا بھرا کیا ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ استاذ بھی تھے مربی بھی، درس گاہ علم کی شان بھی اور انتظام وانصرام کی جان بھی، مفتی بھی تھے مناظر بھی، خطیب بھی تھے اور طبیب روحانی بھی۔ہم نے انھیں دیکھا تو نہیں ہے لیکن کتنے دیکھنے والے بچوں کے مشاہدات سماعتوں میں محفوظ ہیں جنھوں نے اس عہد ساز اور باکمال فرد فرید کی حیات کے نقوش بیان کیے ہیں، اب گوش شنوا، چشم بینا بن چکا ہے۔

اسی طرح فتاویٰ رضویہ جیسے علمی وفقہی انسائیکلو پیڈیا کو تحقیق وتدوین کے مرحلے سے گزار کر لائق طباعت بنانے والا محقق اور کئی اہم نادر وکمیاب علوم وفنون کا ماہر" علامہ عبدالروف بلیاوی" کے روپ میں علم وتحقیق کا ایک آسمان تھا جو عمدۃ المحققین کی فکری زمین پر خوب برسا اور نہال کر دیا۔علامہ بلیاوی جامعہ اشرفیہ کے نائب شیخ الحدیث اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دست وبازو تھے۔ان کی جودتِ طبع اور فکری وسعت انتہائی حیران کن اور چشم بصیرت سے ملاحظہ کی جانے والی ہے۔عمدۃ المحققین نے ان کی درس گاہ فیض سے بھی حظِ وافر اٹھایا۔

بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، قصبہ مبارک پور کی ایک علمی انجمن اور فتویٰ نویسی کا ایک منفرد نام ہے۔ایک خاص اسلوب تحریر کے مالک اور ایک شفاف چشمۂ سیال جوان رکھنے والے جب اپنی رو میں فتویٰ نویسی فرماتے یا کوئی مضمون تحریر کرتے تو ادب عالی چمک جایا کرتا اور اسلوب کی ندرت اسے کہکشاں بنا ڈالتی۔ حضرت عمدۃ المحققین دام ظلہ نے یہ اسلوبِ تحریر بھی کشید کیا ہوگا۔

اسی طرح مبارک پور کے طبقۂ علما میں ایک نمایاں نام قاضی شریعت مولانا محمد شفیع اعظمی کا بھی ہے، آپ اشرفیہ کے استاذ وناظم تھے، ایک اچھے قلم کار ومصنف اور سنجیدہ ادیب کی حیثیت سے ان کا تعارف ہوتا ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور کی قدیم فائلیں نگاہ سے گزریں تو پہلے شمارے فروری ۱۹۷۶ء میں ہی ایک چشم کشا مضمون " تقویٰ کا اثر معاشرے پر" نگاہِ التفات کھینچتا ہے اور مطالعے پر آمادہ کرتا ہے۔ مزید کئی مضامین وپیغام ماہ نامہ اشرفیہ، ماہ نامہ فیض الرسول، براؤں شریف اور ماہ نامہ پاسبان الہ آباد وغیرہ رسائل میں نظر آتے ہیں۔ایک آسان تفہیمی اسلوب میں انتہائی کار آمد باتیں سمو دینا ان کا کمال تھا۔

اشرف العلما مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی خاندان اشرفیہ کے فردِ وحید تھے۔ آپ ایک اچھے استاذ، مقبول خطیب اور اعلیٰ پایہ منتظم تھے، جامعہ اشرفیہ کے استاذ رہے، بعد میں شہر بمبئی کی زکریا مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوئے اور سنی دار العلوم محمدیہ کی بناڈالی، شیخ الحدیث کا منصب سنبھالا اور دار العلوم کو ترقی کی رفتار دیتے رہے۔

مولانا قاری محمد یحییٰ اعظمی مبارک پوری جامعہ اشرفیہ کے استاذ اور ناظم اعلیٰ تھے، اچھی آواز پائی تھی، بڑی دل سوزی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تھے، جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کے خطیب وامام رہے۔ ان کا قلم بھی اچھا تھا، کچھ سالوں ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت بھی کی، ان کے چند اداریے راقم کی نگاہ سے گزرے ہیں، اصلاحی موضوعات پر اچھا لکھتے تھے، آسان اسلوبِ تحریر کے مالک تھے۔

عمدۃ المحققین کے اساتذہ میں ایک نام مولانا محمد سلطان رضوی اُڈروِی کا آتا ہے، جو اپنی خاموش زندگی میں ہزاروں تلامذہ کا شور رکھتے تھے، شریعت کی پابندی اور علم وعلما کی قدر شناسی ان کا امتیازی وصف تھا۔ حضرت عمدۃ المحققین پر انھیں بڑا ناز تھا، اور اپنی خاص دعاؤں میں انھیں ضرور یاد کرتے تھے۔ اپنی دنیا میں مگن علم و دیانت کا یہ گوہر آبدار بیش قیمت بھی تھا اور اہم بھی۔

سوانح کے باب میں ان کے دیگر اساتذہ کے تذکار گزر چکے ہیں۔ یہاں اجمالی طور پر ان کے ذکر سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ ایک محنتی اور باوفا شاگردِ رشید نے ان مشفقوں، باکمالوں اور ہنرمندوں سے کتنا اکتسابِ فن کیا اور خود اس کی فکر میں جمالیات کا کیسا رنگ پیدا ہوا ہے۔

صدر العلماء نے تحریر وقلم کے میدان میں اب تک جو علمی وتحقیقی فتوحات درج کرائی ہیں وہ کیف وکم ہر دو اعتبار سے منفرد المثال اور اہم ہیں۔ زبان دانی کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے کہ انھیں عربی، فارسی اور اردو تین عالمی زبان میں تحریر وبیان کا ملکہ حاصل ہے اور آپ نے ان زبانوں کی تاریخ، اہم علمی نگارشات اور ادبیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے جس کا اثر ان کی تحریروں میں صاف نظر آتا ہے۔

حضرت نے "حاشیہ مُدارک" کے اخیر میں "المحشی فی سطور" کے عنوان

سے ایک انتہائی مختصر خود نوشت سوانح لکھی ہے جس کی روشنی میں ان کے تمام علمی سرمایے کی زمرہ بندی یوں کی جاسکتی ہے:

(۱) کسی کتاب یا رسالے کی تصنیف یا خاص موضوع پر مضمون نگاری۔

(۲) کسی عظیم اسلامی اسکالر کی کتاب کی تحقیق۔

(۳) کسی کتاب یا رسالے کا اردو یا عربی ترجمہ۔

(۴) کسی کتاب کی تسہیل اور اس پر تعلیقات وحواشی تحریر کرنا۔

(۵) اکابر یا معاصر مصنف کی کتاب پر مقدمہ یا تقریظ لکھنا۔

(۶) کسی واقف کار کی تحریر کردہ کتاب یا مضمون کی اصلاح کرنا۔

(۷) فقہی سیمیناروں کے فیصلے نوٹ کرنا۔

(۸) علمی وفقہی سیمیناروں میں لکھے ہوئے خطباتِ صدارت پیش کرنا۔

ان کے علمی وقلمی کاموں کی تفصیل انھی آٹھ انواع میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک راقم الحروف نے ان کے علمی سرمایے کا ریکارڈ جمع کیا ہے ان میں کیفیت کے اعتبار سے خود ان کے تحریر کردہ کتب ورسائل ومضامین کا کوئی جواب نہیں اور وہ جتنے بھی ہیں بڑے اہم اور قابل قدر ہیں۔ لیکن کمیت کے لحاظ سے دیکھیں تو انھوں نے زیادہ تر ذہنی توانائیاں دوسروں کی لکھی ہوئی کتابوں اور رسالوں پر صرف کی ہیں۔ ان مصنفین میں معاصرین بھی ہیں اور ادوارِ ماضیہ کے جید اربابِ علم بھی، تلامذہ بھی ہیں اور اساتذہ بھی۔ اس سلسلے میں مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے طبع ہونے والے اکثر حواشی وتعلیقات اور دیگر کتابوں کی اصلاح ونظر ثانی کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا۔ اس وصف میں دور دور تک کوئی ان کا شریک وسہیم نظر نہیں آتا۔ اور جس خلوص کے ساتھ یہ خدمتِ علم انجام دی جارہی ہے موجودہ عہد میں وہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اور ان کاموں کی شفافیت کی گواہی پیش کی جاسکتی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا تمام علمی سرمایہ کتنے علوم وفنون کو محیط ہے؟ اس بحث کا کچھ حصہ ہم نے ''مقالات مصباحی'' کے مقدمے میں ذکر کیا ہے اور کچھ حصہ سوانح کے

ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے، لہٰذا وہاں دیکھا جائے۔

باعتبار سنہ اشاعت مصنفہ کتابوں کی تفصیل

لیکن ایک دوسرا سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ان کی سب سے اولین کتاب یا رسالہ کون سا ہے؟

اس سلسلے میں جہاں تک راقم نے تحقیق کی ہے تو یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ان کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف ''تدوین قرآن'' ہے۔ جس کے حرف آغاز میں یہ تاریخ درج ہے: ۳؍ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱؍ مارچ ۱۹۸۰ء۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ اس وقت آپ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ لیکن یہ حقیقت بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اولاً اس کتاب کے مندرجات ماہ نامہ اشرفیہ [مبارک پور] میں قسط وار شائع ہوئے تھے۔ اس کی روشنی میں ''تدوین قرآن'' کی چھ قسطیں علی الترتیب اپریل، جون، جولائی، اگست، نومبر، دسمبر ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ہیں۔ ''اختلافِ قراءت'' پہلی قسط ستمبر ۱۹۷۹ء میں اور دوسری قسط اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شامل ہے۔ اس کی تیسری قسط نومبر ۱۹۷۹ء میں چھپی ہے۔ ''فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کی قرآنیت'' پہلی قسط نومبر ۱۹۷۹ء میں اور'' دوسری قسط دسمبر ۱۹۷۹ء میں شامل ہے، فاتحۃ الکتاب والے مضمون کا ایک حصہ جنوری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔ یوں ہی ''دعائے خلع وحفد'' فروری ۱۹۸۰ء میں شامل ہے۔ یہ مضامین کتابی شکل میں یکجا کر کے ۲۱؍ مارچ ۱۹۸۰ء کو حرف آغاز تحریر کیا گیا ہے، پھر ایک سال بعد اس کی طباعت واشاعت ہوئی ہے۔ سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' [مارہرہ مطہرہ] کے قرآن نمبر، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء میں بھی ''اختلاف قراءت'' والا مضمون ۲۲؍ صفحات میں شامل کیا گیا ہے۔

فن عروض وقوافی پر ایک مختصر اور جامع کتاب ''معین العروض والقوافی'' کے نام سے انھوں نے ۱۳؍ صفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۲؍ دسمبر ۱۹۸۰ء کو تحریر فرمائی۔ جو صفر ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری ۱۹۸۱ء میں پہلی بار ''دروس البلاغۃ'' کے اخیر میں مجلس اشاعت مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو سے شائع ہوئی۔ پھر المجمع الاسلامی، مبارک پور سے اس کے کئی ایڈیشن طبع ہوئے۔

تعلیم و تعلم کے موضوع پر ایک اہم رسالہ ''فرائض وآداب متعلم و معلم'' ہے۔

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں طلبۂ جماعت ثامنہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے والد ماجد مولانا مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ کا رسالہ ''فضل العلم والعلماء'' شائع کرایا۔ اس کے شروع میں ایک اصلاحی وتربیتی مضمون ''طالبان علوم نبوت سے چند باتیں'' کے ساتھ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ کی ایک تحریر کا خلاصہ وترجمہ ''فرائض و آداب متعلم ومعلم'' حضرت صدر العلماء کے قلم سے شامل کیا گیا تھا۔ یہ تحریر وترجمہ ۱۰ر ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۶ر جنوری ۱۹۸۳ء میں مکمل ہوا اور اسی سال مذکورہ کتاب کے ساتھ شائع ہوا۔ یہ دونوں تحریریں کتاب کے ص: ۱۶ تا ص: ۳۴ پر موجود ہیں۔ ان دونوں مضامین کو الگ الگ کئی اہم ادبی ومذہبی جرائد نے بھی شائع کیا ہے، ان میں ماہ نامہ اشرفیہ اور ماہ نامہ حجاز جدید، دہلی قابل ذکر ہیں۔

چھ سال کے بعد ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں ان کی چوتھی تصنیف ''امام احمد رضا اور تصوف'' منظر عام پر آئی۔ آپ نے اولاً اسی عنوان پر ایک مقالہ ''امام احمد رضا سمپوزیم'' بھیونڈی میں ۹ر جنوری ۱۹۸۴ء کو پیش کیا تھا۔ محرم ۱۴۰۸ھ میں اس پر نظر ثانی اور ترمیم واضافہ کر کے کتابی شکل دی اور اس کا حرفِ آغاز ۱۷ر صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۷ء میں لکھا، پھر ۱۹۸۸ء میں المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ سے یہ کتاب اشاعت پذیر ہوئی۔ ۱۹۸۹ء میں رضا اکیڈمی، لاہور نے بھی یہ کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا ایک حصہ معارف رضا [۱۹۸۹ء] میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ اب تک ہندوپاک سے اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ صفر ۱۴۴۰ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۸ء میں جب سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' [مارہرہ مطہرہ] کا امام احمد رضا قادری کی حیات وخدمات پر خصوصی شمارہ شائع ہوا تو زیر تذکرہ کتاب کی تلخیص ''امام احمد رضا اور تصوف'' کے عنوان سے ۶۵ر صفحات میں شامل کی گئی۔

پانچویں کتاب ''شادی اور آداب زندگی'' ہے۔ دراصل ''رشتہ ازدواج اسلام کی نظر میں'' کے عنوان سے حضرت مصنف دام ظلہ کا ایک مقالہ [محررہ: ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۶ر اگست ۱۹۹۱ء، شب چہار شنبہ] تھا جو مدیر ماہ نامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین

مصباحی کی رسم مناکحت کے موقع پر لکھا گیا تھا اور جسے مولانا زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ نے طبع کرا کے شادی کے وقت تقسیم کیا تھا۔ اسی مضمون سے ملحق ایک حصہ ''جہیز میں فراوانی کے مضر اثرات اور اس کا علاج'' ماہ نامہ اشرفیہ، اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اور ''مسلم معاشرے پر مروجہ جہیز ایک لعنت'' اپریل ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا ہے۔ پہلا مضمون ماہ نامہ حجاز جدید، دہلی، اکتوبر ۱۹۹۱ء میں بھی شامل اشاعت ہے۔ ''رشتۂ ازدواج'' کے ساتھ ایک اور مقالہ ''آدابِ زندگی'' حضرت مولانا بدرالقادری مصباحی [ہالینڈ] کا رقم فرمودہ تھا۔ دونوں کو یکجا کر کے کتابی شکل میں ربیع النور ۱۴۱۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۱ء میں المجمع المصباحی، مبارک پور کے زیر اہتمام شائع کیا گیا۔ جس کا حرفِ آغاز مولانا ایاز احمد مصباحی استاذ جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، بھوج پور، مراد آباد نے تحریر کیا ہے۔ المجمع الاسلامی مبارک پور سے بھی اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔ مولانا عبدالمبین نعمانی قادری نے دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو کی سالانہ روداد کے ساتھ ''رشتۂ ازدواج اسلام کی روشنی میں'' کو دسمبر ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ برکاتی پبلشر، کراچی نے اکتوبر ۲۰۰۳ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کرایا ہے۔

چھٹی کتاب ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت: جدالممتار کے آئینے میں'' ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے: جدالممتار [حاشیۂ شامی، از امام احمد رضا] جلد اول کی تحقیق وتدوین کے بعد اس پر آپ نے ۲۲؍صفر المظفر ۱۳۹۸ھ مطابق یکم فروری ۱۹۷۸ء کو عربی زبان میں فل اسکیپ سائز کے تقریباً پندرہ صفحات پر تعارف لکھا، پھر اس کا اردو ترجمہ کیا جو اولاً ماہ نامہ ''عرفات'' [لاہور، شمارہ: جمادی الآخرہ، رجب ۱۳۹۹ھ مطابق مئی جون ۱۹۷۹ء، ص: ۱۸]، تعلیمات [علی گڑھ]، معارف رضا [کراچی] اور ماہ نامہ اشرفیہ [مبارک پور] میں شائع ہوا۔ ماہ نامہ اشرفیہ میں اس کی تین قسطیں علی الترتیب ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۰ء میں چھپیں۔ اور عربی تعارف جدالممتار جلد اول کے ساتھ شریک اشاعت ہو کر ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر آیا۔ ۱۲؍رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸؍مارچ ۱۹۹۲ء کو جدالممتار جلد ثانی پر عربی میں تعارف مکمل فرمایا، جس کا اردو ترجمہ امام احمد رضا قادری کے یوم ولادت ۱۰؍شوال المکرم ۱۴۱۲ھ کو شہر لکھنؤ میں منعقدہ کانفرنس میں پیش کیا گیا۔ یہ دونوں

تعارف یکجا کتابی شکل میں جمع ہوا جس کا حرفِ آغاز ۴ر صفر ۱۴۱۳ھ مطابق ۵ر اگست ۱۹۹۲ء، چہار شنبہ کو لکھا گیا اور یہ کتاب ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں ۱۶۰ر صفحات میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے شائع ہوئی، رضا دار الاشاعت، لاہور نے بھی اس کا ایک اچھا عکسی ایڈیشن شائع کیا۔ اس وقت سے تا حال یہ کتاب مسلسل شائع ہو رہی ہے۔

ساتویں کتاب "حدوث الفتن و جهاد أعيان السنن" ہے۔ اس کا مادۂ تاریخ ۱۴۲۱ھ ہے، یہ عربی رسالہ پہلی بار ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں "المعتقد المنتقد" [از: مولانا شاہ فضل رسول بدایونی] کے ساتھ رضا اکیڈمی، بمبئی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ بعد میں ہند اور مصر و لبنان سے اس کے متعدد نسخے کتابی شکل میں طبع ہوئے۔ "حدوث الفتن" کا اردو ترجمہ "فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد" کے نام سے مصنف کے شاگرد رشید مولانا عبد الغفار اعظمی استاذ مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد، ضلع مئو نے دسمبر ۲۰۰۶ء میں مکمل کیا اور اس کی پہلی اشاعت ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ برکات المدینہ، کراچی نے ربیع النور ۱۴۲۹ھ مطابق مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔

آٹھویں مستقل تصنیف "تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ" ہے۔ ۱۹۸۰ء میں جب آپ نے علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی کتاب "حجۃ اللہ علی العالمین" کا اردو ترجمہ شروع کیا۔ جب اس کے ربع حصے کا ترجمہ مکمل ہوا، تو اس کو شائع کرانے کی غرض سے ایک بسیط مقدمہ تحریر فرمایا، لیکن نہ وہ ترجمہ شائع ہوا، نہ مقدمہ۔ البتہ اس کی دو قسطیں ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور شمارہ اگست اور ستمبر ۱۹۹۱ء میں "پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور روایات معجزات پر کلام" کے عنوان سے شائع ہوئیں۔ ۲۵ر ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ مطابق ۲ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو آپ نے اس کتاب کا حرفِ آغاز بھی لکھ کر رکھ دیا، لیکن وہ شائع نہ ہوئی۔ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں پہلی بار المجمع الاسلامی، مبارک پور سے اس کی اشاعت عمل میں آئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آیا۔

نویں کتاب "خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق" ہے۔ ماہ ستمبر ۲۰۰۲ء میں

سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' [مارہرہ مطہرہ] کے لیے یہ مقالہ سپرد قلم ہوا اور ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۴ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے چالیس صفحات میں شائع کیا گیا۔ اب تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

دسویں کتاب ''مواهب الجليل لتجلية مدارك التنزيل'' ہے۔ جس کا تاریخی مادہ ۱۴۲۹ھ ہے۔ یہ دراصل سورۂ کہف سے سورۂ فرقان تک ''مدارك التنزيل وحقائق التأويل'' [از: امام ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی علیہ الرحمہ، م: ۷۱۰ھ] کا شاندار عربی حاشیہ ہے۔ جس کی تکمیل ۱۶ر محرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ر جنوری ۲۰۰۸ء، شنبہ کو ہوئی۔ یہ حاشیہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۰ء میں مجلد شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن شعبان ۱۴۳۲ھ مطابق جنوری ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آیا۔

گیارہویں کتاب ''رسم قرآنی اور اصول کتابت'' ہے۔ یہ مختصر اور جامع کتاب فاضل مصنف نے رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ مطابق اگست ۲۰۱۰ء میں تحریر فرمائی، کل صفحات ۶۴ ہیں۔ یہ کتاب بھی مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں طبع ہوئی ہے۔

بارہویں کتاب ''بیان واحد وجمع'' ہے۔ یہ مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی [استاذ دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی] کی کتاب ''قواعد الصرف'' حصہ دوم کے اخیر میں بطور ضمیمہ لکھی گئی ہے۔ یہ بڑی سائز کے ۲۳ر صفحات پر مشتمل ہے جس میں انتہائی قیمتی معلومات جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء میں ہوئی۔

تیرہویں کتاب ''شرک کیا ہے؟'' درحقیقت ''تابِ منظم'' کا علمی وتحقیقی مقدمہ ہے۔ جو الگ سے کتابی شکل میں کئی مطابع سے شائع ہوا ہے۔ یہ رسالہ راقم الحروف کے پیش لفظ کے ساتھ نومبر ۲۰۱۴ء میں مکتبہ طیبہ [سنی دعوت اسلامی]، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳ سے بتیس صفحات میں طبع ہوا ہے۔ اس سال جنوری ۲۰۲۰ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور نے بھی اسے شائع کیا ہے۔

چودھویں کتاب ''رہنماے علم وعمل'' حضرت کے ان مضامین کا مجموعہ جو تعلیم و تعلم سے متعلق تھے اور متعدد ماہ ناموں میں ان کی اشاعت ہو چکی تھی۔ حضرت کے صاحب زادے مولانا فیضان رضا امجد مصباحی نے انھیں کتابی شکل میں یکجا کر کے مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو سے ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۵ء میں شائع کیا ہے۔

پندرہویں کتاب ''نواے دل'' حضرت عمدۃ المحققین کے ۳۴ رخطبات کا مجموعہ ہے۔ البتہ کتاب کا نام کسی شعری مجموعے کا لگتا ہے۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق فروری ۲۰۱۹ء میں محب گرامی مولانا جنید احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے گراں قدر خطبات کا یہ مجموعہ مرتب کر کے مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، مئو سے ۳۵۲ رصفحات میں مجلد شائع کرایا ہے۔

مترجمہ و مرتبہ کتابوں کی تفصیل

اب ذکر ان کتابوں کا جن کو آپ نے مرتب کیا، ان کی تحقیق وتدوین و تسہیل فرمائی، ان کا ترجمہ کیا یا ان پر تعلیق وحاشیہ تحریر کیا۔ ان کتابوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ یہ کتابیں عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔

اس سلسلے کی پہلی کتاب ''معانقۂ عید'' ہے۔ یہ دراصل امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے رسالہ ''وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید'' [۱۳۱۲ھ] کی ترتیب جدید ہے، ساتھ ہی عید ثانی کی تلخیص بھی مرتب نے کر دی ہے۔ یہ کتاب رمضان ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ، مئو سے شائع ہوئی ہے۔

۱۹۸۰ء میں مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ کے زمانۂ تدریس میں آپ نے علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین'' کے ربع حصے کا اردو ترجمہ تحریر فرمایا، جو ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔

شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۰ء میں امام احمد رضا قادری کا رسالہ ''جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور'' [۱۳۳۹ھ] کا شاندار ایڈیشن حضرت صدر العلماء

کے وقیع حواشی کے ساتھ "مزارات پر عورتوں کی حاضری" کے نام سے مجلس اشاعت مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ، ضلع مئو سے طبع ہوا۔ یہ فتاویٰ رضویہ مترجم جلد نہم میں شامل ہے۔

"جد الممتار" [جلد اول و ثانی] کی تحقیق و تدوین بھی فاضل مصنف کا بڑا اہم اور تاریخی کارنامہ ہے۔ یہ فتاویٰ شامی پر امام احمد رضا قادری کا عربی حاشیہ ہے جس کی جلد اول علامہ محمد احمد مصباحی کی تحقیق و تقدیم کے ساتھ پہلی بار ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق جون ۱۹۸۲ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام حیدر آباد دکن سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی اور جلد دوم صفر ۱۴۱۵ھ مطابق اگست ۱۹۹۴ء میں رضا اکیڈمی، بمبئی اور المجمع الاسلامی، مبارک پور سے شائع ہوئی۔

"عباب الأنوار أن لا نكاح بمجرد الاقرار" اور "هبة النسا في تحقق المصاهرة بالزنا" [از رسائل امام احمد رضا] کا عربی ترجمہ بھی حضرت کا ایک علمی کارنامہ ہے۔ یہ دونوں عربی ترجمے جد الممتار، جلد دوم میں شامل کیے گئے ہیں۔

"رسوم شادی" امام احمد رضا کے رسالہ "هادي الناس في رسوم الاعراس" [۱۳۲۲ھ] کا ترجمہ ہے جس پر فاضل مترجم نے جگہ جگہ قیمتی حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ اس کی طباعت مجلس اشاعت طلبہ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڑھ [موجودہ ضلع مئو] سے ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔

"قصيدتان رائعتان" [از امام احمد رضا قادری] کی عکسی اشاعت بھی ان کا کافی اہم کارنامہ ہے۔ یہ مخطوطہ حضرت مصباحی صاحب کو مدرسہ قادریہ، بدایوں کی قادری لائبریری سے حاصل ہوا، جہاں ۵ صفر ۱۴۰۹ھ کو آپ حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے اس پر بزبان عربی ایک جامع مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں قصیدۂ مذکور کے شاعر امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی حیات اور علمی و دینی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب چالیس صفحات میں جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ مطابق جنوری ۱۹۸۹ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے منظر عام پر آئی۔

اس کے بعد آپ نے رضا فاؤنڈیشن، لاہور کے ذمہ داران کی گزارش پر فتاویٰ رضویہ جلد اول، سوم، چہارم اور نہم کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ مکمل کیا۔ فتاویٰ رضویہ،

مترجم پہلی بار صفر ۱۴۱۲ھ مطابق اگست ۱۹۹۱ء میں رضا فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان سے شائع ہوئی، بعد میں برکات رضا، پور بندر، گجرات اور رضا اکیڈمی، ممبئی نے وہی نسخہ انڈیا سے ۳۰ جلدوں میں طبع کرایا۔ آپ کے کام کی تفصیل کچھ یوں ہے:

آپ کا ترجمہ ”باب التیمم“ سے شروع ہوتا ہے۔ جو فتاویٰ رضویہ مترجم جلد سوم ص: ۲۹۷ تا ص: ۱۴۷ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور لکھتے ہیں:

> ”رضا فاؤنڈیشن کے ارکان ہندوستان کے عظیم محقق علامہ محمد احمد مصباحی [بھیروی] دامت برکاتہم العالیہ کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود مختصر وقت میں باب التیمم سے آخر تک کی عربی عبارات کا نہایت سلیس اور شستہ ترجمہ فرمایا۔“(۱)

فتاویٰ رضویہ جلد اول قدیم کے ص: ۷۰۹ تا ص: ۸۴۹ کا اردو ترجمہ بھی آپ کے نوک قلم کا نتیجہ ہے۔ جو مترجم کی جلد چہارم کا نصف اول ہوتی ہے۔ حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور رقم طراز ہیں:

> ”اس جلد [چہارم، مترجم] میں شامل جلد اول [قدیم] کی عربی عبارات کا ترجمہ بھی محقق جلیل حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور ہندوستان نے فرمایا جن کا مختصر تعارف جلد سوم کے پیش لفظ میں گزر چکا ہے۔“(۲)

اسی طرح فتاویٰ رضویہ مترجم کی آٹھویں جلد میں شامل رسالہ ”وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید“ جو اس سے پہلے فتاویٰ رضویہ قدیم میں شامل نہیں تھا وہ حضرت استاذی الکریم کے ترجمے کے ساتھ ص: ۶۰۱ تا ص: ۶۶۰ پر شامل کیا گیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ مترجم جلد نہم، جو فتاویٰ رضویہ قدیم کی جلد چہارم کے شروع ”باب

---

(۱) پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ، مترجم، ص: ۸، ج: ۳، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، اگست ۱۹۹۱ء

(۲) پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ، مترجم، ص: ۷، ج: ۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، اگست ۱۹۹۱ء

الجنائز'' سے ''کتاب الزکوۃ'' تک ۲۷۳ سوالوں پر مشتمل ہے اس کا ترجمہ بھی حضرت نے فرمایا ہے۔ حافظ محمد عبد الستار سعیدی لکھتے ہیں:

''اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ فاضل جلیل، محقق شہیر، صاحب تصانیف کثیرہ، ماہر علوم قدیمہ وجدیدہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور [بھارت] نے فرمایا۔ باب التیمم [جو جلد سوم وچہارم میں شائع ہو چکا ہے] کا ترجمہ بھی انھی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ جلد چہارم قدیم میں باب الجنائز کی ترتیب چوں کی طبعی نہ تھی، لہٰذا اس جلد کی کتابت سابق ترتیب سے ہٹ کر طبعی ترتیب کے مطابق کرائی گئی ہے۔ باب الجنائز کے مسائل کو سابقہ ترتیبِ غیر طبعی سے موجودہ ترتیبِ طبعی کی طرف منتقل کرنا بھی علامہ مصباحی صاحب کی محنتِ شاقہ کا ثمر ہے۔''(۱)

اس جلد میں امام احمد رضا قادری کے نو [۹] رسائل کو جگہ دی گئی ہے۔ اسی طرح جلد اٹھائیس میں رسالہ جلیلہ ''تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ'' کا اردو ترجمہ شامل رکھا گیا ہے اور جلد انتیس میں ''التحبیر بباب التقدیر'' اور ''ثلج الصدر لایمان القدر'' کا اردو ترجمہ بھی حضرت کے قلم کی یادگار ہے۔ بڑے اہتمام سے اسے فتاویٰ رضویہ مترجم کا حصہ بنایا گیا ہے۔

''انوار مفتی اعظم'' ایک اہم اور قابل مطالعہ کتاب ہے جسے آپ نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک جامع تقدیم رقم فرمائی۔ یہ کتاب شہزادۂ امام احمد رضا، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا نوری علیہ الرحمہ کی حیات اور فکر وفن پر مختلف قلم کاروں کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو رضا اکیڈمی، ممبئی سے ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی ہے۔ کل صفحات ۳۰۴ ہیں۔

''الکشف شافیا حکم فونو جرافیا'' امام احمد رضا قادری کا عربی رسالہ ہے جس کو آپ نے نقل فرمایا اور اصل مسودہ سے اس کا مقابلہ کیا، پھر ایک عربی مقدمہ لکھ کر رضا

---

(۱) پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ مترجم، ص:۵، ج:۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

اکیڈمی، بمبئی سے صفر ۱۴۱۸ھ مطابق جنوری ۱۹۹۷ء میں شائع کرایا۔

"فلسفہ اور اسلام" امام احمد رضا قادری کے رسالے "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید" [۱۳۰۴ھ] کا عرفی نام ہے جس کی انھوں نے تحقیق وترتیب جدید کی ہے۔ یہ رسالہ المجمع الاسلامی مبارک پور سے ۱۴۰۷ھ میں اور رضا اکیڈمی، بمبئی سے ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے۔

امام احمد رضا قادری کا رسالہ "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ" [۱۳۱۲ھ] فاضل مترجم کے ترجمہ وترتیب کے بعد "براءتِ علی از شرکِ جاہلی" کے نام سے ۱۹۸۶ء میں پہلی بار المجمع الاسلامی مبارک پور سے طبع ہوا۔ ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں رضا اکیڈمی، بمبئی نے اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد ۲۸ کے صفحہ ۴۳۳ تا صفحہ ۴۶۷ پر موجود ہے۔

"تقدیر وتدبیر" دراصل امام احمد رضا قادری کے دو رسائل "التحبیر بباب التقدیر" [۱۳۰۵ھ] اور "ثلج الصدر لایمان القدر" [۱۳۲۵ھ] کا مجموعہ ہے۔ جس کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ حضرت صدر العلماء نے کیا ہے۔ رسالۂ اولیٰ مسئلہ تدبیر پر سیر حاصل بحث پر مشتمل ہے اور رسالۂ ثانیہ میں مسئلہ قضا وقدر پر گفتگو کی گئی ہے۔

"معارفِ شارح بخاری" بھی متعدد اربابِ قلم کی علمی نگارشات کا مجموعہ ہے جسے علامہ محمد احمد مصباحی اور علامہ یٰسین اختر مصباحی نے مشترکہ طور پر مرتب فرمایا ہے۔ یہ کتاب رضا اکیڈمی، ممبئی سے شوال ۱۴۲۰ھ مطابق جنوری ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی ہے۔ یہ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی حیات اور علمی خدمات پر گراں قدر مضامین کا مجموعہ ہے۔

"جہانِ مفتی اعظم" ایک علمی وتاریخی دستاویز ہے جس کے مرتبین میں تین نام شامل ہیں: مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی اور مولانا مقبول احمد سالک مصباحی۔ یہ ضخیم مجموعۂ مضامین ۱۱۷۶ صفحات میں رضا اکیڈمی، ممبئی سے ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء میں طبع ہوا ہے۔ پاکستانی پبلشر شبیر برادرس، اردو بازار، لاہور نے بھی اسے شائع کیا ہے۔

اسی طرح امام احمد رضا قادری کا تاریخی رسالہ ”حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین“ [۱۳۱۳ھ] کی شاندار تلخیص بھی فرمائی ہے جس کا تاریخی نام ”بہجۂ تلخیص حاجز بحرین“ [۱۴۳۴ھ] ہے۔ یہ تلخیص ۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۲۰۱۲ء کو مکمل ہوئی۔ انٹرنیشنل سائز میں اس کے کل صفحات ۵۸ ہیں۔ یہ تلخیص ”انوار امام اعظم ابوحنیفہ“، مجلہ یادگار ایوبی، کشی نگر یوپی میں شامل ہے۔

ایک اہم علمی وادبی کتاب ”تابِ منظم“ ہے، جس کا مادۂ تاریخ ۱۴۳۳ھ ہے۔ یہ کتاب امام احمد رضا قادری کے فارسی قصیدہ ”اکسیر اعظم“ [۱۳۰۲ھ] اور اس کی فارسی شرح ”مجیر معظم“ [۱۳۰۳ھ] کا اردو ترجمہ ہے۔ جو صفر ۱۴۳۴ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۲ء میں رضا اکیڈمی، بمبئی اور المجمع الاسلامی، مبارک پور سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے اخیر میں امام احمد رضا کی ایک فارسی تحریر کا اردو ترجمہ اور تلخیص بھی شامل ہے جو حضرت مترجم دام ظلہ العالی کے قلم کی یادگار ہے۔

”فتاویٰ رضویہ: جہان علوم ومعارف“ [تین جلدیں] ایک علمی وتحقیقی دستاویز ہے۔ جسے حضرت عمدۃ المحققین نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک جامع تحریر بھی لکھی ہے۔ ان تین جلدوں میں ایک درجن اہل علم وتحقیق کے علمی وتحقیقی مقالات کو کتاب بند کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر ۱۳۹۲؍صفحات پر مشتمل یہ عظیم تاریخی کام امام احمد رضا قادری کے جشن صد سالہ ۱۴۴۰ھ کے موقع پر منظر عام پر آیا ہے۔ یہ جلدیں المجمع الاسلامی مبارک پور سے صفر ۱۴۴۰ھ مطابق نومبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی ہیں۔

یہ کل بیس کتب ورسائل ہیں جن کی تحقیق، تدوین، تحشیہ، ترجمہ، تلخیص، تسہیل اور ترتیب میں آپ نے علمی کمال کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اب ذیل میں غیر مطبوعہ کتب وحواشی کا مختصر تعارف ذکر کیا جا رہا ہے۔

غیر مطبوعہ کتب وحواشی

(۱)۔ تسہیل الفرائض:

جس وقت آپ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، گوہنہ، ضلع مئو میں بہ حیثیت

صدر المدرسین خدمات انجام دے رہے تھے تو مختلف جماعت کے طلبہ کی خواہش پر آپ نے درسی کتابوں کے مختصر اور جامع نوٹس انھیں لکھ کر دیے تھے۔ راقم الحروف کی گزارش پر حضرت کے برادر عزیز مفتی احمد القادری نے علم الفرائض کی مشہور درسی کتاب ''سراجی'' کا نوٹ امریکہ سے بھیجا جو حضرت کا تیار کیا ہوا تھا اور اس کی نقل انھوں نے لی تھی۔ اس وقت وہ مدرسہ فیض العلوم کے طالب علم تھے اور جامعہ اشرفیہ چھوڑ کر ان کے پاس تعلیم حاصل کرنے حاضر ہوئے تھے۔ یہ نوٹ ''تسہیل الفرائض'' کے نام سے پرانی کاپی کے اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے، جو باب المناسخہ تک کے مسائل کا جامع ہے اور بے شمار تمرینات مسائل پر محیط بھی۔ اس کا درس ۵ ربیع النور ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۸۰ء، پنج شنبہ کو پورا ہوا تھا اور اس کی نقل بھی اسی تاریخ کو مکمل ہوئی۔ یہ کتاب چھپ جائے تو طالبان علوم نبوت کو مسائل فرائض یاد کرنے میں کافی سہولت ہوگی۔

(۲)- حاشیۂ طحاوی:

۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں آپ نے درجہ تحقیق کے طلبہ کو شرح معانی الآثار [طحاوی شریف] کا درس دیا تو جو کتاب آپ کے زیر مطالعہ تھی اس کے حاشیہ میں بزبان عربی مختصر توضیحی نوٹس بھی لکھ دیتے تھے اور تفصیلی حاشیہ الگ کاغذ پر تحریر کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح جتنا حصۂ کتاب نصاب میں شامل تھا، اتنا حاشیہ بھی موجود ہے۔ مفتی محمد معین الدین مصباحی نے اس کی ایک نقل بھی تیار کی تھی جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی حضرت صدر العلماء کے پاس موجود ہے اور فل اسکیپ سائز کے گیارہ صفحات میں الگ حاشیہ محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس محفوظہ میں صفحہ تین پر تاریخ بھی درج ہے: ۱۵ محرم ۱۴۱۴ھ/ ۶ جولائی ۱۹۹۳ء۔

(۳)- تسمیہ، مسائل ومباحث:

ایک زمانے سے آپ جامعہ اشرفیہ میں بیضاوی شریف کا درس دے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے، بیضاوی کی پہلی مشہور اختلافی بحث ''تسمیہ'' سے متعلق ہے۔ چوں کہ علامہ قاضی بیضاوی شافعی المسلک ہیں اس لیے اپنے مسلک کے ثبوت میں انھوں نے چند

عقلی ونقلی دلائل کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت صدر العلماء سے ہم نے بیضاوی ۲۰۰۴ء میں پڑھی تھی لیکن اس سال [۲۰۲۰ء] اس کی تجدید ہو رہی ہے۔ تسمیہ کی اس بحث کو بہت غور سے سنا ہے۔ ایک دن پرانے کاغذوں کی تلاش میں حضرت کے پاس سے طحاوی کے تشریحی نوٹ کے ساتھ فل اسکیپ کے بارہ صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی عربی مضمون ملا جس میں تسمیہ کی بحث تھی اور اس کے تمام احوال پر تفصیلاً کلام کیا گیا تھا اور جگہ جگہ دلائل وشواہد پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ایک مستقل عربی رسالہ بن سکتا ہے، اس کی ایک کاپی راقم سطور کے پاس موجود ہے، کوئی محقق اس کی تحقیق کے بعد مختصر مقدمہ کے ساتھ شائع کر سکتا ہے۔

(۴)-اختیارات مصطفی:

یہ بھی ایک مختصر اردو رسالہ ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اختیارات وکمالات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑے پوسٹر کی پشت پر لکھا گیا تھا جس کی نقل مولانا اختر حسین فیضی مصباحی نے تیار کی ہے۔ اس کے کل صفحات ——— ہیں۔ ان شاء اللہ نظر ثانی کے بعد جلد ہی یہ رسالہ المجمع الاسلامی، مبارک پور سے طبع ہوگا۔

(۵)-أعلام الهند:

یہ تیرہویں، چودہویں صدی ہجری کے علمائے اہل سنت ومشائخ عظام کا عربی تذکرہ ہے جو حضرت کی نگرانی میں مولانا شمشیر علی مصباحی گجراتی اور مولانا عبد الباری مصباحی [امبیڈکر نگر] نے لکھا ہے۔ یہ مستند حوالوں کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ احوال کی تحقیق میں کافی چھان پھٹک کی گئی ہے اور کئی سالوں کی محنت شاقہ کے بعد اسے تیار کیا گیا ہے۔ یہ ایک علمی وتاریخی کارنامہ ہے۔ عن قریب کئی جلدوں میں المجمع الاسلامی سے اس کی طباعت ہوگی۔

(۶)-مقالاتِ مصباحی:

یہ کتاب عمدۃ المحققین صدر العلماء دام ظلہ العالی کے مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جس میں دیگر مصنفین کی کتابوں پر تحریر کیے گئے مقدمے، تقاریظ، تاثرات، تبصرے اور مکاتیب بھی شامل ہیں۔ اس مجموعہ میں تقریباً نصف صدی کا علمی وقلمی سرمایہ یکجا کیا گیا

ہے۔ انٹرنیشنل سائز میں کل صفحات آٹھ سو کے قریب ہوں گے۔ راقم الحروف نے ان تحریروں کو آٹھ ابواب میں مرتب کیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

باب اول (۱): علمی وتحقیقی مضامین۔ باب دوم (۲): فکری واصلاحی مضامین

باب سوم (۳): سوانحی مضامین۔ باب چہارم (۴): تاثراتی مضامین

باب پنجم (۵): تبصرہ اور مکالمہ۔ باب ششم (۶): مقدمے اور تقاریظ

باب ہفتم (۷): خلاصۂ مقالات۔ باب ہشتم (۸): مکتوبات

باب اول میں چودہ، دوم میں سترہ، سوم میں دس اور باب چہارم میں انیس مختصر وطویل مضامین شامل ہیں۔ باب پنجم میں ایک تبصرہ اور دو تحریری مکالمہ مندرج ہے۔ باب ششم میں تقریباً اٹھاون کتابوں پر مقدمے اور تقاریظ موجود ہیں۔ باب ہفتم میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فقہی سیمینار میں پیش کیے گئے ارباب تحقیق کے مقالات کی تین تلخیصات ہیں اور آخری باب میں خطوط کو جگہ دی گئی ہے۔ اس طرح فروری ۱۹۷۶ء تا دسمبر ۲۰۲۰ء حضرت صدر العلماء کے قلم زرنگار سے نکلی ہوئی بیش بہا تحریروں کا یہ علمی وقلمی خزانہ محفوظ ہوا ہے۔ آغاز کتاب میں راقم سطور کا ایک مختصر مقدمہ اور محب گرامی مفتی محمد رئیس اختر مصباحی کا ایک مبسوط سوانحی مضمون شامل ہے۔ ''مقالاتِ مصباحی'' کی تحریریں اس سے قبل جس کتاب یا مجلہ یا موسوعہ میں شامل تھیں حاشیہ میں ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ کچھ تحریریں غیر مطبوعہ ہیں جنھیں قارئین پہلی بار اس کتاب میں پڑھیں گے۔ یہ مجموعہ ان شاء اللہ بہت جلد المجمع الاسلامی، مبارک پور سے طبع ہوگا۔

اس طرح ان تینوں زمروں میں [غیر مطبوعہ چھ کتب وحواشی کے ساتھ] کل اکتالیس (۴۱) کتابیں ہوتی ہیں جو آپ کے فکر وقلم کی یادگار ہیں اور ان میں علم واسلوب کی منفرد رنگارنگی موجود ہے۔

●●

بابِ چہارم

کتابوں کا تفصیلی جائزہ

کتابوں کا تفصیلی جائزہ

گزشتہ باب میں ہم نے علامہ محمد احمد مصباحی کی جملہ علمی وقلمی نگارشات کا اجمالی خاکہ پیش کیا تھا۔ یہ باب انھی کتابوں کے تفصیلی جائزے اور تبصرے پر مبنی ہے۔ ان کی کتابوں کا موضوعاتی جائزہ لینے پر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے پامال مضامین پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے بلکہ تحقیق وتصنیف کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جن پر یا تو بالکل نہیں توجہ دی گئی یا ان پر تحریری سرمایہ تو ملتا ہے لیکن سنجیدہ قارئین کو اس سے تشفی نہیں ہوتی، بلکہ ان کی بحثوں میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ جامعیت، موضوع کا احاطہ اور معروضی اندازِ تحریر کی کمی ہے۔ حضرت صدر العلماء نے ''تدوین قرآن'' سے لے کر ''رسم قرآنی اور اصول کتابت'' تک کا سفر سنگلاخ زمینوں میں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں کو ہندو پاک کے ارباب علم ودانش نے بہت غور سے پڑھا اور مصنف کے تحقیقی کمال کا اعتراف بھی کیا ہے۔

تدوین قرآن

یہ کتاب پہلی بار ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ سے طبع ہوئی، پھر ہندو پاک سے متعدد بار اس کی اشاعت ہوتی رہی ہے۔ کتاب کی تصنیف کے وقت مصنف کے پیش نظر وہ تمام الزامات وشبہات تھے جو مخالفین قرآن واعداے اسلام کی جانب سے قرآن کے تواتر، اس کی تدوین وتحقیق اور جمع وتکمیل پر عائد کیے جاتے رہے تھے۔ مولانا افتخار احمد قادری [رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، مقیم حال مدینہ منورہ] نے اپنی کتاب ''فضائل قرآن'' کے ابتدائیہ میں لکھا ہے:

> ''قرآن کریم کے جمع وترتیب اور قرآن کی قطعیت وتواتر سے متعلق منکرین اسلام نے بہت سے بے جا شکوک واوہام پھیلا رکھے ہیں

اور انھیں زبردست اعتراضات کی شکل میں پیش کر کے اَقوام عالم کو قرآن اور اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ضرورت تھی کہ بھرپور تحقیق اور انتہائی متانت وسنجیدگی کے ساتھ ان کا زوردار رد کر کے مشتبہ اور متزلزل اذہان کو مطمئن کیا جائے۔ مولانا [محمد احمد] مصباحی بھیروی نے ''تدوین قرآن'' لکھ کر یہ اہم ضرورت پوری کی ہے اور بہت سی تاریخی اور تحقیقی معلومات بھی فراہم کر دی ہیں جن کا مطالعہ اہل ذوق کے لیے یقیناً دل چسپی اور علمی فائدے کا سبب ہوگا۔'' (۱)

وہ الزامات کیا تھے؟ مخالفین قرآن کی جارتوں کا ذکر حرفِ آغاز میں صدر العلماء نے یوں کیا ہے:

''کسی نے یہ الزام لگایا کہ قرآن وانجیل دونوں کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہے کہ دونوں کو بعد کے لوگوں نے جمع کیا۔ قرآن بھی عہد رسالت میں یکجا نہ ہوا بلکہ عہد صدیقی میں اس کی تدوین ہوئی۔ کسی نے کہا قرآن عہد رسالت میں بتواتر منقول نہیں کیوں کہ زمانۂ رسالت میں کل چار حفاظ تھے جن سے تواتر نہیں ہوسکتا۔ کسی نے کہا عہد صدیقی میں ایک آیت قید تحریر میں نہ آئی اور عہد عثمانی میں لکھی گئی، اس لیے ممکن ہے کہ عہد عثمانی کی تدوین میں بھی کوئی آیت چھوٹ گئی ہو۔ کسی نے کہا قرآن سات لغات میں نازل ہوا تھا، اب صرف ایک لغت قریش میں ہے، لہٰذا اس کا اکثر حصہ معاذ اللہ ضائع ہو گیا یا ضائع کر دیا گیا۔ کسی نے کہا معوذتین کی قرآنیت اجماعی وقطعی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن سے

(۱) فضائل قرآن، المجمع الاسلامی، مبارک پور، جون ۱۹۸۱ء، ص: ۲۵

بعض سورتیں حذف کر دی گئی ہیں، بعض مختصر کر دی گئی ہیں، اس لیے اس کا تام وکامل ہونا یقینی نہیں جیسا کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ شیعہ اسے کامل وقطعی نہیں مانتا۔ کسی نے کہا مصاحف اُبی وعلی وابن مسعود کی ترتیبیں موجودہ مصحف سے مختلف تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب اجماعی ویقینی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن میں اب بھی بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، کیوں کہ اس کی سات قرائتیں ہیں جن کے درمیان بہت سے الفاظ وحروف کا واضح فرق موجود ہے۔''

آگے مزید لکھتے ہیں:

''مخالفین کو یہ اعتراضات آسانی سے نہیں مل گئے بلکہ یہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے انھوں نے پہلے پورے قرآن کا مطالعہ کیا، وہاں انھیں ناکامی ہوئی تو حدیث وتاریخ کی کتابیں دیکھیں، مشرقی علوم کھنگالے، جب کہیں ان کو اِدھر، اُدھر سے کچھ شوشے گوشے ملے جن کو انھوں نے زبردست اعتراضات بنا کر پیش کیا اور زبان وقلم کی بھرپور طاقت کے ساتھ پھیلایا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اہل باطل اپنے قرآن دشمن عزائم کی تکمیل سے کتنی لگن رکھتے ہیں اور اس مقدس کتاب کا لافانی اعتماد مجروح کرنے کی خاطر کتنی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔''[1]

''تدوین قرآن'' میں مذکورہ تمام الزامات وشبہات کا تحقیقی جواب دیا گیا ہے اور یہی اس کتاب کی تصنیف کا زریں مقصد بھی ہے۔ تدوین قرآن قرآنیات کا ایک اہم باب اور مہتم بالشان موضوع ہے جس پر قدیم وجدید علما ومحققین نے خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ حفاظت قرآن اور علوم قرآن پر گراں قدر تحقیقی سرمایہ عربی زبان میں محفوظ ہے۔ لیکن زیر نظر

---

[1] حرف آغاز، تدوین قرآن، طبع المجمع الاسلامی، محمد آباد، ۱۹۸۱ء، ص: ۶،۵

کتاب کی تالیف کے دوران ان میں سے بیشتر علمی سرمایہ مصنف کی دسترس میں نہیں تھا اس لیے انھوں نے زیادہ تر قرآن، تفسیر، حدیث، شروح حدیث اور دوسری کتابوں کا ماخذ بنایا جن کا درجہ اصل ماخذ کا ہے بالخصوص علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' سے زیادہ مدد لی جو قدیم مصنفات کا نچوڑ، نادر تحقیقات کا خلاصہ اور اکابر ثقہ علما کا مرجع ہے۔ مصنف نے جن کتابوں کو ماخذ بنایا ہے پوری دیانت داری کے ساتھ ان کا حوالہ نقل کیا ہے اور کتاب کے اخیر میں اکیاون [۵۱] مآخذ و مراجع کی تفصیل بھی درج کی ہے۔ اس ذیل میں وہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے تقریباً ہر مقام پر اپنے ماخذ کا حوالہ دے دیا ہے اور قطعاً اس کی کوشش نہیں کی ہے کہ دوسرے کی تحقیق اپنی بنا کر پیش کروں۔ البتہ میں نے جہاں کوئی اپنی رائے یا تحقیق پیش کی ہے اسے صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے تاکہ بالفرض اگر کوئی غلطی ہو تو ناقدین کا ہدف ملامت خود بنوں نہ کہ اسلام کے مقدس علما۔''(۱)

یہ وہ دیانت دارانہ اندازِ تحقیق ہے جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے، یہی کمال ان کی زبان بلکہ ان کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں بھی چند کتابیں ہیں جن میں نئی معلومات بھی ہیں اور قدیم تحقیقات بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ غلطیاں اور غلط فہمیاں بھی تقلیدی طور پر ان میں در آئی ہیں۔ مصنف نے ان میں سے کچھ دیکھی ہیں، لیکن دورانِ تحریر وہ پیش نظر نہ تھیں اس لیے کوئی تنقیدی جواب تو نہ لکھا لیکن ان حقائق سے ضرور بحث کی جن سے غلطیاں درست ہو گئیں اور غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو گیا۔

کتاب کے تین مطبوعہ نسخے راقم الحروف کے پیش نظر ہیں، ایک المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ کا جو پہلا ایڈیشن ہے، دوسرا نسخہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی کا، تیسرا نسخہ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور سے ۲۰۰۸ء کا شائع شدہ ہے۔ کراچی والا نسخہ جدید دستی کتابت

---

(۱) حرف آغاز، تدوین قرآن، طبع المجمع الاسلامی، محمد آباد، ۱۹۸۱ء، ص: ۶، ۷

ہے اور اس کے کل صفحات ۲۲۴ ہیں، اس نسخے کی پروف ریڈنگ علامہ محمد اعظم سعیدی نے کی ہے اور مفتی خالد محمود [سوگودھا] نے تقدیم تحریر فرمائی ہے۔ ''تدوین قرآن'' کے حوالے سے ان کا تاثر یہ ہے:

''مولانا محمد احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے یہی محسوس فرماکر اس دین حنیف کی تحریری وتقریری خدمت کا بیڑا اٹھایا اور اس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ان کی دینی خدمت کو صرف ہندو پاک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں نہایت وقعت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مخدومی ومکرمی حضرت مولانا صاحب کا اس نسل پر یہ احسان عظیم ہے کہ تدوین قرآن کے نام سے ایک بلند پایہ تحقیقی تصنیف فرماکر تدوین قرآن کے بارے میں دشمنان اسلام کے پھیلائے ہوئے باطل نظریات کی نہ صرف قلعی کھول کر رکھ دی بلکہ ساتھ ساتھ ایسے دلائل قاطعہ بھی رقم فرمائے جن سے مسلمانوں کے ایمان وایقان میں ایک پر کیف تازگی بلکہ نئی زندگی آجاتی ہے۔''(۱)

ہم ذیل میں اس کتاب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہیں اس سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ مذکورہ کتاب میں کس طرح کی بحثیں ہیں اور مصنف کا کیا اختصاص ہے؟ ان کا علمی مقام اور تحقیقی نقطہ کس معیار کا ہے؟

پوری کتاب ۲۰۸ رصفحات پر مشتمل ہے، دو صفحاتی فہرست اور چار صفحاتی حرفِ آغاز کے بعد اصل بحث شروع ہوجاتی ہے۔ کتاب میں حقائق ہی حقائق ہیں، نہ طول بیانی ہے نہ اغلاق وابہام۔ ایک علمی زبان ہے اور سلیقہ مندی کے حسن سے سجا ہوا تحقیقی اندازِ بیان۔ بحثوں میں نتیجہ خیزی کا جمال رقصاں ہے، انداز تحریر خالص علمی وتحقیقی لیکن عوام

---

(۱) تقدیم، تدوین قرآن، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی، ص:۶

وخواص کے فہم سے قریب ہے۔ جملوں میں الجھاؤ نام کی چیز نہیں ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب میں جن باتوں کا خاص لحاظ کیا گیا ہے بہ قول مصنف یوں ہیں:

''میں نے اپنی کتاب میں دو باتیں خاص طور سے ملحوظ رکھی ہیں:

(۱) ابتداے نزول سے لے کر انتہاے تدوین تک کی پوری کیفیت کا ذکر اور تاریخِ تدوین کا تفصیلی بیان۔ تائید ربانی کے تحت حفاظت قرآن اور تدوینِ قرآن کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی مساعی جمیلہ اور ان کے عظیم حزم واحتیاط کا تذکرہ، تاکہ بآسانی اس بات کا راسخ یقین ہو سکے کہ بلاشبہہ قرآن کریم حذف واضافہ اور تغیر وتبدل سے محفوظ، شکوک وشبہات سے بالاتر اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ بالکل قطعی ویقینی ہے۔

(۲) مخالفین اسلام کے الزامات کا پوری متانت وسنجیدگی کے ساتھ تحقیقی جواب۔ جواب کے لیے میں نے کوئی باضابطہ سرخی یا خاص اسلوب اختیار نہیں کیا ہے بلکہ اسے قارئین کے فہم پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اِس کتاب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب دے دیا گیا ہے۔ ان ہی دو باتوں کے ذیل میں بہت سے علمی وتاریخی افادات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔''(۱)

آغازِ کتاب میں نزول قرآن، حکمت تنزیل، حفاظتِ قرآن، حفظ قرآن کی اہمیت، قرآن کے عدمِ تواتر کا الزام اور چند حفاظ صحابہ کے اسما کی تفصیلات درج کی گئی ہیں۔ بحثوں کی ترتیب کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن، تفاسیر اور احادیث مبارکہ کی عبارتیں پیش کی جائیں پھر ان کا ماحصل اپنی زبان میں مختصر تجزیے کے ساتھ شامل بحث ہو، یعنی حقائق کی جلوہ آرائی زیادہ ہو اور عبارت آرائی کم کم۔ حکمت تنزیل کا خلاصہ مصنف نے یوں بیان کیا ہے:

''ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں:

(۱) مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین

---

(۱) حرف آغاز، تدوین قرآن، طبع المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۱ء، ص: ۸،۷

وتقویت کا سبب ہو اور کفار ومشرکین کی اذیتوں کے مقابلے میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے اور انھیں ہر اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے۔[ذیل میں صبر کی مختلف صورتوں کا آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔] (۲) بار بار نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا ہے۔ وصول آیات اور فرشتۂ یزدانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہے۔

(۴) واقعات وحوادث کے مطابق نزول اور ان پر تنبیہ ہوتی رہے۔

(۵) احکام شرعیہ کا نفاذ بہ تدریج ہو، تاکہ امت پر گراں نہ ہو۔

(۶) قرآن کا حفظ، قرآن کا فہم واخذ امت پر سہل ہو۔

(۷) اس بات کی رہ نمائی بار بار ہوتی رہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے، جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔"(۱)

حفظ قرآن کی اہمیت کے ضمن میں بتایا گیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے، سکھانے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ متعدد اصحاب کو بڑے اہتمام سے قرآن کی سورتیں خود سکھائیں۔ انھیں بتایا کہ حافظ قرآن کا درجہ بہت بلند ہے، اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ قرآن یاد ہوجانے کے بعد بھولنے نہ پائے ورنہ سخت وعیدیں ہیں۔ امامت کے لیے اسی کو ترجیح حاصل ہوگی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہے، وہی اس زمانے میں زیادہ علم والا بھی ہوتا۔ ضرورۃً ایک قبر میں چند لوگوں کو دفن کرنا ہوتو جانب قبلہ وہی مقدم رکھا جاتا جو حفظ قرآن میں دوسروں پر فائق ہوتا۔ نماز میں قراءت قرآن فرض ہے اس لیے ہر مکلف کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن کی کچھ سورتیں ضرور یاد رکھے۔ ان ارشادات اور اس

(۱) تدوین قرآن، طبع المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۵، ۱۶

اہتمام عظیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ نے جزئی طور پر بھی قرآن کا حفظ کیا اور کلی طور پر حفاظ صحابہ کا اندازہ لگانا ہو تو سریۂ بیر معونہ میں [جو عہد رسالت ہی میں پیش آیا تھا] میں شہید ہونے والے ستر صحابہ کی تاریخ ملاحظہ کر لی جائیں اور جنگ یمامہ جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد گیارہ ہجری میں ہوئی اس میں حافظ شہدا کی تعداد سات سو تک بتائی گئی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہد رسالت میں صرف چار حافظ قرآن تھے اور قرآن کا تواتر غیر یقینی ہے۔ فاضل مصنف نے اس موضوع کو انتہائی غیر جانب داری سے نبھایا ہے اور اخیر میں بتیس حافظ صحابہ کے اسما شمار کرائے ہیں جنھیں پورا قرآن حفظ تھا۔

''قرآن کی کتابت اور تدوین اول'' ایک مستقل باب کی شکل میں ہے جس میں ''کاتبانِ بارگاہ رسالت، کتابت وحی، اور اشیاے کتابت پر تحقیقی انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور ''عہد رسالت میں کتابۂ ترتیب قرآن کیوں نہ ہوئی؟، ترتیب نزول ترتیب قراءت سے جدا کیوں؟'' جیسے سوالات کا تشفی بخش جواب دیا گیا ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب کا حافظہ انتہائی قوی اور پوری دنیا میں معروف تھا، یوں ہی یہ بات میں سچ ہے کہ عرب اور خصوصاً مسلمانوں میں کتابت سے آشنا افراد ضرور موجود تھے جن کے ذریعہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت ہوتی رہی۔ فاضل مصنف نے اس میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''مدارج النبوۃ'' سے اختصاراً اکتالیس [۴۱] کاتبانِ بارگاہِ رسالت کے احوال درج کیے ہیں۔

رہ گیا یہ سوال کہ عہد رسالت میں سورتوں اور آیتوں میں کتابۂ ترتیب کیوں نہ ہوئی؟ اس کا جواب مصنف نے یہ دیا کہ اس وقت نزول قرآن کی تکمیل ہی نہ ہوئی تھی تو ترتیب کیوں کر ہوتی اور جب نزول کی تکمیل ہوئی تو اتنی مدت باقی نہ تھی کہ سب کی یکجا ترتیب ہو سکے۔

''ترتیب نزول، ترتیب قراءت سے جدا کیوں؟'' یہ سوال بھی اہم تھا اس لیے جواباً تحریر فرمایا کہ: ''نزول قرآن تدریجاً اور ضرورت و مصلحت کے مطابق ہوتا، حکمت الٰہیہ مقتضی تھی کہ مثلاً پہلے اسلام و ایمان کے اصول و مبادی اور کفر و شرک کی خرابیاں بیان ہوں تاکہ اولاً

توحید و رسالت اور ایمان و عقائد دلوں میں راسخ ہو جائیں، پھر آیاتِ احکام کا نزول ہو۔ نفاذِ احکام میں بھی یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی کہ اگر تمام احکام تکلیفیہ ایک ساتھ نافذ کیے گئے تو عام لوگوں پر گراں ہوں گے۔ ان کے حقائق و تفصیلات اور مصالح و اسرار کا سمجھنا، یاد رکھنا، ان میں رسوخ حاصل کرنا بھی دشوار ہوگا، اس لیے آیاتِ احکام بھی تدریجاً نازل ہوئیں۔"

ایک باب ہے: قرآن کی تدوین ثانی اور عہد صدیقی کی قرآنی خدمات۔ جس میں مختصر تمہید کے بعد تدوین ثانی کے خصائص بیان ہوئے ہیں اور سورۂ براءت کی آخری دو آیتوں کی قرآنیت اور تواتر پر وارد ہونے والے شبہے کا جواب دیا گیا ہے۔ پھر ایک سوال قائم کیا گیا ہے کہ کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟ اس سوال کا علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ کی کتاب "فتح الباری" کی روشنی میں تحقیقی جواب دیا گیا ہے۔ بہر حال جمع قرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زبردست کارنامہ اور امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل و محاسن میں شمار کیا جائے گا۔

"عہد عثمانی اور قرآن کی تدوین ثالث" ایک مستقل عنوان ہے جس کے ذیل میں اختلاف لغات، تدوین ثالث کے اسباب و محرکات، تدوین کی کیفیت، تعدادِ مصاحف، آیت احزاب، روایات، احراق مصاحف کی روایات، جوازِ احراق اور حضرت علی مرتضیٰ کی تائید جیسی سرخیاں قائم کر کے تفصیلی بحث کی گئی ہے تاکہ تدوین ثالث کے تمام گوشے نمایاں ہو جائیں اور کسی کے ذہن و فکر میں کوئی ایراد نہ پیدا ہو۔ اسی مقام پر اس الزام کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن سات لغات میں نازل ہوا تھا اب صرف ایک لغت قریش میں ہے لہٰذا اس کا اکثر حصہ معاذ اللہ ضائع ہو گیا۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "بہت سی احادیث اور کثیر اقوال محققین سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ زبان قریش کے علاوہ دیگر لغات پر قراءت محض ایک رخصت تھی جس کی بنیاد مخصوص حالات و اسباب پر تھی۔ لہٰذا ان حالات و اسباب اور مصلحتوں کے ختم ہو جانے کے باعث اگر وہ مخصوص رخصت بھی ختم کر دی

گئی تو اس سے قرآن کے کسی حصے کا ضیاع کیسے لازم آیا؟۔ میں کہتا ہوں کہ بطور تنزل اگر یہی مان لیا جائے کہ قرآن پہلے زبانِ قریش میں نازل ہوا، پھر تیسیراً سات لغات پر اترا، مگر جب سرکار کے آخری رمضان میں حضرت جبرئیل نے قرآن کا دوبارہ دور کیا اور دورۂ اخیر کی قراءت ثابت و مستقر ہو گئی اور باقی زبانیں اس دورہ میں نہ رہیں تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کامل اور سب کا مرجع و معتمد یہی ہے جو اس دورہ میں ثابت رہا اور پہلے جو کچھ تھا وہ انقضائے ضرورت یا کسی بھی مصلحت کے سبب منسوخ ہو گیا۔‘‘(۱)

معترضین نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک جملے ’’فقدت آیۃ من الأحزاب‘‘ سے یہ شبہہ پیدا کیا کہ تدوین ثانی میں مصاحف نقل کرتے ہوئے انھوں نے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہ پائی جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے تھے، بعد میں انھوں نے تلاش کیا کہ تو خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پایا تو اسے مصحف کے اندر سورۂ احزاب میں اس جگہ شامل کر دیا۔ اس سے مخالفین نے یہ اعتراض پیدا کیا کہ صحف صدیقی میں ایک آیت کی کمی رہ گئی تھی، دوسرا شبہہ یہ پیش کیا کہ ہو سکتا ہے مصحف عثمانی میں بھی کچھ چھوٹ گیا ہو؟ فاضل مصنف نے ان دونوں شبہات کا تفصیلی تحقیقی و الزامی جواب دیا ہے جو چشم کشا بھی ہے اور مصنف کی نکتہ رسی اور دقت نظری کا ثبوت بھی۔ بالخصوص وہ جواب جو انھوں نے اپنی جانب سے دیا ہے وہ ذہن کشا بھی اور فکر انگیز بھی۔ یہاں ان کا قلم علم و عرفان کے بحر ذخار سے گزرتا محسوس ہوتا ہے اور ساحل پر علوم و نکات کے لعل و گہر چھوڑ جاتا ہے۔

ایک مکمل بحث ترتیب آیات و سُوَر کی ہے۔ اس کے کچھ اشارے ماقبل میں مذکور ہیں۔ حاصل بحث یہ ہے کہ بے شمار نصوص اور اجماع امت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور وحی الٰہی پھر حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمام

---

(۱) ص: ۸۵

آیات کی تدوین ہوئی ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت میں مصنف نے نصوص اور اجماع کی تفصیل پیش کی ہے۔ اور سورتوں کی ترتیب سے متعلق لکھا ہے کہ محققین کی رائے یہی ہے کہ ترتیب سور بھی توقیفی اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ مصنف نے یہاں تیرہ صفحات میں محققین کے دلائل ذکر کیے ہیں اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ترتیب سور اجتہادی نہیں بلکہ توقیفی اور حکم رسول کے مطابق ہے۔

یہیں حضرت عثمان کے لقب ''جامع قرآن''، اعراب قرآن، قرآن کی سورتوں، آیتوں اور کلمات وحروف کی تعداد پر بھی مختصر بحث کی ہے تاکہ یہ مستقل عنوان مکمل ہو جائے اور اس کی مختلف حیثیتیں اجاگر ہو جائیں۔

ایک مستقل عنوان ''فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کی قرآنیت'' ہے۔ مخالفین نے یہاں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ایک طریقۂ تحریر کا سہارا لے کر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے اپنے مصحف میں سورۂ فاتحہ نہیں لکھی۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔ ان روایتوں سے مخالفین کو اعتراض کا موقع ملا اور موافقین کو حیرت ہوئی۔ اس بحث میں فاضل مصنف نے علما کے تین اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود کی طرف قرآنیتِ معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے، مگر صرف ان کے انکار سے قرآنیتِ معوذتین کے تواتر وقطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (۲) حضرت ابن مسعود کی طرف فاتحہ ومعوذتین کے انکارِ قرآنیت کی نسبت بالکل غلط وباطل اور نامقبول ہے۔ (۳) روایاتِ انکار صحیح ہیں مگر ان میں انکارِ قرآنیت کا ذکر نہیں، صرف اتنا ہے کہ وہ مصحف میں انھیں لکھنے سے انکار کرتے تھے۔

قول اول کے ناقل علامہ جلال الدین سیوطی ہیں، قول ثانی کو امام فخر الدین رازی نے بیان فرمایا ہے اور قول ثالث کا ذکر علامہ ابن حجر نے کیا ہے۔ مصنف نے ان تینوں اقوال کے ساتھ تفصیلی جوابات بھی پیش کیے ہیں، پھر قول ثانی وثالث میں تطبیق دی ہے اور

قول اول کی نسبت کو غلط ٹھہراتے ہوئے اس پر جرح و نقد کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ قول سرے سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً معوذتین مصحف میں نہ لکھیں یہ تسلیم ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ انھیں معوذتین کی قرآنیت سے انکار رہا ہو۔ اس دعویٰ پر مصنف نے پانچ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے قائل ضرور تھے۔ اس کے بعد مصنف نے ایک عنوان ''روایاتِ انکار کی تنقیح'' قائم کر کے باہم متعارض روایات انکار کے صحیح معانی بتاتے ہوئے تطبیق دکھائی ہے۔ حاصل بحث میں لکھتے ہیں:

> ''حاصل بحث یہ ہوا کہ (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبل اجماع صحابہ کتابتِ معوذتین سے انکار تھا، بعد اجماع وہ کتابت کے بھی قائل ہو گئے۔ (۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی زمانے میں قرآنیتِ معوذتین کے منکر نہ تھے۔''(۱)

متجاہل مخالفین قرآن و دشمنان اسلام نے ایک الزام قرآن مجید پر نقص و کمی کا بھی عائد کیا ہے اور بطور ثبوت دعاے خلع و دعاے حفد کو پیش کیا ہے کہ یہ دونوں دعائیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں سورۂ ناس کے بعد شامل تھیں، لیکن موجودہ مصحف میں وہ موجود نہیں ہیں۔ فاضل مصنف نے اس الزام کو ذکر کرنے کے بعد چھ طریقوں سے اس کا شافی و کافی جواب تحریر کیا ہے اور اخیر میں ان دعاؤں کو لکھنے کا سبب بھی متعین فرمایا ہے، نتیجہ بحث یہ نکالا ہے:

> ''حاصل کلام یہ کہ ان دعاؤں کا قرآن نہ ہونا صرف یہی نہیں کہ جملہ صحابہ و تابعین اور امت مسلمہ کے نزدیک قطعی و یقینی ہے بلکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی ان کی عدم قرآنیت ہی

(۱) ص: ۱۵۷

متعین اور متیقن ہے۔"(۱)

ایک اہم الزام اختلاف قراءت سے متعلق بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن میں اب بھی بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے کیوں کہ اس کی سات قراءتیں ہیں جن کے درمیان بہت سے الفاظ وحروف کا واضح فرق ہے۔ اس الزام کو متعدد اجزا میں تقسیم کرتے ہوئے مصنف نے پانچ سوالات قائم کیے ہیں: (۱) اختلاف قراءت کیا چیز ہے؟ (۲) کیا اختلاف قراءت سے قرآن کے معانی میں اتنی تبدیلی ہو جاتی ہے کہ حلال وحرام کا فرق ہو جائے، ایک قراءت سے کسی چیز کا جواز اور دوسری سے اسی کا عدم جواز نکلتا ہو۔ (۳) یہ اختلاف کب سے اور کیوں کر پیدا ہوا؟ (۴) ائمہ قراءت کون تھے؟ (۵) قراءات سبعہ وعشرہ کسے کہتے ہیں؟

مصنف نے تمہیدی گفتگو میں یہ لکھا ہے:

"عرب کے فصیح قبائل کی زبانوں اور طریق ادا میں فرق تھا، جس کے پیش نظر قرآن سات لہجوں میں نازل ہوا۔ خلافت عثمانی میں اولین زبانِ نزول، زبانِ قریش کے اور قرآن کے دورۂ اخیر کے موافق مصحف شریف کی تدوین ہوئی، مگر بعض فرق کلمات وحروف وحرکات وادا جو عرصۂ اخیرہ میں باقی رہے اور جن کی روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت تھی وہ علیٰ حالہٖ قائم رکھے گئے۔ یہی مختلف قراءت ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کی کثیر جماعت نے سیکھا اور صحابہ سے تابعین نے حاصل کیا اور تابعین سے تبع تابعین نے لیا۔ اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور میں یہ قراءات کتابت وادا کی نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچیں۔ اس لیے تمامی متواتر قراءتیں حق وصحیح، واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں، ان کا منکر کافر ہے۔"(۲)

---

(۱) ص: ۱۶۱

(۲) تدوین قرآن، ص: ۱۶۳

اس کے بعد مصنف نے ائمہ قراءت کا تذکرہ کیا ہے، صحابہ میں قراءت اور تعلیم قراءت میں سات اکابر زیادہ مشہور ہوئے: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تابعین کرام نے صحابہ کی ایک عظیم جماعت سے قراءت سیکھی، ان میں مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے تابعین کے اسماذکر کیے ہیں، پھر قراءات سبعہ اور قرائے عشرہ کے مختصر احوال بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سات صفحات میں اختلاف قراءت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، پھر اختلاف کے فوائد شمار کرا کے قراءت سبعہ پر اقتصار کیوں؟ کا جواب تحریر کیا گیا ہے۔ سب سے اخیر میں قراءتوں کا معیار قبول اور اقسام قراءت کا تذکرہ ہے۔ اس طرح یہ باب مکمل ہوتا ہے۔ کتاب کا آخری حصہ گیارہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے اس میں شیعہ اور قرآن جیسے عنوان کو نبھایا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ شیعوں کی بے باکیوں، گستاخیوں اور الزام تراشیوں نے منکرین اسلام کو قرآن مجید کے خلاف زہر افشانی کا خوب موقع دیا ہے، اس لیے مصنف نے قرآن سے متعلق شیعوں کے نظریات پیش کر کے سخت تنقید کی ہے۔ شیعوں کا مطمح نظر یہ تھا کہ خلفاے ثلاثہ اور صحابہ کے کارناموں کا اعتراف نہ کیا جائے۔ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی صحابہ کرام سے عناد کے نتیجے میں اختیار کیا گیا ہے۔ مصنف نے متعدد قرآنی شہادتوں کی روشنی میں ان کے الزامات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے ہیں اور حق کو مکمل دیانت داری کے ساتھ تحقیقی انداز میں منقح فرمادیا ہے۔ یہی وہ انداز تحقیق اور طرز تحریر ہے کہ ہند و پاک کے اکابر علما و محققین نے ''تدوین قرآن'' کی تحسین کی اور اس کتاب کو وقت کی ضرورت قرار دیا ہے۔ ہم ذیل میں چند اعترافات پیش کرتے ہیں:

خلیفہ امام احمد رضا، برہان ملت حضرت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ نے ''تدوین قرآن'' موصول ہونے پر مصنف کو جو مکتوب [محررہ: ۱۸ ربیع النور ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۸۲ء] روانہ کیا

تھا، یہ بڑا قیمتی خط ہے اس لیے یہاں مکمل نقل کیا جاتا ہے:

''محبی العزیز المکرم محمد احمد صاحب اعظمی مصباحی زاد فضلہ وعم فیضہ''

سلام ودعاے رحمت وعافیت

رضویت کی اشاعت کے سلسلے میں آں عزیز کی مساعی جمیلہ اہل سنت وجماعت کے لیے بعونہٖ تعالیٰ ثبات واستقامت کا بہت بڑا سرمایہ ہیں، أیدکم اللہ بنصرہ العزیز۔ آپ کی دو تحریریں ۵ ربیع النور اور ۸ ربیع النور ۱۴۰۲ھ کی محررہ فقیر کو پہنچیں۔ آپ نے ان دونوں میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے مطابق ''گناہ بے گناہی'' اور ''تدوین قرآن'' کل ہی پہنچی ہیں۔ تدوین قرآن پر ان شاء المولیٰ تعالیٰ سننے کے بعد کچھ تحریر کرا سکوں گا، فقیر کی بصارت اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ خود پڑھنا لکھنا دشوار ہے، لہٰذا اب صرف سماعت اور املا پر قناعت کرنی ہوتی ہے۔ فقیر کے پاس جتنے خطوط آتے ہیں میرے کاتبانِ تحریر یا محمود میاں، حامد میاں اور مشاہد رضا سلمہم اللہ تعالیٰ سناتے ہیں، پھر انھی میں سے کسی نہ کسی سے جواباً کچھ تحریر کرا کے بھیج دیا جاتا ہے، لہٰذا تدوین قرآن کی سماعت کے بعد فقیر اس پر اظہار خیال کر سکے گا۔ حضرت محترم مولانا مفتی عبد المنان صاحب اور جملہ رفقاے کار کو فقیر بے توقیر کی جانب سے سلام مسنون، اشتیاق ملاقات وطلب دعاے خیر مشحون، والسلام۔

دعا گو وطالب دعا: فقیر برہان الحق قادری رضوی سلامی غفرلہ

محقق رضویات پروفیسر مسعود احمد نقش بندی کے مکتوب گرامی [محررہ: ۱۹ رمئی ۱۹۸۱ء] کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''عنایت نامہ مورخہ ۱۷ را پریل ۱۹۸۱ء، تدوین قرآن، فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں، ماہ نامہ اشرفیہ، فہرس الدولۃ المکیۃ اور حیات فاضل بریلوی [عربی] موصول ہوئے، عنایات بے کراں کا ممنون ہوں۔ ''تدوین قرآن'' بڑی محنت سے لکھی ہے، تقریباً تمام پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے، جزاکم اللہ۔ ابھی سرسری مطالعہ کیا ہے، عدیم الفرصت ہوں، ان شاء اللہ پھر کبھی قدرے تفصیل سے لکھوں گا۔''

مولانا عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ [استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور] نے اپنے ایک مکتوب [۷رجون ۱۹۸۱ء] میں دیگر احوال کے ساتھ فاضل مصنف کو تحسین آمیز کلمات سے نوازا۔ اس خط کا یہ اقتباس دیکھیں:

''گزشتہ دنوں میں ''تدوین قرآن'' کا اکثر و بیشتر حصہ مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بارے میں بے لاگ رائے یہ ہے کہ آپ نے بڑی ہی محنت اور عرق ریزی سے کتاب لکھی ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ اہل سنت اس پر فخر کریں۔ اہل سنت کے علمی ذخیرے میں یہ گراں قدر اضافہ ہے۔ آپ لائق مبارک باد ہیں کہ اختلافی مباحث سے ہٹ کر یہ کتاب لکھی ہے اور اس طرح ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔''

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے استاذ اور محقق و مصنف مولانا منشا تابش قصوری ایک مکتوب [محررہ: ۶رمئی ۱۹۸۱ء] میں رقم طراز ہیں:

''تدوین قرآن'' آپ نے لکھ کر بڑا عظیم کام انجام دیا ہے، علمی و تحقیقی کتب کا ظہور میں آنا اہل سنت کے لیے نیک شگون ہے، خصوصاً ایسے ماحول میں جہاں عوام وخواص حکایات و واقعات کے رسیا ہو چکے ہیں، کرامات سے اپنی پیاس بجھانے کی تگ و دو میں ہیں، وعظ و تقاریر کی کتب کے بیسوں متلاشی ہی نہیں بلکہ ذخیرہ اندوز ہوں۔ ایسے وقت میں ''تدوین قرآن'' ایسی کتاب کی اشاعت بڑے دل والے ہی کر سکتے ہیں۔ آپ کے قلم کا یہ شاہکار حال و مستقبل کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ آپ کی خدمت میں اس گراں قدر تصنیف پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''

مفتی ڈاکٹر محمد مکرم نقش بندی [شاہی امام فتح پوری مسجد، دہلی] نے جب ''تدوین قرآن'' کا مطالعہ کیا تو چار صفحاتی ایک طویل تبصراتی مکتوب [محررہ: ۲۲رمارچ ۱۹۸۲ء] مصنف کو روانہ کیا، اس خط کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کی اس تصنیف نے وقت کی بڑی اور شدید ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ ایسی بحث ہے جو عام طور پر واعظین کا موضوع نہ ہونے کی وجہ سے تشنۂ تعارف

ی رہی۔ علما بھی اس موضوع سے علیٰ وجہ الکمال واقف نہیں ہیں۔ فن تدوین قرآن پر آپ کی یہ تصنیف قابل قدر اور باعث فخر ہے۔ ترتیب ابواب بھی ندرت لیے ہوئے ہے۔ ہر موضوع پر آپ نے حسن تتبع اور استقصا کے ساتھ مدلل بحث فرمائی ہے جو قابل داد ہے۔ طریقۂ استدلال عالمانہ مگر دندان شکن ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز اتنا ہی ظاہر ہو رہا ہے جتنے فتنے اٹھ رہے ہیں اور کسی فن کا کمال جب ہی ظاہر ہوتا ہے جب کہ اس کے خلاف فتنوں کی شورش میں زیادتی ہو۔''

مولانا محمد فروغ القادری [ورلڈ اسلامک مشن، لندن] کے ایک مکتوب [محررہ: ۲۵؍مارچ ۱۹۹۷ء] کا یہ اقتباس دیکھیں:

''لندن کی ایک سنٹرل لائبریری میں آپ کی تصنیف ''تدوین قرآن'' دیکھ کر یک گونہ خوشی ہوئی، اقطارِ عالم کے تمام گوشوں میں آپ کی قلمی زندگی کا یہ بہترین شاہکار آپ کے دیوان عمل وفن کا ترجمان ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ آپ کی مزید دیگر اہم تصنیفات وتالیفات وہاں پہنچائی جائیں۔''

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ تدوین قرآن نے پوری علمی دنیا میں اپنا وجود درج کرایا ہے اور بین الاقوامی دانش وروں کے مطالعہ کی میز تک پہنچی ہے۔ یہ اس کی جامعیت وتحقیق انداز بیان کا کمال ہے۔

معین العروض والقوافی

یہ کتاب صفر ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری ۱۹۸۱ء میں پہلی بار ''دروس البلاغۃ'' کے اخیر میں مجلس اشاعت مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو سے شائع ہوئی۔ پھر المجمع الاسلامی، مبارک پور سے اس کے کئی ایڈیشن طبع ہوئے۔ اس رسالے کی تصنیف کا پس منظر مصنف کے برادر اصغر مفتی احمد القادری [مقیم حال امریکہ] کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں جو اس وقت مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد میں زیر تعلیم تھے جہاں یہ کتاب لکھی گئی۔ اول ایڈیشن میں آغاز کتاب میں ان کی ایک صفحہ کی تحریر شامل ہے، وہ لکھتے ہیں:

''دروس البلاغہ مطبوعہ ندوۃ المعارف، بنارس کا ایک نسخہ بغرض کتابت تصحیح کے لیے استاذ محترم حضرت مولانا محمد احمد صاحب قبلہ اعظمی کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو ان کا ارادہ ہوا کہ اس ایڈیشن کے آخر میں ''حل ابیات'' کے عنوان سے ایک ضمیمہ شامل کیا جائے جس میں ہر شعر کے تحت شاعر کا نام، تقطیع، محل استشہاد، حل مشکلات اور حسب ضرورت ترجمہ ومطلب تحریر ہو جائے مگر مجلس اشاعت کے پاس سرمایہ کی کمی اور قدردانوں کی قلت کا خیال اس ارادہ کی تکمیل سے مانع ہوا۔ البتہ تمام اشعار پر اعراب لگا دیا ہے جس سے موجودہ اردو شروح کے بعض اغلاط کا بھی حل نکل سکتا ہے۔

پھر انھیں یہ احساس ہوا کہ متن الکافی، محیط الدائرہ، عروض المفتاح مولوی، عالم، فاضل کے امتحانات میں تو ہیں مگر کتنے مدارس میں ان کتابوں کا درس ہی نہیں ہوتا اور اکثر طلبہ اپنی کم ہمتی کے باعث از خود عربی کتابوں کے مطالعہ خصوصاً مذکورہ کتابوں کے حل کی طرف مائل نہیں ہوتے، اس لیے عروض وقوافی میں ایک مختصر کتاب لکھی جو زیادہ تر ''متن الکافی'' کے ترجمہ وشواہد پر مشتمل ہے، تاکہ درجہ مولوی کے طلبہ اس سے مکمل طور پر مستفید ہو سکیں اور کچھ ضروری اضافے شامل کیے تاکہ عالم وفاضل کے طلبہ کے لیے کارآمد ہو۔ ان عنایات پر ہم استاذ محترم کے بے حد ممنون وشکر گزار ہیں۔''(۱)

اس وقت اس کا پانچواں ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے جو المجمع الاسلامی، مبارک پور سے ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق جون ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔ پورا رسالہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے اور بغیر کسی تمہیدی بیان کے علم عروض کی معروف اصطلاحات کی تعریف شروع

---

(۱) کلمۃ الطبعۃ الاولی، معین العروض، جنوری ۱۹۸۱ء، ص: ۲

کی گئی ہے۔ شروعاتی ایڈیشن میں رسالہ تیس صفحات میں تھا، پانچویں ایڈیشن میں بیس صفحات کا اضافہ کیا گیا جو درحقیقت اس میں مندرج عربی اشعار کے اردو ترجمے اور فوائد کی بنیاد پر تھا، اس اضافے نے کتاب کی افادیت کو اور بہتر کیا ہے۔

اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ فن شاعری نثر کے بالمقابل مشکل بھی ہے اور دقیق بھی۔ شاعری کا شمار فنون لطیفہ میں ہوتا ہے، ایک آسان پیغام جتنی آسانی کے ساتھ ہم نثر میں پیش کر سکتے ہیں جس میں نہ ردیف وقافیہ کی گھیرا بندی ہے نہ بحر و وزن کی سختی، نہ لفظیات کی ترتیب میں زیادہ غور وخوض کی ضرورت پڑتی ہے نہ صوتی آہنگ باقی رکھنا ہوتا ہے، اس کی بجائے شعر کی زبان میں کسی پیغام کی ترسیل وقت طلب بھی ہوتی ہے اور مختصر بھی، لیکن شعر کے صوتی آہنگ اور اختصار میں جو جہان معنی پوشیدہ ہوتا ہے اور جو جامعیت ہوتی ہے اس کی دل کشی اور شیرینی کا جواب نہیں۔ شاعری میں عروض اور قوافی کی حنا بندی کسی جسم میں روح کی کارفرمائی جیسی ہوتی ہے اس لیے علم عروض کی اہمیت بھی ہے اور شعر گوئی میں اس کی افادیت لابدی مانی جاتی ہے۔

عروض کی تعریف مصنف یوں کرتے ہیں:

''عروض ایسے اصول کا علم جس سے شعر کے صحیح و فاسد اوزان کی معرفت حاصل ہو۔''

اس کا موضوع ہے: شعر بہ حیثیت وزن اور غرض وغایت ہے: شعر کے صحیح وغلط اوزان میں تمیز۔ مشہور نحوی سیبویہ کے استاذ خلیل بن احمد بصری نحوی [م: ۱۷۰ھ] کو اس علم کا موجد قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اشعار عرب کی چھان بین کر کے پندرہ بحریں نکالیں اور سولھویں بحر ابوالحسن اخفش سعید بن مَسْعدہ [م: ۲۱۵ھ] نے پتہ لگایا۔

مصنف نے یہ باتیں ابتدا میں ذکر کی ہیں، اس کے بعد شعر کے ساتھ ساتھ علم عروض کی خاص اصطلاحات: حروف تقطیع، سبب خفیف، وتد مجموع، وتد مفروق، فاصلۂ صغریٰ، فاصلۂ کبریٰ، اصول، فروع، زحاف، سالم، زحافات مفردہ، مرکبہ، معاقبہ، مراقبہ، مکانفہ، علت،

علل زیادت میں ترفیل، تذییل، تسبیغ، علل نقص میں حذف، قطف، قطع، بتر، قصر، حذذ، صلم، وقف، کسف، علل جاری مجرائے زحاف میں تشعیث، خرم، شتر، خرب، ثلم، ثرم، عضب، قصم، جمم، عقص کی تعریفیں مثالوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد تقطیع کی تعریف، اس کی شرطیں، طریقہ ذکر کیا گیا ہے، پھر سولہ بحروں کے نام [طویل، مدید، بسیط، وافر، کامل، ہزج، رجز، رمل، سریع، منسرح، خفیف، مضارع، مقتضب، مجتث، متقارب، متدارک] اور اَوزان کی تفصیل ہے۔ اسی ضمن میں دوائر خمسہ کا ذکر آیا ہے جس میں مصنف کہتے ہیں کہ مذکورہ بحروں میں سبب ووتد کی تقدیم وتاخیر کے ذریعہ بعض بحریں بعض سے نکلتی ہیں اس کے لیے پانچ دائرے وضع کیے گئے ہیں: مختلفہ، موتلفہ، مجتلبہ، مشتبہہ اور متفقہ۔ آگے انھوں نے نقشہ جات اور مثال کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ کس دائرے سے کتنی بحریں نکلتی ہیں۔

کتاب میں اس کے بعد بحور کا تفصیلی بیان بھی ہے جس میں ہر بحر کا نام، اس کے افاعیل، عربی اشعار کی تقطیع کا خاکہ دیا گیا ہے۔ پھر علم القافیہ کی بحث آئی ہے، لیکن درمیان میں القاب ابیات وانواع کا مختصراً ذکر ہے۔ علم القافیہ کی تعریف میں مصنف لکھتے ہیں:

"علم القافیہ ایسے اصول کا علم جن سے اواخر شعر کے احوال معلوم ہوں، حرکت وسکون اور ان کے لزوم وجواز اور فصاحت وقباحت کی حیثیت سے۔"

اس کا موضوع قافیہ بہ حیثیت مذکورہ اور فائدہ صحیح وفاسد قوافی میں تمیز بتایا گیا ہے۔ اس فن کا موجد امرء القیس کا ماموں مہلہل بن ربیعہ [م: ۵۳۱، تخمیناً] ہے۔ بیت کے آخر میں دو ساکن سے پہلے جو متحرک ہو اس سے اخیر بیت تک قافیہ ہے۔ باعتبار حرکات قافیہ کی پانچ قسمیں ہیں: متکاوس، متراکب، متدارک، متواتر، مترادف۔ اور حروف قافیہ چھ ہیں: روی، وصل، خروج، رِدف، تاسیس، دخیل۔ حرکاتِ قافیہ بھی چھ ہیں: مجریٰ، نفاذ، حذو، رس، اشباع، توجیہ۔ اور باعتبار حروف قافیہ کی نو قسمیں ہیں، چھ قافیہ مطلقہ، تین مقیدہ۔ فاضل مصنف نے مختلف عربی اشعار کی روشنی میں ان سب کی تعریفیں تحریر کی ہیں پھر عیوبِ قافیہ سے بحث کی ہے اور عربی اشعار سے سمجھایا ہے کہ قافیہ میں سات عیوب در آتے ہیں: ایطاء،

تضمین، اقواء، اصراف، اکفاء، اجازہ، سناد۔

علم عروض و قافیہ پر استاذانہ مہارت کے ساتھ مرتب کی گئی یہ کتاب مولوی، عالم، فاضل ادب عربی فارسی بورڈ، الٰہ آباد [لکھنؤ] اور مدارس نظامیہ کے درجہ ثالثہ میں شامل نصاب ہے اور دروس البلاغہ کے اخیر میں چھپتی ہے۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور کے سابق رکن اور فیض العلوم محمد آباد کے سابق استاذ مولانا محمد نصر اللہ رضوی نے ان دونوں کتابوں کا اختصاص مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا ہے، بہتر ہوگا کہ قارئین انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

> ”اس مجموعہ کی خصوصیات: (۱) دروس البلاغہ کی اشاعت میں آیات واشعار پر اعراب کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ ضبط شواہد میں غلطی سے محفوظ رہ سکیں۔ (۲) معین العروض والقوافی میں فن کی تمام ضروری باتیں اختصار کے ساتھ سمیٹنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ (۳) حصہ عروض میں تمام اشعار کی تقطیع خطوط کے ذریعہ واضح کردی گئی ہے، اعراب کا بھی التزام ہے تاکہ فہم میں جلدی اور آسانی ہو۔ (۴) عربی اشعار کے عروض وقوافی میں ضروری مہارت حاصل کرنے کے لیے یہ کتاب ہر صاحب ذوق کے لیے کارآمد ہے۔ (۵) مذکورہ خوبیوں کے باعث بلاشبہ یہ کتاب فاضل ادب تک کے امیدواروں کے لیے معین ومفید ہے۔ (۶) پروف کی تصحیح بڑی محنت ومشقت سے سرانجام دی گئی ہے۔ (۷) مختلف تزئین وآرائش سے محض دیدہ زیبی ہی نہیں لائی گئی ہے بلکہ درس ومطالعہ اور حفظ واستفادہ کے لیے کافی سہولت بھی پیدا کردی گئی ہے۔“(۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے مدارس اسلامیہ کے طلبہ کی بڑی ضرورت کی تکمیل کی ہے، اس کتاب کے علاوہ مدارس میں اس فن کی اور کوئی کتاب داخل نصاب بھی نہیں ہے، یہی

---

(۱) معین العروض، ص: ۵۰

ہم نے بھی پڑھی ہے اور آج بھی ضرورت ہوتی ہے تو اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

فرائض وآداب متعلم ومعلم

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں طلبۂ جماعت ثامنہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے مولانا مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ کا رسالہ ''فضل العلم والعلماء'' شائع کرایا۔ یہی کتاب پیش لفظ اور مقدمہ کی تبدیلی کے ساتھ جدید کمپوزنگ کے بعد اسلامی اکیڈمی، مکتبہ غوثیہ، بجرڈیہہ [بنارس] سے ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں طبع ہوئی ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک اصلاحی وتربیتی مضمون ''طالبان علوم نبوت سے چند باتیں'' کے ساتھ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ کی ایک تحریر کا خلاصہ وترجمہ ''فرائض وآداب متعلم ومعلم'' شامل ہے۔ یہ دونوں تحریریں کتاب کے ص:۱۶ تا ص:۳۴ پر موجود ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی کے قلم نے ان دونوں تحریروں میں بھی اپنی علمی ہنرمندیوں کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے، ترجمہ بھی سلیس اور شگفتہ ہے اور تربیتی مضمون میں طالبان علوم نبویہ کے مزاج اور نفسیاتی آہنگ کا خاص خیال کیا ہے۔

پوری کتاب ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، تین صفحاتی مقدمہ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ [سابق صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ] نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کے بعد علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی وہ سوانح حیات شامل کتاب ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے ''جواہر البیان فی أسرار الارکان'' [از: علامہ نقی علی خاں] کے آغاز میں تحریر فرمائی تھی۔ صدر العلماء کا مضمون ''طالبان علوم نبویہ سے چند باتیں'' چشم کشا حقائق کا نگارخانہ ہے، مضمون پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ایک مشفق باپ مختلف زاویوں سے اپنے فرزند کو اس میدان کی نزاکتوں اور کامیابی کے امکانات کی تفہیم کرا رہا ہے۔ مضمون کی سطر سطر میں قرآن واحادیث اور افکار بزرگاں میں موجود پند وموعظت کے رموز کارفرما ہیں اور بین السطور میں اخلاص وشفقت کا جمال عکس ریز ہے۔

طلب علم کی راہ میں قدم رکھنے والا اگر حسنِ نیت نہ رکھتا ہو اور اس کی نیتوں میں استحکام

نہ ہو تو اس راہ کی مشکلوں اور مشقتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے اہداف پا سکتا ہے۔ یوں اس کی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اور اس کی زندگی رو بہ زوال ہوگی۔ اس دور الحاد و بے دینی میں مضبوط قوت ارادی اور توانا قلب وجگر کی ضرورت ہے۔ مضمون نگار نے عالم بننے کے جو معنی بتائے ہیں وہ بلفظہٖ ملاحظہ فرمائیں:

> "عالم دین بننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ہر گمراہی سے نبرد آزمائی کرنی ہوگی اور ہر آزادی و بے راہ روی کا پنجہ مروڑنا ہوگا۔ جس کے لیے بے پناہ قوت علم وعمل اور بے شمار اسلحوں سے آراستہ ہونا لازمی امر ہے۔ جس کا ذہن مغربی تمدن اور اس کی دل فریب رعنائیوں کی طرف مائل ہو اس سے اسلامی تمدن کا تحفظ کیوں کر ہوگا؟ خطرہ ہے کہ عالم بن کر وہ اپنے زیر اثر دوسرے مسلمانوں کو بھی اسلاف اسلام کی روش اور ان کی وضع سے ہٹا کر مغربی روش پر ڈال دے۔ یوں ہی جو شخص علم دین اور دین اسلام کی برتری کے یقین سے خالی ہوگا وہ اس میں گہرائی و گیرائی نہ پیدا کر سکے گا نہ ہی ان اسلحوں سے آراستہ ہو سکے گا جن سے وہ الحاد و ضلال کی کاٹ کر سکے۔" (۱)

مضمون نگار دینی علوم کے ساتھ عصری و مغربی علوم سے بہرہ ور ہونے کی وکالت کرتے ہیں لیکن شرطوں کے ساتھ۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ عالم مغرب سے مرعوب نہ ہو اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ اس سے تقابل ادیان وملل میں بھی مدد حاصل ہوگی اور دشمنان اسلام کے ہفوات کے خلاف دفاع کی تیاری بھی ہو سکے گی۔ یہ بات ہر ذہن قبول کرتا ہے کہ خاص نصاب درس میں ہر فن اور ہر بات کی تعلیم ہو جانی ممکن نہیں۔ پھر درس نظامی کا مقصود کیا ہے؟ مضمون نگار کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

> "درس نظامی کا مقصود یہ ہے کہ طالب علم میں عربی کتاب خود سے

(۱) ص: ۱۷

سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ نہ صرف سیرت وتاریخ اور حکایات وواقعات سمجھنے کی لیاقت بلکہ فلسفہ وکلام کی مشکل کتابیں سمجھنے کی بھی لیاقت پیدا ہو۔ اسی لیے درس نظامی میں ایسی کتابیں شامل کی گئی ہیں جو مشکل سے مشکل فن اور کتاب کے حل کا حوصلہ اور اس کی صلاحیت پیدا کرنے والی ہیں۔"

اتنی وضاحت کے بعد مضمون نگار نے طالب علم کے فرائض کی نشان دہی فرمائی ہے، پہلا فرض درسیات کی کما حقہ تکمیل، دوسرا فرض سیرت وتاریخ، مطالعۂ ادیان ومذاہب، تقابل ادیان، خصوصاً اثبات مذہب اہل سنت اور رد فرق باطلہ کا مطالعہ کر کے ان میں عبور حاصل کرنا، تیسرا فرض تعلیم وتدریس، تقریر ومناظرہ، تحریر وتصنیف، تدبیر وانتظام، ہر شعبۂ زندگی میں کچھ درک حاصل کرے تاکہ تعلیم سے فراغت کے بعد جب وہ عملی میدان میں قدم رکھے تو ان اُمور کی ادائیگی میں پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔

مضمون نگار نے طالب علم کو یہ نصیحت دی ہے کہ وہ اپنے اوقاتِ کار کو منضبط کر لے اور وقت کے ضیاع سے خود کو محفوظ رکھے، علم کے ساتھ حسن عمل اور اخلاقی کمال سے بھی آراستہ ہو، اپنا عالمانہ وقار باقی رکھے اور خوشنودی خدا اور رسول کا خیال ہمہ وقت مقدم رکھے۔

"فرائض وآداب متعلم ومعلم" خالصِ عارفانہ وعالمانہ مضمون ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب "احیاء العلوم" کے ایک باب "آداب المتعلم والمعلم" کا خلاصہ وترجمہ ہے۔ اس باب سے متعلق مترجم کا نظریہ یہ ہے کہ ان باتوں کو پڑھنا، ذہن نشین کرنا، بہ گوش دل سننا اور بہ خلوص قلب عمل میں لانا حال ومآل کی تابناکی کا ضامن ہوگا۔ مضمون دو جزؤوں میں منقسم ہے، جزو اول میں متعلم کے دس فرائض وآداب شمار کرائے ہیں اور جزو دوم میں معلم واستاذ کے آٹھ فرائض کا ذکر ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن پر توجہ دینا اور ان پر عمل کرنا طالب علم کے لیے بھی ضروری ہے اور استاذ کے لیے بھی انھیں اپنانا لازم ہے تبھی یہ رشتۂ تعلیم وتعلم پختہ کار اور نتیجہ خیز ہوگا۔

تعلیمی وتدریسی امور سے متعلق مضمون نگار نے اس کے بعد اس موضوع پر درجن بھر مضامین تحریر کیے جن میں آداب وفرائض کے ساتھ نصاب سازی اور شامل درس کتب میں ترمیم وتبدیل کا نظریہ واضح فرمایا ہے۔ یہ تمام مضامین ''رہنماے علم وعمل'' [مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، گوہنہ، مئو، ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۵ء] میں شامل ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدر العلماء ایک بلند پایہ ماہر تعلیم اور اعلیٰ درجہ منتظم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نگرانی میں تنظیم المدارس قائم ہوئی اور درس نظامی کا جدید نصاب مرتب ہوا۔

امام احمد رضا اور تصوف

یہ تحقیقی مقالہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ اس کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ ضیاے حرم، لاہور کے ''اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر'' [۱۴۰۳ھ] میں سید اعجاز احمد مدنی، پروفیسر برہانی کالج، بمبئی کا مضمون ''امام احمد رضا اور تصوف'' فاضل مصنف کی نگاہ سے گزرا جس میں انھوں نے امام احمد رضا قادری قدس سرہ جیسے عظیم صوفی پر علما و محققین کی تعارفی نگارشات نہ ہونے کا شکوہ کیا تھا اور یہ سمجھا کہ امام احمد رضا کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ چوں کہ صرف درس گاہی اور ظاہری عالم تھے اس لیے تصوف پر کچھ نہ لکھ سکے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں بھی موضوع کا حق ادا نہ کیا اور صرف چند شواہد پر قصہ تمام کر دیا۔ اسی دوران علامہ محمد احمد مصباحی کو بھیونڈی، مہاراشٹر سے ''امام احمد رضا سمپوزیم'' [منعقدہ: ۹ر جنوری ۱۹۸۴ء] میں شرکت اور مقالہ پڑھنے کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ آپ نے متذکرہ موضوع پر فل سکیپ سائز کے قریباً تیس صفحات پر مقالہ تحریر کیا جو امام احمد رضا کمپوزیم میں پیش ہوا۔ قریب چار سال بعد اس مقالے پر نظر ثانی فرمائی اور کچھ ترمیم و اضافہ کیا تو مقالہ فل اسکیپ سائز کے ستر صفحات تک پہنچ گیا، یہی مقالہ کتابی صورت میں ''امام احمد رضا اور تصوف'' کے نام سے المجمع الاسلامی، مبارک پور سے شائع ہوا۔ اس وقت اس کا پانچواں ایڈیشن راقم کے روبرو ہے جو جدید کمپیوٹر کتابت میں ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء میں

طبع ہوا ہے اور کل صفحات ۱۲۸ رہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے: (۱) تصوف اعتقادی (۲) تصوف عملی (۳) تصوف علمی اور تعلیماتِ تصوف۔

ان تینوں ابواب پر گفتگو سے قبل مصنف نے نو [۹] صفحات میں تصوف کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے، ساتھ ہی امام احمد رضا کے تصوف پر مختصراً تبصرہ اور تینوں ابواب کا خاکہ ذکر کیا ہے۔ تصوف اعتقادی میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ امام احمد رضا اعتقادیات میں عرفائے کاملین اور صوفیہ واصلین ہی کے مسلک پر کار بند رہے اور امام احمد رضا کے اعتقادیات میں وہی سرشاری اور وہی اذعان نظر آتا ہے جو خاص عرفا اور اہل دل کا حصہ ہے۔ تصوف عملی سے مراد صوفیہ کے قلبی اعمال اور ان کا ورع وتقویٰ ہے۔ اور تصوف علمی کے ذیل میں فن تصوف کے وہ حقائق ومعارف بیان ہوئے ہیں جن کا ذکر امام احمد رضا قادری نے اپنے گراں قدر تحقیقی فتاویٰ اور رسائل وملفوظات میں کیا ہے۔

یہیں مصنف نے اختصار کے ساتھ اقسامِ عقائد کا ذکر فرمایا ہے جو انتہائی بیش قیمت بھی ہے اور عالمانہ ومحققانہ بھی۔ بحث میں ندرت بھی ہے اور فکر انگیزی بھی۔ بحث کا وہ حصہ مجبور کر رہا ہے کہ اسے یہاں درج کر دیا جائے، رقم طراز ہیں:

> "باب عقائد پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تمام عقائد ایسے قطعی اور یقینی نہیں ہوتے جن کو اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو اسلام سے خارج ہو جائے۔ بلکہ اس حیثیت کے حامل صرف وہی عقائد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہوں اور ان پر اجماع مسلمین قائم ہو۔
> جس طرح بہت سے اعمال وعبادات دین وشریعت میں داخل ہیں لیکن ان سب کی حیثیت یکساں نہیں اور سب کی بجا آوری لازم وضروری نہیں بلکہ ان اعمال کے درجات ومراتب ہیں اور وہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، یا اساءت وغیرہ قسموں میں منقسم ہیں۔ ان کے

دلائل اور احکام دونوں میں تفاوت ہے جن کی بجا آوری یا ترک کا وجوب قطعی دلیلوں سے ثابت ہو وہ علی الترتیب فرض، یا حرام قطعی قرار دیے گئے اور جو کم درجہ کی دلیلوں سے ثابت ہوئے ان کا حکم کم درجے کا ہوا۔

اسی طرح عقائد کا بھی معاملہ ہے، بعض ایسی قطعی یقینی اجماعی دلیلوں سے ثابت ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی منکر اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کا کذب اور عیب سے پاک ہونا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، ان کا آخری نبی ہونا، توہین رسول کا منافیِ ایمان ہونا، ہر نبی کا بہ عطائے الٰہی غیب پر مطلع ہونا۔ اور بعض عقائد احادیثِ مشہورہ یا قابل تاویل آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہوئے ان کے لیے ویسی قطعی یقینی دلیلیں فراہم نہ ہو سکیں تو ان کا منکر مبتدع، بددین، گمراہ قرار پاتا ہے۔ اور بعض ان سے بھی کم درجے کی دلیلوں سے ثابت ہوئے ان کا منکر گمراہ بھی نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق فی الاعتقاد قرار پاتا ہے۔ اور کچھ ان سے بھی کم درجے کے ہو سکتے ہیں جن کے منکر پر فسق فی الاعتقاد کا بھی حکم نافذ نہ ہو۔

ان اقسامِ عقائد کی مثالیں اور ان کی تفصیلات یہاں بیان کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، ان کا اصل میدان علمِ کلام اور کتبِ عقائد ہیں۔" [1]

فاضل مصنف نے اس تفصیل کے بعد صوفیہ کرام کے عقائد سے متعلق آزاد ذہنوں میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا فکر انگیز لہجے میں ازالہ فرمایا ہے کہ صوفیہ کرام اُن تمام عقائد کے معتقد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہیں، کسی بھی مسئلے میں اور کسی بھی جگہ وہ ان سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو اہل سنت کے مسلمہ عقائد ہیں انھیں بھی وہ مانتے ہیں لیکن عقائد کی بعض فروع میں کشف وشہود کے نتیجے میں ان پر بہت سی ایسی باتیں

(1) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۳، ۱۴

عیاں ہوتی ہیں جن تک عام عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی اور وہ متفقہ عقائد کے خلاف بھی نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں پختگی اور تقویت کا سامان ہوتی ہیں، ان باتوں کو وہ مانتے ہیں اور انھیں اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔'' (۱)

پوری بحث پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے صوفیہ کے اعمال واشغال کے ساتھ ان کے معتقدات کا بہت گہرا جائزہ لیا ہے جس کا خلاصہ مختصر لفظوں میں اس جگہ پیش کیا ہے تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں۔

امام احمد رضا قادری نے ۱۲۹۴ھ میں محب رسول مولانا شاہ عبدالقادری بدایونی علیہ الرحمہ کے ایما پر اپنے والد ماجد مفتی نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ کے ہمراہ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ [مارہرہ مطہرہ] خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شرف بیعت وارادت حاصل کیا اور بلا ریاضت ومجاہدہ، بیعت کے ساتھ ہی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ یہ اس بارگاہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔ اس لیے حضرت خاتم الاکابر کے پوتے اور خلیفہ باکمال سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے، ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا:

> ''اور لوگ میلا کچیلا، زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مصفیٰ ومزکیٰ قلب لے کر آئے، انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگیا۔''

مزید فرمایا:

> ''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے

---

(۱) ص: ۱۴

کہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اس وقت میں ''احمد رضا'' کا پیش کردوں گا۔'' (۱)

کتاب کے تینوں ابواب کو ذیلی عناوین سے سجایا گیا ہے، مثلاً باب اول تصوف اعتقادی میں مسئلہ وحدۃ الوجود، صفات باری، کلام الٰہی، مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، علم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، اختیار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فکر انگیز اور علمی وتحقیقی مواد رکھا گیا ہے اور یہ سارا مواد امام احمد رضا قادری کی نثری کتب ورسائل اور اشعار سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس باب کے آخری عنوان ''تعظیم رسول'' کے آخری پیرگراف میں فاضل محقق رقم طراز ہیں:

> ''امام احمد رضا کی بے تابی دل ہمیں ان کے مقام عشق کا پتا دیتی ہے اور ان کے جذبۂ تعظیم کی عظمت سے آگاہ کرتی ہے۔ عرفان وتصوف میں مرتبۂ کمال کے بغیر حبیب رب العالمین سے اس درجہ تعلق خاطر ممکن نہیں۔'' (۲)

باب دوم تصوف عملی کے ذیلی عنوانات میں عشق رسول، غیرت عشق، تعظیم سادات، مجاہدہ، ایمان ویقین، تقویٰ، تقویٰ کا اجمالی منظر، تواضع اور محاسبۂ نفس، اخلاص اور حسن نیت، تجدید واصلاح، بارگاہ قادریت اور کرامات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ تمام امور امام احمد رضا قادری کی عملی زندگی کا طرۂ امتیاز ہیں اور یہی ان کی زندگی کی کل جمع پونجی ہے جس پر انھیں ناز بھی ہے اور حوصلہ وامید بھی۔ فاضل محقق نے حقیقی شواہد کے اجالے میں امام احمد رضا کی مختلف النوع علمی زندگی میں یہ حقائق پیش کیے ہیں اور انداز بیان اتنا دل پذیر ہے کہ بحث چھڑ جانے کے بعد چھوڑنے کا دل نہیں کرتا۔ باب سوم تصوف علمی میں امام احمد رضا قادری کی تعلیماتِ تصوف کو آشکار کیا گیا ہے جس کے عناوین یہ ہیں:

فن تصوف میں تصانیف، وحدت وجود وشہود ومعبود، تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ، افعال نماز

---

(۱) امام احمد رضا اور تصوف، ص: ۱۰، ۱۱

(۲) ص: ۳۳

کے اسرار و حکم، اداے نماز کی باطنی کیفیت اور دفع وسوسہ، بغیر پیر کے فلاح نہیں؟، فلاح کی قسمیں اور اس کی مزید تفصیلات کا بیان انتہائی شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اخیر میں اس موضوع پر اکابر کی شہادتیں بھی درج کی گئی ہیں، کیوں کہ کسی بھی شخصیت کو اس کے معاصرین زیادہ پہچان سکتے ہیں۔ صدر العلماء لکھتے ہیں:

> ''امام احمد رضا قدس سرہ نے سفر حج میں اکابر علماے حرمین سے ملاقاتیں کیں، ان کے ساتھ علمی مجلسیں بھی رہتیں، انھوں نے امام ممدوح کی باتیں بھی سنیں، زبانی بحثیں بھی دیکھیں، رشحاتِ قلم بھی ملاحظہ فرمائے، کردار وعمل، افکار وخیالات کا بھی جائزہ لیا۔ ان سب کے بعد امام احمد رضا کی مدح میں انھوں نے جو ارشادات تحریر کیے، انصاف کی آنکھیں روشن کرنے کے لیے کافی ہیں۔''(۱)

''امام احمد رضا اور تصوف'' میں پہلی بار اتنے مفصل اور منضبط انداز میں امام احمد رضا قادری کے افکارِ تصوف اور ان کی متصوفانہ زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ایسے حقائق روشن ہوئے ہیں جو اس موضوع کا خاص حصہ بن سکتے ہیں۔ کتابیات میں ۷۶ رکتابوں کی تفصیل دی گئی ہے جس میں ۳۷ رتصانیفِ امام احمد رضا قادری ہیں۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف نے مواد کی تلاش وتحقیق، پھر ان کے تجزیے اور محاکے میں کس قدر توانائیاں صرف کی ہیں اور علم وعرفان کا یہ مرقع تشکیل پایا ہے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد [سابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی] ایک مکتوب [محررہ: ۱۸ر جولائی ۱۹۹۴ء] میں رقم طراز ہیں:

> ''آپ کی کتاب ''امام احمد رضا اور تصوف'' ایک نشست میں پڑھ ڈالی۔ آپ نے بہت اہم موضوع پر بہت پُر معلومات رسالہ لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت مختلف جہات رکھتی ہے، ضرورت ہے کہ ان

---

(۱) ص: ۱۲۱

کی زندگی اور کارناموں پر مختلف حضرات مختلف پہلوؤں پر لکھیں۔“

مولانا مبارک حسین مصباحی [مدیر: ماہ نامہ اشرفیہ] نے زیر نظر کتاب کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا ہے:

”امام احمد رضا اور تصوف“ کے عنوان پر علامہ موصوف کی یہ تصنیف حیاتِ رضا کا ایک شفاف آئینہ ہے، جس میں امام موصوف کے کردار وعمل اور زہد وتقویٰ کا عکس جمیل ابھر آیا ہے۔ جس کے جلوۂ زیبا میں اربابِ قلب ونظر کا بھرپور سامان ہے۔ رضویات پر مصنف کے مطالعہ کا عالم اتنا وسیع ہے کہ ہر دعویٰ کو امام موصوف ہی کے فکر وعمل اور تصنیف سے آراستہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان صوفیانہ افعال واقوال کی محققانہ توضیح وتشریح بھی کی ہے اور قدم قدم پر عشق ووارفتگی سے سرشار اشعار کی پیش کش نے اس کے حسن کو اور بھی دوبالا کر دیا ہے۔

زبان وبیان کی سلاست وروانی، لب ولہجہ کی شگفتگی اور انداز نگارش کی پختگی نے تو اس مجموعہ کو اتنا کیف آور اور حیرت انگیز بنا دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کا زہد وتقویٰ اور فکر وعمل الفاظ کے پیکر میں سمٹ آیا ہے۔“(۱)

اس کتاب کی روشنی میں فاضل محقق ومصنف کے افکارِ تصوف اور صوفیانہ زندگی کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ حضرت خود صاحب دل ہیں اور صاحب حال بھی۔ علمی اور عملی تصوف ان کی حیات وافکار کا نمایاں وصف ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس جیسی کتاب لکھی ہی نہیں جا سکتی اور امام احمد رضا قادری کی حیات کی یہ جہت اتنی واضح نہیں ہوتی جتنی اس کتاب میں مجلا ہوئی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بھرپور ہے اور ہند وپاک سے آج تک اس کی طباعت واشاعت ہو رہی ہے۔

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء، ص: ۴۳

شادی اور آدابِ زندگی

یہ رسالہ اگست ۱۹۹۱ء میں طبع ہوا تھا، اس کے کل صفحات ۳۲ ر تھے، بعد میں مولانا بدر القادری مصباحی کا ایک مقالہ ''آدابِ زندگی'' شامل کر کے الگ کتاب کی شکل دی گئی اور پورا نام ''شادی اور آدابِ زندگی'' رکھا گیا۔ طبع اول کے پیش لفظ میں مولانا ایاز احمد مصباحی نے اس کتاب کا جو تعارف تحریر کیا ہے وہ ہدیہ قارئین ہے:

> ''زیر نظر کتاب ''شادی اور آداب'' [جو دو مقالوں کا مجموعہ ہے] اس موضوع پر انتہائی مفید اور کارآمد کتاب ہے، جس میں نکاح کی اہمیت و افادیت، انتخاب رشتہ کے معیار، زوجین کے درمیان مودت و رفاقت کے استحکام، حسن معاشرت اور تربیت اولاد وغیرہ کے اسباب و احکام اور ان امور کی صحیح راہِ عمل پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور رشتۂ ازدواج اور معاشرہ میں پیدا ہونے والی بہت سی خرافات اور گندی رسموں کا بھی تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، نیز قرآن و حدیث کے شواہد سے اس مقدس رشتہ کی صحیح اسلامی تصویر پیش کی گئی ہے۔'' (۱)

اس کتاب کے تمہیدی جملے ادبِ عالی کا بیش قیمت نمونہ معلوم ہوتے ہیں جن میں کائنات کی رنگا رنگی، بوقلمونی اور مربوط و مسلسل نظام محکم کی بے کرانی کی ایسی دلکش منظر کشی کی گئی ہے کہ پڑھتے ہوئے بے ساختہ زبان سے واہ واہ نکل جاتی ہے۔ یہ ایسا نثری بیانیہ ہے جو اردو زبان کے اساطین کی یاد دلاتا ہے اور مضمون نگار کے قلم کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے بعد وسعتِ ازدواج، منافع ازدواج، رہبانیت، تعدد ازدواج، اسلام کا نظریہ، عورت کی آزادی، طلاق کی مشروعیت، شوہر کی صدارت و حاکمیت، انتخاب، دین داری کی اہمیت، تلخیاں، ذمہ داریاں اور جہیز جیسے اہم عناوین پر فکر انگیز بحثیں موجود ہیں۔ ہر

(۱) حرف اول، شادی اور آداب زندگی، المجمع المصباحی، مبارک پور، ۱۹۹۱ء، ص: ۳، ۴

سلے کی زمینی حقیقت، باریک بینی سے اس کا تجزیہ، اسباب کی نفسیاتی گرہیں، تشخیص امراض اور موثر علاج اور اسلامی نقطۂ نظر انتہائی ماہرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ تنقیدی محاکمہ بھی نگاہیں کھول دیتا ہے اور چشم بصیرت انھیں صاف دیکھتی رہتی ہے۔ وسعتِ ازدواج کی مختصر بحث میں انھوں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کا آخری پیراگراف پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:

"نوعِ انسانی جو حسن ازل کا نادر انتخاب ہے جسے کسی اور کی زندگی کے لیے نہیں، خاص اپنی بندگی، اپنی پرستش اور اپنے فیضان عشق کے لیے ملأ اعلیٰ میں اعلانِ عام کے بعد پیدا کیا ہے۔ جو ڈارون کے فلسفۂ ارتقا کے تحت حیوانات کی ترقی یافتہ شکل نہیں، بلکہ خاص مستقل طور پر قلمِ قدرت کا نقش جمیل ہے۔ اس کی بقا کے لیے بھی ازدواج وتناسل کا عمل پیہم خود خالقِ فطرت کے نظم مسلسل کے تحت جاری ہے۔"

منافع ازدواج کی بحث میں مصنف نے دنیا کے نام نہاد دانش وروں اور سائنسی ترقی کی دوڑ میں سب سے آگے جانے کا دعویٰ کرنے والی مغربی طاقتوں کو آئینہ دکھایا ہے اور ان کے بے بنیاد نظریہ کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے، ان کے جملے ہیں:

"وہ انسانیت اور شرف آدمیت کے دشمن ہیں جو خلافت الٰہیہ اور امانتِ ربانیہ کی حیثیت سے ناآشنا بن کر انسان کو پست حیوانات کی صف میں اُتارنا چاہتے ہیں اور جنسی تسکین کے لیے مرد وزن کو کھلی آزادی دے کر ان کے جسم وروح دونوں کی تباہی کا پورا سامان کرتے ہیں۔ میں نے پست حیوانات اس لیے کہا ہے کہ حیوانات میں بھی جن کو قدرت نے پاکیزہ فطرت کا حامل اور انسانی کمال سے قریب بنایا ہے وہ اختلاطِ جنسی میں آزاد نہیں۔ کتیا کا تعلق دس کتوں سے ہو سکتا ہے، لیکن کبوتری ایک ہی کبوتر کے ساتھ اپنی فطری زندگی بسر کرتی ہے اور اولاد کے تحفظ اور تربیت

میں دونوں ہی شریک ہوتے ہیں۔"(۱)

نکاح شرعی کے سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"رشتۂ ازدواج اور پابندی نکاح قدرت کا وہ عطیہ ہے جو بقاے نوع کے ساتھ تربیتِ نسل اور کمالاتِ انسانی کے فروغ کا ضامن ہے۔ اور یہ پابندی صرف چودہ سو سال سے نہیں بلکہ پہلے انسانی جوڑے سے ہی ایک مربوط حکیمانہ نظم کے ساتھ عائد ونافذ رہی ہے۔ جس پر شرف انسانی سے بہرہ ور فطرتیں اور خدا کی مقبول شخصیتیں ہمیشہ کاربند رہی ہیں۔ انسانی تمرد اور شیطانی غلامی کی بات الگ ہے۔" (۲)

اسلام میں رہبانیت کی کوئی جگہ نہیں، قدرت کی جانب سے انسان کو شہوانی قوت بھی دی گئی ہے، اگر اس کی تکمیل کا جائز انتظام نہ کیا گیا اور انھیں تجرد کی دعوت دی گئی تو یہ قطعی غیر دانش مندانہ اقدام ہوگا۔ لیکن اگر کوئی جائز راہ تلاش کی گئی اور دستور کی روشنی میں انھیں شہوانی قوت کے استعمال کا پابند کیا گیا تو یہ طریقہ نفع بخش بھی ہوگا اور بقاے نوع انسانی کے لیے سودمند بھی ہوگا۔ اس لیے لامحدود آزادی بھی غلط ہے اور تجرد کی دعوت بھی ناروا ہے۔ اس موضوع پر بھی مصنف نے چند سطری حقائق پیش کیے ہیں، پھر تعدد ازدواج کا مسئلہ چھیڑا ہے۔ یہ مسئلہ اسلام دشمن طاقتوں اور مستشرقین یورپ کے لیے کافی بحث وتمحیص کا موضوع ہے۔ یہی حال طلاق کا بھی ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں چیزیں انسانی ضرورت بھی ہیں اور ان کی مشروعیت نے بہت سے سماجی مسائل کا تصفیہ بھی کیا ہے۔ مصنف نے تعدد ازدواج پر چند ہی جملے تحریر کیے ہیں لیکن اس اختصار میں جو جامعیت ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ چند جملوں کا تیکھا تیور ملاحظہ فرمائیں:

"افسوس کہ اسلام کے حاسدین نسوانی شرافتوں کو ہزاروں ہوس

---

(۱) ص:۶

(۲) ص:۶

ناک نگاہوں اور سیکڑوں آوارہ انسانوں کے جذبات کا کھلونا بنانا تو پسند کرتے ہیں لیکن ایک مرد کے احاطۂ عفت میں چار عورتوں کی عصمت کا تحفظ گوارا نہیں کر سکتے۔ وہ بھی جب کہ مرد قوت، عدل وانصاف اور حسنِ نظم کا حامل ہو اور عورت اپنی عصمت کو نیلام کرنے کے بجائے حریم عفت میں ثابت قدم رہنا ہی پسند کرتی ہو۔''(۱)

ان چشم کشا حقائق کے بعد نکاح کے بارے میں اسلام کا نظریہ، عورت کی آزادی، طلاق کی مشروعیت، شوہر کی صدارت وحاکمیت، انتخاب زن وشوہر میں دین داری کی اہمیت پر حقیقت افروز باتیں تحریر فرمائی ہیں۔ حسنِ انتخاب کے بعد انھوں نے ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے جو اچھے رفیق سفر کو بھی خاردار راہوں پر سفر کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک شادی شدہ زندگی متعدد افکار وآلام کا شکار ہو جاتی ہے اور سکون کے لمحات غائب ہو جاتے ہیں۔ انھیں مصنف نے ''تلخیاں'' کے عنوان سے پیش کیا ہے اور ترتیب وار عمومی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے سات طرح کی الجھنوں کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی ان کا علاج بھی بتایا ہے۔ اسی ذیل میں مرد وزن کی اجتماعی وانفرادی ذمہ داریوں کی نشان دہی کی ہے جو انتہائی اہم ہیں اور اگر ان کا لحاظ کیا گیا تو شادی شدہ زندگی پر بہار بھی نظر آئے گی اور مثالی بھی ثابت ہوگی۔

''نکاح'' ایک آسان راہ تھی، لیکن انسانی سماج کی غلط رسموں نے اس راہ کا سفر اتنا مشکل اور ڈراونا بنا دیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس کی وجہ جبری جہیز کی بھیانک اور کریہہ شکل ہے جس نے انسانی سماج کو اتنا ڈرا دیا ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہوتے ہی ایک باپ سہم جاتا ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ جہیز کے مسئلے پر بھی گفتگو کی جائے اور سماج کو اس لعنت سے چھٹکارا دلایا جائے۔ مصنف نے اولاً چند سوالات قائم کیے پھر ان کے واضح جوابات دیے ہیں۔ جہیز کی وجہ سے عورتوں کو ستانے، انھیں ہراساں کرنے، گھر سے باہر نکال دینے اور موت کے گھاٹ اتار دینے کی وجہیں کیا ہیں؟ اس سلسلے میں مصنف کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ص:۸

''جواباً مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حریصانہ طبیعت حبِّ دنیا کی پیداوار ہے اور ظالمانہ جرأت دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ بلکہ جارحانہ حد تک حبِّ دنیا بھی دین سے دوری اور اس کے اصول ومقاصد سے بے تعلقی ہی کا شاخسانہ ہے۔ اس لیے جو یہ جانتا ہو کہ دین اسلام اور ہر معتدل قانون اسی کی اجازت دے سکتا ہے کہ آدمی اپنی کوشش ومحنت سے جتنا چاہے کمائے، مگر دوسرے کے مال کی طمع اور اسے اپنا مال بنانے کی حرص یقیناً مذموم اور گھٹیا طبیعت ہی کی پیداوار ہے۔ جو ایسی طبیعت سے پاک ہو وہ کبھی بھی بیوی کے مال ودولت کا حریص نہیں ہو سکتا۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے تو جہیز کا سارا سامان جو بیوی شوہر کے گھر لائے تمام تر بیوی ہی کی ملک ہے۔ اس پر زکات اگر فرض ہو تو اس کی ادائیگی بیوی ہی کی ذمہ داری ہے۔ اور اس کا استعمال کوئی دوسرا اگر کرنا بھی چاہے تو یہ بھی بیوی کی رضامندی اور اجازت ہی پر منحصر ہے۔

لیکن اس کے برخلاف جن خاندانوں اور جوانوں میں یہ عقیدہ جڑ پکڑ چکا ہو کہ دلہن کا سارا مال ہماری ملک ہے اور ہم اسے جیسے چاہیں استعمال کریں، ان لوگوں کی دین اور اس کے مسائل ومقاصد سے دوری بالکل روشن وعیاں ہے۔''(۱)

مصنف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ معاشرہ میں اسلامی روح پیدا کی جائے، اسلامی احکام کی اہمیت وعظمت دلوں میں اتاری جائے اور متاعِ دنیا کی حرص سے انھیں بچایا جائے تبھی جبری جہیز کے خلاف میدان جیت سکتے ہیں اور اس لعنت سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو تجاویز پیش کی ہیں انھیں بروئے کار لایا جائے تو جہیز کے افراط وغلو کی لعنت اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کا سدِّ باب ہو سکتا ہے اور انسانی سماج

---

(۱) ص: ۲۴

خوش گوار راہوں کا مسافر بن سکتا ہے۔

فاضل مصنف نے اس مختصر سی کتاب میں جو حکیمانہ اور ناصحانہ انداز تحریر اختیار کیا ہے اور جس تیکھے اور نشتر بھرے جملوں میں اپنی باتیں رکھی ہیں وہ انھی کا اختصاص ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسی کارآمد اور مفید تحریر دنیا کی مختلف زبانوں میں لائی جائیں اور سماج کے ہر طبقے میں اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ اس سے اس کی افادیت بھی عام ہوگی اور اسلام کی عظمت بھی فزوں تر ہوگی۔

امام احمد رضا کی فقہی بصیرت

اس موضوع کی تحقیق اور زیر نظر کتاب کی تالیف وطباعت کا پس منظر باب سوم میں واضح کیا جا چکا ہے۔ علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین حسنی شامی [۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء۔ ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء] نے درمختار [از: علامہ علاؤالدین علی بن محمد حصکفی] پر ''ردالمحتار علی الدرالمختار'' کے نام سے ایک جلیل الشان علمی وفقہی حاشیہ رقم فرمایا جو ''فتاویٰ شامی'' کے نام مشہور آفاق ہوا۔ فقہا ومحققین کے یہاں اس حاشیہ کی علمی حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

> ''فقہ حنفی میں ''ردالمحتار'' کی حیثیت خاتم التصانیف کی ہے۔ ائمۂ مجتہدین کے عہد مبارک سے لے کر بارہویں صدی تک فقہ حنفی پر مختصر، مطول جتنی کتابیں لکھی گئیں، ردالمحتار ان سب کا عطر تحقیق ہے۔ ردالمحتار کے مصنف اپنے عہد میں یگانۂ عصر تھے، کثرت مطالعہ، قوت حفظ، ذکاوت، فطانت، دقیقہ بینی، نکتہ فہمی، استحضار، قوت اخذ واستنباط میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ سیکڑوں کتب فقہ کے مطالعے اور ان کی سطر سطر ذہن میں رکھ کر مکمل بیدار مغزی، تیقظ اور حضور ذہن کے ساتھ انھوں نے ردالمحتار کو ایسا کامل واکمل اور آراستہ

وپیراستہ کر دیا ہے کہ اس میں نہ تو موافق کو اضافے کی گنجائش نظر آتی ہے، نہ مخالف کو مجالِ دم زدن۔''(۱)

یہ تحریر ایسے عالم ومحقق کی ہے جو اپنے وقت کا مرجع علما اور فقیہ اعظم تھا، فتویٰ نویسی اور فقہی تحقیقات میں بے مثال تھا، جس نے تقریباً نوے ہزار فتاویٰ اور درجنوں علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف کیں، صحیح بخاری کی عالمانہ ومحققانہ شرح نو جلدوں میں ''نزہۃ القاری'' کے نام سے تحریر فرمائی۔ ہند وپاک کے مقتدر علما ومشائخ نے شرح بخاری کی تحسین کی اور شارح بخاری کو خراج عقیدت پیش کیا۔ مندرجہ بالا تاثر یہ بتاتا ہے کہ انھوں نے ردالمحتار کا انتہائی گہری نظر اور حاضر دماغی سے مطالعہ کیا ہے اور اس کی فقہی وعلمی حیثیت کو خوب جانچا پرکھا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے دوران مطالعہ جن کتب پر برجستہ حواشی تحریر فرمائے ان میں ردالمحتار بھی ہے جس کا پورا نام ''جد الممتار علیٰ ردالمحتار'' ہے۔ امام احمد رضا قادری تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی کے ساتھ حاشیہ نگاری میں بھی سبقت لے گئے۔ پروفیسر مسعود احمد نقش بندی کی تحقیق کے مطابق انھوں نے حاشیہ نگاری کا آغاز طالب علمی کے زمانے [قبل ۱۲۸۶ھ] سے کیا، جو آخر دم تک [۱۳۴۰ھ] جاری رہا۔ امام احمد رضا نے علمائے حرمین شریفین کو جو سندِ اجازت جاری کی ہے اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے اب تک جاری ہے، کیوں کہ اس وقت میرا یہ دستور رہا کہ جب کوئی کتاب پڑھی، اگر وہ میری ملک میں ہے تو اس پر حواشی لکھ دیے، اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو اعتراض لکھ دیا، اگر مضمون پیچیدہ ہے تو اس کی پیچیدگی دور کر دی۔ ☆حنفی اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت پر ☆صحیح البخاری کے نصف اول پر ☆صحیح مسلم اور جامع ترمذی پر ☆شرح رسالۂ قطبیہ پر ☆حاشیہ امور عامہ پر ☆اور شمس بازغہ پر۔ اکثر حواشی اس وقت لکھے

(۱) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۷

جب کہ طالب علمی کے زمانے میں اپنے سبق کے لیے مطالعہ کرتا تھا۔

علاوہ ازیں ☆ تیسیر شرح جامع صغیر پر ☆ شرح چغمینی اور تصریح پر ☆ اقلیدس کے تین مقالوں اور الزیج الاجد پر ☆ اور علامہ شامی کی ردالمحتار پر بھی حواشی لکھے۔ ان سب میں پچھلی یعنی ردالمحتار کے حواشی سب سے زیادہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر انھیں کتاب سے الگ کر دیا جائے تو دو جلدوں سے بڑھ جائیں گے۔ حالاں کہ ان پر اپنی دوسری کتابوں، اپنے فتاویٰ اور اپنی تحریرات کا حوالہ دے کر اشارات بھی کیے ہیں۔“(۱)

ان حقائق سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جب شامی اتنی جامع اور اعلیٰ کتاب ہے اور خود درمختار کا حاشیہ ہے تو اس پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت تھی یا نہیں؟ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے یہ سوال قائم کر کے اس کا جو جواب رقم فرمایا ہے انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

”اس کا جواب ہم سے نہیں، جدالممتار کا مطالعہ کر کے خود اپنے ضمیر سے لیجیے۔ ردالمحتار کی جامعیت وکاملیت اپنی جگہ مسلم مگر بہ مصداق ”فوق کل ذی علم علیم“ جدالممتار نے دنیا کو دکھا دیا کہ علم ایسا بحر ہے جس کا ساحل نہیں۔“(۲)

فاضل محقق صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی لکھتے ہیں:

”علامہ شامی کی ردالمحتار میں بہت سے ایسے مقامات حل طلب اور تشنۂ تحقیق تھے جنھیں امام احمد رضا نے اپنی وسعت نظر، جودت فکر، کمال فقاہت اور حسن تدقیق سے حل کر کے طالبان فقہ کو روشنی دی اور بہت سی غلطیوں سے بچا لیا۔ بے شمار مشکل مسائل کی گرہیں کھولیں

---

(۱) الاجازات المتینہ لعلماء بکہ والمدینہ، مرتبہ: مولانا حامد رضا قادری، طبع بریلی، ص: ۱۹، ۲۰

(۲) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۷

اور فقہ میں کثیر جزئیات کا تحقیقی اضافہ کیا۔ اسے دیکھنے کے بعد جا بجا مجھے محسوس ہوا کہ اگر ”جد الممتار“ نہ ہوتی تو صرف ”ردالمحتار“ سے بہت سے مسائل صحیح سمجھ میں نہ آتے اور نہ جانے کتنی جگہ غلط فہمی اور بعض جگہ غلطیوں میں مبتلا رہتا۔“(۱)

جد الممتار کی شان یہ ہے کہ حافظ کتب الحرم شیخ اسماعیل بن خلیل مکی اس کے منتظر نظر آ رہے ہیں۔ وہ امام احمد رضا قادری کے اپنے ایک مکتوب [محررہ: ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ] میں تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت کو معلوم ہے کہ میں ان تحریرات کا محتاج ہوں جو آپ نے حاشیہ ابن عابدین پر افادہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو محسنین میں شامل فرمائے۔“

پروفیسر مسعود احمد نقش بندی رقم طراز ہیں:

”امام احمد رضا نے ردالمحتار کا حاشیہ جد الممتار تحریر فرمایا جو اپنی مثال آپ ہے۔ بظاہر یہ حاشیہ ہے لیکن حقیقت میں متن، شرح اور حاشیہ کا مجموعہ ہے، اس سے نہ صرف حدیث و فقہ بلکہ بکثرت علوم و فنون میں امام احمد رضا کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔“(۲)

”جد الممتار“ کی حیثیت بھی گنج گراں مایہ سے کم نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ اس کی تحقیق کی جائے پھر تدوین و تعارف کے بعد اس کی طباعت و اشاعت ہو۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے اپنی ذاتی کتاب پر یہ حاشیہ قلم بند کیا تھا جس کی ایک نقل مفتی عبد الرحیم بستوی کے پاس محفوظ تھی، ان سے رابطہ کر کے جد الممتار جلد اول و ثانی کی نقلیں تیار ہوئیں، اس کے لیے بزرگ قلم کار و مصنف مولانا عبد المبین نعمانی قادری، حضرت صدر العلماء کے شریک کار رہے، پھر ان دونوں جلدوں کا اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے نسخے سے باضابطہ مقابلہ کیا، جلد اول کے مقابلے میں مولانا عبد المبین نعمانی اور جلد ثانی کے مقابلے میں مولانا

(۱) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، ص: ۳۲، ۳۳

(۲) تقدیم، ص: ۲۱

نصر اللہ رضوی بھیروی نے معاونت کی۔

نقل سے نقل پھر اصل سے مقابلہ ایک جاں گسل اور انتہائی دقت طلب کام ہے لیکن جس کے دل میں جذبۂ جنوں گھر کر جائے ان کے لیے ''آگ کا دریا'' عبور کرنا کچھ مشکل نہیں۔ جد الممتار [جلد ثانی] کی تحقیق وتعلیق میں جو امتیازی علمی کام انجام پایا ہے اس کی تفصیل صدر العلماء نے جلد ثانی، ص: ۱۱، ۱۲ میں دی ہے۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت'' کے ''ابتدائیہ'' میں اس کا خلاصہ درج کیا ہے، ملاحظہ فرمالیں:

(۱) نقل سے نقل، پھر اصل سے مقابلہ۔

(۲) جد الممتار کے ہر حاشیہ کے لیے نسخۂ اعلیٰ حضرت کے صفحات کے ساتھ رد المحتار طبع جدید کے صفحات کا حوالہ۔ اس کام کے لیے نئے ایڈیشن کا مطالعہ اور اس میں سے مقام حاشیہ کی تعیین، پھر صفحہ کا اندراج ایک طویل عمل ہے۔

(۳) ان سب سے مشکل کام جلد ثانی میں مولانا [محمد احمد] مصباحی نے یہ کیا ہے کہ شامی یا در مختار کے جس مقام پر حاشیہ تھا اس بحث کا پورا خلاصہ کتاب میں شامل کر دیا ہے کیوں کہ اس کے بغیر جد الممتار کے مباحث کو سمجھنا مشکل تھا اور ہر حاشیہ کے لیے شامی کی مراجعت بہت دشوار۔ لیکن اس اضافے کے بعد جد الممتار کی ابحاث جلیلہ کا مطالعہ بہت آسان ہو گیا۔

(۴) جد الممتار اول میں اعلیٰ حضرت نے بعض مقامات پر اپنے کسی فتوے کا حوالہ دیا تو اسے جد الممتار میں شامل کیا، اگر فتویٰ اردو میں تھا تو اس کی تعریب بھی کی، اسی طرح جلد ثانی میں دو مستقل رسالے عباب الانوار أن لا نكاح بمجرد الاقرار اور ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرة بالزنا عربی میں ترجمہ کر کے شامل کیا۔ المجۃ الموتمنہ کی ایک بحث کا خلاصہ درجِ کتاب کیا۔

(۵) ہر حاشیہ میں کیا مضمون بیان ہوا ہے؟ اس پر مشتمل ایک مفصل اور جامع فہرست کا جلد دوم میں اضافہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے حواشی کو مکمل طور سے پڑھنا اور مختصر سے مختصر الفاظ میں ان کا مضمون متعین کرنا لازم ہے۔

(۶) جدالممتار کے علمی مقام اور مصنف کی جلالت شان پر مشتمل عربی میں ایک وقیع مقدمہ بھی ہے جو عرب قارئین کے لیے ان شاء المولیٰ تعالیٰ بڑی دل کشی کا باعث ہوگا۔

(۷) جدید انداز میں پیراگراف کی تبدیلی اور علامات کا اضافہ، تاکہ موجودہ ذوق سے کتاب پورے طور سے ہم آہنگ ہو سکے۔"(۱)

یہ وہ مشکل مراحل تھے جنھیں فاضل محققین نے بہ حسن وخوبی طے کیے ہیں اور جدالممتار کی تحقیق میں اچھا خاصا وقت بھی صرف بھی کیا ہے اور علمی توانائیوں کا لہو بھی نچوڑا ہے۔ یہ کام اعلیٰ درجہ جاں کاہی اور کوہ کنی کا ہے، اس کی مشکلات کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے کبھی اس دشت کی سیاحی کی ہو اور ان دشوار گزار راہوں سے گزرنے کا موقع پایا ہو۔ جلد اول میں مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا عبدالمبین نعمانی کا علمی وقلمی تعاون انھیں حاصل رہا مگر جلد ثانی کا تقریباً سارا کام حضرت صدر العلماء نے تنہا انجام دیا ہے۔

جلد اول کی تحقیق وتقدیم کے بعد مسئلہ کتاب کی طباعت واشاعت کا تھا، یوں بھی ہندوستان میں کسی عربی کتاب کی اشاعت کافی محنت طلب کام ہے۔ یہ دشواری جدالممتار کے لیے بھی پیش آئی، اس سلسلے میں آپ نے ہند وپاک کے بااثر علما ومشائخ کو اطلاع بھی دی، انھیں اس راہ کی مشکل سے آگاہ بھی کیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، مدن پورہ بنارس کے الحاج محمد فاروق رضوی نے مالی تعاون کا یقین دلایا اور جدالممتار کی طباعت کی راہ ہموار ہوئی۔ اس کے لیے فاضل محقق خود حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور اپنی نگرانی میں یہ کام کروایا۔ اس طرح "جدالممتار" جلد اول پہلی بار ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق جون ۱۹۸۲ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام حیدرآباد دکن سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ جلد اول ۴۰۹ صفحات میں مجلد شائع ہوئی جس کے آغاز میں "کلمۃ المجمع" مولانا یٰسین اختر مصباحی، "سوانح علامہ شامی" مولانا عبدالمبین نعمانی، "سوانح امام احمد رضا قادری" مولانا افتخار احمد قادری اور "تعارفِ جدالممتار" صدر العلماء

(۱) ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۰، ۱۱

مولانا محمد احمد مصباحی نے تحریر فرمایا اور اخیر کے بائیس صفحات میں کتابت میں در آئی اغلاط کی تصحیح کا جدول دیا گیا ہے، یہ کام حضرت صدر العلماء نے انجام دیا ہے۔

جب یہ خبر علما و محققین پاکستان کو پہنچی تو انھیں کافی خوشی ہوئی۔ ایسا ہی ایک خط [محررہ: ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۱ء] راقم کی تحویل میں ہے جو پروفیسر مسعود احمد نے آپ کو ارسال کیا تھا، وہ لکھتے ہیں:

> ''جد الممتار کی اشاعت کی خبر باعث مسرت ہے۔ خدا کرے یہ کتاب جلد منظر عام پر آجائے۔ آپ نے بڑی ہمت فرمائی کہ خود اس کام کے لیے حیدرآباد تشریف لے گئے۔ مولیٰ تعالی اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔''

جد الممتار جلد اول طبع ہوئی تو اس کا کافی چرچا ہوا، لیکن ہندوستان میں عربی زبان کا ستھرا ذوق رکھنے والے کم ہیں، اس لیے خریداروں نے اس کی طرف نظر التفات زیادہ نہ کی، کچھ اہم لائبریریوں اور فتویٰ نویسی کے مراکز اور جید مفتیان کرام وعلما کو یہ کتاب بطور تحفہ ارسال کی گئی، چند ایک نے تحسین آمیز خطوط بھیجے اور بعض نے رسید بھی نہ دی، پھر بھی فاضل محقق کبیدہ خاطر نہ ہوئے، بلکہ اس کام کی تکمیل پر اللہ کا شکر ادا کیا اور دوسری جلد کی تحقیق وتعلیق میں ہمہ دم مشغول ہو گئے۔ کڑی محنت اور حد درجہ تحقیق واضافہ کے بعد جب کام مکمل ہو گیا تو پھر اس کی طباعت کا خیال ستانے لگا، لیکن اس کے لیے بڑے سرمایے کی ضرورت تھی جو اس وقت المجمع الاسلامی کے ذمہ داران کے پاس نہ تھا، ساتھ ہی اشاعت کی صبر آزما مشکل بھی درپیش تھی۔ اس سلسلے میں ہند وپاک کے باذوق اور مخلص علما ومحققین سے رابطہ بھی کیا اور انھیں کام مکمل ہونے کی اطلاع دی۔ یہاں پروفیسر مسعود احمد نقش بندی کے مکتوب گرامی [۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ] کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ جد الممتار جلد ثانی کا کام مکمل ہو گیا، مگر یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ مصارف طباعت کا انتظام نہیں۔ فقیر نے ادارہ

تحقیقات امام احمد رضا کے صدر صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کو فوری طور پر دعوت دی جائے کہ آپ جلد ثانی کا مبیضہ ساتھ لے کر پاکستان تشریف لے آئیں اور اپنی نگرانی میں یہاں چھپوائیں، تمام مصارف ادارہ برداشت کرے گا، ان شاء اللہ۔''

لیکن تدریسی اور تنظیمی مصروفیت کی بنا پر آپ کے لیے پاکستان جانا اور قیام پذیر ہو کر یہ کام کرانا کافی مشکل تھا، اس لیے پروفیسر مسعود احمد صاحب نے ہندوستانی علما بطور خاص خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے جید علما و پیران طریقت کی توجہ اس سمت مبذول کرائی، کراچی میں چند ایک سے بالمشافہہ ملاقات میں ان سے گزارش کی تو ان کا جواب تھا کہ پاکستان ہی میں مناسب ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور رضا اکیڈمی، بمبئی نے اس کی طباعت کے لیے ادارہ المجمع الاسلامی، مبارک پور کو مالی تعاون دیا۔

حضرت صدر العلماء نے ''جد الممتار'' [جلد ثانی] ادارہ المجمع الاسلامی، مبارک پور سے صفر ۱۴۱۵ھ مطابق اگست ۱۹۹۴ء میں اپنی نگرانی میں طبع کرائی، پھر یہ علمی تحفہ ہندو پاک کے جید علما و مشائخ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ پروفیسر مسعود احمد کو اطلاع ہوئی تو مسرت آمیز خط [۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۴ء] بھیجا اور صدر العلماء، مولانا عبد المبین نعمانی، ادارہ و معاونین کی تحسین کی۔ ایک مکتوب [۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ مطابق ۶/ ستمبر ۱۹۹۵ء] میں مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ [بانی رضا فاؤنڈیشن و ناظم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور] رقم طراز ہیں:

''جد الممتار کی صورت میں گراں قدر علمی تحفہ موصول ہوا، شدید وطویل انتظار کے بعد کتاب کو نعمت مترقبہ کے طور پر پہلی اجمالی نظر سے جب دیکھا تو جلد اول سے مختلف پایا اور خیال ہوا کہ شاید اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری جلد میں انداز بدل دیا ہے پھر فرصت میں تفصیلی نظر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت جناب کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے

اور شائقین علم کے لیے آپ نے دوسری جلد کو نعمت غیر مترقبہ کے طور پر پیش فرمایا ہے، الحمد للہ علی ذٰلک۔ کثیر الانواع مصروفیات کے باوجود آپ نے جس تعمق، دقت نظر، لگن اور خلوص سے یہ خدمت سرانجام دی ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ جو کام کئی لوگوں کو مرحلہ وار کئی سالوں میں کرنے تھے وہ اکیلے آپ نے پہلی اشاعت میں مکمل کر دیے اور مختصر حاشیہ جد الممتار کی آپ نے ایک مستقل اور مبسوط ایسی شرح تیار کر دی ہے جس میں تنویر، درمختار، حاشیہ شامی کے ساتھ متعلقہ مسائل پر اعلیٰ حضرت کی دیگر تحقیقات کے علاوہ آپ نے افادات، توضیحات اور تلخیصات کو اس میں سمو دیا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ۔"

تقدیم میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت پر قائم کردہ پندرہ عنوانات کی تقریب کے سلسلہ میں تعدد شواہد کا التزام، پھر شواہد میں دقیق الفہم مسائل کا انتخاب آپ کی علمی مردانگی کی دلیل ہے کہ سہل نگاری کی بجائے جرأت و بہادری سے مشکل میدان میں اتر کر مسائل کو دعوتِ مبارزت دی گئی ہے۔ سبحان الذی خصک و حباک لھٰذا العمل الشریف۔ کاش کہ آج اکابرین رحمھم اللہ تعالیٰ زندہ ہوتے تو آپ کی اس کاوش پر فخر فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ یہ ناچیز اور جملہ علمائے اہل سنت آپ کے اس عظیم احسان پر ممنون ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ مزید خدمات کی توفیق سے نوازے اور آپ کے علم و عمل اور خلوص میں برکت عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔"

جد الممتار جلد ثانی ۶۸۸ رصفحات میں مجلد چھپی ہے، اس کے آغاز میں ایک سو گیارہ صفحات میں کتاب کی اجمالی فہرست، کلمۃ الجمع اور تقدیم شامل کی گئی ہے۔ یہ سب کچھ حضرت استاذی صدر العلماء دام ظلہ العالی کے زرنگار قلم کی رہین منت ہے۔ اس جلد میں کتاب الزکوٰۃ سے کتاب الطلاق، باب النفقۃ تک کے مسائل ہیں۔

یاد رکھیں! از خود کوئی کتاب لکھنا اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل کسی قدیم عالم و محقق کے مخطوطے کی تحقیق و تدوین ہے۔ اس عمل میں جس دقت نظری، حذاقت لسانی اور صبر آزما مراحل سے گزرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس پر خار وادی میں قدم رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں۔ تحقیق و تدوین کے بعد اس میں علمی جاذبیت پیدا کرنا ایک الگ مشکل کام ہے۔[اس کی تفصیل جد الممتار، جلد ثانی کے پیش لفظ میں ملاحظہ کیا جاسکتی ہے، کچھ کا ماقبل کی سطور میں ذکر ہو چکا ہے۔]

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ ایک مکتوب [محررہ: ۸ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ] میں تحریر کرتے ہیں:

"جد الممتار کی دوسری جلد جس کا عرصۂ دراز سے شدت کے ساتھ انتظار تھا اسے دیکھ کر بے انتہا مسرت اور بے پایاں فرحت ہوئی۔ وطن سے براؤں شریف آتے ہوئے مہراج گنج اسے دیکھا، مگر عجلت میں اس کا زیادہ مطالعہ نہ کر سکا صرف دو تین صفحات پڑھ سکا، جس سے ظاہر ہوا کہ پہلی جلد کی بہ نسبت اس جلد سے آپ نے استفادہ بہت آسان کر دیا ہے۔ حاشیہ جد الممتار کی جلدوں کا طبع ہو کر منظر عام پر آنا آپ کی مبارک زندگی کی ایک بڑی اہم دینی خدمت ہونے کے ساتھ اہل سنت وجماعت پر آپ کا احسان عظیم ہے۔"

شہزادۂ ملک العلماء، ڈاکٹر مختار الدین احمد [سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ] یوں سراہنا کرتے ہیں:

"جد الممتار کا دوسرا حصہ ملا، ممنون ہوا، کتاب آپ نے بہت محنت اور توجہ سے مرتب کی ہے، مفید حواشی لکھے ہیں اور بہت جامع اور قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ کتاب کی طباعت بھی بہت اعلیٰ ہے، اس کی اشاعت پر ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو

خوش اور صحت مند رکھے کہ آپ آئندہ مجلدات بھی اسی ژرف بینی سے مرتب کریں اور اسی اہتمام سے شائع کریں۔''(۱)

مفتی آل مصطفی مصباحی [استاذ و مفتی جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی] کے مکتوب [محررہ: ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۲ء] کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''جدالممتار کی ترتیب وتبییض ایک اہم دینی وعلمی کام ہے، اسے تکمیل کے مراحل سے گزارنے کے لیے حضور والا کی جدوجہد قابل تحسین وصد ستائش ہے۔ اور حقیقت میں یہ عظیم کارنامہ حضور ہی کا حصہ ہے، جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔''

حاشیۂ شامی ''جدالممتار'' کی روشنی میں امام احمد رضا کی فقہی بصیرت کا جائزہ لینا اور بزبان عربی دونوں جلدوں کا تعارف تحریر کرنا کوئی آسان کام ہرگز نہیں تھا۔ یہ کام وہی کرسکتا ہے جو خود فقہی بصیرت کا حامل ہو اور اس کی جودتِ طبع فقہ وحدیث کی وادیوں کی سیاحی کی رسیا ہو۔ ساتھ ہی عربی زبان کی پہنائیوں میں بھی اترا ہو اور اس کی علمی وادبی نزاکتوں سے آشنائی بھی رکھتا ہو، ورنہ یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن یہ کام ہوا اور بہت اچھا ہوا، عربی میں بھی عمدہ ہے اور اردو میں بھی دلکش وخوش رنگ ہے۔ راقم سطور نے عربی، اردو دونوں تحریروں کا جائزہ لے کر یہ باتیں سپرد قرطاس کی ہیں۔ ان دونوں تعارف وتقدیم میں زبان وبیان کی دل کشی اور ادبی حسن وزیبائش بھی دامن دل کھینچتی ہے اور علم وآگہی کا مستحکم وجود بھی الفاظ وعبارات کی حنابندی میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ علم وادب ہم آغوش ہوں اور ان پر عرفان کا ابر بارندہ برس رہا ہو۔ وقت ہو تو از خود ان حقائق کا مشاہدہ کرلیں تو یقین پختہ ہو جائے گا۔

اب گفتگو کرتے ہیں ''امام احمد رضا کی فقہی بصیرت'' پر، یہ ایک علمی وتاریخی مقالہ ہے جو بہت محنت اور دقت نظر سے لکھا گیا ہے۔ جب یہ مقالہ پروفیسر مسعود احمد نقش بندی کو

(۱) مکتوب بنام صدر العلماء، محررہ: ۲۲/جون ۱۹۹۵ء

تقدیم لکھنے کے لیے بھیجا گیا تو انھوں نے جوابی خط [۴ر جون ۱۹۹۲ء] تحریر کیا:

”آپ کا مقالہ نہایت وقیع ہے۔ آپ نے تمام پہلوؤں کا سمیٹ لیا ہے، مثلاً فکر انگیز تحقیقات، فراہمی جزئیات، تنبیہات، حل اشکالات، تبحر و وسعت نظر، مشکل اور تحقیق طلب مسائل کی توضیح و تنقیح، علم حدیث میں کمال، مختلف اقوال میں تطبیق، ترجیح، اصول و ضوابط کی ایجاد، مختلف علوم میں مہارت، حسن ایجاز وغیرہ وغیرہ۔ معارف رضا کا مقالہ بھی مطالعہ کر چکا ہوں، تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار پر نوٹ جدالممتار کے پس منظر کے لیے ضروری تھے۔ آپ نے قاری کو تشنہ نہ رکھا۔ مباحث کے بیان میں دورِ جدید کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے تو مناسب ہے، اپنے نئے مقالے میں آپ نے اس کمی کو پورا فرما دیا ہے۔ ایسے علمی مقالات پر تقدیم تحریر کرنا فقیر کو زیب نہیں دیتا۔ آپ کا حکم ہے تو ان شاء اللہ مختصر تقدیم پیش کر دی جائے گی۔“

تقدیم میں ایک جگہ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

”فاضل جلیل محترم مولانا محمد احمد مصباحی زید لطفہ نے اس عظیم حاشیہ کا تعارف قلم بند فرما کر ایک اہم علمی فریضہ ادا کیا ہے۔ ایسے جلیل القدر حاشیہ کے تعارف کے لیے ایسے ہی جلیل القدر عالم کی ضرورت تھی۔“ ۔۔۔ ”مولانا محمد احمد مصباحی نے جدالممتار [جلد اول و جلد ثانی] کا جو تعارف کرایا ہے اس سے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت و عظمت اور کتاب کی اہمیت کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے مگر خود تعارف نگار کی علمی فضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے سمندر میں غوطہ زن ہو کر گوہر ہائے آبدار نکالے اور اس سلیقے سے سجائے کہ دیکھنے والے کا دل کھنچے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو فاضل بھی یہ تعارف مطالعہ کرے گا امام احمد رضا کے تبحر علمی اور

حاشیہ نگاری میں کمال و مہارت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔"(۱)

جدالممتار جلد اول و دوم کا تعارف چوں کہ الگ الگ لکھا گیا اس لیے دونوں کا انداز بھی مختلف ہے اور پہلا مختصر، دوسرا مبسوط بھی ہے۔ جلد اول کے تعارف میں اولاً تین کتابوں "تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار" کا تذکرہ کر کے ان کی علمی حیثیت متعین کی گئی ہے، پھر جدالممتار کا فقہی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے لیے فاضل محقق نے پانچ عناوین قائم کر کے جدالممتار سے شواہد پیش کیے تاکہ کوئی دعویٰ بلا دلیل نہ رہ جائے۔ پہلی مثال میں مجنون، معتوہ، سکران اور کافر کی اذان کا مسئلہ چھیڑا گیا ہے، دوسری میں نفل نماز میں کراہتِ قراءت کی صورت کا بیان اور محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام پر معروضہ ہے لیکن امام احمد رضا قادری نے یہاں نقد و تفتیش میں جس حسن ادب کا اہتمام فرمایا اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ تنقید و معروضہ تقدیس کے ہالے میں آ گیا ہے۔ اس مسئلے سے علم حدیث میں امام احمد رضا کی وسعت نظر، فقہی دقیقہ سنجی، علمی استحضار اور کمال استدلال بھی عیاں ہے۔ یہ حسن ادب اہل علم و تحقیق کی شناخت ہے۔ اسی مقام پر صدر العلماء لکھتے ہیں:

> "آج ہمارے سامنے کتنے ایسے لوگوں کی تحریریں ہیں جنھیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا پچاسواں حصہ بھی نصیب نہیں، مگر اکابر اسلام اور اسلاف عظام پر جاہلانہ "اندھی تنقید" بڑے فخر و شوق سے کرتے ہیں۔ مزید برآں اپنے زور قلم اور مرعوب کن طرز تحریر سے قاری کے ذہن پر یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ اکابر آں جناب کے سامنے گویا "طفل مکتب" کی حیثیت رکھتے تھے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ من شرور الانفس۔"(۲)

---

(۱) تقدیم، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۱، ۲۲

(۲) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۴۰

تیسرا مسئلہ افضلیت سید الانبیاء اور افضلیت قرآن میں اختلاف وتطبیق کا ہے۔ اس مسئلے میں علامہ ابن عابدین شامی کا کہنا یہ تھا کہ ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے اور مسئلہ اختلافی ہے۔ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ توقف کیا جائے۔ امام احمد رضا قادری نے جد الممتار میں تحریر فرمایا کہ اس مسئلہ کی ایسی توجیہ کی جائے کہ دونوں میں تطبیق ہو جائے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو توقف کی حاجت ہی نہ رہے گی۔ ان کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جن علما نے قرآن کو افضل بتایا، قرآن سے ان کی مراد کلام الٰہی صفتِ خداوندی ہے، صفاتِ باری تعالیٰ بلاشبہہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اور جن علمانے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سے افضل بتایا، قرآن سے ان کی مراد "مصحف" ہے جو کاغذ اور روشنائی کا مجموعہ ہے۔ یقیناً سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے افضل ہیں۔

یہ ہے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور دقت نظری سے اختلافی مسائل میں تطبیق دینے کا کمال۔ چوتھا مسئلہ کتاب پر دوات وقلم دان وغیرہ رکھنے کی ممانعت کا صریح جزئیہ۔ پانچواں مسئلہ ہے: کیا وقتِ ظہر کا کوئی حصہ مکروہ ہے؟ ان پانچوں مسائل کا بیان بطور مثال ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علامہ شامی کی رد المحتار پر حاشیہ کی واقعی ضرورت تھی۔

اس کے بعد مصنف نے تاریخِ رجال سے متعلق امام احمد رضا قادری کی آگاہی کا دبستان آباد کیا ہے اور ان کی وسعت نظر اور استحضار علمی کی چند مثالیں پیش کی ہیں۔ پھر درجہ بندی کے لحاظ سے کتب فقہ میں جد الممتار کا علمی مقام متعین کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جد الممتار کا درجہ شروح سے کم ہرگز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

یہاں جلد اول کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے۔ صفحہ ۵۴ سے جلد دوم کا تفصیلی تعارف شروع ہوتا ہے۔ مختصر تمہید کے بعد منتشر شواہد کو یکجا پیش کرنے کی غرض سے مصنف نے پندرہ عنوانات قائم کیے ہیں:

(۱) فکر انگیز تحقیقات (۲) کثیر جزئیات کی فراہمی یا مزید جزئیات کا استخراج (۳)

---

(۱) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۵۳

لغزش و خطا پر تنبیہات (۴) حل اشکالات اور جواب اعتراضات (۵) فقہی تبحر اور وسعت نظر (۶) درمختار اور ردالمحتار کے تحقیق طلب مسائل کی تنقیح اور مشکلات و مبہمات کی توضیح (۷) شرح و حاشیہ کے مراجع اور حوالوں میں اضافہ (۸) غیر منصوص احکام کا استنباط (۹) علم حدیث میں کمال اور قوت استنباط و استدلال (۱۰) دلیل طلب احکام کے لیے دلیل کی فراہمی (۱۱) مختلف اقوال میں تطبیق (۱۲) مختلف اقوال میں ترجیح (۱۳) اصول و ضوابط کی ایجاد یا ان پر تنبیہات اور رسم مفتی و قواعدِ افتا میں ہدایات (۱۴) مختلف الفاظ میں بیش قیمت افادات اور جدالممتار کا حسن ایجاز۔

ان پندرہ عنوانات کے تفصیلی مطالعہ و مشاہدہ کے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت تھی لیکن مصنف نے اختصار کے پیش نظر بہت کم شواہد پر اکتفا کیا اور بہت سی عبارتوں کی کافی تلخیص بھی کردی ہے خصوصاً درمختار اور شامی کی عبارتیں کم سے کم الفاظ میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے پھر بھی یہ تعارف موجودہ کتاب میں سو [۱۰۰] صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ اردو قارئین کے لیے مصنف نے جس طرح کی توضیح و تبصرہ کیا ہے وہ کافی دل چسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ گویا یہ علمی و فقہی رنگارنگی کا ایک نگار خانہ ہے اور سیکڑوں فکری و فنی قمقموں سے سجا ہوا ہے۔ اس مقام پر خود مصنف ایک بلند پایہ فقیہ اور ماہر حدیث کی شکل میں نظر آتے ہیں اور ان کی فقہی بصیرت پُر جمال ہوتی ہے۔

امام احمد رضا قادری کی علمی تحقیقات اور فقہی افادات تحقیق کا ایک مستقل عنوان ہیں۔ انھوں نے ہر مقام پر اصول و قواعدِ افتا کی رعایت برتی ہے اور مسائل کی تنقیح و توضیح میں پوری دیانت داری کے ساتھ ناقدانہ و عادلانہ فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ علوم شرعیہ ہوں یا عقلیہ ان میں ماہر تھے تو فقہ میں ان علوم کا استعمال بھی کیا ہے جس کے شواہد اس کتاب میں بھی دیے گئے ہیں۔ اسی طرح مختصر الفاظ میں بیش بہا افادات ان کا اختصاص مانے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی "جدالممتار" کا حسن ایجاز نمایاں ہے۔ اس ضمن میں مصنف لکھتے ہیں:

"میں نے ابتداءً عرض کیا کہ اہل بصیرت تو ہمیشہ معانی کی

جلالت وافادیت سے مصنف کا درجہ ومقام متعین کرتے ہیں مگر کچھ لوگ الفاظ کی کثرت اور کتاب کی ضخامت سے مصنف کا قد ناپنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لیے خیال ہوا کہ جدالممتار کے ایجاز میں جو حسن پوشیدہ ہے اسے بھی عیاں کیا جائے اور اس کے مختصر حواشی میں جو معانی کی فراوانی اور بیش قیمت فوائد ونکات کی طرف اشارے ہیں اس پر بھی تنبیہ کر دی جائے تاکہ سطروں اور لفظوں کی کثرت سے سکۂ عظمت رائج کرنے کی بجائے فوائد ومعانی کی کثرت واہمیت سے رتبہ ومقام متعین کرنے کی صلاحیت رواج پائے۔‘‘[1]

حسن ایجاز کی دل کشی ظاہر کرنے کے لیے مصنف نے سات مثالیں دی ہیں اور کسی مسئلہ کو بھی محض ادعا پر تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہ حضرت صدر العلماء کی تحریروں کا کمال ہے جو یہاں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے یہاں بھی معانی کی عظمت پر دھیان دیا جاتا ہے اور الفاظ کی بازیگری کا تماشا ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اختصار وجامعیت ان کی تحریروں کی خوبی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اختصار وایجاز کا ایک خاص رنگ حضرت صدر العلماء کی اس کتاب میں بھی دکھائی دیتا ہے ورنہ یہ کتاب کم از کم دوگنی ضخامت کی تو ضرور ہوتی۔

یاد رکھیں! جس فن کی کتاب لکھی جاتی ہے مصنف کے ذہن میں اس فن کے اصطلاحی الفاظ کا مستحضر ہونا از حد ضروری ہے۔ فن کی اس درجہ آشنائی نہ ہو تو فہم مسائل میں بھی دشواری آئے گی اور تفہیم بھی مشکل ہوگی۔ ’’امام احمد رضا کی فقہی بصیرت‘‘ میں اصطلاحات فقہ وحدیث کا جلوہ بھی ہے اور استدلال واستنباط کا عکس جمال بھی، تحقیق کا اعلیٰ ذوق بھی عیاں ہے اور تجزیہ کا رنگ بھی منعکس ہے۔ اندازِ نگارش میں ایک خاص طرح کا عالمانہ ومحققانہ جلال بھی پوشیدہ ہے اور تفہیم کا فکر انگیز طریقہ بھی۔ اس کتاب میں جدالممتار کی آئینہ بندی اس انداز میں کی گئی ہے کہ اس کا گنج مخفی ظاہر وباہر اور بین السطور جلوہ نما ہو گیا ہے۔ اخیر میں

---

(۱) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۵۴

معروف قلم کار و مصنف محمد یحییٰ انصاری [حیدر آباد] کا یہ قلبی تاثر پیش کر کے اس جائزہ کو مکمل کرتے ہیں انھوں نے ایک مکتوب [۳ر جنوری ۱۹۹۴ء] میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

”المجمع الاسلامی کی جدید مطبوعات دیکھ کر قلبی مسرت ہوئی، ”امام احمد رضا کی فقہی بصیرت“ کے مطالعے کے بعد ان شاء اللہ محققین، انصاف پسند قارئین، متلاشیان حق اور اہل بصیرت کی آنکھیں کھل جائیں گی، رضویات پر بہت بڑا کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے اور قوم کو کما حقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔“

اس کتاب سے تقریباً تمام محققین رضویات نے استفادہ کیا ہے اور اپنے تحقیقی مقالات میں اس کا حوالہ دیا ہے، یہ اس کے تحقیقی اور مقبول ہونے کی دلیل ہے، جو فاضل مصنف کو ایک دانائے راز کا مرتبہ دیتا ہے۔

حدوث الفتن و جهاد أعيان السنن [۱۴۲۱ھ]

یہ عربی رسالہ پہلی بار ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں ”المعتقد المنتقد“ [از: مولانا شاہ فضل رسول بدایونی] کے ساتھ رضا اکیڈمی، بمبئی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ بعد میں الگ کتابی شکل میں ہند اور مصر و لبنان سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوئے۔

”حدوث الفتن“ کی تالیف کا پس منظر کیا ہے؟ اس سے آگاہی کے لیے صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی کا ایک خط [محررہ: ۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۹۹ء] درج کیا جاتا ہے جو انھوں نے کتاب کے ناشر الحاج محمد سعید نوری کو ارسال کیا تھا، لکھتے ہیں:

”آپ حضرات کے خلوص، نیک نیتی اور تحریک کی برکت کہ جو کام شروع ہوا تھا بعونہ تعالیٰ آج مکمل ہو گیا۔ ۴۳ صفحات ارسال ہو چکے، ۵۷ مزید ارسال ہو رہے ہیں، کل ۱۰۰ صفحات ہو گئے جو ڈیڑھ دو سو صفحات میں آئیں گے۔ ۳۰۰ صفحات کی کتاب پر ان ۲۰۰ صفحات کو اگر تقدیم کے نام سے دیا جاتا تو بہت انگشت نمائی کا سبب ہوتا اور خود مجھے بھی پسند نہ آیا، اس لیے ان کو ”حدوث الفتن و جهاد أعيان السنن“ کے نام سے آخر میں مع

ٹائٹل پیج کے شامل کیا جائے۔ الگ سے کتابی شکل میں بھی شائع کیا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں کم از کم تعارفِ صاحبِ معتقد و صاحبِ معتمد کی ذیلی کاپی نکلوا کر ایک معتقد کے ساتھ لگے گی اور ایک الگ کتاب میں ہوگی۔ اس کا خرچ چاہیں تو المجمع الاسلامی سے انتظام کیا جائے اور ناشر کی جگہ المجمع الاسلامی دے دیں۔ جیسی رائے ہو مطلع کریں، میں یہ نہیں چاہتا کہ رضا اکیڈمی پر آپ لوگوں کی منشا کے خلاف کوئی بار ڈالا جائے۔ کتاب بفضلہ تعالیٰ جامع ہوگئی، اس میں قدیم فرقوں کے بعد ہندوستان کے نوزائیدہ فرقوں کا خاصا تعارف آ گیا۔ پھر اہل سنت کی مساعی اور ہر دور کے علما کا اجتماعی تذکرہ بھی آ گیا جن کی مجموعی تعداد ایک سو چالیس ہوگی۔ بدمذہبوں سے اجتناب اور سنت کی اشاعت کے موضوع پر سو سے زیادہ احادیث کریمہ بھی آگئیں، آثار و اقوال مزید برآں۔''

خط کے ابتدائی جملوں میں ''حدوث الفتن'' کی تکمیل کی خوش خبری دی گئی تھی، لیکن اس کام میں کتنا وقت لگا، کتنی محنت خرچ ہوئی اور اس کام میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ ان تمام امور کی وضاحت خط کے ''پس نوشت'' میں مل جاتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''تاخیر کا سبب یہ ہے کہ احادیث کے انتخاب اور سوانح علما کی تلاش میں کم و بیش چار ہزار صفحات کی ورق گردانی اور مطالعہ کرنا ہوا، جب کہ تدریسی کام بھی جاری ہے۔ کئی کئی بار رخصت بھی لی، تعطیلات بھی زیادہ تر اسی میں استعمال کیں مگر جو وقت لگنا تھا لگ کر رہا، کچھ اپنی صحت کی ناہمواری کا بھی دخل ہے۔ بہر حال کام ہوگیا، اس پر رب کریم کا شکر ہے۔ امید کہ آپ لوگ بھی معاف کریں گے، میری وجہ سے آپ لوگوں کو کام روکنا پڑا اور انتظار کی مصیبت جھیلنی پڑی۔''

لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ''کتاب'' کتنے دنوں میں لکھی گئی؟ کتاب کو تراش خراش کے عمل سے گزارنے میں کتنا وقت لگا؟ کیسی کیسی دشواریوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا؟ ایک مصنف کو کن دشوار گزار مراحل سے گزرنا ہوتا ہے؟ ان کی نگاہ صرف اس پر ہوتی ہے کہ

''کتاب'' کیسی لکھی گئی؟ مصنف کچھ باتیں کتاب کے پیش لفظ یا ابتدائیہ میں ظاہر کر دیتا ہے اور بہت کچھ چھپا رہ جاتا ہے۔ یہ خط کسی طرح محفوظ رہ گیا تھا اس لیے مذکورہ باتیں سامنے آ گئیں۔ اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ'' حدوث الفتن'' کیا ہے؟ اور اس کے مباحث میں کس طرح کے امور شامل ہیں۔ ''المعتقد المنتقد'' کے اخیر میں مطبوعہ ''حدوث الفتن'' کے مع فہرستِ مضامین کل ۱۹۶ صفحات ہیں۔

اس کتاب میں مختصر تمہید کے بعد زمانۂ صحابہ سے لے کر اب تک پیدا ہونے والے فرقوں کا تذکرہ اور ان کے باطل عقائد وافکار کو بیان کیا گیا ہے، بطور خاص سات بڑے فرقوں [معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجیہ، نجاریہ، جبریہ اور مشبہہ] اور ان کی شاخوں کا ذکر ہے، اس کے بعد ۸ رویں ''فرقۂ ناجیہ'' کی تفصیل دی گئی ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ جماعت ہے جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ وہ جماعت اشاعرہ، ماتریدیہ اور محدثین سلف کی ہے، وہی اہل سنت و جماعت ہیں، ان کا مذہب بدعات وخرافات سے خالی ہے۔ یہاں مصنف نے اہل سنت کے ۲۷ ر مشہور عقائد کو بھی بیان کیا ہے، ستائیسواں عقیدہ یہ ہے:

> ''اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں ہوگی مگر اس کی جو اللہ کے صانع، قادر اور عالم ہونے کا انکار کرے یا شرک کرے یا نبوت کا انکار کرے یا اس چیز کا انکار کر دے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لایا جانا ضرورۃً معلوم ہو۔ یا کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کرے مثلاً ان محرمات سے نکاح کو حلال جانے جن کی حرمت پر اجماع ہو چکا ہے۔ تو اگر وہ اجماعی مسئلہ ضروریات دین سے ہو تب تو اس کا صورت مذکورہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور اگر وہ اجماع ظنی ہو تو اس کا انکار کفر نہیں اور اگر اجماع قطعی ہو تو اس میں علما کا اختلاف ہے۔ اور اس کے علاوہ چیزوں کا قائل

بد مذہب ہے کافر نہیں۔ ان کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔‘‘(۱)

اس کے بعد ہندوستان کے نوزائیدہ فرقوں کی حقیقت کشائی کی گئی اور ان کے گمراہ کن و فاسد عقائد و افکار کو واضح کیا گیا ہے، ان فرقوں میں قادیانی، نیچری، اہل قرآن یا چکڑالوی، وہابیہ یا نجدیہ شامل ہیں۔ بیانِ افکار میں محض سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان فرقوں کے بانیان، مبلغین، متبعین کی مشہور کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور بیانِ حقیقت میں معتبر کتب تاریخ کے حوالے درج ہیں۔ فاضل محقق نے ان بحثوں اور حوالوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے:

> ’’مورخین اور ماہرین سیاست کا بیان ہے کہ شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب، مرزا غلام احمد قادیانی، سید احمد نیچری اور اسماعیل دہلوی یہ سب برطانوی سامراج کے لگائے ہوئے پودے تھے جنھیں اُس نے اِس مقصد سے لگایا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی سطوت اور جہاد کا جذبہ سلب کرے اور ان کے اندر مغربی تمدن اور مغربی افکار کی محبت پیدا کر کے ان کا شیرازہ منتشر کر دے تاکہ وہ متحد ہو کر فرنگی سامراج کا مقابلہ نہ کر سکیں اور ان لوگوں نے اس کے اکثر مقاصد کی تکمیل بھی کی۔ چناں چہ قادیانی نے جہاد کو حرام ٹھہرایا اور اس سے ایسی نفرت دلائی کہ دلوں سے جذبۂ جہاد ختم ہو گیا۔ اور نیچری نے مغربی افکار و تمدن کی محبت نئے تعلیم یافتہ افراد کے دلوں میں اس حد تک بھر دی کہ وہ اندھے بہرے ہو کر مغربی افکار و خیالات کو اسلامی نظریات پر ترجیح دینے لگے اور مغربی تمدن پر لپکتے ہوئے ٹوٹ پڑے۔ اور شیخ نجدی اور اسماعیل دہلوی نے ایک نئے مذہب کی بنا ڈالی اور مسلمانوں کو ائمہ اور علمائے سلف سے دور کر کے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا اور ان میں وہابی، دیوبندی،

(۱) حدوث الفتن مع المعتقد المنتقد، رضا اکیڈمی، بمبئی، مارچ ۲۰۰۱ء، ص: ۳۳۲

غیر مقلد، تبلیغی اور مودودی جیسی جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ جنھوں نے مذہب قدیم پر قائم رہنے والے اہل سنت کی بھرپور مخالفت کی اور اپنے باطل شبہات اور کمزور دلائل کے باعث اہل سنت پر کفر وشرک کا حکم لگایا۔"[1]

ماقبل کی بحثوں میں مصنف نے جو حقائق بالتفصیل بیان فرمائے تھے مذکورہ اقتباس میں ان کا خلاصہ درج کیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان نوزائیدہ جماعتوں نے اسلامی عظمت وحقیقت کو کتنا بدنام کیا ہے اور مذہب حق کے حقیقی وافکار وتعلیمات کے فروغ کی راہ میں کتنی بڑی دیوار کھڑی کی ہے۔ ان اختلافی اور غیر اسلامی افکار کا سہارا لے کر مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کو نشانہ بنایا اور اسلامی تعلیمات میں خامیاں تلاش کیں۔ ان فرقوں نے قرآن واحادیث کے جو تراجم شائع کیے ان میں بھی اپنے باطل وبے بنیاد افکار کی تائید وتوثیق کی حد تک خوب خوب ترمیم وتنسیخ کی اور قرآن واحادیث کے مفاہیم ومطالب پر مشق ستم کی۔ اس کریہہ عمل سے بھی اسلام دشمن طاقتوں کو اسلام کے خلاف باتیں کرنے کا خوب خوب موقع ملا۔ اس کا اثر پوری اسلامی دنیا پر پڑا اور دشمن نے ہمیں منتشر کر کے اپنی طاقت مضبوط کر لی اور وسائل تجارت اور تجارتی وتمدنی ذرائع پر اپنا پہرا بٹھا دیا۔

مصنف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے تاریخی حقائق بھی اس کی توثیق کرتے ہیں اور برطانوی سامراج کا طرز عمل بھی اس کا موید ہے۔ ایسے تمام لوگ برطانوی وظیفے کے حق دار بنتے ہیں جنھوں نے گمراہ کن اور غیر اسلامی افکار کی بنیاد گزاری میں اپنی توانائی صرف کی اور ایسے تمام علما وعوام کو سخت مشکلات اور آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے جنھوں نے ان باطل گروہوں کا مقابلہ کیا اور اسلام وپیغمبر اسلام کا دفاع کیا۔ انعام وآزمائش کی یہ تفریق چیخ چیخ کر اعلان کرتی ہے کہ جنھوں نے راہ حق سے فرار کی دعوت دی وہ انعام کے مستحق ٹھہرے اور جنھوں نے راہ مستقیم پر مضبوطی سے قائم رہنے کا حوصلہ بخشا وہ گردن زدنی قرار پائے اور ان پر

[1] حدوث الفتن، مترجم، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۲۲، ۱۲۳

ذرائع معیشت تنگ کر دیے گئے اور انھیں زدوکوب کیا گیا۔

اس تفصیل کے بعد مصنف نے بدعتوں اور بدمذہبوں سے بچنے سے متعلق قرآن وحدیث کی رہ نما ہدایات ذکر کی ہیں اور ایک سو بیس [۱۲۰] احادیث نبویہ کی روشنی میں فتنوں کے ظہور کے بارے میں تنبیہات اور بدعت واہل بدعت کی مذمتوں کو بیان کیا ہے۔ ایسے نازک مواقع پر ائمہ وعلما کی ذمہ داریاں کیا ہونی چاہئیں؟ اور اقامت حق کے سلسلے میں انھیں کس طرح کی کوششیں کرنی چاہئیں؟ ان کا ذکر ہے۔ یہیں مصنف نے اس تاریخی تسلسل کو چھیڑا ہے جو عہد صحابہ سے لے کر ائمہ کرام اور مابعد کے علما و محققین اسلام کے زمانوں میں بدعتوں اور بدمذہبوں کے خلاف انجام دی گئی کارگزاریوں سے متعلق ہے۔ یعنی زمانہ صحابہ میں کس طرح کے فتنے پیدا ہوئے اور صحابۂ کرام نے ان فتنوں کا کس طرح مقابلہ کیا۔ اسی طرح چودہویں صدی تک جن علما وائمہ نے اس طرح کی علمی وتبلیغی مساعی جمیلہ کی ہیں ان کا ذکر ہے۔ پھر ان علماے کرام کا ذکر جمیل ہے جنھوں نے وہابیوں اور ان کی ذریتوں کے ردوابطال میں تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ اس میں بھی پہلے ان گیارہ علما و محققین کے اسما اور ان کے مختصر کارناموں کا بیان ہے جو غیر ہندوستانی ہیں، ان میں بطور خاص شیخ محمد بن سلیمان کردی مدنی [محمد بن عبدالوہاب نجدی کے استاذ، متوفی: ۱۱۹۴ھ]، شیخ عمر عبدالرسول، شیخ عقیل بن یحییٰ علوی، شیخ عبدالملک، شیخ حسین مغربی اور شیخ احمد باعلوی [محمد بن عبدالوہاب کے معاصرین]، علامہ شیخ محمد بن عبدالرحمن بن عفالق، علامہ سید علوی بن احمد باعلوی، شیخ طاہر سنبل حنفی، علامہ احمد بن زینی دحلان مکی اور شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی شامل ہیں۔ ہندوستانی علما کو پانچ طبقات میں تقسیم کر کے ہر طبقہ کے قابل ذکر علماے اسلام ومشائخ عظام کی علمی، مناظراتی، تردیدی اور اصلاحی کوششوں کو بیان کیا گیا ہے۔ طبقہ اول میں اکیس علما، طبقہ دوم میں گیارہ علما، طبقہ سوم میں پچاس علما، طبقہ چہارم میں تیس علما اور طبقہ پنجم میں چھتیس علما کا تذکرہ موجود ہے۔ طبقات کے بیان میں ہر جگہ اختصار وجامعیت کو مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ بحثیں طویل نہ ہوں اور فہم مطلب میں کوئی دشواری بھی نہ آئے۔

بیان دل چسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی، بیانِ حقیقت میں کوئی کتر بیونت نہیں، جو کچھ ہے حقائق کے اجالے میں ہے اور ہر بحث اپنے منطقی نتیجہ پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

یہ مصنف کا وہ کمال ہے جو ان کی ہر تحریر میں نظر آتا ہے اور جس کی بنیاد پر ان کی تحریریں اہل علم وتحقیق کی نگاہ میں قابل اعتنا مانی جاتی ہیں اور دانش ورطبقہ اس کی سراہنا کرتا ہے۔

اخیر کے چوالیس صفحات میں صاحب "المعتقد المنتقد" علامہ فضل رسول قادری بدایونی [۱۲۱۳ھ-۱۲۸۹ھ] اور صاحب "المعتمد المستند" اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری [۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ] علیہما الرحمہ کی تفصیلی سوانح حیات اور ان کی علمی و تحقیقی خدمات درج ہیں۔ سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی تصنیفی خدمات کے ذیل میں چودہ اہم کتابوں کا ذکر کیا ہے اور چار انتہائی معروف کتابوں [البوارق المحمدیۃ لرجم الشیاطین النجدیۃ، احقاق الحق و ابطال الباطل، سیف الجبار المسلول علی الأعداء للأبرار، المعتقد المنتقد] کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔
"المعتقد المنتقد" سے متعلق لکھتے ہیں:

> "ولاریب أن الکتاب (المعتقد المنتقد) مفرد فی بابه، وحید فی طرازه، بلیغ فی افهامه، بالغ فی افحامه، سهل المنال، واضح المقال، جدیر بأن یقرر فی منهج الدرس لینتفع به التلامیذ کماینتفع به الشیوخ والعلماء، واللّٰه الموفق لکل خیر."(۱)

اسی طرح اس کتاب کے حاشیہ نگار امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی بعض مصنفات کا ذکر کیا ہے اور چند سطروں میں ان کی حاشیہ نگاری کی خوبیاں گنائی ہیں جن کے مطالعہ سے امام احمد رضا قادری کے حواشی کے امتیازات سمجھ میں آجاتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

> "انھوں نے علم تفسیر، حدیث، فقہ اور سیرت وغیرہ کی کتابوں پر

(۱) حدوث الفتن مع المعتقد المنتقد، رضا اکیڈمی، بمبئی، مارچ ۲۰۰۱ء، ص: ۴۵۶

تعلیقات وحواشی بھی قلم بند فرمائے ہیں، ان حواشی کی خصوصیت یہ ہے کہ سب ان کے طبع زاد ہیں۔ ان کی شان یہ تھی کہ وہ دیگر امور سے فارغ ہو کر محض حاشیہ نویسی کے لیے بیٹھتے نہیں تھے جیسا کہ دوسرے حاشیہ نگاروں کا طریقہ ہے کہ جب وہ کسی کتاب پر حاشیہ لکھنا چاہتے ہیں تو اپنے گرد ڈھیر ساری کتابیں جمع کر لیتے ہیں، شروح وحواشی کا انبار لگا لیتے ہیں اور انھی میں سے اپنی پسندیدہ باتیں نقل کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ایک ضخیم حاشیہ تیار ہو جاتا ہے۔ یہ کام بھی نفع بخش اور قابل قدر ہے، لیکن اس کے برخلاف امام احمد رضا قادری جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتے اور اس میں کوئی مشکل بحث یا مصنف کی کوئی لغزش نظر آتی یا کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں مزید وضاحت کی ضرورت ہوتی یا کوئی ایسا مقام ہوتا جس میں ارباب قلم کی رائیں مختلف ہوتیں تو وہیں ایک سلیس اور سہل عبارت لکھ دیتے جس سے مشکل حل ہو جاتی، لغزش دور ہو جاتی، مسئلہ منکشف ہو جاتا اور حق بات روشن ہو جاتی۔ یہ خاص فضل الٰہی ہے جو ہر حاشیہ نگار کے نصیب میں نہیں۔"(۱)

حاشیہ کا تاریخی نام "المعتمد المستند بناء نجاة الأبد" [۱۳۲۰ھ] ہے۔ فاضل محقق نے اس کے تجزیاتی مطالعہ میں اس کا سبب تالیف، مختلف مثالوں کی روشنی میں اس کی خصوصیات اور چند خاص بحثوں کا ذکر کیا ہے، پھر اس پر علماے حرمین کی تقاریظ کی تلخیص درج کی ہے اور بقیہ تقریظ نگار علما کے نام گنائے ہیں۔ سب سے اخیر میں امام احمد رضا قادری کی شان میں علامہ محمد بن علی حسین مکی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ عربی قصیدے کے چند اشعار مع اردو ترجمہ شامل کیے ہیں جو انھوں نے "المعتمد المستند" کی تقریظ لکھنے کے وقت ۱۳۲۴ھ میں نظم فرمایا تھا۔ فاضل محقق کا ماننا ہے کہ یہ امام احمد رضا قادری کی

(۱) حدوث الفتن، مترجم، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۲۲، ۱۲۳

مدح میں کسی عربی مکی شاعر کا سب سے پہلا منظوم کلام ہے۔

یہاں تک راقم سطور نے حدوث الفتن کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر محققین نے اس کتاب پر کس طرح کی راے دی ہے ان کا ذکر کیا جائے تاکہ یہ تجزیہ مکمل ہو جائے اور قارئین کے روبرو اس کتاب کی دیگر خصوصیات آ جائیں۔

رمضان ۱۴۲۹ھ مطابق ستمبر ۲۰۰۸ء میں یہ عربی متن قاہرہ [مصر] سے شائع ہوا، جس پر مولانا انعام القادری نے انیس صفحات میں مقدمہ تحریر کیا۔ جس میں انھوں نے کتاب کی اہمیت وافادیت اور بحثوں کی جامعیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کا تاثر درج ذیل ہے:

”إن ”حدوث الفتن“ سهل المأخذ، كثير الفوائد، أسلوبه جميل ومادته فريدة.“(۱)

قاہرہ مصر سے اس کتاب کی طباعت واشاعت کے ذیل میں ان کا کہنا یہ ہے کہ عالم عرب میں علماے اہل سنت بالخصوص امام احمد رضا قادری کا کوئی خاص تعارف باقی نہ رہا اور جنھیں ان کا تعارف حاصل تھا تو فرضی اور بے بنیاد اوصاف وافکار کے ساتھ۔ وہ لوگ ”صوفی بریلوی“ کو ایک نوزائیدہ اور قادیانی وشیعہ کی طرح گمراہ گر فرقہ کی طرح جانتے ہیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ ان کے ذہن وفکر پر پڑا ہوا غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا جائے اور علماے اہل سنت بالخصوص امام احمد رضا قادری کو عالم عرب میں متعارف کرایا جائے اور اسلام وسنیت کے سچے افکار وتعلیمات سے انھیں روشناس کیا جائے۔ اس کے لیے یہ کتاب انتہائی جامع اور مفید معلوم ہوئی اور کوشش کر کے اس کی طباعت واشاعت کرائی گئی۔ اس جد وجہد کے لیے راقم بھی مولانا انعام القادری کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں یہ کتاب دار الکتب العلمیہ، بیروت [لبنان] سے طبع ہوئی تو اس کا مقدمہ پچیس صفحات میں استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی [شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] نے تحریر فرمایا۔ اس مقدمہ میں انھوں نے مصنف کے احوال

(۱) حدوث الفتن، مطبوعہ قاہرہ، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۶

زیست، ان کی دینی وعلمی خدمات کو بالتفصیل بیان کیا ہے، ساتھ ہی حدوث الفتن کا مفصل جائزہ بھی لیا ہے۔ ابتدائی چند سطریں نذرِ قارئین ہیں:

"و کتاب "حدوث الفتن" جم الفوائد، غزيز المادة، فصيح العبارة، جميل الأسلوب، حلو اللهجة، سهل المأخذ، ومن خصائصه الاختصار والجامعية والبعد عن الاطناب الممل والايجاز المخل والنزاهة عن الصنعة اللفظية الجوفاء والتكلف في الزينة اللغوية."(۱)

مقدمہ کا اختتام ان فکر انگیز اور چشم کشا جملوں پر ہوا ہے:

"ومما لاريب فيه أن هذا الكتاب قليل المباني، كثير المعاني، قد رفع الستار عن كثير من الحقائق التاريخية التي شوّهها أعداء السنة والجماعة بحيلهم الماكرة، الكتاب جامع رغم ايجازه، وخطة جميلة لكتاب موسوعي كبير، أسأل الله تعالىٰ أن يوفقني أو أحداً من تلاميذه لتحويل هذه الخطة الى موسوعة تاريخية كبيرة بعونه وفضله وهو ولي التوفيق."(۲)

واقعی اس کتاب میں جو تاریخی اجمال پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں ایک ضخیم ،تاریخی، تفصیلی انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا جا سکتا ہے، اے کاش! کوئی اس سمت توجہ دے تو یہ کام ہو جائے اور مقدمہ نگار کی آرزو کی تکمیل بھی ہو جائے۔

"انصاف الامام" نامی کتاب کے مصنف شیخ خالد ثابت مصری کا تاثر باب دوم میں آ چکا ہے۔ تقریباً آٹھ نو سال پیشتر یمنی عالم فضیلۃ الشیخ مفتی قاسم صالح محمد کریم حنفی

(۱) مقدمہ، حدوث الفتن، مطبوعہ بیروت، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۳

(۲) مقدمہ، حدوث الفتن، مطبوعہ بیروت، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۶

زبیدی جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تھے اور اساتذہ جامعہ کی علمی وتحقیقی خدمات کی خوب سراہنا کی تھی۔ استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی نے راقم کو بتایا کہ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ "شیخ محمد احمد مصباحی کی کتاب "حدوث الفتن" کا دو سال سے میں اپنے تلامذہ کو درس دیتا ہوں، بڑی جامع اور مفید کتاب ہے۔"

تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ

یہ علمی تحقیق ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں پہلی بار کتابی شکل میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے طبع ہوکر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ "سیرت رسول" کے ایک اہم باب "معجزۂ رسول" صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت وعظمت پر فاضل محقق کی یہ مہتم بالشان تصنیف ہے، جس کی سطر سطر میں ان کی علمی وتحقیقی انفرادیت پوشیدہ ہے، علمی واستدلالی اسلوب تحریر نے اس کی بحثوں کی قطعیت واہمیت کو اور پختہ بنادیا ہے۔ ماقبل میں گزرا کہ یہ مبسوط تحریر "حجة الله علی العلمین فی معجزات سید المرسلین" [از: علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی] کے اردو ترجمہ پر بطور مقدمہ لکھی گئی تھی، یہ ترجمہ مع مقدمہ پاکستان سے سید حامد لطیف شائع کرنے والے تھے، لیکن قدرت کو اس کی طباعت منظور نہ تھی، اس لیے نہ ترجمہ طبع ہوا، نہ مقدمہ۔ یاد رکھیں! ہر شے اپنے وقت پر وجود میں آتی ہے، اس کی تصنیف وطباعت میں تقریباً بیس سال کا وقفہ ہے، بہر حال وہ مقدمہ کتابی شکل میں چھپا تو علمی دنیا مسرت آمیز حیرانی کے سمندر میں غرق ہوگئی اور رسول دشمنی میں ڈوب کر جن دانش وروں نے فرضی اصول کا سہارا لے کر معجزات کا انکار کیا تھا یا ان کی حقیقت وواقعیت پر شبہہ ظاہر کیا تھا ان کی قلعی کھل گئی۔

یہ کتاب صالح اور معروضی تنقید کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ اس کے کل صفحات ۱۷۵ ر ہیں لیکن مضامین، مواد، دلائل کی کثرت اور شواہد کی عظمت کے لحاظ سے یہ بڑی کتابوں پر بھاری ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے متعلق "دریا در کوزہ" کی مثل بالکل منطبق ہوتی ہے۔ اس اختصار میں جو جامعیت اور حسن معانی جلوہ گر ہے وہ مصنف کی اپنی فطری

قلمی روش کو آشکار کرتی ہے۔

''سیرت نبوی''، عمل بالقرآن کا سب سے بہتر انتخاب ہے اور اس کا گوشہ گوشہ روشن نشانیوں سے منور ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے اس پاکیزہ زندگی میں علم وادب، شعور وآگہی، انوار معرفت، دنیوی واخروی فلاح وصلاح، ظاہری وباطنی تطہیر وتنظیف اور کمال وعروج کا ایسا دبستان آباد کیا گیا ہے جس کے حسن ورعنائی کا جواب نہیں۔ ذات رسول آیات بینات کا درخشاں آسمان ہے، جس پر معجزات کی ایک کہکشاں سجی ہوئی ہے۔ یہ خالق کائنات کا وہ انعام ہے جو نبیوں کو بخشا گیا ہے اور ہر نبی ورسول کی ذات معجزات کے خزانوں سے آراستہ کی گئی ہے۔ یہ ایسا کمال ہے جو اللہ تعالی کی جانب سے انبیا کو عطا ہوا ہے جسے نہ تو چیلنج کیا جاسکتا ہے نہ اس پر کسی طرح کا ایراد یا شبہہ وارد کیا جاسکتا ہے۔

ایک پیغمبر کی تعلیمات وہدایات میں ان معجزات کی حیثیت قطعی شواہد کی ہوتی ہے، یہ معجزات اس کی سچائی کا ثبوت ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایک نبی کی سیرت وکردار میں بے مثال شفافیت اور عمدگی ہوتی ہے اور اس کا اسوہ امت کے لیے نمونۂ عمل ہوتا ہے اور اس کا قول وفرمان قابل عمل اور لائق اکرام ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے اکتساب نور کرنے والی باکمال شخصیات کی کامیاب زندگیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کی تعلیمات وہدایات میں کامیابی کا عنصر پوشیدہ ہے اور اگر کسی نے ان سے روگردانی کو اپنا شعار بنایا تو اجالے سے تاریکی میں آجائے گا اور اس کی کامیابی کو گرہن لگ جائے گا۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے جسے دنیا تسلیم کرتی ہے۔

معجزات کے بارے میں فاضل محقق کا نقطۂ نظر یہ ہے:

''معجزات کا باب بھی سیرت نبوی کا ایک جز ہے اور اہم جز۔ اس لیے بعض اکابر علما قدست اسرارہم نے خاص اس باب میں ضخیم کتابیں لکھیں اور اسے اسلام کی حقانیت کا روشن ثبوت قرار دیا۔ بعض کتب صحاح میں یہ باب ضمنی طور پر آگیا ہے جس میں چند نمایاں اور مشہور

معجزات کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے، کیوں کہ ان کتب حدیث کا اصل مقصدِ تالیف بہت وسیع اور چند در چند ابحاث وابواب کو حاوی ہے۔
معجزات کو آیاتِ نبوت، دلائل نبوت اور اَعلام نبوت یا علامات نبوت وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔"(۱)

ان جملوں کے بین السطور سے عیاں ہے کہ کتب صحاح کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ ان میں فقہی ابواب کی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے احکام شرعیہ کے مطابق احادیث نبویہ پیش کی جائیں۔ لیکن ان میں نزول قرآن، علامات قیامت، سیرت نبوی کے چند گوشے اور تفسیر قرآن کے کچھ حصے بھی رکھے گئے تاکہ ان حقائق سے بھی نگاہیں دوچار ہوں اور انذار وتبشیر کا بھی کچھ حق ادا ہو سکے۔ اسی ضمن میں معجزات کا بیان بھی ہے، اسی لیے ان کتابوں میں چند معجزات کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ لیکن معجزات چوں کہ نبوت کے دلائل واعلام ہیں اس لیے اس باب میں مستقل کتابیں تالیف کی گئیں جن میں معجزات رسول کا تفصیلی ذکر کیا گیا اور سیرت رسول کا یہ گوشہ پوری طرح روشن ہو کر سامنے آیا۔ اس موضوع پر کتاب تالیف کرنے والوں کے پیش رؤوں میں امام ابونعیم اصفہانی [م: ۴۳۰ھ]، امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی [م: ۴۵۰ھ] اور امام احمد بن حسین بیہقی [۴۵۸ھ] علیہم الرحمہ کا نام آتا ہے جن کی کتابوں [دلائل النبوۃ، اَعلام النبوۃ، دلائل النبوۃ] کو پورے عالم اسلام میں قبول عام کا شرف حاصل ہے۔ ان کتابوں میں مستند ومعتبر سندوں سے معجزات کی ثقاہت کو ظاہر کیا گیا ہے اور ان میں درج اَسناد سے اصل واقعہ کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔

امام بیہقی کے بعد اس باب میں مستقلاً یا ضمناً جو کتابیں لکھی گئیں ان میں علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی [م: ۱۳۵۰ھ] کی جلیل الشان کتاب "حجة الله علی العٰلمین فی معجزات سید المرسلین" اس اعتبار سے منفرد اور ممتاز ہے کہ اس کے مصنف کو اس سے قبل اس موضوع پر لکھی گئی بیشتر کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا اور دوسری کتابوں میں ذکر

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۴

شدہ معجزات کا بیشتر حصہ اپنی کتاب میں بڑی عمدگی سے درج کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

> ''علامہ یوسف بن اسماعیل مبہانی کو یہ فخر حاصل ہے کہ باب معجزات میں اتنی جامع کتاب کی تصنیف میں وہ منفرد ہیں۔ اگر چہ ان کا ماخذ متقدم علما ہی کی تصانیف ہیں مگر جامعیت اور حسن ایجاز میں اس کتاب کی انفرادیت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ وہ بعض جدید سیرت نگاروں کی طرح معجزات اور تصرفات واختیارات کو ہلکے پھلکے طور سے بیان کر کے گزر جاتے ہوں، نہیں بلکہ وہ جس معجزہ کو لیتے ہیں بہ تمام وکمال بیان کرتے ہیں تاکہ دلوں میں عظمت رسول کا چراغ روشن ہو اور غیروں میں بھی تصدیق رسول کی تڑپ پیدا ہو۔ ان کا مقصد جدید مصنفین کی غرض سے اعظم واعلیٰ اور ان کا یقین وایمان ان کے اسلام سے کہیں زیادہ راسخ وقوی ہے۔ ان مصنفین کے دلوں کی صفائی اور ان کی نیک نیتی کو علامہ موصوف کے حسن اخلاق اور صفائے قلب وارادہ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ وہ ایجاز واجمال کے موقع پر بھی تعظیم واجلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔''(۱)

علامہ مبہانی نے اپنی کتاب کا ماخذ جن معتمد ومستند کتب سیرت ومعجزات کو بنایا ہے اور جن اکابر اسلام کی تحقیقی کتابوں سے استفادہ کیا ہے پوری دیانت داری کے ساتھ دیباچۂ کتاب میں انھیں ذکر فرما دیا ہے۔ یہ کل پندرہ کتابیں ہیں، ان میں نو کتابوں کا ایک نام ''دلائل النبوۃ'' ہے اور اس نام کی کتب کے مصنفین میں امام ابو بکر بیہقی، ابو نعیم اصفہانی، ابو الشیخ اصفہانی، ابو القاسم طبرانی، ابو زرعہ رازی، ابو بکر بن ابی الدنیا، ابو اسحاق حربی، ابو جعفر فریابی اور ابو عبد اللہ مقدسی کا اسم گرامی ہے۔

---

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۷

علامہ نبہانی کی اس کتاب کی جامعیت کے پیش نظر ہی صدر العلماء نے اس کا اردو ترجمہ شروع کیا تاکہ اردو داں قارئین ان علمی خزانوں سے آشنا ہوں اور معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جو دلائل قدرت پوشیدہ ہیں ان سے مومنین کی نگاہیں روشن ہوں اور ان کے ایمان ویقین کو تازگی میسر آئے۔ لیکن ابھی ربع حصے کا ترجمہ ہوا تھا کہ اس کی اشاعت کی کوششیں ہونے لگیں اور یہ مبسوط مقدمہ زیب قرطاس ہوا۔ ترجمہ تو نہ چھپا مگر یہ علمی وتاریخی مقدمہ کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مولانا محمد ارشاد عالم نعمانی [استاذ مدرسہ قادریہ، بدایوں] نے اپنی عہد طالب علمی میں اس پر مفصل تبصرہ وتعارف تحریر کیا تھا جو ماہ نامہ اشرفیہ کی زینت بنا، اس میں وہ ایک جگہ کتاب کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پوری کتاب تحقیق وتدقیق کا گنجینہ ہے۔ وقیع بحث واستدلال، اصولی گفتگو، واقعات وروایات کی تنقیح، سیرت نبوی کی فضیلت وعظمت کے لحاظ سے عوام کے لیے عموماً اور اہل علم کے لیے خصوصاً مفید ہے۔ آپ کی یہ تصنیف آپ کی علمی صلاحیت، حدیث واصول حدیث میں بصیرت، وسعت مطالعہ، دقت نظر، ناقدانہ تعاقب، جودتِ طبع، قانونی واصولی دقیقہ سنجی، ژرف نگاہی اور بالغ نظری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جگہ جگہ اردو ادب وتنقید کی روح سے پوری کتاب مزین ہے۔ جمالیات، ادیبانہ لب ولہجہ، لطیف تنقیدوں، عالمانہ گرفت، محققانہ استدلال، متکلمانہ بحث سے کتاب کی خوبیاں دوبالا ہوگئی ہیں، جو قارئین کے لیے جہاں تفنن طبع، تسکین ذوق کا سامان فراہم کرتی ہیں وہیں علم ومعلومات میں بے انتہا اضافہ بھی۔'' (۱)

''معجزات'' واقعی حجۃ اللہ ہیں اور اسلام کی عظمت وسطوت کے بیان میں ان کی تاثیر

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۳۶

کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ محدثین عظام نے ان معجزات کو اپنی کتابوں میں مستقل باب کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، ان سچے واقعات کو پڑھ کر ایک بندۂ مومن کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت مستحکم ہوتی ہے اور دنیا میں اسلام کی حقانیت مشتہر ہوتی ہے۔ اس لیے ان معجزات کو سیرت نبوی سے کسی طرح جدا نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسے محدثین و محققین علما و ائمہ پر رکیک حملے کیے جا سکتے ہیں جنھوں نے ان معجزات کو معتبر حوالوں اور ثقہ سندوں کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے یا ان پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ جن لوگوں نے ایسی ناروا جسارت کی ہے اور سیرت رسول کو فرضی واقعات سے پاک وصاف کرنے کی آڑ میں بے بنیاد دلیلوں کا سہارا لے کر سچے معجزات ہی کا انکار کیا ہے یا ان کو شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھا ہے وہ اسلام کے بھی مجرم ہیں اور مسلمانوں کے بھی ہمدرد نہیں۔ ایسے نام نہاد سیرت نگاروں کے لیے صدر العلماء کے قلم کا تیور ملاحظہ فرمائیں:

> ”لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کے نزدیک یہ محدثین بہت بڑے مجرم ہیں۔ جرم کی اصل بنیاد صرف یہ ہے انھوں نے تعظیم رسول کے جذبات کو فروغ دینے کا سامان کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ ان حضرات کو مجرم ثابت کرنے کے لیے ایک سے ایک دل فریب دلیلوں کا اختراع کیا گیا ہے، عجب عجب کرشموں اور صریح کذب و دروغ تک سے کام لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی علمائے امت کے مسلمات اور مدلل اصولوں کی بھی ہدف تنقید بنانے میں ذہن و قلم کی پوری توانائیاں صرف کر دی گئی ہیں۔“(۱)

”تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ“ اختراع اور جدیدیت پسند محققین کے اختراعی علمی و تحقیقی شیش محل کو چکنا چور کرتا ہے اور اس کی اینٹ اینٹ بکھرتی محسوس ہوتی ہے اور دنیائے علم میں ان کے علم و تحقیق کا بھرم کھل جاتا ہے۔ ان کی فرضی تحقیق پر دل خون کے آنسو روتا ہے، اس سے زیادہ افسوس ان پر ہوتا ہے جو ایسوں کے تحقیقی جہان کو من وعن تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن اکابر

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، ص:۱۱

علما و محققین کے علم و تحقیق پر انگشت نمائی سے نہیں چوکتے اور ان پر بے بنیاد تنقیدوں کی بوچھار کرتے ہیں۔ اب ذیل میں ہم ان عبارتوں کو پیش کرتے ہیں جن کا اس کتاب میں محاسبہ کیا گیا ہے اور معجزات رسول پر ان کی تنقیدوں کا حقیقی اصول کا سہارا لے کر جواب دیا گیا ہے۔

شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبی'' جیسی کتاب لکھی تو علمی دنیا میں اس کا کافی چرچا ہوا اور انھیں بہت بڑا سیرت نگار تسلیم کیا گیا، لیکن انھوں نے سیرت کے نام پر اس کتاب میں جو گل کھلائے اس کا بالکل ذکر نہیں کیا گیا، گویا جو کچھ تحریر کیا گیا وہ حقیقت پر مبنی اور صد فیصد سچائی ہے اور تنقید کی کسوٹی پر پرکھا ہوا مواد ہے۔ صدر العلماء نے شروع میں چھ نمونے درج کیے ہیں پھر ترتیب وار ان کا تنقیدی محاکمہ کیا ہے اور فن واصول کی میزان پر انھیں تول کر سنجیدہ علمی دنیا کو ان کے رد و قبول کا اختیار دیا ہے۔ وہ نمونے آپ بھی دیکھیں:

سلیمان ندوی نے سیرت النبی، جلد سوم میں تحریر کیا ہے:

(۱) ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں۔ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں یعنی ان کتابوں میں جن کو ''لوگوں'' نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کر کے صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے، یہی کتابیں ہیں جنھوں نے جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد وفضائل کی ''تمام کتابوں'' کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے۔''(۱)

(۲) ''اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم خالی ہیں۔''(۲)

(۳) ''کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں، بلکہ کثرت سے عجیب وحیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا، تا کہ خاتم المرسلین کے

---

(۱) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء، جلد سوم، ص: ۷۲۰

(۲) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء، جلد سوم، ص: ۷۲۰

فضائل ومناقب کے ابواب میں معتد بہ اضافہ ہو سکے۔''(۱)

(۴) ''ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ ''تمام تر'' ''ان ہی'' ''بے بنیاد روایتوں'' سے بھرے ہوئے ہیں۔''(۲)

(۵) ''ان بزرگوں [مصنفین کتب دلائل وفضائل] کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے، جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انھوں نے ہر قسم کے راویوں کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا۔ اور ''تمام لوگوں'' نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا۔ حالاں کہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں۔ اور ان کے سلسلۂ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں جن کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔''(۳)

(۶) ''یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجے کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحب یہ کتابیں ہیں: [کتابوں کے اسما کی تفصیل] اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں: صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں [یعنی صحاح ستہ] پر محدثین کا اعتماد ہے اور ان ہی پر ان کا مدار ہے۔ تیسرے طبقہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں اور جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے۔ غرض جو صحیح اور غلط اور خطا وصواب میں امتیاز کامل رکھتے ہیں۔ چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع وتدوین کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کاوش فکر ہے۔''(۴)

ان نمونوں کو درج کرنے کے بعد صدر العلماء لکھتے ہیں:

---

(۱) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء، جلد سوم، ص: ۷۲۰

(۲) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء، جلد سوم، ص: ۷۲۱

(۳) نفس مصدر، ص: ۷۲۴

(۴) نفس مصدر، ص: ۷۲۲، ۷۲۳

”دیکھا آپ نے! یہ اعتراف ہے کہ ان کتابوں کی تدوین سے ان محدثین کرام کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب کے ابواب میں معتد بہ اضافہ ہو سکے، پھر بھی وہ مجرم ہیں اور در حقیقت ان کا بنیادی جرم یہی ہے جیسا کہ ہم اخیر میں واضح کریں گے، باقی الزامات جو کچھ ان پر عائد کیے جا رہے ہیں ان کا تھوڑا سا تجزیہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔“(۱)

یہاں صدر العلماء نے آٹھ صفحات میں ان الزام تراشیوں کا جو ناقدانہ اور منصفانہ جائزہ لیا ہے وہ علم اصول حدیث سے ان کی گہری واقفیت اور دقت نظر کو واضح کرتا ہے۔ ان میں علمی دیانت بھی ہے اور فکری تمازت بھی، اسلوب وادا میں پختگی بھی اور عالمانہ زور بیان بھی۔ سیرۃ النبی کے مصنفین نے ان علما ومحدثین پر جو الزامات لگائے تھے اس جائزہ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں، نہ روایت کے اعتبار سے ان میں کوئی جان ہے نہ درایت کے اعتبار سے وہ قابل اعتنا ٹھہرتے ہیں۔ لیکن ان کا زور بیان دیکھ کر اول نظر میں خالی الذہن اور سادہ لوح قاری دھوکا کھا جائے گا کہ یہ تو بہت اہم بات انھوں نے لکھی ہے اور واقعی ایسا ہونا چاہیے کہ جو واقعات بھی سیرت کا حصہ بنیں وہ حقیقی ہوں اور معتبر ومستند بھی ہوں، نہ فرضی داستان طرازی ہو نہ طلسم ہوش ربا، شواہد قابل قبول ہوں اور من گھڑت تو بالکل نہ ہوں۔ لیکن ایک عالم اور سند ومتن کی صحیح پہچان رکھنے والا محقق زور بیان کی رنگینیوں میں کھو نہیں جاتا، نہ طلسمی کائنات میں اپنا ہوش گنواتا ہے، بلکہ وہ ان بنیادوں کا پتہ لگاتا ہے اور ان سندوں کی حیثیت متعین کرتا ہے جو ان معجزاتی واقعات کی ترسیل کرتی ہیں۔

سیرۃ النبی کے مصنفین نے عام قارئین کے ذہن ودماغ کو مغالطے میں ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے تاکہ ان کا یقین واذعان زائل ہو اور فکری آوارگی ان میں سرایت کر جائے۔ سیرۃ النبی کے پہلے اقتباس کی تردید کرتے ہوئے صدر العلماء رقم طراز ہیں:

---

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳

"یہ بالکل جھوٹ ہے اور محافل میلاد سے محض ذاتی عناد کی بنا پر اس جھوٹ کو روا رکھا گیا ہے۔ مولف کے دعوے کی تکذیب معمولی سمجھ والا آدمی بھی کر سکتا ہے کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ مجالس میلاد کے تمام تر بیانات ان ہی بے بنیاد روایتوں سے لبریز ہوں جب کہ آئے دن عوام بخاری و مسلم اور دوسری صحیح روایات ان ہی مجالس میں سنتے رہتے ہیں۔"(۱)

اور سلیمان ندوی نے دوسری عبارت میں جس طرح کا بے بنیاد دعویٰ کیا ہے اس کی فریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے صدر العلماء لکھتے ہیں:

"یہ دعویٰ بھی لغو سا ہے اور اس پر مبنی ہے کہ کتب دلائل میں صرف وہی روایات ہیں جو کتب صحاح میں نہیں۔ حالاں کہ آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ ان کتابوں میں کتب صحاح کی روایات بھی موجود ہیں۔ رہا یہ کہ بخاری و مسلم یا دیگر کتب صحاح میں بعض روایات نہیں، لہٰذا وہ نا معتبر ہیں۔ یہ ایک مغالطہ ہے جو کم علم افراد کو دھوکا دینے کے لیے بڑی شد و مد کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔"(۲)

ہم نے ماقبل میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین کا مقصد تالیف روایات احکام و عقائد تھا اور ان کتب میں فضائل و مناقب سے متعلق روایتیں ضمناً آئی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کتب میں جو نہیں درج ہے وہ اصولاً صحیح و حسن نہیں یا ان سے احکام شرعیہ مستنبط نہیں ہو سکتے یا دیگر کتب حدیث نا قابل اعتبار ہیں اور کسی باب میں ان سے استناد درست نہیں۔ یہ بھی ایک مغالطہ ہے جو زور بیان کا سہارا لے کر بڑی چالاکی سے دیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں صدر العلماء نے اتمام حجت کے طور پر جو تحریر فرمایا ہے اس کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال،

---

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، ص: ۱۴

(۲) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، ص: ۱۶

تقریب وغیرہ تمام کتب رجال بلکہ بعض کتب اصول حدیث وغیرہ بھی دیکھ جایئے امام بخاری کے تذکرہ میں یہ ملے گا کہ انھیں ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں۔ جب کہ صحیح بخاری کی کل روایات چار ہزار سے زیادہ نہیں۔ تو کیا کوئی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ باقی تمام روایات ضعیف یا موضوع ہیں۔ آخر خود امام بخاری کی باقی چھیانوے ہزار صحیح احادیث کہاں ہیں؟ ـــــ امام احمد بن حنبل کے تذکرہ میں ملے گا کہ انھیں دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں جب کہ ان کی مسند کی تمام روایات لاکھ کو بھی نہیں پہنچتیں، بلکہ آدھ لاکھ بھی نہیں، صرف تیس ہزار ہیں۔ تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ باقی ساری احادیث ضعیف ہیں؟ درحقیقت یہ صرف ایک جاہلانہ مغالطہ ہے کہ جو احادیث صحاح ستہ میں ہیں وہ صحیح ومعتبر، جو ان میں نہیں ہیں نامعتبر۔ کیوں کہ اگر معتبر ہوتیں تو ان کتابوں میں ضرور درج ہوتیں۔"

آگے کی سطور میں ذرا مختلف انداز میں انتہائی دقیق عالمانہ جملے تحریر فرماتے ہیں:

"اعتبار وصحت کا دارومدار صحاح ستہ میں مندرج ہونے نہ ہونے پر ہرگز نہیں۔ ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بھی صحیح وحسن حدیثوں کے ساتھ ضعیف روایتیں بھی موجود ہیں، بلکہ موضوع بھی ہیں، مسلم کی بھی بعض حدیثوں کو ضعیف کہا گیا ہے۔ بخاری پر الزام ہے کہ اس کی بھی بعض حدیثیں ضعیف ہیں اور بعض کے متعلق تو فیصلہ ہے کہ یقیناً ضعیف ہے، بلکہ ابن حزم نے تو مسلم کی ایک روایت کو موضوع بھی کہا ہے۔" (۱)

اس جگہ اپنی باتوں پر چند شواہد بھی پیش کیے ہیں، اس کے بعد صدر العلماء نے چند اصولی بحثیں درج کی ہیں جو پچاس صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ کل آٹھ بحثیں ہیں:

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، ص: ۱۷

(۱) کس مسئلہ کے لیے کس درجہ کی حدیث درکار ہے؟

(۲) حدیث ضعیف کب قوی ہو جاتی ہے؟ اسی میں بیان ہوا ہے کہ دو سندوں سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

(۳) قبول علما اور عمل علما سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

(۴) مراتب حدیث اور غیر صحیح کے معنی کیا ہیں؟ نیز ضعیف اور موضوع میں کیا فرق ہے؟

(۵) راوی کے مجہول ہونے سے حدیث باطل و موضوع نہیں ہوتی۔

(۶) مبہم سے بھی حدیث باطل نہیں ہوتی۔

(۷) موضوع ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟

(۸) حکم وضع سند پر ہوتا ہے اصل حدیث پر نہیں۔

ان بحثوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تنقید معجزات کے علمی محاسبہ کا حق ایسے ہی جید و ماہر العلوم مصنف و محقق کو حاصل ہے جو محض روا روی میں کوئی جواب نہ تحریر کرے بلکہ اصول فن کی روشنی میں ہر مسئلے کی توضیح و تنقیح ہو تاکہ اہل علم کی بزم میں کسی جملے کو بھی رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کتاب میں یہی رنگ نظر آتا ہے اور بحثوں کو پڑھ کر دل جھوم جاتا ہے۔ ان بحثوں کا اختتامیہ یہ پیراگراف ہے:

> ''یہاں تک اصولی بحثیں کی گئی ہیں، جن سے دورِ جدید کے خود ساختہ محققین کی بے اصولیوں کا پردہ فاش ہوتا ہے اور روایات پر صحیح تنقید اور غلط تنقید میں امتیاز کے پیمانے معلوم ہوتے ہیں۔ ان مباحث کو ذہن نشین رکھا جائے تو بہت سی بے جا تنقیدوں کا محاسبہ خود ہی کیا جا سکتا ہے۔''(۱)

اس کے بعد ''روایات معجزات کی تنقیح'' کا جلی عنوان ہے جس میں چند تنقیدوں کا مفصل محاسبہ کیا گیا ہے اور فضائل و معجزات کی معتبر روایتوں کو بے اعتبار ٹھہرانے کی غرض

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۷

ے جس طرح کی صریح خیانتوں کا ارتکاب کیا گیا ہے اور علم وتحقیق کے نام پر محدثین ومصنفین کے علمی قد کو بالکل چھوٹا دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے علمی وتحقیقی مقام وعظمت پر جس طرح تیشہ زنی کی گئی ہے انھیں ظاہر کر دیا گیا ہے اور سیرۃ النبی کے مصنفین کو خود علم وتحقیق کی کچہری میں بغلیں جھانکنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

''سیرۃ النبی'' میں روایات پر طعن وتشنیع کا یہ اقتباس دیکھیں:

''دلائل ومعجزات کے باب میں موضوع ومنکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے۔''(۱)

ان جملوں پر صدر العلماء کا تعاقب اور عالمانہ گرفت ملاحظہ فرمائیں:

''کوئی مستقل ضخیم جلد تیار کر دینا تو یقینا آپ کی یاوہ گوئی سے کوئی بعید نہیں، مگر اس باب میں کوئی محقق ومسلم کتاب لکھنا یقینا آپ کی ذات سے محال ہے۔ صرف چند روایات کی تنقید میں تو وہ وہ کرشمے دکھائے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ اگر ایک ضخیم جلد تیار کرتے تو کیا حال ہوتا۔ ابن الجوزی جیسے علامۂ مدقق نے موضوعات میں ایک ضخیم جلد تیار کی اور بھی بعض علما نے اس طرح کی کوشش کی، ان کی نیتوں پر حملہ نہیں کیا جا سکتا مگر کتنی صحیح وحسن روایات کو بے اعتبار لکھ گئے، کتنی ضعیف احادیث کو موضوع کہہ گئے۔ یہ "التعاقبات علی الموضوعات، اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة، القول المسدد فی الذب عن مسند أحمد" اور "موضوعات کبیر" وغیرہ دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی نہیں۔''(۲)

(۱) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، جلد سوم، ص: ۷۳
(۲) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۷۴

لیکن یہ دیکھ کر حیرت اور افسوس کی ملی جلی کیفیت کا احساس ہوتا ہے کہ ان جدید محققین وناقدین نے صرف انھی روایات کو تنقید کا نشانہ بنایا جو عام طور پر محافل ذکر رسول میں بیان کی جاتی ہیں۔ان کا جملہ ہے:

> ''ہم صرف ان روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بصد شوق وذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔''(۱)

ظاہری بات ہے، انھیں ساری الرجی ذکر مصطفی اور تذکرہ میلاد سے ہے، اس سے انھیں جلن بھی ہوتی ہے اور دل کو رنج بھی پہنچتا ہے اس لیے سارا بخار بھی انھی روایتوں پر اتارا گیا۔اس سلسلے میں صدر العلماء رقم طراز ہیں:

> ''روایات تنقیح میں مؤلف [سیرۃ النبی] نے سب سے پہلے أول ما خلق اللہ نوری کو لکھا، اس پر یہ جرح فرمائی ہے کہ ''اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا۔'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دوسری صدی سے لے کر چودھویں صدی تک کی تمام احادیث ان کے دفتر میں موجود تھیں اور سب انھوں نے چھان ماریں، جب کہ حال یہ ہے کہ حدیث کی کتنی متداول کتابیں جو خود مؤلف کے عہد تالیف میں اسی ہندوستان کے اندر مخطوطہ یا مطبوعہ شکل میں دستیاب تھیں وہ بھی ان کے کتب خانہ میں نہیں، وہ احادیث جو أول ما خلق اللہ نوری کو ماننے والے علمائے کرام کی دسترس میں تھیں اور مؤلف کے حاشیۂ خیال تک بھی نہ پہنچیں ان کا تو شمار نہیں۔''(۲)

صدر العلماء نے صرف مذکورہ بالا تبصرہ کر کے بحث کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے بلکہ کثیر شواہد کی

---

(۱) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، جلد سوم، ص: ۷۴۳

(۲) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۷۵، ۷۶

روشنی میں حدیث نور کی حیثیت متعین فرمائی اور نور محمدی کی حقیقت پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔ اس طرح بارہ روایتوں پر مؤلف سیرۃ النبی نے غلط تنقیدوں کا تیشہ چلایا ہے اور صدر العلماء نے ترتیب واران کا جواب تحریر کیا ہے جو علم وتحقیق اور قلمی دیانت سے ہم آہنگ بھی ہے اور دفاع حقانیت کی عمدہ کوشش بھی ہے۔ سب سے اخیر میں انھوں نے ''غلط تنقیدوں کے اسباب'' تلاش کیے ہیں جن کی وجہ سے ان نام نہاد محققین کو ایسا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان محققین نے دنیا کو یہ باور کرایا کہ ہم نے اسلام کی صحیح وکالت کی ہے اور مستشرقین یورپ کی ریشہ دوانیوں کا علمی وتحقیقی جواب دیا ہے لیکن سچائی اس کے برخلاف ہے۔ صدر العلماء لکھتے ہیں:

> ''[یہ] نام نہاد مصنفین اپنی علمی کمزوریوں اور روح اسلام سے ناآشنائی کے باعث مستشرقین یورپ سے ہمیشہ مرعوب دکھائی دیتے ہیں اور بالکل معذرت خواہی کے انداز میں جواب رقم فرماتے ہیں، حتیٰ کہ اہل باطل کے غلط پیمانوں کو توڑنے کے بجائے خود اپنے پیمانے بدلتے اور توڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔''(۱)

غلط تنقیدوں کے جن اسباب کی نشان دہی کی گئی ہے وہ فرضی اور محض الزام کی شکل یا امر ممکن کی حیثیت میں نہیں ہیں بلکہ ان کا خارجی وجود ہے اور ذی شعور کے لیے ان اسباب کی شناخت مشکل نہیں۔

اس کتاب میں جملہ تراشیاں ''نہیں'' کے برابر ہیں۔ اس کا ہر ورق قابل تسلیم دلائل وبراہین، روشن شواہد، نفیس بحثوں اور محققانہ اُسلوب کی کہکشاؤں سے سجا ہوا ہے اور جن جدید محققین نے فرضی، من گھڑت بنیادوں کا طلسم ہوش ربا تشکیل دیا تھا بین السطور میں ان کی صرف چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ علم کا اجالا ہے جہاں جاہلانہ مغالطہ شرم سار ہوتا ہے اور الزام تراشیوں کا شیش محل اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔ ''تنقید معجزات کا علمی محاسبہ'' سچ بولنے والا ایک شفاف آئینہ ہے اور صدر العلماء ایک ماہر آئینہ ساز۔

---

(۱) تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۵۷

خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق

یہ رسالہ پہلی بار ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۴ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور سے چالیس صفحات میں شائع ہوا۔ گوکہ یہ تحریر مختصر ہے مگر اس میں جس حسن ایجاز اور کمال جامعیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ اس وقت اس کا تیسرا ایڈیشن نگاہ کے سامنے ہے جو ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ مذہب اسلام کی مسلم الثبوت تعلیمات کے خلاف اہل مغرب کی ریشہ دوانیاں اور شدید مخالفتوں کا سلسلہ ایک زمانے سے جاری ہے، الزام تراشی کا ہجوم ہے لیکن ثبوت ندارد، اتہام بازی ہے مگر بلا دلیل۔ گویا یہ جبری دعویٰ ہے کہ اگر دنیا نے اس دعویٰ کو قبول نہیں کیا تو وہ زبردستی اپنی بات منوا کر رہیں گے۔ نائن الیون کے بعد مغربی میڈیا نے عالمی پیمانے پر اسلاموفوبیا کا گھناؤنا کھیل شروع کیا اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق دہشت گردی کا پروپیگنڈہ زور پکڑنے لگا۔ اسی کے ردعمل کے طور پر جہاں اہل اسلام نے دیگر ذرائع سے اپنی توانائیاں صرف کیں، صحافتی سطح پر خانقاہ برکاتیہ کے دینی وعلمی ترجمان ''اہل سنت کی آواز'' نے اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ''اسلامی نظام اخلاق'' کے عنوان سے ایک خاص شمارہ شائع کیا۔ جس میں یہ مقالہ بھی شامل تھا، لیکن کتابی شکل میں اس کی اشاعت نے مقالے کی افادیت کو اور بڑھا دیا۔ لیکن اس سے صرف اردو داں طبقہ ہی مستفید ہو سکے گا اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ دیگر عالمی زبانوں میں اس کے تراجم شائع کر کے عام کیے جائیں تاکہ بین الاقوامی سطح پر یہ حقائق دنیا کے سامنے آئیں اور عالمی دانش وروں کا نظریہ تبدیل ہو۔

''اسلام'' نے انسانی زندگی کا ہر مسئلہ بیان کیا ہے اور بھرپور جامعیت اور پختگی کے ساتھ، فقہی ابواب میں جہاں پاکی، نماز، روزہ، حج، زکات، قربانی، میراث وغیرہ شامل ہیں وہیں امارت وحکومت اور قضا کے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں اور سیکڑوں جزئیات کے

ساتھ اس میں تنوع پیدا کیا گیا ہے۔ ''اسلامی تاریخ'' میں عہد نبوی کے ساتھ عہد خلفاے راشدین، ائمہ مجتہدین، مجددین اسلام، فقہاے دین، امرا وقضاۃ اور سربراہان مملکت کے تذکار بھی مندرج ہیں۔ ان میں منہاج شریعت پر قائم ''خلافت راشدہ'' تاریخ اسلام کے ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے اور خلفاے راشدین کا طرز حکومت مثالی خوبیوں کا حامل تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ''اخلاقیات'' کا جتنا اچھا نظام اسلام نے پیش کیا ہے کسی اور قوم یا مذہب نے نہیں کیا۔ دیگر اقوام وملل کی تاریخ پڑھ جایئے ان کے یہاں اخلاقیات کا چرچا تو ملتا ہے لیکن اخلاقیات کے نام پر جو طوفان بدتہذیبی اور غیر اخلاقی عناصر نظر آتے ہیں ان کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔

صدر العلماء نے اس تحریر کا آغاز اخلاق کی تعریف اور اسلامی نظام اخلاق کے مفہوم کے بیان سے کیا ہے۔ نظام اخلاق کسی فرد یا خاندان یا سماج کے لیے طے شدہ اصولوں کی پابندی کو کہا جاتا ہے اور اسلامی نظام اخلاق بقول صدر العلماء:

> ''وہ ہے جو خالق کائنات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر کے دنیا کو اس کی پاسداری کی ہدایت کی ہے اور اس کو اپنانے پر آخرت میں انعام کی بشارت دی ہے اور خلاف ورزی پر سزا کی وعید سنائی ہے۔ اس لیے اسلامی نظام اخلاق کا رشتہ خدا ورسول اور آخرت پر ایمان سے استوار ہوتا ہے اور مومن اچھے اخلاق کو اپناتا ہے تو صرف اس لیے نہیں کہ اس سے دنیاوی منفعت یا نگاہ خلق میں عزت حاصل ہوگی بلکہ اس لیے کہ وہ خدا ورسول کے نزدیک مطلوب اور ان کی خوش نودی کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے وہ خلوت وجلوت ہر حال مین نیک اخلاق کی پابندی کو ضروری جانتا ہے اگرچہ بعض صورتوں میں اسے دنیاوی نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔''(۱)

(۱) خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۴ء، ص: ۵،۶

اس اقتباس سے سمجھ میں آیا کہ اسلامی نظام اخلاق انسانوں کا خود ساختہ کوئی نظام نہیں ہے بلکہ اس کی تشکیل وتدوین اللہ ورسول نے فرمائی ہے۔ انسانوں کا تشکیل دیا ہوا نظام ہزار خامیوں سے بھرا ہوتا ہے اور بدلتے عہد کے ساتھ اس میں ترمیم وتنسیخ کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں وہ جامعیت بھی نہیں ہوتی جو الٰہی نظام میں لازمی طور پر موجود رہتی ہے۔ اس لیے اسلامی نظام اخلاق خامیوں اور کمزوریوں سے بھی پاک ہے اور ہمہ گیریت کا جمال بھی رکھتا ہے۔ اسلام کا معاشرتی نظام بلند تر اخلاقی حسن سے سجا ہوا ہے اور قبیح وناروا اوصاف سے یکسر خالی ہے۔ اخلاقی نظام میں اخلاق حسنہ کی تکمیل اور اخلاق قبیحہ سے اجتناب ضروری ہے اس لیے یہاں پچاس اخلاق حسنہ اور چالیس اخلاق قبیحہ کی فہرست دی گئی ہے، اس اجمال اور نا تمام فہرست کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاقیات کا دائرہ کتنا وسیع وعریض ہے اور اس میں ہر شعبۂ زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

"وانک علی خلق عظیم" کی حامل ذات کے فیضِ صحبت کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام اخلاق عالیہ کا نمونہ تھے۔ ان نفوس قدسیہ میں خلفاے راشدین کا درجہ سب سے زیادہ بلند وبالا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد جب زمام خلافت ان حضرات نے سنبھالی تو وہ اخلاقی نظام نافذ کیا ہے جس کا عملی مظاہرہ عہد نبوی میں ہوتا رہا۔ صدر العلماء لکھتے ہیں:

> "ان حضرات نے خوف خدا، امانت ودیانت، پاس عہد، احساس ذمہ داری، انسانی ہمدردی، زہد وقناعت، ایثار وتواضع اور عدل وانصاف وغیرہ اخلاق عالیہ کا وہ ریکارڈ قائم کیا ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔"(۱)

صدر العلماء نے ان حقائق کو مختصراً بیان کیا ہے کیوں کہ یہ کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ ایک مقالہ تھا اور ایک سال نامہ میں اس کی اشاعت ہوئی تھی، اس لیے چند مستند واقعات کی

---

(۱) ص: ۸

روشنی میں شواہد پیش کیے ہیں۔ ان میں زہد وقناعت، تواضع، رعایا کی خبر گیری اور خدمت گزاری، عمال کی خبر گیری، عدل ومساوات، ذمیوں کی رعایت اور خوف خدا جیسے ذیلی عنوانات قائم کر کے عہد خلفائے راشدین سے سچے واقعات کی سندیں درج کی ہیں اور ان پر مختصر تبصرہ کیا ہے۔ یہ واقعات فکر انگیز بھی ہیں اور سبق آموز بھی، ان میں اثر انگیزی بھی ہے اور فکری کشش بھی۔ انھیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت وامارت ملنے کے بعد بھی ان خلفا کی زندگیوں میں نہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ آیا اور بے اعتدالی آئی، بلکہ ان کی زندگی عام مسلمانوں جیسی سادہ اور عیش وتنعم سے پاک وصاف رہی۔ ان کے پاس بقدر ضرورت سامان تعیش موجود تھا، وہ اپنی معیشت پر بعد خلافت بھی قائم رہے، ان کے احتیاط اور تقویٰ میں بھی کوئی فرق نہ پڑا، یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ متواضع ومنکسر المزاج رہے اور کبر ونخوت سے کوسوں دور رہے۔ خلافت ایک شرعی ذمہ داری کا نام ہے، یہ کوئی ایسا منصب نہیں جو پیسہ خرچ کر کے حاصل کر لیا جائے، بلکہ مسلمانوں کا اعلیٰ دماغ اہلیت کی شرط پر یہ منصب کسی کو تفویض کرتا ہے اور خلیفہ بھی اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اس کی ادائیگی میں بے چین رہتا ہے۔ ساتھ ہی آخرت میں خدا کے حضور جواب دہی کا خوف بھی انھیں ہمیشہ چوکنا رکھتا تھا، کمزوروں کی مدد، بیماروں کی مزاج پرسی، پریشاں حالوں کی خدمت گزاری اور غم زدوں کی غم خواری ان کی زندگی کا معمول تھا۔

اسلامی سلطنت کے عمال بھی انھی اخلاق فاضلہ کے پابند تھے اور امیر المومنین ہر ایسے عامل کو اس کے عہدے سے معزول کرنے کا اختیار رکھتا تھا جو اسلامی نظام اخلاق کے نفاذ میں کوتاہی کرتا یا خود اس کے خلاف کا مرتکب ہوتا۔ اس کی مثالیں بھی تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ لشکر اسلام کا سپہ سالار بھی فتح وکامرانی کے زعم میں کسی طرح کی بے اعتدالی یا خلاف اخلاق قدم اٹھانے کا مجاز نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقیات کو دیکھ کر سخت سے سخت جانی دشمن بھی نرم ہو جاتا اور اسلام کے دامن میں پناہ لے لیتا۔

یہ ایسے آقا تھے کہ امور خلافت میں عدل ومساوات ان کی شناخت رہا، انھوں نے نہ صرف یہ کہ عزیزوں، رشتہ داروں اور زور دستوں سے انصاف دلایا ہے بلکہ اپنی ذات سے بھی

انصاف دلایا ہے اور ان کی سیرت و کردار کے زریں واقعات اس عدل گستری کے شاہد ہیں۔

مقالہ نگار نے درمیان میں جہاد اور جزیہ کا قضیہ چھیڑا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مستشرقین ان دونوں مسائل میں اسلام پر الزام تراشی کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراضات اسلام کی حقیقی تعلیمات سے بے خبری کا نتیجہ ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ”اللہ عز وجل نے اہل اسلام کو اس کا ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ خدا کی ہدایت ساری دنیا میں پہنچائیں اور اللہ کا قانون پوری زمین پر نافذ کریں۔ دنیا سے کفر و شرک اور ظلم و ناانصافی کو مٹائیں اور حق و عدل کی بالادستی قائم کریں۔ اس کی تعمیل میں اہل اسلام نے ساری دنیا کو حق کی دعوت دی اور روے زمین پر حکم الٰہی کی تنفیذ کے لیے جان و مال سے کوشش کی۔ دوسری قوم اگر اسلام قبول نہیں کرتی تو اس کے لیے کم از کم یہ تھا کہ حکومت اسلام کی ماتحتی قبول کرے اور حکومت اس کی جان و مال کے تحفظ کی ذمہ دار ہوگی، جس کے لیے اسے جزیہ دینا ہوگا۔“(۱)

جزیہ کی رقم اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کرنے والوں کی جان و مال کے تحفظ کا بدل ہوتی ہے اور اسلامی حکمراں اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی آزادی ہوتی ہے اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔ ماتحت قوم کے ساتھ بالا دست کی ایسی رعایت کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ اس ضمن میں صدر العلماء کے قلم زرنگار کا تیور ملاحظہ فرمائیں:

> ”آج جب کسی کو طاقت حاصل ہوتی ہے تو وہ لاکھوں انسانوں کو بے دریغ قتل کرتا ہے، شہر کے شہر ویران کر دیتا ہے اور اپنی چلانے کے لیے پوری دنیا کو غلام بنا لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کے حمایتی اس کی یہ ساری کاروائی جائز تصور کرتے ہیں۔ اگر اپنی بالادستی کے لیے کوئی

(۱) خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۰

سب کچھ کرنے کا حق رکھتا ہے تو خدا کے قانون کی بالادستی کے لیے اس کی پوری مخلوق پر رحم وعدل والا قانون نافذ کرنا کیوں جرم سمجھا جاتا ہے؟"(۱)

یہاں مقالہ نگار نے ان تاریخی صلح ناموں کے نمونے پیش کیے ہیں جن میں ذمیوں کی جان، مال، معابد کا تحفظ اور ان کے مذہب اور مراسم سے عدم تعرض کا ذمہ لیا گیا تھا۔ اسلامی حکمراں یہاں بھی ایک عادل وانصاف پرور انسان کی شکل میں جلوہ گر ہوتا ہے اور یہ سب کچھ وہ خوف خدا کے سایے میں انجام دیتا ہے۔ اس لیے خوف خدا کے عنوان پر چند تاریخی شواہد درج ہیں، پھر حرفِ آخر یوں قلم بند ہوا ہے:

"یہ وہ اخلاق عالیہ ہیں جن کی مثال کسی قوم کے بڑے بڑے عابدوں اور پارساؤں میں نہیں مل سکتی، اور جہانبانی وحکمرانی کے باب میں خلفاے راشدین نے جو احتیاطیں برتی ہیں اور جس طرح قوم کو راحت پہنچائی ہے اور خود کو ہر آرام سے کنارہ کش رکھا ہے، اس کی نظیر کسی دوسری قوم میں ملنے کی توقع ایک خیالِ خام سے زیادہ نہیں۔ آج باطل کی قوت اور مسلمانوں کی مجرمانہ مسلسل غفلت نے لوگوں کے لیے طرح طرح کی زبان درازی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ لیکن ہر انصاف پسند اور حق نگر یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ عالمی امن اور دائمی خوش حالی اسلامی قوانین اور رسول اسلام اور خلفاے راشدین کی سیرت کے اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔"(۲)

کتاب کا اسلوب تحریر یہاں بھی علمی واستدلالی ہے اور صدر العلماء کا تاریخی شعور ہر ورق پر نشانِ راہ بنا نظر آتا ہے۔

---

(۱) نفس مصدر، ص: ۳۱

(۲) نفس مصدر، ص: ۴۰

مواھب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل [۱۴۲۹ھ]

یہ سورۂ کہف سے سورۂ فرقان تک "مدارک التنزیل و حقائق التاویل" [از: امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی علیہ الرحمہ، م: ۷۱۰ھ] کا شاندار عربی حاشیہ ہے، جو مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۰ء میں مجلد شائع ہوا۔ اب تک اس حاشیہ کے چار ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور اساتذہ وطلبہ میں بے پناہ مقبول ہیں۔ درس نظامی میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی امہات الکتب کو شامل کیا گیا ہے۔ اسی غرض سے تفسیر کی تین عربی کتابیں درس نظامی میں رکھی گئیں: مختصر ترین "جلالین شریف"، متوسط "مدارک التنزیل" اور بسیط تفسیر "بیضاوی شریف"۔ اس تعلق سے بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ اپنے شاگرد رشید شیخ القرآن علامہ عبداللہ خاں عزیزی کی شرح مدارک کی ابتدا میں رقم طراز ہیں:

> "جلالین شریف تفسیر سے زیادہ ترجمہ اور فقہ شافعی کی تائید ہے اور تفسیر کے لیے ترجمۂ قرآن کی ضرورت بنیادی ہے۔ بیضاوی شریف اپنے بسط کی وجہ سے پوری پڑھانی مشکل تھی، صرف سورۂ بقرہ کی تفسیر درس میں شامل کی گئی تاکہ بسط وتفصیل کا بھی اندازہ ہو جائے۔ مدارک ایک متوسط اور جامع کتاب ہے۔ صاحب کشف الظنون [علامہ خلیفہ ابن خیاط علیہ الرحمہ] فرماتے ہیں: "مدارک التنزیل وحقائق التاویل علم تفسیر میں امام حافظ الدین عبداللہ ابن احمد نسفی [متوفی: ۷۰۱ھ] کی ایک متوسط کتاب ہے، جس میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہیں:
>
> (۱) نظم قرآن کی نحوی ترکیب۔
>
> (۲) علم بدیع اور اشارات کی باریک بینیوں کی توضیح۔
>
> (۳) گمراہوں اور مبتدعین کے اباطیل سے خالی۔

(۴) نہ تھکا دینے والی طوالت، نہ فہم مراد میں خلل ڈالنے والا اختصار۔

(۵) زمخشری نے کشاف میں اعتزال کے لیے جو خفیہ کاری کی تھی اسے چھان کر باہر نکالنا۔

(۶) قراءت سبعہ کی طرف اشارہ۔

ان تمام خوبیوں کو مساوات کے ساتھ بیان کرنا امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا کمال ہے۔ لیکن موجودہ دور میں ہمتوں کی پستی کی وجہ سے ان تمام خوبیوں کو سمجھ کر ہضم کرنا طلبہ کے لیے بہت مشکل ہے۔ اور مدارک شریف کا کوئی متداول حاشیہ اور شرح بھی نہیں جس سے یہ مشکل آسان ہو۔“(۱)

”مدارک التنزیل“ نہایت عمدہ تفسیر ہے، اپنی جامعیت اور پیرایہ بیان کی دلکشی کے لحاظ سے انفرادیت رکھتی ہے۔ اس میں اہل سنت کے افکار کی تحقیق اور گمراہ فرقوں کی تردید بھی کی گئی ہے۔ فقہی مسائل حنفی نقطۂ نظر سے بیان ہوئے ہیں۔ اس میں الفاظ قرآنی کی لغوی اور شرعی تشریح کے ساتھ ساتھ ہر آیت کے بارے میں قرا کے اقوال اور عربی ضرب الامثال کا بھی ذکر ہے اور ملحدین کے اعتراضات کا مدلل جواب بھی درج ہے۔ خود علامہ نسفی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”کتاباً وسطاً فی التاویلات، جامعاً لوجوہ الاعراب والقراءات، متضمناً لدقائق علمی البدیع والاشارات، حالیاً بأقاویل أھل السنۃ والجماعۃ، خالیاً عن أباطیل أھل البدع والضلالۃ، لیس بالطویل الممل ولا بالقصیر المخل.“(۲)

استاذ گرامی علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے تفسیر نسفی کے درج ذیل امتیازات

---

(۱) تقریظ، معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل، المجمع العزیزی، روناہی فیض آباد، ۲۰۰۴ء، ص: ۲۱

(۲) مدارک التنزیل طبع مکتبہ نزار مصطفی الباز، جلد اول، ص: ۳

شمار کرائے ہیں:

(۱) سوال وجواب کا معروف طریقہ "فان قلت... قلت" چھوڑ کر حاصل جواب نکتہ، یا تنبیہ وتوضیح کے عنوان سے پیش کر دیا گیا ہے۔

(۲) گمراہ کن فکر، اعتزالی نظریہ اور اولیا وانبیا کی شان میں کسی طرح کی یاوہ گوئی سے سخت پرہیز کیا گیا ہے۔

(۳) موضوع روایات بھی نہیں ہیں۔

(۴) قراءات کے بیان میں صرف متواترہ کا ذکر ہے، شاذہ نادر ہیں۔

(۵) مذہب اہل سنت کی تائید وتوثیق ہے لیکن کوئی بحث ومناقشہ نہیں۔

(۶) حنفی مذہب کی وضاحت ہے۔

(۷) اسرائیلیات کے ذکر سے اجتناب برتا گیا ہے۔

(۸) آیات کے مابین ربط ومناسبت کو بیان کیا گیا ہے، مشکل اعراب، وجوہ بلاغت اور تمثیلات واستعارات کا ذکر ہے۔

(۹) تفسیری اقوال اور اخبار وآثار کا ذکر تو ہے لیکن تخریج نہیں ہے۔

(۱۰) علمی وقار اور سنجیدہ گوئی کو شعار بنایا گیا ہے۔[۱]

تفسیر مدارک ایک زمانے سے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے، اہل علم نے ہمیشہ اسے پذیرائی بخشی ہے۔ اس تفسیر کی کوئی اردو شرح منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ شیخ القرآن علامہ عبداللہ خاں عزیزی علیہ الرحمہ جنھوں نے مختلف مدارس میں مسلسل اس کتاب کا درس دیا تھا، آپ نے اس جانب توجہ فرمائی اور ایک آسان اردو شرح تحریر فرمائی جو سورۂ کہف سے سورۂ حج تک کی شرح پر مشتمل ہے اور "معارف التنزیل" کے نام سے ۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی۔ اس کے بعد شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۰ء میں یہ عربی حاشیہ منظر عام پر آیا۔

---

(۱) مواهب الجليل لتحلية مدارك التنزيل، مجلس البركات، مبارک فور، شعبان ۱۴۳۲ھ، ص: ۳۵۰، ۳۵۱

تفسیر مدارک کا نصابی حصہ سورۂ کہف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۂ انبیا، سورۂ حج، سورۂ مومنون، سورۂ نور اور سورۂ فرقان پر مشتمل ہے اس لیے یہ عربی حاشیہ انھی سورتوں کی تفسیر کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے مجموعی صفحات تین سو چالیس [۳۴۰] ہیں، بقیہ پچاس [۵۰] صفحات میں علامہ نسفی کی سوانح، تفسیر مدارک کا تعارف اور اس تفسیر کے تین خاص ماخذ ''تفسیر کشاف'' [از: جار اللہ زمخشری]، ''تفسیر کبیر'' [از: امام فخر الدین رازی] اور ''تفسیر بیضاوی'' [از: قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی] سے مدارک کی بحثوں کا تقابلی مطالعہ و مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے، نیز حاشیہ مواہب کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ تقابلی مطالعہ کے ضمن میں ان تینوں مفسرین کا مختصر سوانحی خاکہ، علمی و تصنیفی خدمات اور ان کی مشہور کتاب کی خصوصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ''کشاف'' کے امتیازات میں درج ذیل امور بیان ہوئے ہیں:

(۱) وجوہ بلاغت کا بیان، علم معانی و بیان پر خاص توجہ، ادبی ولسانی نقطۂ نظر سے محاسن قرآن اور وجوہ اعجاز کی وضاحت۔

(۲) اشتقاق کا بیان، کلمات قرآنی کے محتمل معانی اور مشکل اعراب کا حل۔

(۳) اسناد اور تخریج کے بغیر اخبار و آثار کا ذکر۔

(۴) حنفی فقہ کی روشنی میں آیات احکام کی توضیح۔

(۵) قراءات متواترہ و شاذہ کا ذکر اور ضرورت کے پیش نظر ان کی لغوی، نحوی، صرفی توضیح۔

(۶) سوال جواب کے انداز میں مسائل و نکات کا بیان۔

(۷) نظم قرآنی کی ایسی تاویل جس سے مذہب اعتزال کی تائید ہو۔

اس کے بعد صدر العلماء نے فرقہ معتزلہ کے عقائد و اصول بیان کیے ہیں اور کہا ہے کہ ان اصول و نظریات کو ''کشاف'' میں جا بجا نمایاں کیا گیا ہے اور نظم قرآنی کے ایسے معانی بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ اصول کی توثیق ہوتی ہو۔ صاحب کشاف صوفیہ کرام کے بہت بڑے ناقد ہیں اور علما و اولیا پر شدید طعن کرتے ہیں، تنقید و طعن کا یہ نظارہ کشاف میں بھی دکھائی دیتا ہے۔

امام رازی کی کتاب ''مفاتیح الغیب فی تفسیر القرآن الکریم'' جس کا مشہور نام ''تفسیر کبیر'' ہے اس کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) آیتوں اور سورتوں میں مناسبات کا خاص اہتمام ہے۔

(۲) قدرت کی عظیم کاری گری اور تکوینی کمال پر مشتمل آیات پر عمدہ گفتگو کی گئی ہے۔

(۳) اصول دین کی توثیق کرتے ہیں۔

(۴) بدعتی فرقوں کے شبہات کا ذکر کر کے ان کا رد کرتے ہیں اور مذہب اہل سنت کی تائید کرتے ہیں۔

(۵) آیات احکام پر خاص توجہ مبذول کر کے ان سے مستنبط مسائل کو بیان کرتے ہیں اور اختلاف ائمہ کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

(۶) خاص اور اہم موضوع پر ایسی مبسوط گفتگو کرتے ہیں کہ اس کی حیثیت مستقل رسالہ کی ہو جاتی ہے۔

(۷) حق سے متصادم اسرائیلی روایات پر سخت نقد وجرح کرتے ہیں۔

(۸) وجوہِ اعجاز، نظم قرآن کی بلاغت اور بیان کی جمالیات کا خاص ذکر ملتا ہے۔

(۹) مختلف قراءتوں کا ذکر، ان میں صرف مشہور کا التزام نہیں ہے، کبھی کبھی شاذہ بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

(۱۰) غرائب قرآن کی تشریح اور اعراب واشتقاق کی توضیح کرتے ہیں۔

(۱۱) قرآن کی شرح وتفسیر اور ترغیب وترہیب کے لیے احادیث واقوال سلف بھی پیش کرتے ہیں۔

قاضی بیضاوی کی ''أنوار التنزیل وأسرار التاویل'' ایک مبسوط تفسیر ہے جس میں اس فن کی دقیق بحثیں اور اہم اشارات مذکور ہیں اور بحثوں کی تنقیح وتلخیص کے انوکھے جلوے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس کی خصوصیات صدر العلماء نے یہ بیان کی ہیں:

(۱) کلمات کی شرح، اشتقاق کا بیان اور اعراب کی وضاحت۔

(۲) وجوہ بیان اور انواع بلاغت کی توضیح۔

(۳) اسباب نزول کے ذکر پر اختتام کلام ہوتا ہے اور مختصراً واقعہ بھی ذکر ہوتا ہے۔

(۴) اختلافی امور میں اولاً اپنا مختار نظریہ ذکر کرتے ہیں پھر مرجوح کا بیان۔

(۵) کونی حقائق اور طبعی افکار پر خاص گفتگو کرتے ہیں۔

(۶) اہل سنت کی تائید اور باطل فرقوں کا رد کرتے ہیں۔

(۷) شرعی احکام میں مذہب شافعی کی تائید ملتی ہے۔

(۸) قراءات متواترہ وشاذہ کا ذکر۔

(۹) بغیر اسناد وتخریج کے اخبار وآثار کا ذکر۔ اسرائیلیات نہ کے برابر ہیں۔

کسی کتاب کی خصوصیات کا ذکر اس کی گہرے مطالعے، عمیق جائزے اور اعلیٰ بصیرت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس تفصیل کے بعد صدر العلماء نے تفسیر مدارک سے ان تینوں کتابوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ جو خاصا علمی ہے اور محشی کی دقت نظر اور اعلیٰ شعور کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ یہ پچاس صفحات ایک مستقل رسالے کی حیثیت رکھتے ہیں اور علم تفسیر ونکات تفسیر سے صدر العلماء کی کامل آگاہی کا پتا دیتے ہیں۔

راقم الحروف نے جامعہ اشرفیہ میں دوران تعلیم ۲۰۰۳ء میں تفسیر نسفی کا جو نسخہ اول بار پڑھا تھا اس میں نہ کوئی حاشیہ تھا نہ بین السطور، اس وقت تک اس کی نہ کوئی اردو شرح منظر عام پر آئی تھی، نہ عربی شرح دسترس میں تھی۔ لاک ڈاؤن میں جب آن لائن تعلیم وتدریس کا سسٹم شروع ہوا تو بفضلہ تعالیٰ فاضل حاشیہ نگار استاذ جلیل علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی سے براہ راست اس کتاب کو پڑھنے کا شرف ملا اور درس بھی ریکارڈ ہوتا رہا ہے۔ اس تعلق سے کچھ باتیں ذکر ہو چکی ہیں اور چند قابل ذکر گوشے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

تفسیر نسفی اور تفسیر بیضاوی کی تدریس کے دوران حضرت صدر العلماء کہیں کشاف سے تائیدی حوالہ دیتے ہیں اور کہیں تردیدی گفتگو کرتے ہیں۔ کس قول کو علامہ نسفی یا امام بیضاوی نے قبول کیا اور زمخشری نے اس پر تنقید کی اور کس قول کو زمخشری نے قبول کیا اور ا

ن دونوں مفسرین نے اس کا ذکر تک نہ کیا؟ یہ ساری بحثیں ہمیں حضرت صدر العلماء کی زبانی سننے کو ملتی ہیں۔ تفسیر نسفی میں ان کی گفتگو زیادہ مفصل نہیں ہوتی، اختصار واحاطۂ بحث ان کا منظم نظر ہوتا ہے اور اکثر باتیں حاشیہ سے ملتی جلتی ہوتی ہیں تاکہ بعد میں طالب علم کو اجرائے سبق میں دشواری نہ ہو۔ جامعہ اشرفیہ کے استاذ ادب محب گرامی مولانا عبداللہ ازہری مصباحی نے بیان کیا کہ یہ حاشیہ ایسا ہے کہ اس کی مدد سے پورا سبق حل ہوجاتا ہے اور مدارک سمجھ میں آجاتی ہے، اگر کوئی اشکال ہوتا ہے تو اس کا ذکر بھی ہوتا ہے اور استدراک بھی انتہائی نفع بخش اور افادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس وجہ سے اس کی استنادی حیثیت نمایاں ہوگئی ہے۔''

مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی [استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو] نے اس حاشیے پر ایک تفصیلی تبصرہ قلم بند کیا تھا جو ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور میں تین قسطوں [شمارہ جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۳ء] میں شائع ہوا۔ آغاز تبصرہ میں رقم طراز ہیں:

> ''مدارک التنزیل'' ایک مشہور، مستند اور مختصر وجامع تفسیر ہے جو صدیوں سے علما کا مرجع ہے اور اس کی خوبیوں کے باعث اس کا ایک حصہ برصغیر کے ممالک میں مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں شامل ہے۔ لیکن اس کے بہت سے مقامات نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کے لیے بھی پیچیدہ اور دشوار فہم ہیں، اس لیے ایک ایسے حاشیہ کی سخت ضرورت تھی جس میں مشکل مقامات کی تسہیل وتوضیح کردی جائے اور ان خوبیوں اور امتیازات کو بیان کردیا جائے جو اس میں نہایت اختصار کے ساتھ سمو دیے گئے ہیں۔ اس شدید ضرورت کا احساس کرتے ہوئے الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے شیخ الجامعہ استاذ محترم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی نے ایک جامع اور وقیع حاشیہ ''مواہب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل'' کے تاریخی نام سے تحریر فرمایا جو ان سورتوں کا احاطہ کرتا ہے جو مدارس کے نصاب میں شامل ہیں۔ (از ابتداے کہف تا سورۂ فرقان)

تادم تحریر مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس حاشیہ میں آیتوں اور سورتوں کے درمیان تناسب کا بیان، دشوار فہم الفاظ کا حل، نحوی تحقیق، وجوہ بلاغت کا بیان، قراءتوں کی وضاحت، تفسیری اقوال کی اصل قائلین کی طرف نسبت اور ماخذ کا ذکر، اشکالات کا حل، آثار کی تخریج وتحقیق، عقائد اہل سنت کا بیان، باطل فرقوں کا رد، مسائل فقہ اور ائمہ فقہ کے اختلافات کا ذکر اور اہم شخصیات کا مختصر تعارف وغیرہ خوبیوں کو بڑے سلیقے اور حسن ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔"(۱)

فاضل محشی نے اس حاشیہ کے جو امتیازات بتائے ہیں ان کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

(۱) آیتوں اور سورتوں کے درمیان مناسبات کا ذکر۔
(۲) غریب یا دشوار فہم الفاظ کا حل۔
(۳) نحو سے متعلق بعض امور کی توضیح۔
(۴) قراءتوں کی وضاحت۔
(۵) تفسیر میں مذکور اقوال وتفاسیر کی نسبت کا بیان۔
(۶) اشکال کا حل۔
(۷) آثار کی تحقیق وتخریج۔

یہ سات نمونے ہیں جو مواہب الجلیل کی علمی وتحقیقی کہکشاؤں سے منتخب کیے گئے ہیں، فاضل محشی نے اپنی تعارفی تحریر میں چند مثالوں کی روشنی میں ان سات امور کی نشان دہی بھی فرمائی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ حاشیہ محض خانہ پری کی غرض سے

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ، جنوری ۲۰۱۳ء، ص: ۷

نہیں لکھا گیا ہے نہ ہی اس میں شروح مدارک کے اقتباسات کا بوجھل پن ہے۔ اس کی حیثیت افادات کی ہے جو تفسیر نسفی کی استنادی حقیقت کو اور پختہ کرتے ہیں اور اسے معتبر بناتے ہیں۔ محشی خود لکھتے ہیں:

"ذكرتُ مراجع ما كتب المصف من أسباب النزول ورجحتُ بعض التفاسير بذكر الأحاديث والآثار، وقصدتُ بذلك أن يكون تفسير النسفي رحمه الله تعالىٰ معضداً مؤيّداً بذكر مصادر رواياته مالم يورده، فسيرىٰ الناظر تفسيره مع حاشيتي "مواهب الجليل لتجلية مدارك التنزيل" تفسيراً جامعاً بين المعقول والمنقول، مزيناً بذكر المصادر والأصول۔

وكذا ألممت بتفصيل بعض القصص حين رأيت الحاجة تمسّ اليه وذكرت في مواضع اختلاف أئمة الفقه وأوضحت مسائل الفقه، كما غنيت في مواضع كثيرة بابانة وجوه البلاغة." (۱)

اس حاشیہ میں محشی نے بعض اعتراضات وجوابات کی توضیح بھی کی ہے، یہ وہ جگہیں ہیں جہاں علامہ نسفی نے کوئی اعتراض اور اس کا جواب اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے فاضل محشی نے ان کی دل نشیں اور سہل انداز میں ایسی توضیح فرمادی ہے کہ قاری بہت جلد مطمئن ہوجاتا ہے اور اس کی الجھن کا ازالہ بھی ہوجاتا ہے۔ وجوہِ بلاغت کا ذکر بھی ایک بڑا کمال ہے جو اس حاشیہ میں نظر آتا ہے۔ "اعجاز قرآنی" قرآنیات کا ایک مستقل باب ہے اور جلیل القدر علما ومحققین نے اس پر قابل قدر کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں بہت تفصیل سے قرآن کی وجوہ بلاغت کا تذکرہ ہے۔ مواہب الجلیل میں بھی یہ حسن ودل کشی عروج پر ہے۔ صرف ایک

(۱) حاشیہ مذکور، ص: ۳۸۷

نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

سورۂ کہف کی آیہ کریمہ [نمبر:٦] : لعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث أسفا۔ کے تحت تفسیر مدارک میں ہے: ''شبھہ وایاھم حین تولّوا عنہ ولم یومنوا و ما تداخلہ من الأسف علیٰ تولّیھم برجل فارقہ أحِبتہ فھو یتساقط حسرات علیٰ أثارھم و یبخع نفسہ وجداً علیھم و تلھفاً علیٰ فراقھم.''(۱)

[یعنی اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کافروں کو جنھوں نے ان سے منہ پھیرلیا اور ان پر ایمان نہ لائے اور اس اعراض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور پر غم وافسوس کا جو اثر ہوا اسے ایسے شخص سے تشبیہ دی جسے اس کے چاہنے والے چھوڑ کر کہیں دور چلے گئے ہوں، اس لیے وہ کف افسوس ملتا ہوا ان کے نشان ہائے قدم پر گرتا پڑتا چل رہا ہو اور ان کے غم اور ان کی جدائی کے صدمے سے خود کو ہلاک کر رہا ہو۔] اس تمثیل میں اشاراتی واجمالی رنگ تھا اور اول نظر میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے فاضل محشی نے اس تمثیل کی جو توضیح فرمائی ہے وہ قابل التفات ہے اور حاشیہ میں اس کا ذکر ضروری بھی تھا، لکھتے ہیں:

''تمثیل کی توضیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کے نشان ہائے قدم پر خود کو ہلاکت کرتے ہوئے بالکل نہ گئے، لیکن انھیں اس وقت سخت صدمہ اور غم لاحق ہوا جب ان کافروں نے آپ کی دعوت سے روگردانی کی اور نجات پر آخرت کی ہلاکت کو ترجیح دی۔ بس آپ کی صورت اس آدمی کی صورت سے مشابہ ہے جسے اس کے احباب نے تنہا چھوڑ دیا ہو اس لیے وہ ان کے نشان قدم کے پیچھے افتاں وخیزاں

---

(۱) مدارک التنزیل، ص:٦

چلتا رہا اور خود کو ہلاک کرتا رہا۔ یہاں طرفین [مشبہ بہ اور مشبہ] میں چند اُمور ہیں جن سے دو صورتیں اخذ کی گئی ہیں اور ایک کو دوسرے سے تشبیہ دی گئی اور جملۂ مشبہ بہ جو احباب کے نشان قدم پر خود کو ہلاک کرنے کا مضمون رکھتا ہے، جملۂ مشبہ کی جگہ پر رکھ دیا گیا، جملہ مشبہ سے مراد ہے: کافروں کا ایمان سے منہ پھیر لینے کی بنیاد پر جو رنج وغم حضور کو پہنچا۔

اور ممکن ہے کہ نشانِ قدم پر نفس کا ہلاک کرنا، کافروں کے اعراض پر حد درجہ حزن وملال کے پہنچنے کا استعارہ ہو۔ اس صورت میں ثانی [یعنی حزن وملال ہونا] مشبہ اور محذوف ہے جب کہ اول مشبہ بہ، صراحۃً مشبہ کی جگہ آیا ہے۔ یہ استعارۂ مصرحہ ہوا جس میں مشبہ کو حذف کر دیا گیا ہے اور مشبہ بہ کو صراحۃً اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ [قاعدہ کلیہ ہے] استعارہ مفرد میں ہوتا ہے اور تمثیل مرکب میں، جیسے: ”أراک تقدم رِجلا وتؤخر أخریٰ“ [میں تمھیں ایک قدم آگے اور دوسرا قدم پیچھے کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔] کو ”تتردد فی أمرک ولا تقضی قضاءً حاسماً“ [تم اپنے معاملہ میں پس وپیش میں ہو اور کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہو۔] کی جگہ بولنا تمثیل ہے اور تمھارے قول: ”رأیت سیفاً بتاراً“ [میں نے ایک شمشیر براں دیکھی۔] میں ”سیفاً بتاراً“ استعارہ ہے، جب تم اس سے ایسے شخص کو مراد لو جو دشمنوں پر حملہ کرنے والا اور انھیں بہت زیادہ قتل کرنے والا ہو۔“(۱)

اس توضیح سے قرآن کے وجوہِ بلاغت کا رنگ اور نکھر کر سامنے آتا ہے، نیز تمثیل واستعارہ کا فرق بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ جس طرح امام نسفی نے اپنی تفسیر میں خاص مقامات پر عقائد اہل سنت کو بیان فرمایا ہے اور فرقۂ باطلہ کی تردید کی ہے، حاشیہ مدارک میں صدر العلماء

---

(۱) مواہب الجلیل، مجلس برکات، مبارک پور، ستمبر ۲۰۱۰ء، ص:۶

نے بقدر ضرورت ان اُمور پر روشنی ڈالی ہے۔ سورۂ مریم [آیت: ۱۹] میں حضرت جبریل امین کے اس قول کی حکایت بیان ہوئی جو انھوں نے حضرت مریم کے روبرو پیش کیا: قال انما أنا رسول ربک لأھب لکِ غلاماً زکیاً۔ اس آیہ کریمہ میں بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبریل نے اپنی جانب کی، اس پر صدر العلماء حاشیہ میں رقم طراز ہیں:

''یہاں دو متواتر قراءتیں ہیں اور دونوں حجت ہیں: (۱) لِیَھَبَ۔ [تا کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ بخشے۔] (۲) لِأھَبَ۔ [تا کہ میں یعنی جبریل بخشوں۔] حقیقۃً عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت جبریل محض واسطہ ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ کا ''باذن اللہ تعالیٰ'' یا ''کُرٗ کون سببا'' کے ساتھ آیہ کریمہ کی تفسیر کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ بہ اذن الٰہی بندہ اولاد بخشنے کی قدرت رکھتا ہے اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون ومختار بندے یا واسطہ بننے والے سبب کی طرف فعل کی اسناد جائز اور قرآن کریم میں وارد ہے۔ اور جو مومن اس کا قائل ہو اس کی طرف شرک کی نسبت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن، اس کے قدرت دینے اور اس امر میں بندہ کو واسطہ بنانے کی وجہ سے بندہ عطا کرتا ہے۔ یہ عقیدہ کسی طرح شرک نہیں ہے بلکہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس لیے کہ یہ قرآن مجید میں وارد ہے۔''(۱)

ان کے علاوہ بہت سے مقامات پر محشی کی فقہی بصیرت بھی نمایاں نظر آتی ہے یہ وہ جگہیں ہیں جہاں انھوں نے اختلاف فقہا کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی فقہ حنفی کی تائید وتوثیق میں آیات واحادیث سے استدلال بھی کیا ہے۔ حاشیہ میں جا بجا محشی کا تاریخی شعور بھی واضح

(۱) مواھب الجلیل مجلس برکات، مبارک پور، ستمبر ۲۰۱۰ء، ص: ۷۴، ۷۵۔

ہوا ہے اور انھوں نے بھر پور تحقیق کے ساتھ تاریخی صداقت کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں ذوالقرنین کی تعیین، پوری دنیا کی بادشاہت، اس لقب کی وجوہ تسمیہ، مغرب شمس کی جانب سفر، سدین کا سفر اور یاجوج ماجوج کی حقیقت وغیرہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ [آیت: ۱۲۱] میں "وَعَصىٰ اٰدمُ رَبَّه فَغَوىٰ" کی تفسیر میں امام نسفی نے تحریر کیا: "ضل عن الرای، وعن ابن عیسی: خاب، والحاصل أن العصیان وقوع الفعل علی خلاف الأمر والنهی، وقد یکون عمداً فیکون ذنباً وقد لا یکون عمداً فیکون زلة۔ ولما وصف فعله بالعصیان خرج فعله من أن یکون رشداً فکان غیاً لأن الغی خلاف الرشد۔" اس پر حاشیہ میں صدر العلماء لکھتے ہیں:

> "یہ مسئلہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے کہ انبیاے کرام گناہ سے معصوم ہیں۔ لیکن قرآن میں عصیان اور غی کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی جانب کی گئی ہے اس لیے اس کی توجیہ ضروری ہے: وہ یہ کہ عمداً منہی عنہ کا ارتکاب عصمت کے منافی ہے اور قرآن مجید [نَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً] سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے منہی عنہ کا ارتکاب عمداً نہیں، سہواً ہوا ہے تو ان سے ایسے فعل کا صدور ہی نہ ہوا جو منافیِ عصمت ہے۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ پھر قرآن مجید میں ان کی جانب عصیان کی نسبت کیوں کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عصیان عمد اور نسیان دونوں کو عام ہے، یہاں خلافِ نہی کا صدور نسیان کی بنیاد پر ہے، اسی بنا پر عصیان کی نسبت کی گئی ہے۔ ایسے ہی غی کی نسبت کا حال ہے، اس کا معنی ہے درستی سے دور رہ جانا، جو کبھی عمداً بھی ہوتا ہے جیسے کوئی شخص جان بوجھ کر دور کا راستہ یا ہلاکت خیز راہ اختیار کرے، لیکن اکثر یہ نادانستگی یا بھول کی بنا پر ہوتا ہے کہ وہ دور دراز یا ہلاکت خیز راہ پر چل پڑے اور اندازہ ہونے پر کہے کہ میں غلط راہ پر چل پڑا، یا میں بھٹک گیا۔ مصنف

نے ذکر کیا ہے کہ فاعل سے جب منہی عنہ کا صدور عمداً ہو تو ''ذنب'' [گناہ] ہے اور سہواً ہو تو ''زلت'' [لغزش] ہے، لیکن اس مقام پر قرآن مجید نے ''زَلَّ'' کی بجائے ''عَصٰی'' کہا، اس کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ دیا کہ اس سے اولادِ آدم کو تنبیہ کرنا اور انھیں عبرت پذیری پر آمادہ کرنا مقصود ہے۔''(۱)

ایسے ہی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا مسئلہ بھی ہے جہاں محشی کا تحقیقی نقطۂ نظر انتہائی واضح ہے۔ سجدہ دو قسم کا ہے: ایک سجدۂ عبادت، دوسرا سجدۂ تعظیمی۔ سجدۂ عبادت اکبر الکبائر یعنی شرک ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام و ناجائز۔ فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا انھیں سجدہ کرنا بطور عبادت ہرگز نہ تھا، بلکہ وہ اکرام و تعظیم کا سجدہ تھا اور غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی دیگر شریعتوں میں جائز تھا لیکن شریعت محمدیہ میں ناجائز و حرام ہے اور سجدۂ عبادت ہر شریعت میں شرک ہے۔ آیہ کریمہ: ''واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لأدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن۔'' کی تفسیر میں موجود ''سجود تحیۃ أو سجود انقیاد'' [ص: ۳۷] پر جو حاشیہ ہے اس میں آپ نے اس موضوع پر مختصر گفتگو فرمائی ہے اور اخیر میں امام احمد رضا قادری کے رسالے ''الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ'' [۱۳۳۷ھ] کا ذکر کیا ہے جس میں سجدۂ تعظیمی کی حرمت کا مدلل بیان ہے۔

گویا یہ حاشیہ علمی و تحقیقی انداز نگارش میں بھی منفرد و ممتاز ہے اور حاشیہ نگار یہاں بھی ایک باکمال ادیب و محقق اور عمدہ نثر نگار کی حیثیت سے متعارف ہوتا ہے اور اس کی فکری و قلمی حذاقت پر یقین پختہ ہوتا ہے۔ یہ عربی حاشیہ باور کراتا ہے کہ محشی کو ایک آسان علمی و استدلالی عربی نثر لکھنے پر بھرپور قدرت حاصل ہے، جس کا مظاہرہ وہ حدوث الفتن وجہاد أعیان السنن، مقدمۂ جد الممتار [اول و دوم]، مقدمۂ قصیدتان رائعتان اور دیگر عربی تحریروں میں کر چکے ہیں۔ دوسرا

(۱) مواہب الجلیل، مجلس برکات، مبارک پور، ستمبر ۲۰۱۰ء، ص: ۱۳۵

کمال یہ ہے کہ ان کی زبان و بیان میں قدیم وجدید کی آمیزش ملتی ہے جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی پسند کرتا ہے اور قدیم اسالیبِ کلام کا شائق بھی ان کا مطالعہ کرتا ہے تو کافی محظوظ ہوتا ہے۔

ایک اعلیٰ عربی نثر لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان کے دو اہم سرچشموں [قرآن واحادیث] سے کامل استفادہ کیا جائے اور زبان و بیان کے ساتھ اسلوب وآہنگ کی برکتیں سمیٹی جائیں، کیوں کہ فصاحت وبلاغت کی جو چاشنی ان میں ہے کہیں اور نہیں۔ اسی طرح عربی زبان کے قدیم نابغہ شعرا کی شاعری کا مطالعہ بھی لازم ہے جو لسانی تحقیق میں کافی معاون ثابت ہوتا ہے۔

حاشیۂ مدارک ایک تدریسی ضرورت کے پیش نظر لکھا گیا ہے تاکہ اساتذہ وطلبہ کے لیے اس مختصر عربی حاشیہ کی روشنی میں مدارک شریف کو سمجھنا اور سمجھانا سہل ہو جائے اور عربی زبان کی چاشنی سے وہ لطف اندوز بھی ہوتے رہیں۔ اسی لیے اس حاشیہ میں علمی وادبی موشگافیاں بھی نظر نواز ہوتی ہیں اور زبان و بیان کی نزاکتیں بھی دامنِ دل کھینچتی ہیں۔ کسی حاشیہ میں انشاپردازی کے اعلیٰ نمونوں کی تلاش ایک مہمل شغل ہے کیوں کہ ایسے علمی کاموں میں اس کی گنجائش بالکل نہیں ہوتی بلکہ اختصار وجامعیت ملحوظ ہوتی ہے جو یہاں بھی ہے، البتہ زبان خالص علمی ہے جو استدلال کے پیرایے میں استعمال ہوئی ہے اس لیے علمی نثر کے ایسے نمونے ملتے ہیں جس کے جملوں کی شگفتگی دیر تک دل ودماغ کو اپنا اسیر بنائے رکھتی ہے۔ یہاں قرآن، حدیث، اسماء الرجال، فقہ واصول، وجوہِ تفسیر، بلاغت وبیان وبدیع ومعانی اور دیگر علوم عقلیہ کے رموز بھی جلوہ گر ہیں اور ادب کی جمالیات بھی روشن وتابندہ ہیں۔ محشی نے اس حاشیہ میں مختلف علوم وفنون کی متداول ومعتبر کتابوں کا حوالہ دیا ہے اور کہیں بھی ماخذ کو چھپایا نہیں، نہ کسی کے قول کو اپنی تحقیق بنا کر پیش کیا ہے۔ لیکن جہاں اپنی تحقیق اور ادبی ولسانی وضاحت کی ہے تو اس کی تائید میں مستند تخریجات ضرور ذکر کی ہیں۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے جو ان کی دیگر کتابوں کی طرح اس حاشیہ میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ کاش! یہ پوری تفسیر مدارک کا حاشیہ ہوتا یا کم از کم نصف اول کا ہوتا تو عالم عرب میں بھی اس کی

طباعت واشاعت کی راہ ہموار ہوتی اور اس کی افادیت کو چار چاند لگ جاتے، پھر بھی نصابی حصوں کا یہ حاشیہ ایک متبحر عالم دین اور باکمال ادیب کا علمی وادبی شاہ کار ہے۔

رسم قرآنی اور اصول کتابت

یہ مختصر اور جامع کتاب مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے کل صفحات تو ۶۴ رہیں لیکن اس میں اس قدر دقیق اور علمی بحثیں ہیں کہ اگر انھیں پھیلایا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ راقم اس کتاب کے متعلق بس اتنا کہہ سکتا ہے کہ ''دریا درکوزہ'' ایسی ہی کتاب ہوسکتی ہے۔ اس اجمال میں فکروفن اور اصول تحقیق کا ایسا جمال موجود ہے اور اس اختصار میں علمی بصیرتوں کا ایک ایسا آسمان تشکیل دیا گیا ہے جو علم وادب کی کہکشاؤں سے روشن ومنور ہے اور اس کی چمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔

مصنف نے ''حرفِ آغاز'' میں بیان کیا ہے کہ شروع میں ان کا ارادہ تھا کہ استاذ القراء قاری محب الدین الہ آبادی ثم لکھنوی کی مشہور کتاب ''معرفۃ الرسوم'' کا جدید ترتیب و تصحیح کے بعد نیا ایڈیشن منظر عام پر لایا جائے تاکہ طلبہ اور قارئین آسانی سے مدعا تک پہنچ سکیں لیکن دو تین صفحے دیکھنے اور لکھنے کے بعد انھیں بہت سے قواعد وفوائد کے چھوٹ جانے کا احساس ہوا اس لیے کام روک دیا اور اس موضوع کی مستند ومعتبر کتابوں کی مدد سے از سر نو تحقیق شروع کی اور حاصل مطالعہ کی شکل میں یہ کتاب متشکل ہوئی۔ تحقیق کے دوران میں انھوں نے امام جلال الدین سیوطی کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن"، امام ابوبکر ابن الانباری کی "المقطوع والموصول"، امام ابوعمرو دانی کی "المقنع فی رسم مصاحف الأمصار"، علامہ شہاب الدین احمد دِمیاطی کی "اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الأربعۃ عشر" اور مولانا محمد غوث ابن ناصر الدین شافعی کی "نثر المرجان فی رسم نظم القرآن" [سات جلدیں] کا گہرا مطالعہ کیا جن میں بیان رسم کی ابتدا، غیر قیاسی مقامات، اختلاف مصاحف، رسم میں اختلاف قراءت، اور رسم قرآن کے قواعد وضوابط کا علمی، فنی اور

تحقیقی بیان موجود ہے۔ آخر الذکر کتاب سے متعلق ان کا عندیہ یہ ہے کہ رسم قرآن پر اس قدر جامع اور مبسوط و مفصل کتاب پوری دنیا میں نہ لکھی گئی۔ اور یہ کہ اس کتاب میں ہر کلمہ کے رسم پر تحقیقی کلام ہے اور ضمنی فوائد بھی بے شمار ہیں۔ نثر المرجان کے مصنف بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ جب بحر العلوم نے مدراس میں جاکر سلسلۂ درس تعلیم شروع کیا تو مولانا محمد غوث شافعی بھی ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور تکمیل علم کی۔ استاذ جلیل بحر العلوم نے ان کی ذہانت و فطانت کو دیکھ کر انھیں تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے عربی و فارسی میں تقریباً تیس کتابیں تصنیف کیں، ان میں یہ کتاب بھی ہے۔ صدر العلماء نے نثر المرجان کے ماخذ کا بھی ذکر کیا ہے اور ایک مختصر تعارف بھی رقم فرمایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپنے فن میں واقعی منفرد اور بے مثال ہے۔

صدر العلماء نے ''رسم قرآنی اور اصول کتابت'' میں ان کتابوں کا عطر کشید کیا ہے اور اختصار میں جامعیت کا آہنگ پیدا کر کے اپنی شناخت بھی باقی رکھی ہے۔ اس فن کے ضابطہ کے مطابق کتاب کا آغاز ''کتابت اور رسم قرآنی کی حفاظت'' کی سرخی سے ہوتا ہے جس میں خط کی ابتدا پر مختصر حقائق پیش کرتے ہوئے کتاب قرآن اور رسم قرآنی کے تفصیلی مباحث کا بیان ہے۔ رسم خط قرآنی کا مطلب کیا ہے؟ اس سلسلے میں صدر العلماء لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو اس رسم کے مطابق لکھنا جو حضرت عثمان سے بربنائے اجماعِ صحابہ ثابت ہے اور متقدمین سے منقول ہے۔ اس رسم کی پیروی ائمۂ اربعہ کے نزدیک واجب ہے۔ (۱)

آگے قواعدِ رسم کا اجمالی ذکر ہے اور رسم کی مختلف قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ جس میں اولاً رسم کی دو قسمیں رسم قیاسی اور رسم غیر قیاسی کا ذکر ہے، پھر رسم قیاسی کی دو اقسام رسم قیاسی مطلق اور رسم قیاسی مقید، پھر رسم غیر قیاسی کی چند صورتوں اور رسم غیر قیاسی کی دو قسموں رسم اصطلاحی اور رسم احتمالی کی تعریف درج ہے اور ہر تعریف یا مسئلے کو قرآنی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ اسی ذیل میں رسم ہمزہ کے احکام پر تفصیلی کلام موجود ہے جو کافی اہم ہے۔ ہمزہ

(۱) رسم قرآنی اور اصول کتابت، مجلس برکات، مبارک پور، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۲

کے ثابت الرسم اور محذوف الرسم ہونے سے متعلق مصنف لکھتے ہیں:

”ہر حرف کے لیے کوئی خاص صورت وضع ہوئی ہے مگر ہمزہ کے لیے کوئی اصلی صورت وضع نہ ہوئی۔ یہ کبھی الف، کبھی واو، کبھی یا کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر ان صورتوں میں سے کسی صورت پر ہے تو کہتے ہیں کہ ہمزہ ثابت اور مرسوم ہے۔ اگر ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت پر نہیں تو کہتے ہیں کہ ہمزہ محذوف ہے۔ بعد میں خلیل ابن احمد نحوی فراہیدی (متوفی ۱۷۰ھ) نے ہمزہ کے لیے عین کا سرا (ء) وضع کیا جسے اب ہمزہ کی اصلی شکل سمجھا جاتا ہے، مگر پہلے اس کا وجود نہ تھا۔ اس لیے قواعد رسم میں ایسے ہمزہ کو ثابت نہیں بلکہ محذوف الرسم کہتے ہیں۔ ہاں! اگر الف، یا، واو کی صورت میں ہمزہ کا اثبات ہے اور اشتباہ رسمی سے بچانے کے لیے اوپر ہمزہ بنا دیا گیا ہے تو اس ہمزہ کو محذوف نہیں کہتے۔“[1]

الف سے امتیاز کے لیے یہ صورت نکالی گئی کہ ہمزہ بصورت الف اگر متحرک ہے تو اس پر حرکت دے دیتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ الف نہیں ہے اس لیے کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اس پر کوئی حرکت نہیں آسکتی۔ مصاحف میں اب چوں کہ حرکات وسکنات بھی ہوتے ہیں، اس لیے اگر ہمزہ بصورت الف، ساکن ہے تو اس پر جزم (ـْ) بنا دیتے ہیں اور الف اصلی ہے تو اسے جزم سے خالی رکھتے ہیں۔ اس حقیقت کو مصنف نے دو قرآنی مثالوں سے سمجھایا ہے اور آگے لکھا ہے کہ اب عرب سے ایسے مصاحف شائع ہو رہے ہیں جن میں ہمزہ بصورتِ الف پر بھی علامت ہمزہ درج ہوتی ہے۔

اس مقام پر بلحاظ رسم ومحل ہمزہ کے اقسام بھی زیر بحث آئے ہیں اور مختلف کلمات قرآنی سے جگہ جگہ مثالیں بھی دی گئی ہیں تاکہ فہم مطالب میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ یہاں کلمات قرآنی کے رسم کی استثنائی مثالیں بھی درج ہیں تاکہ قاری کسی الجھن کا

---

(۱) رسم قرآنی اور اصولِ کتابت، مجلس برکات، مبارک پور، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۳

شکار نہ ہو۔ ایسے ہی حذفِ الف کے مقامات کا بھی ذکر ہے اور ان مقامات کی نشان دہی کی گئی ہے جہاں الف محذوف ہے۔ وہ صورتیں بھی مذکور ہیں جہاں ایک ہی الف مرسوم ہے۔ پھر حذف الف کے ان متفرق مقامات کی ایک فہرست دی گئی ہے جو قواعد کے تحت نہیں آتے۔ یہ کل ۹۸ جگہیں ہیں، مزید چھ مختلف فیہ مقامات ہیں جن میں حذفِ الف رائج ہے۔ اس کے بعد اثباتِ الف [یعنی وہ جگہیں جہاں الف کا تلفظ نہیں ہوتا مگر کتابت میں ثبت ہوتا ہے۔] کے مقامات بیان ہوئے ہیں۔ یادرکھیں کہ الف کے حذف واثبات کے بیان میں کچھ اس ہمزہ کا بھی ذکر شامل ہے جو الف کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ درمیان میں مصنف نے الفِ وصل کی بحث رکھی ہے یعنی ایسا ہمزۂ وصل جو الف کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے صدر العلماء رقم طراز ہیں:

> ''ہمزۂ وصل دو طرح کا ہے: ایک ہمزۂ وصل مفتوح جو ''ال'' تعریفیہ میں ہوتا ہے۔ دوسرا ہمزۂ وصل مکسور یا مضموم جو فعل امر یا فعل ماضی کے شروع میں آتا ہے۔ یہ ماقبل سے وصل کے وقت قراءت نہیں میں نہیں آتا۔ مگر کتابت میں بالاتفاق ثبت ہوتا ہے۔ پانچ مقامات مستثنیٰ ہیں ان میں وہ کتابت میں بھی نہیں آتا۔'' (۱)

آگے وہ پانچوں مقامات مندرج ہیں اور ان کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ یہاں چند ایسے کلمات کا ذکر ہے جو بشکل الف مرسوم ہیں اور ان سے متعلق متفرق فوائد کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ بعض کلمات جن میں اصل کی طرف اشارہ کرنے اور تفخیم کے لیے الف کی جگہ واو لکھا گیا ہے ان کا اور ان کی حالتوں کا بھی بیان ہے۔ ایسے ہی وہ واوی اسما وافعال جو بشکل یا مرسوم ہیں، یا یائی جو بشکل الف مرسوم ہیں ان کی بھی تفصیل دی گئی ہے۔ پھر حذف واو، اثبات واو، حذفِ یا اور اثباتِ یا کے مقامات کا بیان ہے۔

حذفِ لام واثباتِ لام، نیز مدورہ ومجرورہ تاءاتِ تانیث کی بھی تفصیلات ہیں۔ رسم

---

(۱) ص: ۳۲

کلمات میں اصل یہ ہے کہ ہر کلمہ منفصل لکھا جائے، مگر جب یک حرفی یا دو حرفی کلمہ دوسرے کلمہ کے شروع میں یا آخر میں آملتا ہے تو دونوں کو متصل لکھا جاتا ہے۔ لیکن چند جگہیں ایسی ہیں جہاں انھیں منفصل لکھا گیا ہے۔ اس لیے صدر العلماء نے مقطوع وموصول کی بحث میں ان مقامات کی نشان دہی فرمائی ہے۔ سب سے اخیر میں عربی کتابت کے مطابق کچھ مختصر اصول اور علاماتِ وقف کا بیان ہے۔ امر اول سے متعلق مصنف نے لکھا ہے:

> ''کلمات کی کتابت کون سے حروف پر ہو؟ اس کے لیے دو حالتوں کو معیار بناتے ہیں: ایک حالت ابتدا اور ایک حالتِ وقف۔ یعنی اصل یہ ہے کہ کسی کلمہ کو ابتدا میں رکھ کر بولنے پر جو حروف تلفظ میں آئیں انھی حروف کے ساتھ کلمے کی کتابت ہو۔ اس طرح کسی کلمہ پر وقف کرنے کے وقت جو حروف تلفظ میں آئیں انھی حروف کے ساتھ کلمے کی کتابت ہو۔''(۱)

یہاں ان دونوں کی مثالیں دی گئی ہیں اور چار قواعد وصل بیان کیے گئے ہیں۔ پھر کتابت کے قاعدۂ کلیہ سے جو امور مستثنیٰ ہیں انھیں چار اقسام میں تقسیم کر کے نشان زد کیا گیا ہے، یہ بحث بھی دقیق اور گہرے مطالعہ کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔ امر ثانی میں ان علامات کا ذکر ہے جو عربی تحریروں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں ان کا جاننا بھی ضروری ہے اگرچہ اردو زبان میں بعض علامات اور اصطلاحات کا فرق ہے جو اردو قواعد کی کتابوں میں درج ہیں، لیکن عربی زبان کی مندرج علامتوں کا ذہن نشین رہنا لازم ہے۔ اس لیے مصنف نے انھی کے ذکر پر اکتفا کیا اور کتاب تمام کر دی ہے۔

اس کتاب کی بحثوں کا یہ ایک اجمالی جائزہ ہے جس سے فقط یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں کس طرح کی بحثیں ہیں اور مصنف نے انھیں کس انداز میں پیش کیا ہے لیکن گہرائی میں جا کر جب اس کتاب کا مطالعہ وتجزیہ کیا جائے تو یہ یقین ہوگا کہ بیان قواعد کے

(۱) ص: ۵۵

ساتھ اس کتاب میں اس فن کے ماہرین اور محققین علما وقرا کے اختلافی اقوال بھی ذکر ہوئے ہیں اور چند جگہوں پر تفصیلی حاشیہ بھی درج ہے اور ہر قول باحوالہ دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب فنی ہونے کے ساتھ ساتھ علمی وتحقیقی بھی ہے۔ بہت کچھ مصنف کی اپنی ترجیحات اور تحقیقی رجحانات بھی ہیں جو اس فن میں ان کے گہرے شعور اور اعلیٰ ادراک کا پتا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کا اسلوب علمی وتحقیقی ہے اور انداز پیش کش خالص تفہیمی واستدلالی ہے۔ راقم الحروف نے اردو زبان میں اس موضوع پر اتنی جامع ووقیع کتاب نہیں دیکھی۔

بیان واحد وجمع

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو مولانا محمد نظام الدین قادری کی کتاب ''قواعد الصرف'' [حصہ دوم] کے اخیر میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔ یہ بڑی سائز کے ۲۳ رصفحات پر مشتمل ہے جس میں انتہائی قیمتی معلومات جمع کی گئی ہیں۔ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے پہلی بار اس کی اشاعت ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء میں ہوئی۔ عربی مفردات کی جمعوں کی شناخت ایک طالب علم کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے علم صرف میں ایک مستقل باب کی حیثیت سے اس عنوان پر بحث کی جاتی ہے تاکہ عربی زبان وادب کے شائقین کے لیے یہ مرحلہ بآسانی طے ہوجائے اور واحد وجمع کے اصول وضوابط سے آگہی حاصل ہو۔

عربی انشا پردازی میں کلمات کا محل استعمال جاننا بہت ضروری ہے، کون سا لفظ کہاں مفرد استعمال ہوگا؟ اور کہاں تثنیہ وجمع؟ اس لیے محققین ادب نے اسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں: مفرد، تثنیہ اور جمع۔ مفرد وہ اسم ہے جو ایک پر دلالت کرے، اس کے بالمقابل تثنیہ دو پر اور جمع سے دو سے زیادہ پر دلالت کرتا ہے۔ ''قلم'' مفرد کی مثال، ''قلمان'' تثنیہ اور ''أقلام'' جمع کی مثال ہے۔ کسی اسم کو تثنیہ بنانے کی چھ شرطیں بیان کی گئی ہیں: (۱) اسم مفرد ہو (۲) معرب ہو (۳) لفظ، وزن اور معنی میں متفق ہو (۴) نکرہ ہو (۵) اس شے کے لیے مماثل ہو (۶) کسی دوسرے تثنیہ کے باعث اس لفظ کے تثنیہ سے استغنا نہ ہو۔ فن کی کتابوں

میں تثنیہ بنانے کا قاعدہ بھی مذکور ہے۔

واحد یا مفرد میں ایسا تغیر جس سے وہ لفظ دو سے زیادہ پر دلالت کرنے لگ جائے، جمع کہلاتا ہے۔ جمع کی بنیادی دو قسمیں ہیں: (۱) جمع سالم (۲) جمع تکسیر۔ سالم میں واحد کا وزن سلامت رہتا ہے اور تکسیر میں ایسا نہیں ہوتا، گویا سالم اور تکسیر اسم با مسمیٰ ہیں۔ اسم جامد سے جمع مذکر سالم بنانے کی تین شرطیں ہیں: (۱) مذکر عاقل کا علم ہو۔ (۲) ''تا'' سے خالی ہو۔ (۳) ترکیب سے خالی ہو۔ اور اسم مشتق سے جمع مذکور بنانے کی چار شرطیں ہیں: (۱) مذکرِ عاقل کی صفت ہو۔ (۲) ''تا'' سے خالی ہو۔ (۳) ایسا ''أفعَل'' نہ ہو جس کا مؤنث ''فعلاء'' ہو اور ایسا ''فعلان'' نہ ہو جس کا مؤنث ''فعلی'' ہو۔ (۴) ایسا اسم نہ ہو جو مذکر ومؤنث دونوں کے لیے یکساں ہو۔ پھر جمع سالم کی دو قسمیں ہیں: (۱) جمع مذکر سالم (۲) جمع مونث سالم۔ اور جمع تکسیر کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) جمع قلت (۲) جمع کثرت۔ جمع قلت کے چار مشہور اوزان اور جمع کثرت کے تیئس اوزان ہیں۔ پھر ہر وزن مختلف اسماوصفات کے ساتھ خاص ہے۔ جمع کی بحث میں جمع الجمع اور جمع منتہی الجموع اور اسم جمع کی بحث بھی آتی ہے، پھر مرکبات کی جمعیں بھی الگ شکل کی ہوتی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ الفاظ کی جمعیں بطور قیاس بھی آتی ہیں اور خلاف قیاس بھی۔

ان تمام اُمور پر قواعد الصرف میں گفتگو ہو چکی ہے۔ ''بیانِ واحد وجمع'' میں اختصار وجامعیت کے ساتھ مفردات اور ان کی جمعوں کو بیان کیا گیا ہے، یہاں مصنف کا اندازِ بیان قواعد الصرف کے مصنف سے جدا ہے۔ ابتدا میں مصنف لکھتے ہیں:

> ''بعض صرفی کتابوں مثلاً شافیہ لابن الحاجب میں مفردات کو ذکر کر کے ان کی جمعیں بتائی گئی ہیں۔ لفظ مفرد معلوم ہے مگر اس کی جمع معلوم نہیں تو اس بیان سے اس کی جمع نکالی جا سکتی ہے۔ اگر چہ پوری تحقیق کے لیے لغات ومعاجم کی مراجعت ضروری ہے۔ اس لیے کہ اکثر جمعیں سماعی ہیں، ہاں! بعض مفردات کی جمعیں، بعض مقررہ اوزان پر اکثر آتی

ہیں تو ان مفردات اور ان کی جمعوں کے اوزان جان کر اُن الفاظ کو بھی ان پر محمول کیا جاتا ہے جن کی جمع مسموع نہ ہوئی۔ اس فائدے کے پیش نظر شافیہ اور شرح رضی وجار بردی کے مطابق یہاں مفردات ذکر کر کے ان کی جمعیں بتائی جارہی ہیں۔"(۱)

وہ اسم جس کی جمع لانا مقصود ہے اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ثلاثی (۲) رباعی (۳) خماسی۔ ثلاثی دو طرح کا ہے، ایک وہ جس کی جمع تکسیر آتی ہے اور دوسرے وہ جس کی جمع تکسیر نہیں، بلکہ اس کی جگہ جمع سالم کافی ہوتی ہے۔ نوع اول کی دو قسمیں ہیں: مجرد، مزید۔ پھر مجرد و مزید یا تو اسم ہوگا یا صفت۔ بہر دو صورت مذکر ہوگا یا مؤنث۔ اس طرح کل آٹھ قسمیں ہوں گی۔ یہاں اولاً ثلاثی نوع اول کی انھی آٹھ اقسام کی جمعوں کا تفصیلی بیان ہے۔ یہ پوری بحث اٹھارہ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے اور ہر مسئلہ مثالوں سے واضح کیا گیا ہے تاکہ مبتدی انھیں اچھی طرح سمجھ سکے اور اپنے گوشۂ ذہن میں ان کی شکلیں محفوظ رکھے۔ جو مثالیں اصول کے ضمن میں دی گئی ہیں حاشیہ میں مشکل الفاظ کا معنی بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ جو ایک مفید اضافہ ہے۔ پھر ثلاثی نوع دوم اور رباعی وخماسی کا ذکر ہے۔ چوں کی ثلاثی نوع دوم میں وہ کلمات بیان ہونے ہیں جن کی جمع تکسیر نہیں آتی بلکہ ان کی جمع سالم مذکر ومؤنث پر اکتفا کیا جاتا ہے اور چند کلمات کی جمع تکسیر اگر خلاف قیاس آئی بھی ہے تو بطور شاذ۔ چار حرفی [رباعی] اور پانچ حرفی [خماسی] کلمات کی سماعی وقیاسی جمعوں اور جموع شاذہ کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ سب سے اخیر میں جمع الجمع کا ذکر ہے، جس کے متعلق مصنف کا کہنا ہے کہ جمع کی جمع لانا کوئی امر قیاسی عام نہیں بلکہ جن الفاظ میں مسموع ہے انھی پر اکتفا ہوگا۔

اس طرح یہ رسالہ مکمل ہو جاتا ہے اور واحد و جمع کا بیان پوری جامعیت کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یہ رسالہ اساتذہ وطلبہ کے علاوہ علم صرف کے جدید محققین کے لیے بھی مفید اور کارآمد ہے اور اس کی بحثوں میں فن کا خزانہ محفوظ ہے۔ حضرت صدر العلماء نے جس

(۱) قواعد الصرف، دوم، ضمیمہ مجلس برکات، مبارک پور، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص: ۹۶

دقت نظر، کمال تفحص اور بھرپور جامعیت کے ساتھ یہ رسالہ تصنیف کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے، بیان میں نہ تکرار ہے نہ الجھاو، ہاں یہ ضرور ہے کہ فنی ہونے کی وجہ سے خشکی کا احساس ہوتا ہے، لیکن مسئلہ موضوع کا ہے، مصنف کا نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اہل علم اس رسالے سے خاطر خواہ مستفید ہوں گے اور مصنف کا علمی وادبی فیض جاری رہے گا۔

شرک کیا ہے؟

نومبر ۲۰۱۴ء میں مطبوع مکتبہ طیبہ [کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳] کا ایڈیشن پیش نظر ہے، کل صفحات چوبیس ہیں لیکن اُن اوراق میں علم وحقیقت کی جو گتھیاں سلجھائی گئیں اور معارف کا جو جوہر پوشیدہ ہے وہ قابل قدر بھی ہے اور بیش بہا بھی۔ اہل سنت کے معمولات اور رسموں پر بار بار شرک کا الزام لگانے والے شرک کی حقیقت سے بالکل ناآشنا ہیں، انھوں نے شرک کی کوئی بہتر تعریف تا حال نہیں کی جس کی روشنی میں وہ اتمام حجت کر سکیں اور اپنے الزام کی صداقت کو ثابت کریں۔ صدر العلما، علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی رقم طراز ہیں:

> ''شرک سے بچنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شرک کیا ہے؟ بعض لوگوں کی تسلی تو شرک کی تعریف اور حقیقت سمجھے بغیر صرف ''شرک، شرک'' کی رٹ سے ہوتی ہے، اس سے کوئی سروکار نہیں کہ شرک کیا ہے؟ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں مشرک کون ہے؟ ائمہ کی تقلید شرک، انبیا واولیا سے توسل شرک، مقبولان بارگاہ کی تعظیم شرک، ان کے گرد وپیش کا ادب شرک، ان کے لیے غیب کا علم اور اختیار وتصرف کی قدرت ماننا شرک، اور چوں کہ عہد صحابہ سے آج تک ساری امت، اہل اجتہاد کی تقلید، مقبولانِ بارگاہ کی تعظیم، ان سے توسل، ان کے لیے علم غیب اور اختیار وتصرف کے اعتراف کی حامل رہی ہے اس لیے ساری امت مشرک۔ ان کے نزدیک موحّد صرف ابلیس ہوگا جو خدا کے سوا کسی نبی

و ولی اور فرشتہ ورسول کی عظمت کا قائل نہیں۔

ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لیے تو علم غیب، قدرت واختیار، تعظیم وتوسل، سب کچھ جائز اور واقع مانتا ہے مگر یہی چیزیں انبیا واولیا کے لیے شرک گردانتا ہے۔ دیکھیے علامہ ارشد القادری کی تصنیف ''زلزلہ'' اور ''زیروزبر''۔ ایمان لانا ہے تو پورا ایمان چاہیے، آدھا ایمان، آدھا کفر، عجب چیز ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔''(۱)

صدر العلماء نے شرک کی درج ذیل تعریف کی ہے:

''خدا کی ذات اور اس کی صفاتِ ذاتیہ میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، وہ واحد و یکتا ہے، ازلی ابدی ہے، خالق ہے، وہی معبود ہے۔ لہٰذا کسی غیر کو واجب الوجود یا الٰہ یا خالق ماننا شرک ہے۔ یہ متعین ہے کہ کوئی مسلمان خدا کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتا ہے، نہ خدا کے سوا کسی کو معبود جانتا ہے۔ یوں ہی اللہ کی صفات ذاتیہ [یعنی جو کسی کی عطا کے بغیر اس کے لیے خود ثابت ولازم ہیں] میں سے کسی صفت کو کوئی شخص اگر غیر اللہ کے لیے ذاتی طور پر مانے تو وہ مشرک ہے اور اگر عطاے الٰہی سے مخلوق میں یہ صفات کوئی مانتا ہے تو وہ مشرک نہیں۔ صفات ذاتیہ میں حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ ومشیت اور کلام آتی ہیں۔ قرآنی مجید میں صفات کی دونوں کیفیات کا ذکر ہے، یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی طور پر ثابت ہیں اور اللہ کی عطا سے مخلوق میں بھی ہو سکتی ہیں بلکہ واقع ہیں۔ مصنف نے قرآنی آیات کی شہادتوں سے دونوں طرح کی کیفیات واضح کی ہیں جس کے مطالعہ سے یقین کی حد تک یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جو صفاتِ ذاتیہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں وہ مخلوق کے لیے بھی بیان ہوئی ہیں۔ لیکن ہمیں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ صفتیں اللہ کے لیے ذاتی طور پر ثابت ولازم ہیں اور اس کی مخلوق کے لیے

(۱) شرک کیا ہے؟، مکتبہ طیبہ، ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۴ء، ص: ۵

عطائی طور پر ثابت ہیں۔ قرآن میں کوئی تضاد نہیں اور ہمیں پورے قرآن پر ایمان لانا لازم ہے۔ صدر العلماء لکھتے ہیں:

''اہل سنت دونوں قسم کی آیات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاننا، دیکھنا، سننا، طاقت وقوت وغیرہ خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں وہاں یہ مراد ہے کہ ذاتی طور پر بغیر کسی کی عطا کے یہ صفات صرف اللہ کے لیے ثابت ہیں۔ اور جہاں رب کریم اپنے بندوں کے لیے علم، سمع وبصر اور طاقت وقوت وغیرہ ثابت فرماتا ہے وہاں یہ مراد ہے کہ اللہ کی عطا سے بندوں کو یہ صفات حاصل ہیں۔ اگر یہ فرق نہ ہو تو قرآن مقدس میں کھلا ہوا تضاد لازم آئے گا، جس کا قائل کوئی سنی نہیں ہو سکتا۔ کوئی غیر سنی اگر سارے جہان کو مشرک ٹھہرانے کے شوق میں قرآن میں تضاد کا قائل ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دنیا میں عقل اور ایمان سے کورے بہت گزرے ہیں اور ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں۔''(۱)

اس کے بعد مصنف نے عبادت کی تعریف اور عبادت اور تعظیم میں فرق کی وضاحت کی ہے۔ قاضی بیضاوی نے عبادت کی درج ذیل تعریف کی ہے: ''عبادت فروتنی وتابعداری کی آخری حد کا نام ہے۔'' صدر العلماء نے فروتنی وتابع داری کی آخری حد کی تعیین میں چند سوالات اٹھائے ہیں پھر یہ لکھا ہے:

''حق یہ ہے کہ عبادت کے لیے ایک اعتقاد اور ایک نیت ضروری ہے۔ اعتقاد یہ کہ جس کے لیے عمل کی بجا آوری کر رہا ہے اسے الٰہ یا فاعل بالذات ومستقل بالذات مانے۔ اور نیت یہ کہ یہ عمل میں خاص اس الٰہ وفاعل بالذات کی تعظیم اور اطاعت کے لیے کر رہا ہوں۔''

یعنی جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں گی وہاں عبادت متحقق ہوگی، ورنہ صرف تعظیم۔

(۱) ص:۱۱

اس لیے فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا مسجود لہ کی تعظیم تو ہے لیکن عبادت نہیں۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ بھی تعظیم ہے، عبادت نہیں۔ لیکن ہماری شریعت میں غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی حرام قرار دیا گیا لیکن شرک نہیں۔ سجدۂ تعظیمی کی حرمت کی تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی کتاب "الزبدة الزکیة فی تحریم سجود التحیة" میں مذکور ہے۔ صدر العلماء رقم طراز ہیں:

"تعظیم اور عبادت میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ مسلمان نے بطور تعظیم اگر مصحف شریف کو یا کسی معظم دینی کو بوسہ دیا، یا کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا یا اس اس کے گرد وپیش کا ادب کیا، ان سب کو عبادت کہنا اور مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔" (۱)

چند سطور بعد لکھتے ہیں: "مختصر یہ کہ اگر کسی کو الٰہ اور فاعل بالذات مان کر اس کی کوئی تعظیم کرتا ہے یا اس کی اطاعت کرتا ہے تو یہ عبادت ہے اور اگر غیر اللہ کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے تو شرک ہے۔ اور اگر غیر اللہ کو بندہ ومخلوق مانتے ہوئے اس کی تعظیم یا اطاعت کرتا ہے تو یہ نہ اس کی عبادت ہے، نہ شرک۔ ہاں اگر کوئی ایسی تعظیم یا اطاعت کرتا ہے جس سے ہماری شریعت نے منع کیا ہے تو وہ ممنوع کا مرتکب ضرور ہوگا مگر مشرک ہرگز نہ ہوگا۔" (۲)

یہاں مصنف نے بعض مخالفین کی چند بے بنیاد ہفوات وتاویلات کا ذکر کر کے واضح نصوص سے ان کا رد کیا ہے اور الزامی جوابات بھی دیے ہیں، جس سے یہ مسئلہ پوری طرح منقح ہو گیا ہے اور شرک کے الزام کی ساری حقیقت تار عنکبوت بن کر بکھر گئی ہے۔ راقم الحروف نے کتاب کے پیش لفظ میں یہ سطریں لکھی تھیں:

"یہ مقالہ شرک کی حقیقت کو بڑے واشگاف لفظوں میں بیان کرتا

---

(۱) ص: ۱۳

(۲) ص: ۱۴

ہے، جس کے مطالعہ سے بدمذہبوں کے سارے شبہات وایرادات تارِ عنکبوت کی طرح بکھر جاتے ہیں اور حق واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اس لیے غیر متعصب افراد سے گزارش ہے کہ ٹھنڈے دل اور حضورِ قلب کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں تاکہ شرک کے تعلق سے ان کے ذہنوں میں پلنے والی غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو اور وہ الزام تراشیوں سے باز آئیں۔"(۱)

کتاب کا اندازِ بیان معروضی اور شگفتہ ہے، زبان انتہائی علمی اور اسلوب استدلالی ہے۔ صدر العلماء نے عقلاً ونقلاً سچ واضح فرمادیا ہے، اب جس کا دل زندہ اور عقل سلامت ہوگی وہ قبول کرنے پر آمادہ ہوگا اور جس کا دل مقفل اور عقل مہر بند ہوگی وہ پھر کوئی شبہہ لائے گا، یہاں تک وہ انھی شبہات میں الجھ کر موت کے آہنی پنجوں میں کس جائے گا۔

رہنماے علم وعمل

تعلیم وتدریس سے متعلق حضرت صدر العلماء کے تحریر کردہ مضامین کا یہ مجموعہ مصباحی پبلی کیشن [محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو] سے ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا ہے۔ مضامین کی تعداد نو [۹] اور صفحات اَسّی [۸۰] ہیں۔ مضامین کے عنوان درج ذیل ہیں:

(۱) اسلامی مدارس کی اہمیت (۲) مدارس اسلامیہ کا تعلیمی معیار

(۳) ذمہ دارانِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ (۴) تنظیم المدارس اور نصاب تعلیم

(۵) دینی تعلیمی نصاب: ضرورت واہمیت (۶) طالبان علوم نبویہ سے چند باتیں

(۷) فرائض وآداب متعلم (۸) فرائض وآداب معلم

(۹) ملی وجماعتی مسائل اور ان کا حل

ان میں آخری مضمون کو چھوڑ کر تمام مضامین کا موضوع تعلیم وتدریس ہے۔ آپ نے یہ مضامین مختلف ادوار میں تعلیمی ونصابی ضرورت کے تحت لکھے جن میں کچھ تعلیمی سیمیناروں میں پیش کیے گئے اور پھر رسائل میں ان کی اشاعت ہوئی، بعض مضامین جیسے "فرائض

(۱) پیش لفظ ،شرک کیا ہے؟ ،مکتبہ طیبہ، ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص: ۴

وآداب معلم و متعلم'' اور'' طالبان علوم نبویہ سے چند باتیں'' کتاب میں شامل کرنے کی غرض سے تحریر یا ترجمہ ہوئے۔ جس کا ذکر ماقبل کی سطور میں ہو چکا ہے، اس لیے انھیں تجزیہ میں بھی شامل نہیں کیا جائے گا، بقیہ مضامین پر ان شاء اللہ گفتگو ہوگی۔

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی ایک ممتاز ماہر تعلیم بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے اساتذۂ کرام مثلاً حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، علامہ حافظ عبد الرؤوف بلیاوی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی وغیرہم سے صرف علوم وفنون کی تحصیل نہ کی یا انشا پردازی کا سلیقہ ہی نہ سیکھا، بلکہ رُموزِ تدریس اور اسرارِ تعلیم بھی حاصل کیے۔ تعلیم گاہوں کے نصاب تعلیم ونظام میں کس طرح بہتری اور شفافیت لائی جائے اور طلبہ واساتذہ کو تعلیم وتدریس کے کن ضابطوں کا پابند بنایا جائے، تعلیم کے ساتھ تربیت کا کیسا انتظام ہو کہ وہ علوم کے ساتھ اخلاق وکردار میں بھی بلند قامت بنیں؟ تعلیم وتدریس میں جو کمیاں راہ گئی ہیں یا اصلاحات کے امکان کتنے ہیں؟ ان تمام امور پر غور وخوض کر کے مسائل کا حل پیش کیا جائے اور کمیوں کا ازالہ ہو۔ ساتھ ہی ان میں اصلاح کے امکانات تلاش کیے جائیں تاکہ یہ سلسلۂ خیر مزید بہتر اور کارآمد ثابت ہو سکے۔ یہ سارے کام رواروی میں انجام نہیں پا سکتے، اس کے لیے دقت نظر اور کمال یک سوئی کے ساتھ تعلیم وتدریس کی تمام جہات کا مطالعہ لازمی ہے اور جملہ حیثیات کو پہچان کر کوئی منضبط دستور تیار کیا جائے اور نفاذ کا ہر ممکن ومفید طریقہ اختیار کیا جائے تب جا کر اس میں کامیابی ملنا یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدر العلماء کی ذات میں یہ وصف کامل طور پر ودیعت فرمایا ہے، آپ ان امور پر نہ صرف یک سوئی کے ساتھ غور وفکر کر لیتے ہیں بلکہ پوری دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ لائحۂ عمل تحریر کرتے اور دستور سازی بھی کرتے ہیں، جس کا ثبوت تنظیم المدارس کا جدید نصاب تعلیم ہے۔

تنظیم المدارس کی نصابی چہل پہل سے بہت پہلے انھوں نے تعلیم وتدریس کے جدید امکانات تلاش کرنا شروع کر دیے تھے اور اپنے تجربات کی روشنی میں بنیادی نکات بھی ماہرین تعلیم کے سامنے پیش کر دیے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۰ء کے بعد سے شروع ہوا تو آج

تک قائم ہے۔ آپ نے جامعہ اشرفیہ سے قبل جن مدارس میں منصب تدریس سنبھالا وہاں تعلیمی خاکوں میں یہی رنگ بھرنے کی کوشش کی اور جب مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تو نصاب تعلیم میں ترمیم کی کوششوں کا از سرنو آغاز ہوا۔ بہت کچھ اصلاح وترمیم پہلے صرف جامعہ اشرفیہ میں کی اور ۲۰۰۸ء میں جب تنظیم المدارس قائم ہوئی تو جدید نصاب کی تشکیل میں اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا اور آج وہ نصاب تعلیم بہت سے مدارس اسلامیہ میں جاری ہے۔

فی الحال آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ناظم تعلیمات ہیں۔ یہ منصب شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے وصال [۲۰۰۰ء] کے بعد سے خالی تھا، ۲۰۱۴ء میں جب سرکاری منصب صدارت سے سبک دوش ہوئے تو ذمہ دارانِ اشرفیہ نے یہ عظیم منصب آپ کو سونپا تاکہ نظام تعلیم میں آپ کے تجربات سے استفادہ کا سلسلہ باقی رہے۔

زیر نظر کتاب میں آپ کی ذات ایک ممتاز ماہر تعلیم کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے۔ یہ کتاب اساتذہ، طالبان علوم اور تعلیم وتدریس سے متعلق افراد کے لیے رہنما اصول فراہم کرتی ہے، ساتھ ہی اسلامی نقطۂ نظر سے اخلاقی تربیتی نظام کی تشکیل میں کافی معاونت کرتی ہے۔ صدر العلماء کا تعلیمی وتربیتی نظریہ بالکل واضح ہے۔ دنیا میں رائج نظام تعلیم پر بھی ان کی نگاہ ہے اور اس نظام کے فوائد ونقصانات کا بھی انھیں علم ہے۔ ان میں لادینی نظام تعلیم کے خطرناک نتائج کو سامنے رکھ کر انھوں نے جو تجزیہ کیا ہے وہ قابل غور بھی ہے اور لائق اصلاح بھی۔ ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

> ”لادینی نظام تعلیم کا واحد مقصد یہ ہے کہ نئی نسل کے دل ودماغ سے دینی ومذہبی اسپرٹ بالکل ختم کردی جائے اور وہ یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ہم کیا ہیں؟ ہمارا مقصدِ وجود کیا ہے؟ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے جا بجا نرسری اسکولوں کا قیام عمل میں آرہا ہے جس کا نقد فائدہ یہ دکھایا جاتا ہے کہ بچے ابتدا ہی سے اخلاق وتربیت کے حامل بن جاتے ہیں اور انگریزی میڈیم

تعلیم حاصل کر کے سن رشد کو پہنچتے پہنچتے لائق فائق انگریزی داں اور ماہر علوم وفنون ہو جاتے ہیں۔ لیکن باخبر حلقوں سے مخفی نہیں کہ ایسی درس گاہوں کا نصب العین یہ ہے کہ بچے ابتدا ہی سے لادینی ماحول میں پرورش پائیں تاکہ ان کے اندر دینی فکر ومزاج پیدا ہی نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد دل فریب فوائد دکھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ سب انتظامات کیے جاتے ہیں جو مادی نگاہوں کو مسحور کر سکیں۔"(۱)

اس کے بعد آپ نے مسلم اہل ثروت کو متوجہ کیا اور انھیں عار دلایا ہے جو لمبی رقوم خرچ کر کے اپنے بچوں کو ایسی درس گاہوں میں داخل کرتے ہیں جہاں غیر شعوری طور پر انھیں مادی دنیا کے سحر طراز حقائق کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، لیکن وہ مذہب کی نظر میں واجبی فکر وشعور سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ صدر العلماء ایسی دانش گاہوں کے وجود کی وکالت کرتے ہیں جو مسلمان اہل ثروت قائم کریں اور ان میں ابتدا ہی سے قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم دی جائے اور عصری علوم بھی پڑھائے جائیں، یعنی طرزِ تعلیم کی رعایت کی جائے لیکن بچوں کو ایسے اخلاق وتہذیب کا حامل بنایا جائے جس کا تقاضا مذہب اسلام کرتا ہے۔

دینی مدارس میں عصری علوم وفنون کی اس حد تک شمولیت ہونی چاہیے کہ یہ دانش گاہیں دینی علوم وفنون اور فہم قرآن وحدیث کے مقاصد خیر سے دور نہ جائیں اور تعلیم کے ساتھ ان میں تربیت اخلاق کا قابل اطمینان نظم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم المدارس کے نصاب میں ایسے عصری علوم اور زبانیں شامل ہیں جو انٹرنیشنل مانی جاتی ہیں اور جن سے عصری دانش گاہوں میں مدارس کے فارغین کو حصول اسناد میں دشواری نہ پیش آئے۔ مدارس کے نصاب میں تجوید وقراءت، تصوف، انگریزی، تاریخ عالم، تقابل ادیان، تحقیق زبان وادب وغیرہ پر کوئی خاص باب مختص نہ تھا لیکن حضرت صدر العلماء نے ان تمام فنون اور موضوعات کو نصاب کا حصہ بنایا اور انھیں لازمی مضمون کی حیثیت سے نصاب میں شامل کیا گیا۔ ان کی نگاہ

---

(۱) رہنمائے علم وعمل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۵ء، ص: ۷

میں مقدار سے زیادہ معیار کی اہمیت ہے۔اس موضوع پر ان کا مضمون ''مدارس اسلامیہ کے تعلیمی معیار'' کافی اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے، یہ مضمون زیر نظر کتاب کے سترہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔جس میں بطور خاص نظام تعلیم کی بہتری اور اس کی ضروری اصلاح کا پہلو نمایاں کیا گیا ہے۔ان کا کہنا ہے:

> ''معیارِ تعلیم کی بلندی اور پستی میں نصاب تعلیم اور نظام تعلیم دونوں کا دخل ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات پستیِ معیار کے سلسلے میں سب سے زیادہ قصوروار نصاب تعلیم کو ٹھہراتے ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ نصاب قابل ترمیم واصلاح ہے، اس کے باوجود میرا خیال یہ ہے کہ نظام تعلیم اگر ابتری و پراگندگی کا شکار ہو تو اچھے سے اچھا نصاب بھی بے ثمر اور بے سود ہے اور تعلیم و تربیت کا نظام بہتر ہے تو موجودہ نصاب سے کچھ زیادہ قدیم اور فرسودہ نصاب بھی حیرت انگیز اور افادیت سے لبریز ثمرات ونتائج قوم کے سامنے پیش کر چکا ہے اور اس نے ایسے ایسے سلاطین علم وفن پیدا کیے ہیں جن کا تذکرہ بھی آج دنیا کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔''(۱)

صدر العلماء نے تعلیمی مراحل اور مدارس اسلامیہ کی درجہ بندی کی ہے اور کس مرحلے میں کن چیزوں پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے ان کی نشان دہی کی ہے۔مدارس کے اندر پائی جانے والی کمیاں، لاپروائیاں اور مشکلوں کا ذکر کر کے ان کا موثر علاج بھی بتایا ہے۔اگر ارکان واساتذہ ان امور پر توجہ مبذول کریں اور وہ کمیاں دور کر دیں تو مدارس کا تعلیمی معیار نہ صرف بہتر ہوگا بلکہ وہ اپنے قیام کے مقاصد کے بہت قریب پہنچتے محسوس ہوں گے۔کچھ خرابیوں کا تفصیلی ذکر بھی کیا ہے، ان میں طلبہ کو غیر تعلیمی امور میں مشغول رکھنا، نظام تعلیم کا ڈھیلا پن اور حد سے زیادہ نرمی اور تعلقات کی پاسداری، لائبریری اور تعلیمی ترغیب کے

---

(۱) رہنماے علم وعمل، ص:۹

اسباب سے دوری وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد اسبابِ انحطاط کے پس منظر کا جائزہ لیا ہے اور ان کا حل بھی پیش کیا ہے۔

اسی طرح طلبہ کی علمی بے رغبتی کے پیچھے کیا اسباب و عوامل ہیں، انھیں نشان زد کیا ہے۔ ایسے چھ بنیادی عوامل شمار کرائے ہیں اور پھر ان کا حل بیان کیا ہے۔ اولاً یہ کہ مسلمانوں کا سرمایہ دار طبقہ دینی تعلیم کی طرف میلان ہی نہیں رکھتا۔ ثانیاً یہ کہ متوسط اور معمولی طبقہ جو اونچی دنیاوی تعلیم دلانے سے قاصر ہے یا دین دار ہونے کے ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت کا شدید احساس بھی رکھتا ہے، اس لیے اپنی اولاد کو مدارس اسلامی کے حوالے کرتا ہے، ان میں بعض یا نصف کند ذہن پائے جاتے ہیں اور اکثر تعلیم کی اہمیت سے نابلد ہوتے ہیں۔ ثالثاً: بیشتر مدارس میں لاپروا، کھلاڑی اور شریر طلبہ جمع ہو جاتے ہیں۔ رابعاً: مدارس میں رہائش، غذا اور دیگر ضروریاتِ زندگی بھی کا انتظام فروتر ہوتا ہے۔ خامساً: عموماً مدارس میں یہ منظر بھی سامنے آتا ہے کہ مال داروں یا حکام میں سے کوئی متوسط قسم کا بھی انسان آ گیا تو اس کے لیے سارا عملہ حرکت میں آ جاتا ہے اور اگر کوئی عالم بلکہ بڑے سے بڑا عالم بھی آ گیا تو اس کا وہ اعزاز واحترام نہیں ہوتا جو اول الذکر کے لیے ہوتا ہے۔ سادساً: انتظامیہ کے اختلافات یا رکن وعہدہ دار بننے کی ہوس اور اس کے تحت محاذ آرائی، کام کرنے والوں کے کام میں بلاوجہ رخنہ اندازی، عوامی گروہ بندی اور مدارس کی فیلڈ میں آ کر ذاتی انتقام جوئی۔ یہاں آ کر صدر العلماء رقم طراز ہیں:

> ”یہ وہ لاعلاج امراض ہیں جو اکثر مذہبی اور غیر مذہبی اداروں کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے جاہ پسندی، مفاد پرستی اور ملی وقومی، علمی وتعلیمی نصب العین سے بے اعتنائی کا جو سنگین مرض کارفرما ہوتا ہے جب تک اس کا علاج نہ ہو، اس سے پیدا ہونے والے مہلک امراض کا علاج ممکن نہیں۔“ (۱)

(۱) ص: ۱۹

عزم وحوصلہ اور اعلیٰ نظم وضبط سے بیشتر دشواریوں اور خرابیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے اور تعلیم کا معیار بہتر ہو سکتا ہے۔نصاب تعلیم سے متعلق ان کا نظریہ ماقبل کے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔اس مضمون میں اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔اس سلسلے میں انھوں نے تین طرح کے نظریات بیان کیے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ یہ تینوں ہی نظریے اپنے اندر کچھ اہمیت رکھتے ہیں اور ان سب کی رعایت کرتے ہوئے ایک جامع نصاب کی ضرورت ہے۔صدر العلماء ایک تربیتی کورس کے بھی حامی ہیں جس کے ذریعہ فارغین مدارس کے لیے تعلیم وتدریس کی ٹریننگ کا کام سرانجام ہو اور اس کے لیے ذمہ داران کو تجربہ کار اور وسیع النظر مدرسین فراہم کرنا لازمی ہوگا۔ یہ تربیتی کورس جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں آپ ہی نگرانی میں شروع کیا گیا جو اب تک پوری کامیابی کے ساتھ جاری ہے اور اس کے بہتر نتائج بھی سامنے آئے ہیں۔

اس مضمون کا آخری پیراگراف چشم کشا اور بصیرت افروز ہے، اس لیے اس کا ذکر ناگزیر بن چکا ہے، لکھتے ہیں:

> ’’امراض وعلاج کے بیان پر مضمون نگار کی ڈیوٹی بحیثیت مضمون نگار ختم ہو جاتی ہے۔آگے کا کام ان بے شمار معالجوں کا ہے جو بیمار مدارس کو موت سے بچانے کے واقعی ذمہ دار ہیں۔ **واللہ المستعان وعلیہ التکلان.**‘‘(۱)

’’ذمہ داران مدارس کے لیے لمحہ فکریہ‘‘ ایک فکر انگیز اور اعلیٰ شعور کا زائیدہ مضمون ہے۔جس میں انھوں نے اپنے مشاہدہ وتجربہ کی روشنی میں مختلف تعلیم گاہوں کے فارغین کے علمی، فکری، اخلاقی، تہذیبی احوال کا جائزہ لیا ہے جس کا حاصل یہ ہے:

> ’’عام حالت یہ ہے کہ آج دینی درس گاہوں سے نکلنے والے فارغین کے متعلق تحریر وقلم سے دوری، تقریروں میں دلائل وحقائق کی کمی، غیر مستند واقعات وروایات کی زیادتی، صحیح روایات میں بھی

(۱) ص:۲۰۶

افسانوی اور اختراعی خیالات وبیانات کی بیجا ملاوٹ، عصر حاضر کے دینی وعلمی تقاضوں سے بے خبری اور ان کی تکمیل سے بے اعتنائی کی شکایت عام ہوتی جارہی ہے، لیکن مدارس کے ذمہ داران کو اپنے طلبہ کی خامیوں کا یا تو بالکل احساس ہی نہیں یا اگر احساس ہے تو ان کے ازالہ کی کوئی فکر اور کارگر جد وجہد نہیں جب کہ ان کا فرض ہوتا ہے کہ اس فکری پستی اور علمی محدودیت کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے فوراً ان کے علاج کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی جہد مسلسل اور سعی پیہم کے ذریعہ حالات کا رخ بدل دیں۔" (۱)

اس مسئلے کے حل کے لیے آپ نے سات تجاویز پیش کی ہیں اور ان پر مفصل کلام کیا ہے۔ اگر ذمہ داران مدارس ان نکات پر غور کر کے انھیں بروے کار لانے کی کوشش کریں گے تو اس ذمہ داری کا حق بھی ادا ہوگا اور بہتر نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

اپریل ۲۰۰۸ء میں حضرت صدر العلماء کی نگرانی میں جب تنظیم المدارس کا جدید نصاب تعلیم نافذ کیا گیا تو ایک مختصر مضمون میں آپ نے اس نصاب کا تعارف کرایا اور نصاب کی خاص باتوں کی نشان دہی بھی ہے۔ "تنظیم المدارس اور نصاب تعلیم" میں وہ حقائق موجود ہیں۔ اس نصاب کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں ترجمہ یا تفسیر کے ذریعہ پورے قرآن کریم کا اجمالی یا قدرے تفصیلی درس ومطالعہ شامل کیا گیا ہے۔ صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور ابن ماجہ کے ابواب شامل ہیں۔ تصوف کی کتاب منہاج العابدین اور ریاض الصالحین رکھی گئی ہے۔ مشکوۃ، کتاب الرقاق مکمل داخل نصاب ہے جو مضامین تصوف پر مشتمل ہے۔ فقہ کے درس میں تمام فقہی ابواب کو شامل کیا گیا ہے۔ علوم کے ساتھ تاریخ علوم وفنون کا بھی جگہ دی گئی ہے۔ عربی، اردو اور انگریزی تعلیم میں ادب وانشا کی شمولیت ہے۔ ہر فن کی بنیادی کتابیں مکمل طور پر شامل کی گئی ہیں۔ اردو املا کو بھی رکھا گیا ہے۔ فارسی زبان بھی شامل نصاب ہے۔

---

(۱) ص: ۲۸

اور بھی امتیازات ہیں جو اس نصاب کو جدید وقدیم کی ہمہ رنگی کا جمال دیتے ہیں۔

۷ نومبر ۲۰۰۹ء میں خانقاہ برکاتیہ [مارہرہ مطہرہ] میں بہ عنوان: ''مسلم معاشرے میں تعلیم: مسائل اور امکانات'' کل ہند فکر وتدبیر کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس علمی نشست میں صدر العلماء دام ظلہ العالی نے ''دینی تعلیمی نصاب اور طریقۂ تعلیم میں تبدیلی: ضرورت واہمیت'' کے موضوع پر ایک فکر انگیز تحریر پیش فرمائی۔ اس کتاب میں بھی وہ تحریر شامل ہے۔ اس مضمون میں آپ نے ابتداءً اجمالی طور پر دینی تعلیم کے مراحل، تعلیمی نصاب کے بنیادی مقاصد اور مدارس اسلامیہ کے احوال کا جائزہ لیا ہے۔ پھر خانقاہ برکاتیہ کی تحریک تنظیم المدارس کی نشاۃ ثانیہ اور جدید نصاب سازی کی ضرورت کو بیان کیا ہے۔ نصاب میں ترمیم کو ایک ضرورت کے طور پر دکھایا گیا ہے اور طریقۂ تعلیم میں تبدیلی پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ مضمون کا یہ حصہ کافی اہم ہے جس پر تعلیمی مراحل کے تمام اساتذہ کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یعنی طریقۂ تعلیم میں بہتری لانے کی اہم اہم صورتیں بیان ہوئی ہیں اور ذمہ دارانِ مدارس کو بھی آئینہ دکھایا گیا ہے تاکہ اس عمل کے مثبت نتائج برآمد ہوں۔

آخری مضمون گرچہ براہ راست تعلیم سے تعلق نہیں رکھتا، لیکن تعلیم نہیں ہوگی تو ملی وجماعتی مسائل کا حل پیش کرنا ممکن بھی نہیں ہوگا۔ اس مضمون میں آپ نے اہل سنت کے جماعتی مسائل کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور کہاں کہاں کیا کمیاں راہ پا گئی ہیں ان کی نشان دہی فرمائی ہے اور ان کا علاج بھی پیش کیا ہے۔ اخیر میں اہل سنت کی سیاسی تنظیم، صحافتی زمین، سرکاری محکموں میں مسلمانوں کی کامیاب نمائندگی، عصری اداروں میں زیر تعلیم یا زیر تدریس افراد سے رابطہ، ادبی میدانوں اور ادبی محکموں میں قابل قدر موجودگی کی بھرپور وکالت کی ہے اور ان میدانوں کی ضرورت کا احساس دلایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو لوگ ان میدانوں میں کام کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اگر کسی میں کوئی کمی دیکھیں تو انھیں اچھالا نہ جائے بلکہ مناسب طریقہ پر اخلاص کے ساتھ ان کی اصلاح کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک خامی کی وجہ سے بڑی سے بڑی خوبی کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے اور وہ اس طرح

کے کاموں سے خود کو الگ تھلگ کر لے۔ اس تحریر کا سب سے آخری حصہ تعلیم و تحقیق سے مربوط ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کتاب میں اس کی شمولیت کا جواز فراہم ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کے تمام مضامین اعلیٰ شعور، گہری بصیرت، ماہرانہ زبان و بیان اور کڑے مشاہدہ و تجربہ کی عکاسی کرتے ہیں اور ان کے باطن سے صدر العلماء کی ذات ایک کامیاب ماہر تعلیم اور بے ریا خادم و علم وفن کی شکل میں جھلکتی ہے۔ اللہ انھیں سلامت رکھے، آمین۔

کتاب کے مرتب مولانا فیضان رضا امجد مصباحی ''پیش لفظ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''یہ ایک ایسی شخصیت کے رشحات قلم ہیں جس کا تعلیم و تعلم اور تعلیمی اصلاح وانتظام کی دنیا سے تقریباً پچاس سالہ تعلق ہے۔ انھیں بغور پڑھنے، سمجھنے اور عمل میں لانے کی کوشش ہو تو تعلیمی میدان میں ایک صالح انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔''(۱)

نوائے دل [مجموعۂ خطبات]

حضرت صدر العلماء کے ۳۴ر خطبات کا یہ گراں قدر مجموعہ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق فروری ۲۰۱۹ء میں مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، مئو سے مجلد شائع ہوا ہے۔ کل صفحات ۳۵۲ر ہیں۔ اس میں صرف دو باب ہیں: باب اول میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے تحت منعقدہ فقہی سیمیناروں کے خطباتِ صدارت واستقبالیہ درج ہیں، جن کی تعداد ۱۹ ہے اور اس میں مجلس شرعی کے دسویں فقہی سیمینار سے لے کر پچیسویں فقہی سیمینار تک کے خطبات شامل ہیں۔ تحریر خطبات کا دورانیہ ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ مطابق ۳ر جولائی ۲۰۰۴ء تا ۱۸ر ربیع النور ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷ر نومبر ۲۰۱۸ء ہے۔ صرف ۲۶ رویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت اس میں شامل نہیں ہے جو کتاب کی اشاعت کے بعد لکھا گیا تھا۔ باب دوم میں دیگر مجالس علمیہ اور سیمیناروں میں پیش کیے گئے تحریری وغیر تحریری خطبات کو جگہ دی گئی ہے، جن کی تعداد پندرہ ہے۔ اس سے قبل اکیسویں فقہی سیمینار [منعقدہ صفر ۱۴۳۵ھ/ دسمبر

(۱) ص:۶

۲۰۱۳ء، پونہ] کا ''خطبۂ صدارت'' کتابی شکل میں شائع ہو کر عام ہو چکا تھا، جسے محب گرامی مفتی محمد ناصر حسین مصباحی [استاذ جامعہ اشرفیہ] نے مرتب کیا تھا۔جس میں مجلس شرعی کے سیمناروں کی خصوصیات، چلتی ٹرین پر نماز کا مسئلہ، ٹرینوں کا حال، پہلے اور اب اور عظیم شخصیات کی وفیات پر گفتگو کی ہے،، کل صفحات ۲۴ ہیں، یہ کتاب اپریل ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۸ر مارچ ۲۰۲۰ء، روز چہار شنبہ کو خانقاہ قادریہ ایوبیہ، پراکنک، کشی نگر کے زیر اہتمام منعقدہ ''انوارِ قرآن کانفرنس'' میں پیش کیا گیا ''خطبۂ صدارت'' بھی الگ سے طبع ہوا ہے جو انتہائی حیرت انگیز اور چشم کشا حقائق پر مشتمل ہے۔

آغازِ کتاب میں فاضل مرتب مولانا جنید احمد مصباحی نے خطبات کے جمع وتدوین کی داستان لکھی ہے، استاذ گرامی سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی نے دعائیہ کلمات تحریر کیے ہیں اور مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی [استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو] نے حضرت صدر العلماء کے فکر وفن کا جائزہ پیش کیا ہے۔سراج الفقہاء لکھتے ہیں:

> ''صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کے علم کے ایک حصہ ان کے خطبات میں ہے جیسا کہ ناظرین کو مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوگا۔آپ کے علم کی جلوہ گاہ آپ کی مستند تصانیف، ترجمے، حواشی اور یہ خطبات ہیں۔آپ کے خطبات میں اختصار، جامعیت، تحقیق اور جدت پائی جاتی ہے، قلم سیال، زبان شستہ اور مضامین اصلاحی ہیں۔'' (۱)

کتاب کا باب اول بحیثیت صدرِ مجلس، فقہی سیمناروں میں پیش کیے گئے تحریری خطباتِ صدارت پر مشتمل ہے، اس لیے پہلے ان کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا فقہی سیمنار اپنی ایک تاریخی حقیقت رکھتا ہے اور ان سیمناروں میں متفقہ طور پر فیصل ہونے والے فیصلوں کو پوری اسلامی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔تا حال چھبیس کامیاب فقہی سیمنار منعقد ہو چکے ہیں اور ان کے فیصلے

---

(۱) دعائیہ کلمات، نوائے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۶

دو جلدوں میں چھپ بھی چکے ہیں۔ ایسی عظیم مجلس کی صدارت حضرت صدر العلماء کے ذمہ ہے، اسی مناسبت سے فقہی سیمناروں میں ان کا خطبۂ صدارت بھی تحریری شکل میں پیش ہوتا ہے اور مندوبین علما و محققین اور دیگر حاضرین کے لیے علم و تحقیق اور دیگر میدانوں میں نشانِ راہ متعین کرتا ہے۔ اسی لیے سیمنار شروع ہوتے ہی اس کا چرچا عام ہوتا ہے اور دنیا بھر میں اسے خوب پڑھا جاتا ہے۔ ان خطباتِ صدارت میں جن چیزوں کو بطور خاص نشان زد کیا جاتا ہے وہ ہیں فارغین مدارس کو دینی و علمی کاموں کی ترغیب دینا، مدارس اہل سنت کے طلبہ کی ذہن سازی، ہم عصر علما خصوصاً نوجوان علما اور جدید فارغین کو نو پید فرقوں کی گمراہ کن سرگرمیوں اور شرانگیزیوں سے آگاہ کرنا اور ان سے مقابلہ کرنے کی موثر تدابیر سکھانا، اساتذۂ مدارس کو تعلیمی و تدریسی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا کرنے کا ذوق دینا اور خدمت دین کے مختلف میدانوں میں کار آزمودہ افراد کے انتخاب پر آمادہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مولانا محمد عارف اللہ فیضی رقم طراز ہیں:

> ”آپ ایک عظیم دانش ور، مستقبل شناس مفکر، بالغ نظر مدبر اور جماعت اہل سنت کے زبردست بہی خواہ ہیں۔“ (۱)

مجلس شرعی کے خطبات صدارت میں مذکورہ امور کے علاوہ تاریخ شناسی، تحقیقی جودت، ادبی کمال، فقہی بصیرت، اعلیٰ سوجھ بوجھ اور اخلاص و نیک نیتی کی کہکشائیں جھلک رہی ہے اور فکر و تدبر کا آسمان تابندہ ہے۔ ان تحریروں میں صدر العلماء فقہ حنفی کے ایک عظیم خدمت گار اور داعی کی شکل میں جلوہ گر ہیں، جو ان کے فقہی تبحر کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں اور باکمال محقق کا وصف بھی نمایاں کرتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے نتائج اجتہاد میں اختلاف کیوں ہوتا ہے؟ حضرت صدر العلماء نے پہلے خطبۂ صدارت میں اس کے متعدد اسباب نشان زد کیے ہیں جو سمجھ میں آتے ہیں اور مثالوں سے انھیں سمجھایا بھی جاسکتا ہے، لکھتے ہیں:

> ”ایک تو وہی کہ جب متعدد حضرات کسی عام معاملے میں بھی غور

---

(۱) ص:۹

کرتے ہیں تو اکثر و بیشتر ان کے رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اصولِ اجتہاد کا فرق، ہر ایک کو حاصل ہونے والے قرائن وشواہد میں فرق، نکتۂ نظر کا اختلاف۔ متعدد اسباب ہیں، لیکن یہ قدر مشترک ہے کہ ہر مجتہد کی کاوش پورے اخلاص اور حق جوئی کے ساتھ یہی ہوتی ہے کہ جو حکم تقاضائے شریعت کے مطابق ہو اسے دریافت کریں اور اس پر کاربند ہوں۔ اس کاوش کے سبب وہ اللہ کی جانب سے اجر اور امت کی جانب سے ادائے شکر کے مستحق ہوتے ہیں۔"(۱)

مجلس شرعی کے سوال نامہ کے جواب میں مندوبین علما و محققین کے جو مقالات مجلس کو موصول ہوتے ہیں کسی ماہر علم و تحقیق کے ذریعہ پہلے ان کی تلخیص تیار کی جاتی ہے، پھر اسے سیمینار میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان مقالات و تلخیصات کو حضرت صدر العلماء باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں اور خطبۂ صدارت میں ان پر اپنی رائے بھی دیتے ہیں، نیز مقالہ نگار علما و محققین کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ مجلس شرعی کے بارہویں فقہی سیمینار کے خطبۂ استقبالیہ میں فرماتے ہیں:

"میں نے تقریباً ایک ہفتہ پہلے بھی موصولہ مقالات پڑھے اور اس سے پہلے ممبئی میں جو سیمینار ہوا تھا اس سے متعلق جو مسائل اور مقالات تھے وہ بھی بالاستیعاب پڑھے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے نئے علمائے کرام میں بھی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفحص کے ساتھ ساتھ رائے قائم کرنے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کا ملکہ پیدا ہو چکا ہے۔ مجلس شرعی کے توسط سے یہ وہ کام ہو رہا ہے جو درس گاہ میں نہیں ہو پاتا۔"(۲)

آگے کی سطور میں انھوں نے چند اہم علمی و تحقیقی موضوعات پر نکات آفریں گفتگو

---

(۱) نوائے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۴

(۲) نوائے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۸

فرمائی ہے اور ان مسائل میں اپنی تحقیقی رائے رکھنے والے ارباب مقالات کے جذبۂ تحقیق کی داد دی ہے اور ان کی کوششوں کی سراہنا کی ہے۔ جیسے رقم طراز ہیں:

> ”سیٹلائٹ ایک نئی ایجاد ہے، مگر دو مقالوں میں نئی سائنسی کتابوں کے حوالے سے اس پر بھی مفید گفتگو نظر آئی، ایک مقالے میں اس کی معلومات رسانی کے وسائط و مراحل کا تجزیہ کرتے ہوئے رویتِ ہلال کے باب میں اس کی اطلاع کا مشکوک اور غیر قطعی ہونا خود سائنس کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ یہ جامعہ اشرفیہ کے ایک نوعمر استاذ کی کاوش ہے۔“(۱)

مجلس شرعی کے سیمناروں میں شرکت کرنے والے اربابِ تحقیق عام مزاج سے ہٹ کر متعلقہ مسائل کی تحقیق فرماتے ہیں اور امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے تحقیقی فتاویٰ کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور اعلیٰ شعور اور بھرپور تجزیہ کا حامل مقالہ سپرد قلم کرتے ہیں۔ اس رجحان کی ستائش حضرت صدر العلماء نے کئی خطبات میں کی ہے۔ فقہ وافتا اور تحقیق وتدقیق سے شغف رکھنے والے حضرات مجلس شرعی کے فیصلوں کے تحقیقی عناصر اور اصابت رائے کا اعتراف کرتے ہیں۔ بقول صدر العلماء:

> ”تحقیق وتدقیق، صحیح مباحثہ، صائب رائے اور جچا تلا فیصلہ یہ وہ چیزیں ہیں جو صرف ہماری جماعت میں اور ہمارے علما میں پائی جارہی ہیں۔ فقہی سیمناروں کا انعقاد بہت ہی مبارک اور خوش آئند اقدام ہے۔“ (۲)

مجلس کے تیرہویں فقہی سیمنار میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے ”سیمنار کے مختلف مراحل اور وابستگان ادارہ کی مساعی جمیلہ“ پر بڑا چشم کشا اور حقیقت افروز خطبہ پیش فرمایا تھا، زیر نظر مجموعہ میں وہ تحریر سات صفحات [ص:۳۶ تا ص:۴۲] میں موجود ہے۔ اس

---

(۱) ص:۲۹

(۲) ص:۳۲

تحریر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک فقہی سیمینار کتنے کٹھن مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ یہ کل دس مراحل ہیں جن کی نشان دہی اس خطبہ میں کی گئی ہے۔ اس تحریر میں مندوبین کے ساتھ منتظمین اور معاونین کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس دیکھیں:

> ”خوشی کی بات یہ ہے کہ مجلس شرعی کی کاوشوں کی اہمیت محسوس کی جارہی ہے اور اس راہ میں مالی تعاون کا شمار بھی کارِ خیر کے تحت آگیا ہے، ورنہ اس سے پہلے کارِ خیر کے لیے عوام کی سوچ مسجد، مدرسہ اور جلسہ وجلوس سے آگے یا دائیں بائیں کہیں نہ جاتی تھی۔“ (۱)

مجلس کے مندوبین ومعاونین کے ساتھ ارکانِ مجلس بالخصوص ناظم مجلس سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کی محنتوں اور نظم وتحقیق میں ان کی مشقت خیز کاوشوں کو کئی خطبات میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ چودھویں سیمینار کے خطبۂ صدارت میں ہے:

> ”گرامی مرتبت حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی [صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ] کی محنت وکاوش محتاجِ بیاں نہیں۔ اب مجلس کی نظامت کی وجہ سے ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا ہے۔ سیمینار کی نظامت اور بحثوں کو سمیٹنے، پھر فیصلے کی منزل تک پہنچانے میں بھی ان کی علمی وتحقیقی مہارت کا خاص کردار ہوتا ہے جو مشاہدین سے مخفی نہیں۔ سوالات کی ترتیب، مقالات کی تلخیص، تنقیح طلب امور کی تعیین، فوٹو کاپی، فائل سازی وغیرہ علمی وانتظامی امور میں متعلقہ اساتذہ کی محنت، لگن اور تن دہی بھی قابلِ تشکر وتحسین ہے۔“(۲)

بیشتر خطبات میں جامعہ اشرفیہ کی انتظامیہ، مجلس شرعی کے بانی وسرپرست حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی، اساتذہ اشرفیہ، منتظمین ومعاونین کا شکریہ ادا کیا گیا ہے

---

(۱) ص: ۴۱

(۲) ص: ۴۵

اوران کی خدمات کوسراہا گیا ہے۔ وہ اہل ثروت جنھوں نے مبارک پور سے باہر ہندستان کے مختلف شہروں میں مجلس کا فقہی سیمینار منعقد کروایا اور اسے مالی تعاون دیا، نام بنام ان کا بھی شکریہ ادا کیا گیا ہے اور ان کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔ مجلس کے فقہی سیمیناروں کی اہمیت وافادیت محسوس کرتے ہوئے امین ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں مارہروی دام ظلہ العالی [سرپرست اعلیٰ مجلس شرعی] نے علی گڑھ میں خانقاہ برکاتیہ اور البرکات کے زیر انتظام بیسواں فقہی سیمینار منعقد کروایا اور عصری دانش گاہوں کے اساتذہ و محققین کو بھی مدعو کیا تاکہ ان کے سامنے علمائے کرام کی علمی و تحقیقی کاوشیں پہنچیں اور ان کا علمی قد بلند ہو۔ حضرت صدر العلماء نے خطبۂ صدارت میں جو فکر انگیز جملے تحریر فرمائے ان کا ذکر یہاں ناگزیر ہے:

> ”الحمد للہ! اس خاندان اور اس خانقاہ میں بذل وسخا اور جود وعطا کی شان آج بھی نمایاں ہے۔ یہاں اس سیمینار کا انعقاد بھی اسی کا ایک جلوۂ دل نواز ہے۔ مختلف افراد، اداروں اور تنظیموں کے ساتھ عنایات کا سلسلہ اگر کوئی باخبر صاحبِ قلم جمع کرے تو یہ ایک چشم کشا، سبق آموز اور حیرت انگیز باب ہوگا۔ لیکن ان نوازشات کے پیچھے جماعت کی سربلندی، دینی، علمی اور ملی کاموں کے فروغ، اچھے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی، ان کی تقویت اور کارِ خیر میں پر خلوص تعاون کا جو ناقابل شکست اور عبرت انگیز جذبہ کارفرما ہے وہ نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وہ نایاب یا نادر وکمیاب جوہر ہے جو ہمارے کریموں کا مقام بلند سے بلند تر کردیتا ہے۔“(۱)

ان خطبات میں دیگر جماعتی مسائل کی جانب بھی توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور تقسیم کار کے فارمولے کی حمایت کی گئی ہے۔ سولھویں فقہی سیمینار کے خطبے میں جن میدانوں کو نشان زد کیا گیا ہے ان میں صحافی لائن، سیاسی میدان، حکومتی محکمے، عصری دانش گاہوں سے

(۱) ص: ۷۶، ۷۷

رابطے، ادبی میدان بطور خاص شامل ہیں اور ان کی ضرورت واہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جو حضرات مختلف میدانوں میں کام کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے تاکہ ان کے کام کی رفتار میں اضافہ ہو اور دوسرے افراد کام کرنے کی غرض سے ان میدانوں میں اتریں۔ اس طرح یہ سلسلہ اور توانا ہوگا اور ہر میدان میں ہمارے لوگ موجود ہوں گے۔

سیمینار کے شرکا میں بزرگانِ علم وتحقیق کے ساتھ نوجوان وباذوق علما وارباب فقہ بھی تشریف لاتے ہیں۔ ان میں جو مستقل طور پر تحریر وقلم کا شوق رکھتے ہیں اور موضوع کا انتخاب انھیں پریشان کرتا ہے، سترہویں سیمینار کے خطبے میں ضروری موضوعات کی نشان دہی کی گئی ہے، یہ اشارات کافی اہم ہیں اس لیے یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

> "۱- سیرت وتاریخ، ۲- تفسیر وعلوم قرآن، ۳- حدیث وعلوم حدیث، ۴- تبلیغ کے لیے کسی عالمی زبان پر مہارت، ۵- ہندوستان کی مقامی زبانوں میں کام، ۶- اردو کتابوں کے عربی اور انگریزی ترجمے، ۷- عصری اور دل نشیں اسلوب میں اپنے مذہب کا اثبات اور مذاہب باطلہ کا ابطال، ۸- اپنے موجودہ اور گزشتہ علما کی خدمات کا تعارف۔ یہ سب موضوعات بلکہ شعبہ جات لمبے وقت اور مستقل محنت کے طالب ہیں جن پر باصلاحیت افراد کو لگنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض کام انفرادی طور پر کیے جاسکتے ہیں اور بعض اکیڈمی کی شکل میں ہونا چاہیے کیوں کہ باضابطہ لائبریری اور دیگر وسائل کے بغیر کوئی ٹھوس، مضبوط اور اعلیٰ کام ہونا بہت مشکل یا ناممکن ہے۔" (۱)

یہ بات بالکل مبنی برحقیقت ہے کہ ہماری جماعت میں باصلاحیت علما کی کبھی کمی نہیں رہی، ہر دور میں علم وتحقیق کے مختلف شعبہ جات متحرک رہے ہیں لیکن وقت کے تقاضوں سے

---

(۱) ص: ۶۶

ہم آہنگ لازمی علمی ودینی کاموں میں مشغول افراد کم نظر آتے ہیں۔ اگر باصلاحیت علما کی صحیح تربیت ورہنمائی کی جائے اور مختلف جہتوں سے ان کا علمی ومالی تعاون کیا جائے تو ان میدانوں میں افراد بڑھیں گے اور قابل قدر کام نظر بھی آئے گا۔ حضرت صدر العلماء ان علمائے مخلصین میں سے ہیں جنھوں نے علمی وتحقیقی کام کرنے والوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان کے علمی وقلمی تعاون کا ایک تاریخی سلسلہ ہے جو ایک سیال چشمے کی مانند جاری ہے اور سیکڑوں علما اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

ان خطبات کے کئی درجن اقتباسات ایسے ہیں جن میں صدر العلماء نے نوجوان علما وارباب تحریر وقلم کے لیے سمت راہ متعین فرمائی ہے اور دیگر جماعتی کاموں کی طرف ان کی توجہ دلائی ہے۔ حضرت صدر العلماء فقہ حنفی کے عالم ومحقق ہیں اس لیے بہت سے خطبات میں فقہ حنفی کی جامعیت اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبقریت واجتہادی شان بھی نمایاں کی ہے اور مشائخ حنفیہ کو خراج محبت پیش کیا ہے۔ فقہ اسلامی کی اہمیت اور مجتہدین کے درجات بھی بیان فرمائے ہیں اور مذہب اسلام کی حقانی تعلیمات کو بھی کئی خطبات میں واضح فرمایا ہے۔[1]

کئی خطبات میں اسلام دشمن عالمی وملکی تنظیموں اور مشنریوں کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کو اجاگر کیا گیا ہے، ان میں خارجی تنظیمیں بھی ہیں اور داخلی بھی، ان کے مقاصد کیا ہیں؟ اور کس طرح کی عملی سازشوں میں مصروف ہیں؟ اور وہ کس طرح کے افراد کو اپنا شکار بناتی ہیں؟ اس کی تفصیل حضرت صدر العلماء کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

> "یہ تنظیمیں اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتی ہیں اور خود مسلمانوں سے بھی ایسے عُقَلا کو خریدتی ہیں جو اپنی علمی یا سیاسی یا سماجی کارکردگی کی وجہ سے شہرت یافتہ ہوں، جن کے پیچھے حامیوں اور معتقدوں کا ایک زبردست حلقہ ہو، جو اپنی دماغی قوت، تنظیمی

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: دسویں، بیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

لیاقت اور تقریری وتحریری صلاحیت کے باعث اچھے اچھے اذہان کو متاثر کر سکتے ہوں اور انھیں اپنے دامِ خوش نما کا پوری طرح اسیر بنا سکتے ہوں۔ مطمح نظر یہ ہے کہ اس طرح جب ایک شخص خرید لیا جائے گا تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑی جماعت تنظیم کے دامن میں آجائے گی اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خود اسلامی اصولوں کو تاراج کرنے کے لیے میدان میں اتر پڑے گا اور قدیم مسلمانوں سے علمی وفکری جنگ کے لیے وہی کافی ہوگا، ملت اسلامیہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی، اس کی اجتماعی قوت کے پرزے بکھر جائیں گے اور الزام بھی تنظیم کے سر نہ آئے گا، بلکہ اس کا ذمہ دار مسلمان کہلانے والا کوئی مشہور قائد یا دانش ور قرار پائے گا۔"(۱)

ان جملوں میں جو صداقت وواقعیت ہے وہ محتاج بیان نہیں، صرف ہندوستان کی گزشتہ دوسو سالہ تاریخ پڑھیں تو حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ یہی ہوا تھا اور یہی ہو رہا ہے کہ ایسے لوگ دشمن کے آلۂ کار بن کر خرمن اسلام پر حملے کر رہے ہیں اور دشمن طاقتیں یا تنظیمیں بڑی خاموشی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہی ہیں۔ یوں ہی کچھ افراد فروعی عقائد اور مسائل کو بھی چھیڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ جمہور مسلمین جن فروعی عقائد ومسائل میں متحد نظر آرہے ہیں ان میں رخنہ ڈال کر انتشار کی فضا ہموار کی جائے اور تحقیق کے نام پر اپنی قابلیت کا لوہا منوایا جائے۔ یہ فتنے ہماری نئی نسلوں کی جانب بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی سعی محکم سے ان فتنوں کا سینہ چاک کریں اور اس سیلاب پر بند باندھنے کا جتن کریں۔

مجلس شرعی کا پچیسواں فقہی سیمینار جس وقت منعقد ہوا تھا وہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے صد سالہ عرس کا موقع تھا۔ اسی دوران حضرت صدر العلماء کی تین جلدوں میں مرتبہ کتاب "فتاویٰ رضویہ: جہانِ علوم ومعارف" طبع ہو کر منظر عام پر آئی تھی۔ اس لیے اس

(۱) ص: ۱۴۱

خطبۂ صدارت کے ابتدائی دس صفحات میں امام احمد رضا قادری کی فتویٰ نویسی، ان کا تحقیقی رجحان اور فقہی بصیرت کو چند فتاویٰ اور رسائل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے اور پھر مجلس شرعی کے ۲۵ ؍سیمناروں کی تاریخی اہمیت وافادیت کو اس کے فیصلوں کی روشنی میں بیان فرمایا ہے، اس لیے یہ خطبۂ صدارت نسبتاً طویل ہو گیا ہے۔

کتاب کا باب دوم مجلس شرعی کے فقہی سیمینار کے علاوہ علمی وتاریخی سیمناروں میں پیش کیے گئے تحریری خطباتِ صدارت اور دینی مجالس میں کی گئی تقریریں ہیں جنھیں فاضل مرتب نے بڑی محنت وخلوص سے تحریر کا جامہ پہنایا ہے۔ ان میں یوم مفتی اعظم ہند [منعقدہ ۵ ؍اپریل ۲۰۱۲ء، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] میں ''نصر المقلدین'' نامی کتاب کی رسم اجرا کا مختصر بیانیہ خطاب، موربی راج کوٹ، گجرات میں بعنوان ''اولیاء اللہ کی شان'' کی گئی تقریر، ''فارغین مدارس میں داعیانہ کردار کی ضرورت اور اس کے تقاضے'' موضوع پر دیا گیا خطبۂ صدارت جو مدرسہ نثار العلوم، اکبر پور کے دعوتی سیمینار میں پیش ہوا، قیصر باغ لکھنؤ میں منعقدہ امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار وکانفرنس کا خطبۂ صدارت، اصلاحِ معاشرہ، توسل کی حقیقت، طلبہ کی دینی واخلاقی ذمہ داریاں، حالاتِ حاضرہ اور اہل سنت کی ذمہ داریاں، دورِ طالب علمی اور کسب فضل وکمال، جشن یوم مفتی اعظم ہند کا ایک خطاب، تعارفِ امام احمد رضا قادری، درسِ بخاری اور خانقاہ ایوبیہ، پراکنک، کشی نگر کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے تین سیمناروں [سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی، صد سالہ امام احمد رضا] کے خطباتِ صدارت شامل ہیں۔ یہ خطبات محض رواروی میں نہیں لکھے گئے ہیں، بلکہ ان میں عنوان کا حق ادا کرنے کی حتی المقدور کوشش کارفرما ہے۔ اسلام کی جن نمائندہ علمی وفقہی شخصیات پر خطبات ہیں وہ اپنے وقت کے باکمال اور تاریخی کردار ہیں اور اس کردار کو تاریخ فقہ وادب کے صفحات سے کسی طرح نکالا نہیں جا سکتا۔ فقہ حنفی کے امام ومجتہد امام اعظم ابوحنیفہ، درس وتدریس اور تصنیف وتحقیق کے سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی اور چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا قادری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ وہ اساطین علم وتحقیق ہیں جن کی علمی وفقہی خدمات کا

دائرہ پوری اسلامی دنیا کو محیط ہے اوران کی تصانیف وتحقیقات سے ایک جہان سیراب ہوا ہے۔حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی نے مذکورہ اعاظم زمانہ کی تصانیف کا نہ صرف گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے بلکہ ان سے کامل استفادہ بھی کیا ہے۔اس کا ثبوت وہ حاصل مطالعہ علمی وتحقیقی خطبات ہیں جواس کتاب کی زینت ہیں۔بعض خطبات تو ایک علمی وتحقیقی مقالہ لگتے ہیں جن میں صدر العلماء کا علمی وتحقیقی، ادبی وتاریخی مزاج صاف جھلکتا محسوس ہوتا ہے۔

امت مسلمہ پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات صرف باب مسائل میں نہیں بلکہ باب عقائد میں بھی ہے، انھوں نے اس وقت کے تمام فتنوں کو سر کیا ہے اور تحریر وبیان سے بدمذہبوں کو ساکت ومبہوت کیا ہے۔اس موضوع کو حضرت صدر العلماء نے تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔سراج الہند علیہ الرحمہ کے تعلق سے ایک اقتباس ملاحظہ کرلیں:

> ''سراج الہند کی خدمات کا دائرہ پورے برصغیر کو محیط ہے۔
> انھوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تزکیہ وارشاد اور وعظ وخطاب چاروں طریقوں سے دین وعلم کی خدمت اور عوام وخواص کی فکری، قلبی اور عملی تربیت میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ان کے مواعظ حسنہ سے ایک جہان فیض یاب ہوا ہے اوران کی تصانیف آج بھی اہل علم کی دست گیری اور مشکل کشائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔'' (۱)

بحر العلوم فرنگی محلی علیہ الرحمہ اوران کا پورا خاندان اسی مسلک فکر واعتقاد سے وابستہ تھا جسے اہل سنت وجماعت کا نشانِ امتیاز ہے۔خانوادۂ فرنگی محل کا علمی واعتقادی سلسلہ شیخ محقق دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔صدر العلماء نے بحر العلوم کی حیات اور علمی وتحقیقی کمالات کے کئی اہم گوشے واضح کیے ہیں اوران کے علمی اسناد کی تفصیل درج فرمائی ہے۔

ان خطبات سے راقم الحروف نے حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کے چالیس سے زائد افکارِ عالیہ منتخب کیے ہیں جن میں علم واخلاق، فقہ وافتا، تحقیق وتدوین، ترغیب وتحریض، دعوت وارشاد، تنظیم وتحریک اور دیگر امور زندگی سے متعلق رہنما خطوط واضح ہیں اور

---

(۱) نوائے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹، ص: ۲۵۲

جن کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے جو علم وآگہی اور فکر وتدبر کی عطر بیز فضاؤں سے معطر ومنور ہو اور جہاں تحقیقی، ادبی، لسانی، تعلیمی، تدریسی اور دعوتی مزاج آشنا افراد خوش وخرم زندگی گزار رہے ہوں۔

یہ حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی صرف پندرہ کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ ہے جس کی روشنی میں ان کے علمی وتحقیقی مزاج، دانش ورانہ افکار اور تعلیمی نظریات کی سمتیں متعین کی جاسکتی ہیں اور ان کے فکر وفن پر کار آمد گفتگو ہوسکتی ہے۔

خلاصۂ کلام کے طور پر ممتاز محقق ومترجم ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی [شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، گھوسی] کا یہ تاثر گرامی ملاحظہ فرمائیں:

"علم کی پختگی، وسعت مطالعہ، جوہر تحقیق وتصنیف، ملکہ تنظیم، کردار وعمل کی طہارت یہ ایسے محاسن ہیں، جن سے قدرت نے علامہ مصباحی کو بہرہ ور فرمایا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء."(۱)

●●

(۱) مکتوب بنام راقم الحروف، محررہ: ۱۶ر صفر المظفر ۱۴۴۲ھ/ ۴ر اکتوبر ۲۰۲۰ء

باب پنجم

اَفکارِ عالیہ

اَفکارِ عالیہ

کسی عظیم اور باکمال شخصیت کی علمی وادبی حیثیت کا تعین جہاں اس کی تعلیمی وتدریسی زندگی، اس کے تحریر کردہ مضامین وکتب، خطوط وتقاریظ کی روشنی میں ہوتا ہے وہیں وہ افکار بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں جو ان تحریروں کا نقطۂ ارتکاز بنتے ہیں۔ ایک مفکر کی تحریر پڑھتے ہوئے ایسے فکر انگیز اور چشم کشا جملوں پر نگاہیں جم سی جاتی ہیں جو مدبرانہ شان رکھتے ہیں اور ان میں ایک جہانِ معنی پوشیدہ ہوتا ہے، پھر ذہن خود بخود غور وفکر کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ ان مختصر یا طویل جملوں میں ایسے حقائق چھپے ہوتے ہیں جو ہر دل کی آواز ہوتے ہیں، ہر دل انھیں سوچتا ہے لیکن اسے اظہار کا موقع نہیں ملتا یا وہ ایسا کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے۔

صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی طبیعت میں علم وآگہی راسخ ہو چکی ہے، انھوں نے مفکرانہ ذہن اور فقیرانہ مزاج پایا ہے۔ ان کا دماغی تنوع سمندر صفت ہے، جس میں اعلیٰ سوچ کی ہزاروں لہریں موج زن ہیں اور ایک خاص انداز سے اپنا سفر طے کرتی ہیں۔ وہ اپنے ہر خیال کو ایک آسان نثری بیانیہ کی شکل دینے پر قادر ہیں، بلکہ سامع وناظر کی ذہنی نفسیات کے لحاظ سے اپنے مافی الضمیر کو متعدد جملوں کا ملبوس عطا کرتے ہیں اور ترکیبوں کی دل کشی وندرت قابل دید ہوتی ہے۔

یہ نثری شہ پارے اس لائق ہیں کہ ان میں غور وخوض کیا جائے اور ان کی عصری تفہیم ہو، پھر اس کی روشنی میں شاہ راہِ عمل متعین کی جائے۔ ان چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی کا ادراکاتی پہلو بھی ہے اور فکری جمالیات کا حسن بھی، ان سے اخلاص کی خوشبو بھی پھوٹتی ہے اور آگہی کا شور بھی اٹھتا ہے۔ کہیں کہیں طنز کا تیکھا پن بھی ہے اور ''انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینے کو'' کا رنگ بھی منعکس ہے۔ یہ جملے ایک دردمند دل کی پکار ہیں، ان میں ایک حساس اور بیدار مغز انسان جیتا ہے، جو خوابیدہ سری کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ وہ خود حرکت وعمل کا عادی ہے اور چاہتا ہے کہ علم وعمل کا ایک

کارواں اس کے ساتھ ساتھ چلے اور ہر چہار جانب دینی و علمی کاموں کا اجالا نظر آئے۔

یہ افکارِ عالیہ ایمانی زندگی کے مختلف رنگوں کو نمایاں کرتے ہیں، ان میں ایمان وعقیدہ کی سلامتی کا گوہر بھی پوشیدہ ہے اور اصلاحِ احوال کا خاموش سمندر بھی انسانی اخلاقیات کی موجیں بکھیرتا ہے۔ ان کی شریانوں میں تاریخی شعور کا لہو بھی دوڑتا ہے اور علم وآگہی کی کہکشاں بھی نمودار ہے۔ انسانی ذہنوں میں پلنے والے شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے اور اسلاف علما و مشائخ پر ان کی دینی و علمی خدمات کے حوالے سے کی جانے والی الزام تراشیوں کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

صدر العلماء کی فکر کا محور یہ ہے کہ ہمارے علما نے بے پناہ دینی وعلمی کام کیا ہے جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے، ہمیں چاہیے کہ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور ان کی دینی وعلمی سرگرمیوں کا جائزہ لیں اور دنیا کو سمجھائیں کہ علما و مشائخ کی انہی قربانیوں کی بدولت علم وتحقیق کا ایک بیش بہا سرمایہ ہم تک پہنچا ہے اور ان کی دعوت وتبلیغ کی برکتوں کا اثر ہے جو دین وسنیت کی یہ بہاریں نظر آتی ہیں اور مسلم سماج کی فضاؤں میں محبت وادب اور عمدہ اخلاق کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔

موجودہ عہد کے علما وارباب تحقیق کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ دینی دانش گاہوں میں زیر تعلیم طالبان علوم نبوت کن باتوں پر زیادہ توجہ دیں؟، عوام اہل سنت کیا کریں؟ ارباب قلم کن موضوعات پر قلم اٹھائیں؟، ماہرین لسانیات کو کیا کرنا چاہیے؟ ارباب مدارس کس طرح کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم مرتب کر کے نافذ کریں؟ اساتذہ کن امور پر زیادہ محنت کریں؟ ان تمام سوالوں کے تشفی بخش جوابات اور رہ نمایانہ خطوط ان افکار کی زینت ہیں۔ گویا یہ علم وتدبر، ذہن سازی، تعمیر ذات، احساس ذمہ داری اور تنظیم معاملات کا ایسا نگار خانہ ہے جو دردمندی، سوز دروں اور اخلاص کے قمقموں سے روشن ہے اور رنگ برنگی کرنیں اس کے ہر روزن سے چھن چھن کر باہر آرہی ہیں۔

راقم سطور نے اپنے فیس بک اکاؤنٹ سے [۳۱/ مئی ۲۰۲۰ء تا ۲۶/ اکتوبر ۲۰۲۰ء] صدر العلماء کے ستر (۷۰) کے قریب افکار عالیہ عام کیے ہیں اور پوری دنیا میں سوشل نیٹ ورک سے منسلک افراد نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ یہ سلسلہ دراز ہونا چاہیے تا کہ افکارِ صدر العلماء کی ضیا پھیلے اور علمی دنیا اپنے اہداف تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کر سکے۔ ان افکار کا

تجزیاتی مطالعہ کسی اور وقت کے لیے چھوڑتے ہیں، سردست چند افکار عالیہ پیش خدمت ہیں:

(۱)- ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح کھانے، پینے، پہننے، رہنے سہنے کے معاملے میں بندوں کو بہت سے آداب اور حدود و قیود کا پابند بنایا ہے اسی طرح کسب کے معاملے میں بھی بہت سے آداب اور حدود و قیود سے آشنا کیا ہے۔ اسی سے ایک مومن اور ایک غیر مومن کے طرزِ فکر اور اندازِ حرکت و عمل میں حد فاصل قائم ہوتی ہے اور دونوں کی زندگیوں میں خط امتیاز کھنچتا ہے۔''(۱)

(۲)- ''سرورِ کائنات علیہ الصلوات والتحیات اپنے رب کی عطا سے صاحبِ تصرف واختیار ہیں، جہاں چاہیں پل بھر میں پہنچ سکتے ہیں، دور افتادہ دردمندوں کی چارہ سازی اور طالبانِ امداد کی فریادرسی ان کی رحمت عام اور اختیار عظیم کے حضور کسی طرح قابل انکار وارتیاب نہیں۔''(۲)

(۳)- ''فقہ اسلامی ایسا عظیم سرمایہ ہے جس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے ائمۂ دین اور فقہاے مجتہدین نے اس پر اپنی خاص توجہ مبذول کی۔ انھوں نے احکام قرآن و سنت میں گہری نظر اور طویل غور وخوض کے نتیجے میں فقہ کے اصول وقواعد وضع کیے اور ان کی روشنی میں بے شمار جزئیات بھی مستنبط کیے۔''(۳)

(۴)- ''قرآن وحدیث کے لطائف ومعانی کی انتہا نہیں، وفوق کل ذی علم علیم۔ اس لیے یہ کوئی مقامِ حیرت نہیں کہ بہت سے معانی تک عام عقلوں کی رسائی نہ ہوسکے اور اربابِ کشف ومشاہدہ کو صفاے قلوب اور فضل زبانی کے نتیجے میں ان معانی کا بدیہیات ومحسوسات کی طرح ادراک ہوجائے۔ اور ارباب ظاہر کسی دیدہ ور کی تفہیم وتلقین کے بغیر انھیں سمجھنے سے بھی قاصر ہوں۔ یہ عام عقلوں کا قصور ہے، ان اجلہ اولیا اور ان کے پاکیزہ عقائد وافکار کا نہیں۔''(۴)

(۵)- ''اسرار وحکم، ربط باہم اور بے حد ونہایت معانی ورموز پر مشتمل قرآن حکیم کی ایک

---

(۱) مصطفی جانِ رحمت کا درس کسب وتجارت، مشمولہ: مقالاتِ مصباحی، مرتبہ: توفیق احسن برکاتی، غیر مطبوعہ

(۲) حضرت آسی کی شاعری کا اعتقادی واصلاحی رنگ، مقالاتِ مصباحی، غیر مطبوعہ

(۳) نواے دل، مصباحی پبلی کیشن، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۶

(۴) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، ۱۴۴۰ھ، ص: ۱۵

اصلی ترتیب یقیناً تھی۔ وہی زمانہ مابعد میں جاری ہوئی اور اسی ترتیب پر یہ لافانی کتاب لوحِ محفوظ میں بھی ثبت تھی اور ہے۔ مگر اس کے مشتملات کے نزول اور اس کے قوانین واحکام کے نفاذ کے لیے حکمت وضرورت اُسی طریقۂ تنزیل اور ترتیب نزول کی متقاضی تھی جو رب کریم کی طرف سے اس وقت عالمِ ظہور میں آئی۔''(۱)

(۶)۔ ''علم شریعت اعمال ظاہر کی صفائی وصحت کے قوانین کا مجموعہ ہوتا ہے (اگرچہ یہ قوانین بھی باطن کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔) اور علم طریقت باطن کے تزکیہ کے اصول بتاتا ہے۔ زیادہ مشکل اور اہم باطن کی طہارت ہے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دونوں کے جامع تھے اس لیے ان کی درس گاہِ فیض سے جو بھی گوہر آبدار نکلا، علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کا بھی حامل نظر آیا۔''(۲)

(۷)۔ ''نکاح کی مشروعیت میں شریعت مطہرہ نے بہت سے دنیوی امور کا بھی اعتبار رکھا ہے۔ انسانوں کے درمیان جو رشتۂ ازدواج منعقد ہوتا ہے وہ محض عارضی ووقتی نہیں ہوتا، بلکہ عموماً پوری زندگی کی رفاقت، نہ صرف دو جانوں کی رفاقت بلکہ دو خاندانوں کی قرابت، ایک صالح نسل کی ولادت، تعلیم وتربیت اور ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا تصور کارفرما ہوتا ہے۔''(۳)

(۸)۔ ''اسلامی شریعت دنیاوی بھلائی اور خوش گواری کے لیے اس حد تک نرمی ورواداری کی قائل نہیں کہ ایک خوش عقیدہ کا رشتۂ نکاح کسی بیدین یا بددین سے باندھنے کی اجازت دے دے اور بے دینی یا بددینی کا طوفان بڑھنے اور پھیلنے کی راہ ہموار ہو۔ والعیاذ باللہ رب العالمین أحکم الحاکمین۔'' (۴)

(۹)۔ ''دعوتِ دین، اصلاح اہل زمانہ اور فتنہ شکنی وہ عظیم مجاہدہ ہے جو تمام ارباب سلوک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اہل کشف ومجاہدہ اور ارباب ریاضت میں بہت سے اولیائے کرام ایسے بھی ملتے ہیں جنھوں نے خلوت کی زندگی گزاری اور جلوت سے انھیں کوئی سروکار نہ رہا۔''(۵)

---

(۱) تدوین قرآن، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء، ص: ۶۱، ۶۲

(۲) مقالاتِ مصباحی، غیر مطبوعہ

(۳) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۷۲

(۴) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۷۲

(۵) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء، ص: ۷۵

(۱۰)- ''عابدین میں کوئی جہنم کی کلفتوں سے بچنے کے لیے رب کی عبادت کرتا ہے، کوئی جنت کی آسائشیں پانے کے لیے مشقت وریاضت میں لگا رہتا ہے مگر عارفین کا مطلوب جمالِ حق کا دیدار اور رضاے الٰہی کا حصول ہوا کرتا ہے۔''(۱)

(۱۱)- ''تعظیم اور عبادت میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ مسلمان نے بطور تعظیم اگر مصحف شریف کو یا کسی معظم دینی کو بوسہ دیا یا کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا یا اس کے گرد وپیش کا ادب کیا، ان سب کو عبادت کہنا اور مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔''(۲)

(۱۲)- ''ہماری شریعت میں غیر اللہ کا سجدۂ تعظیمی حرام قرار دیا گیا اس لیے اب کسی غیر کا سجدہ حرام وگناہ ضرور ہے مگر شرک نہیں۔ اس لیے کہ شریعت اسلامیہ کے دلائل سے اس کی حرمت ہی ثابت ہے۔ ہماری شریعت بھی سجدۂ تعظیمی کو غیر کی عبادت یا خدا کے ساتھ شرک نہیں بتاتی۔''(۳)

(۱۳)- ''(امام احمد رضا قادری کے) کمال زبان کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کی فارسی دیکھی جائے تو کسی قادر الکلام ایرانی کا دھوکا ہوتا ہے اور اگر کوئی عربی دیکھے تو کسی فصیح اللسان عربی نژاد کا تصور سامنے آتا ہے۔ زبان کی برجستگی، بیان کی شیرینی، اسلوب کی لطافت، محاورات اہل زبان کا استعمال اور ان سب سے بڑھ کر اصلاح وتاثیر کا نادر حسن سب جمع ہیں۔ جب کہ فقہی مضامین میں زبان وبیان کی ان خوبیوں کا قائم وباقی رکھنا انتہائی دشوار ہے۔''(۴)

(۱۴)- ''صوفیہ اہل اسلام کی اس پاکیزہ جماعت کا نام ہے جس نے رب کی معرفت، رسول کی پیروی، خلق خدا کی ہدایت اور بندگانِ خدا کی خدمت میں وہ بلند مقام حاصل کیا جو دوسروں کو حاصل نہ ہوا۔ اکنافِ عالم میں اسلام کی اشاعت ان ہی کی بلند کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان کی صاف دلی، سلامت روی اور بلند اخلاقی سے اپنے تو اپنے، غیر بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ خود برصغیر ہندو پاک میں آج اسلام وسنت کی جو روشنی نظر آرہی ہے اس میں سلاطین کی تگ ودو سے

---

(۱) حضرت آسی کی شاعری کا اعتقادی واصلاحی رنگ، مقالاتِ مصباحی، غیر مطبوعہ ۳۷

(۲) ابتدائیہ، کتاب منظم ترجمہ اکسیر اعظم، المجمع الاسلامی، مبارک پور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص:۳۲، ۳۳

(۳) ابتدائیہ، کتاب منظم ترجمہ اکسیر اعظم، المجمع الاسلامی، مبارک پور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص:۳۲

(۴) مقالاتِ مصباحی، مرتبہ توفیق احسن برکاتی، غیر مطبوعہ

زیادہ صوفیۂ کرام کی مساعی جمیلہ کا حصہ ہے۔''(۱)

(۱۵)-'' کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف یا طریقت شریعت سے کوئی جدا راہ ہے۔ اس خیال کو ان غلط کار متصوفوں نے بھی شہرت دی جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت راہ ہے اور طریقت منزل، جو منزل تک پہنچ گیا اسے راہ کی کیا ضرورت؟ وہ اپنے کو تمام احکام وفرائض سے آزاد سمجھتے ہیں۔ درحقیقت یہ زندقہ ہے۔ صوفیہ نے کبھی یہ معنی بیان نہ کیے، نہ ہی وہ طریقت کو شریعت سے بے نیاز سمجھتے ہیں، نہ ہی تصوف کو کتاب وسنت کی تعلیم سے الگ شمار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طریقت کو شریعت رد کر دے وہ الحاد وزندقہ ہے، جو کشف معیارِ شرع پر پورا نہ اترے مکرِ شیطان ہے۔''(۲)

(۱۶)-''شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر وباطن دونوں احکام الٰہی کے پابند ہوں، باطن اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہو اور ظاہر اوصاف حمیدہ سے آراستہ۔ صرف چند فرائض وواجبات کی ادائیگی اور چند ممنوعات وحرام سے پرہیز کر لینے سے شریعت کی پابندی کسی فقیہ کی نظر میں بھی کامل نہیں ہوتی، کسی عارف کے نزدیک کیا ہوگی؟''(۳)

(۱۷)-''شریعتِ اسلامیہ روزی کمانے کی تاکید تو فرماتی ہے مگر انسان کو آزاد نہیں چھوڑتی بلکہ اسے جائز اور بے ضرر راہوں کا پابند بناتی ہے۔ انسان کم سے کم تر حاصل کرے یا زیادہ سے زیادہ لیکن ذریعہ جائز وحلال اور مقصد پاکیزہ وطیب ہونا چاہیے۔ خبیث اور ناجائز طریقوں سے جمع کی ہوئی دولت رب جلیل کے یہاں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔''(۴)

(۱۸)-'' قدرت نے انسان میں بے شمار صلاحتیں ودیعت فرمائی ہیں لیکن جب ان کا استعمال ہو پھر انھیں صیقل کر کے متحرک وفعال بنایا جائے تو وہ مفید خاص وعام ہوتی ہیں ورنہ خفتہ رہ کر مردہ ہو جاتی ہیں۔''(۵)

---

(۱) مضمون: تصوف روح اسلام، مشمولہ مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ

(۲) مضمون: تصوف روح اسلام، مشمولہ مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ

(۳) تصوف روح اسلام، مشمولہ مقالات مصباحی، ص: ۱۴۵

(۴) مصطفیٰ جان رحمت کا درس کسب وتجارت، مقالاتِ مصباحی

(۵) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۱۴

(۱۹)- ''دنیاے فانی کی رعنائیوں اور حیات ناپائدار کی لذتوں پر فریفتہ ہونا اس کا کام ہے جس کے فکر وخیال میں اس جہان کے سوا کوئی اور جہان نہیں اور جس کی نظر میں اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ بندۂ مومن تو اس جہان کی آبادکاری کے لیے فکر مند رہتا ہے جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے، اس کا مطمح نظر اس حیات کی رعنائیاں ہوتی ہیں جسے زوال نہیں۔ وہ اس گھر کی ویرانی سے لرزتا ہے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔''(۱)

(۲۰)- ''دنیا دل لگانے کے قابل نہیں، اس میں ہر دم کوئی تازہ آفت ومصیبت رونما ہوتی رہتی ہے، اس کے لیے بقا اور دوام نہیں، اسی لیے دار فانی سے موسوم ہے۔''(۲)

(۲۱)- ''مال ودولت کی محبت انسان کو آخرت سے غافل اور بہت سی مصیبتوں کا حامل بنا دیتی ہے اور مرشد کی ذمہ داری یہ ہے کہ انسان کو معصیت سے بیزار، نیکیوں کا خوگر اور آخرت کا شیدا بنائے۔''(۳)

(۲۲)- ''جب کسی قوم پر ادبار آتا ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سب ایک دوسرے کو الزام دے کر اور ایک دوسرے کا شکوہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور سلطنت ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔''(۴)

(۲۳)- ''ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ اہل حق کے لیے بڑا ہی صبر آزما اور بہت زیادہ ہمت وحوصلہ اور فعالیت کا طالب ہے۔ شکوہ وشکایات اور اپنی بے بسی کا ماتم بند کر کے امکانات پر غور کرنے اور کچھ کرنے کے لیے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔'' (۵)

(۲۴)- ''آج کا وقت ایک دوسرے پر الزام اور ذمہ داری ڈالنے کا نہیں، متحد ہو کر یا الگ الگ خود آگے بڑھنے اور ہر محاذ پر کام سنبھالنے کا ہے۔ ہاں اگر اپنے فرض کا احساس نہ ہو، نہ

---

(۱) مصطفی جان رحمت کا درس کسب وتجارت، مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ
(۲) حضرت آسی کی شاعری کا اعتقادی واصلاحی رنگ، مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ
(۳) حضرت آسی کی شاعری کا اعتقادی واصلاحی رنگ، مقالات مصباحی
(۴) نواے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹، ص: ۶۳
(۵) نواے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹، ص: ۶۳

قوم کے زیاں کا درد ہو، نہ قیامت میں جواب کی فکر ہو، صرف زبانِ عوام سے چھٹکارا حاصل کرنا پیش نظر ہو تو ایک نہیں، ہزار بہانے بنائے جا سکتے ہیں۔'' (۱)

(۲۵)-''آدمی جب تدریس کا بھی تجربہ کر لیتا ہے تو ذہن کھل جاتا ہے، طلبہ سے واسطہ پڑتا ہے، علما سے بحثیں ہوتی ہیں، اس کے بعد جب وہ کسی چیز کی جستجو میں پڑتا ہے اور کسی بحث کو منزل تک لانا چاہتا ہے تو اس کے مطالعے کا انداز اور ہوتا ہے، اس کی تحقیق اور جستجو کا انداز اور ہوتا ہے۔'' (۲)

(۲۶)-''بحمدہٖ تعالیٰ بہت سے اساتذہ ایسے ہیں جو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں اور انہی کی بدولت آج طلبہ کے اندر کچھ علمی، کچھ فکری شعور پیدا ہوتا ہے۔'' (۳)

(۲۷)-''ہمارے یہاں اہل قلم بہت سے ہیں لیکن جب اہل ادب کے طرز پر لکھا جائے یعنی عام ادبی موضوعات پر کسی کی تحریریں ہوں نظم میں، نثر میں تو اہل ادب کا مرکزِ توجہ بنتی ہیں، وہ ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور لکھنے والوں کو ادبا کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں صاحبِ اسلوب شخصیتیں موجود ہیں لیکن ادبا میں ان کا شمار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود ان [ادبی محکموں] میں ہوں اور اپنا تعارف کرانے کی کوشش کریں اور ہمارے جو افراد وہاں پہنچے ہوئے ہیں ان سے ہمارا رابطہ ہو۔'' (۴)

(۲۸)-''جماعت کی ضروریات کا احساس کیا جائے اور اس کی تکمیل کے لیے پیش قدمی کی جائے تو یہی صحیح فرض منصبی کی ادائگی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا ہونا چاہیے کہ اجتماعی یا انفرادی طور پر جو لوگ جس طرح کی خدمتیں انجام دے رہے ہیں جن سے اہل سنت کا فائدہ ہو رہا ہے تو ان کے لیے دو کلمۂ خیر ہی استعمال کریں۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے تو کم از کم اتنا ہونا چاہیے کہ ان کی مخالفت سے، ان کی حوصلہ شکنی سے باز رہیں۔'' (۵)

---

(۱) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۳۳

(۲) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۳۱

(۳) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۸۲

(۴) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۵۶

(۵) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۹۲

(۲۹)۔''میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے نئے علماے کرام میں بھی تلاش وجستجو اور تحقیق وتفحص کے ساتھ ساتھ راے قائم کرنے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کا ملکہ پیدا ہو چکا ہے۔ مجلس شرعی کے توسط سے یہ وہ کام ہو رہا ہے جو درس گاہ میں نہیں ہو پاتا ہے۔'' (۱)

(۳۰)۔''اس میں شک نہیں کہ دیگر بے شمار شعبوں کی طرح درسیات اور نصاب کے سلسلے میں بھی بہت زیادہ محنت وکاوش کی ضرورت باقی ہے۔ مگر کچھ لوگ اسے اتنا ہی آسان سمجھتے ہیں جیسے نقد وجرح اور طعن وتشنیع سے لبریز کوئی مضمون دو چار صفحات پر مشتمل لکھ کر کسی اخبار یا رسالے میں شائع کر دینا۔ اور جو لوگ بالغ نظر اور پیچ در پیچ مشکلات سے باخبر ہیں وہ کام کی صعوبت اور انجام کی پریشانی دیکھ کر پیش قدمی کی ہمت نہیں کر پاتے۔'' (۲)

(۳۱)۔''مفت مشورے دینے اور ایک سے ایک بلند وبالا رائیں پیش کرنے والوں کی اب کمی نہ رہی۔ مگر میدانِ عمل میں اترنے کے لیے کوئی تیار نظر نہیں آتا یا پھر ایسی مشکلات اور شرطیں سامنے رکھ دیتا ہے جن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کام نہیں ہو سکتا۔'' (۳)

(۳۲)۔''یقیناً اس وقت ملت کے بے شمار مسائل علماے کرام کی توجہ کے محتاج ہیں اور ہر معاملے میں ذمہ دار علما ہی قرار پاتے ہیں لیکن جس طرح دنیا کے تمام افراد کے ساتھ مصروفیات ہیں اسی طرح علما کے بھی اپنے مسائل ومعمولات اور مصروفیات ہیں جن سے ہٹ کر کسی نئے کام کے لیے وقت نکالنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی توجہ دلانے والا ہوتا ہے اور پیش قدمی کرتا ہے تو علماے کرام اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ان امور کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' (۴)

(۳۳)۔''آپ اربابِ کمال اور اصحابِ تصنیف علما ومحققین کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالیں تو ہر ایک کے بارے میں آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ صرف اپنے نصابِ تعلیم کی بنیاد پر صاحب فضل

---

(۱) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء، ص:۶
(۲) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء، ص:۴
(۳) ایضاً، ص:۴
(۴) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۷ء، ص:۶

وکمال اور شناورِ تحقیق وتدقیق نہ بن گئے، بلکہ انھوں نے نصابی کتابوں سے باہر بھی بے شمار کتابوں کا بڑی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مطالعہ کیا ہے۔ جب کہیں وہ اپنے زمانہ میں امتیازی شان کے حامل اور زمانہ مابعد میں بقاے دوام کے قابل ہو سکے ہیں۔'' (۱)

(۳۴)- '' جاہلیت ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جس سے ایک دور اور اس کے کردار واحوال کی تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم وفن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا، اُس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علم صحیح کی قدریں پامال کر رہے تھے، ان کا ماحول اخلاق وکردار کے اعتبار سے متعفن تھا، وہ بے حیائی وبدکرداری پر فخر کیا کرتے، ان ہی حالات کی بنا پر اس دور کو دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔'' (۲)

(۳۵)- '' ایک صحرا نشیں، خلوت گزیں عابد مرتاض اپنے کو نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے اور ایک مخلص وبے ریا صاحبِ ہمت ومجاہدہ عالم ربانی ایک جہان کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ بھلا یہ اس سے کم کیوں کر ہو سکتا ہے، یقیناً یہ اس سے افضل واعلیٰ ہے، بشرطے کہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے اس کا مقصود ذات احد اور خوش نودیِ خدا اور رسول ہو اور یہ شرط تو خلوت گزیں عابد مرتاض کے لیے بھی ہے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔'' (۳)

(۳۶)- '' سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکمیل علوم شریعت وراہِ طریقت کے بعد کوئی گوشۂ تنہائی نہیں بلکہ بغداد کی گھنی آبادی کا انتخاب کیا جو بے شمار فتنوں کی آماج گاہ بلکہ تربیت گاہ بن چکا تھا۔ انھوں نے اپنے خطبات سے خلفا، امرا، علما اور عوام کے دل ہلا دیے، ان کے فیض اصلاح سے ہزاروں بے دین صراط مستقیم پر آئے اور لاکھوں بے راہ صالح ونیک بن گئے۔'' (۴)

(۳۷)- '' سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ رب جلیل کے محب بھی تھے اور محبوب بھی بلکہ اولیا کے درمیان محبوبیت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔'' (۵)

---

(۱) مقالات مصباحی، مرتبہ توفیق احسن برکاتی، غیر مطبوعہ

(۲) تدوین قرآن، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء، ص: ۳۵

(۳) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء، ص: ۱۵

(۴) امام احمد رضا اور تصوف، المجمع الاسلامی، ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء، ص: ۷۵

(۵) ابتدائیہ، کتاب منتظم ترجمہ اکسیر اعظم، المجمع الاسلامی، مبارک پور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص: ۱۹

(۳۸)-''امام اعظم کی شخصیت اگر مجروح ہوتی ہے تو ان کو امام و پیشوا ماننے والے، قاضی القضاۃ کی حیثیت دینے والے معتبر نہیں رہ جائیں گے۔ اس لیے آج جو لوگ امام اعظم کی شخصیت کو نشانۂ طعن بناتے ہیں ان کو اس بات پر نظر رکھنا چاہیے کہ پھر حدیث کا پورا سرمایہ قابل اعتبار نہیں رہ جائے گا۔''(۱)

(۳۹)-''ائمۂ دین نے تکفیر کا حکم لگانے میں سخت احتیاط برتی ہے مگر بدلی ہوئی یہودیت، نصرانیت اور دیگر غیر اسلامی مذاہب پر اسلام کا لیبل لگانے یا ان کے ماننے والوں کو جنتی بتانے کی حرکت کبھی نہیں کی ہے۔ اسی طرح کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والے یا ختم نبوت کا انکار کرنے والے یا خدا اور رسول اور اسلام کی کھلی گستاخی کرنے والوں کی تکفیر صریح سے کبھی انحراف بھی نہیں کیا ہے۔''(۲)

(۴۰)-''حافظ ملت کا کمال یہ تھا کہ وہ راکھ کے ڈھیر سے بھی سونے کے ٹکڑے چن لیتے تھے اور ہمارا کمال یہ ہے کہ سونے کے ڈھیر میں بھی راکھ کے ذرے دیکھ لیتے ہیں اور ان ہی کو کریدتے ہوئے نظر آتے ہیں۔''(۳)

(۴۱)-''یہ حقیقت ہے کہ حافظ ملت نے اگر چہ زیادہ تصنیفات نہ چھوڑیں مگر بے شمار مصنفین ضرور پیدا کیے۔ طلبہ کے اندر تحریری ذوق پیدا کرنے میں ان کا زبردست ہاتھ رہا، خصوصاً جس طالب علم کے اندر تصنیفی صلاحیت اور تحریری ذوق دیکھتے اسے اسی طرف لگا دیتے۔ جس کے باعث آج حافظ ملت کے تلامذہ میں اردو، عربی، فارسی کے جید اہل قلم دیکھے جا سکتے ہیں۔''(۴)

(۴۲)-''علم پر عمل کے بعد دنیوی طور پر بھی کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں اور روحانی طور پر بھی بہت سے علوم کے دروازے کھلتے ہیں۔''(۵)

---

(۱) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۱۹۸

(۲) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۱۴۱

(۳) ماہنامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء: ۴۰

(۴) حافظ ملت کے علمی افادات، مشمولہ مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ

(۵) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری ۲۰۱۹ء، ص: ۲۷۷

(۴۳)- ”سائنس دانوں کے نظریات ایسے نہیں جو قابل رد نہ ہوں۔ جو چیز یہ تحقیق ومشاہدہ کی بنیاد پر بیان کرتے ہیں اور واقع کے مطابق ہے وہ تو قابل قبول ہے اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن جہاں بات نظریے کی حد تک ہوتی ہے اور وہ محض ظن وتخمین سے بیان کرتے ہیں تو ان کا رد کیا جاسکتا ہے۔“(۱)

(۴۴)- ”جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر عبادت کر لینا یہ تو آسان کام ہے لیکن لوگوں کے ساتھ رہ کر باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا گویا اپنا سر تلوار کی دھار پر رکھنا ہے۔“ (۲)

(۴۵)- ”فلسفہ جو ہماری درس گاہوں میں پڑھایا جاتا ہے اس میں کچھ باتیں تو صحیح ہیں اور کچھ باتیں قابل رد ہیں اور کچھ سراسر گمراہی اور مکمل ظلمت ہیں، ان باتوں کو بھی پڑھایا جاتا ہے لیکن ساتھ ساتھ ان کا رد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔“(۳)

(۴۶)- ”سارے مومنین ایک دوسرے کے اعضا کی طرح ہیں، اگر کوئی عضو کٹ رہا ہے اور اس کا درد نہ ہو تو یہ بہت ہی بے حسی کی چیز ہوگی۔ ایسے بے حسی ہمارے اندر نہیں ہونی چاہیے۔ عالم اہل سنت ہونے کے لحاظ سے آپ کو دوسروں کو راہِ راست دکھانے اور اپنوں کو بچانے کی فکر ہونی چاہیے۔“(۴)

(۴۷)- ”علما کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ حق کی آواز کو، علم کو، عمل کو دوسروں تک پہنچائیں۔ جب خود وہ پختہ اعتقاد، پختہ علم، پختہ عمل کے حامل ہوں گے تبھی دوسروں کو راہ دکھا سکتے ہیں۔ ایک طالب علم کو عالم بننا ہے تو اسے اپنی ذمہ داری کو انجام دینے کی ابھی سے تیاری کرنا چاہیے۔“(۵)

(۴۸)- ”علمائے کرام کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی کے اندر کوئی خامی ہے تو اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خامیوں کو پنپنے ہی دیا جائے، کسی کے

---

(۱) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۸۸

(۲) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۹۷

(۳) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۸۷

(۴) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۴۷

(۵) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۳۰۷

اندر خامی ہو تو اس کی اصلاح کی جائے، لیکن جو خوبی ہو اس کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ بڑی سے بڑی خوبی ایک خامی کی وجہ سے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے، اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے۔''(۱)

(۴۹)-''ایک باصلاحیت قلم کار اپنے کام کے لیے عظیم لائبریری، طباعت کا سرمایہ، اشاعت کے وسائل تنہا کیسے فراہم کر سکتا ہے اور دنیا بھر کے گوناگوں موضوعات سے دس پانچ آدمی مل کر چشم زدن میں کیوں کر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ ان کی مشکلات کو نظر انداز کر کے تن آسانی اور مفاد پرستی کا الزام لگانا سخت ناانصافی ہے۔ گو بعض افراد پر اس طرح کا حکم راس اور منطبق ہو لیکن سارے اسلاف اور موجودہ اصاغر واکابر پر یہ الزام محدود فکر کی نشانی ہے۔''(۲)

(۵۰)-''ہمارے علما نے کام بے پناہ کیا ہے اور مسلسل سرگرم جہد وعمل رہے ہیں۔ جن کی تفصیل کتابی شکل میں منظر عام پر آ چکی ہے۔ لیکن ضروریات اور وقت کے تقاضے کسی ایک حد پر رکنے والے نہیں، اس لیے یہ سلسلۂ عمل ترقی کے ساتھ جاری رہنا ضروری ہے اور کسی کوتاہی کا علاج شکوہ وشکایت نہیں، بلکہ ٹھوس، منصوبہ بند، مثبت اور تعمیری اقدامات ہیں۔'' (۳)

(۵۱)-''طالب علمی کا یہ مختصر سا زمانہ جس کو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ محض تفریح کا زمانہ ہے اور گھر سے چھٹی ملی ہوئی ہے کہ جیسے ہم چاہیں گزار لیں۔ یہ ایسا زمانہ نہیں ہے، اسی زمانے پر ساری زندگی کا مدار ہے، اگر یہ زمانہ آپ نے کامیابی کے ساتھ گزار لیا تو آپ کی اگلی زندگی بھی کامیاب ہو سکتی ہے اور اگر یہ زمانہ آپ نے لہو ولعب میں گزار دیا تو پوری زندگی رونا پڑیگا اور کوئی آنسو پونچھنے والا بھی نہیں ملے گا۔''(۴)

(۵۲)-''طلبہ کو بہر حال اپنے وقت کو مصرف میں لانا چاہیے اور تحقیق کی رو سے جو صحیح باتیں ہوتی ہیں ان کو حاصل کرنا چاہیے۔ صبح وشام مدرسے میں گزارنے سے کوئی بڑا فائدہ نہیں اگر

---

(۱) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۵۹

(۲) مضمون: اہل سنت کی تصنیفی خدمات، مشمولہ مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ

(۳) اہل سنت کی تصنیفی خدمات، مقالات مصباحی

(۴) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۶۹

آپ علمی وتحقیقی جستجو نہ کریں۔''(۱)

(۵۳)-''اسلام کا مطالبہ صرف علم ہی نہیں ہے کہ آپ اپنے دل ودماغ کے اندر معلومات کا عظیم ذخیرہ اور عظیم سمندر جمع کرلیں بس کام پورا ہوگیا۔ نہ ہمارے اسلاف کا ان اداروں کی تاسیس سے یہ مقصد تھا کہ بڑے بڑے جالینوس اور بڑے بڑے فلاسفر پیدا کردیے جائیں بلکہ ان کو خاص علم دین کا اور امت مسلمہ کا نمائندہ پیدا کرنا مقصود تھا۔''(۲)

(۵۴)-''ہم جس ملک کے باشندے ہیں اس میں ہمارے بہت سے مسائل اور حقوق ہیں۔ اگر ہمارے قومی معاملات ومسائل میں حکومت کی جانب سے کوئی رخنہ اندازی ہوتی ہے تو اس سے فوراً آگاہی اور صحیح حل کے لیے تگ ودو ہماری ذمہ داری ہے۔''(۳)

(۵۵)-''یہ امر باعث مسرت اور قابل توجہ ہے کہ (مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے ذریعہ) نئے مسائل کے حل اور نئی سمتوں میں امت مسلمہ کی رہ نمائی کے لیے پیش قدمی ہوئی اور علماے کرام کی مخفی قوتیں اور صلاحتیں بروے کار آئیں تو بہت سے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھیں، امت کو صحیح حل دست یاب ہوئے۔ مزید برآں فکروں کے دروازے کھلے، تحقیق وتدقیق کی راہیں ملیں، علمی وفقہی ذخیروں سے استفادے وافادے کی مزید صورتیں نمودار ہوئیں اور بہت سی صلاحتیں جو صرف درسیات میں گم تھیں اب علم وفن کے وسیع وعریض آفاق پر جلوہ نما ہیں۔''(۴)

(۵۶)-''(مجلس شرعی کے مندوبین علما ومحققین کو خطاب) آپ ملت کا دل ودماغ ہیں، آپ سے قوم کی امیدیں وابستہ ہیں، آپ کو خود بھی کام کرنا ہے اور دوسروں کو بھی کام سے لگانا ہے اور جو کسی محاذ پر کسی پیمانے پر کام کررہے ہیں ان کی قدرشناسی اور عزت افزائی بھی کرنی ہے۔''(۵)

(۵۷)-''(مجلس شرعی کے) فقہی، علمی مذاکرات کا ایک عام فائدہ ہے جو پوری قوم کو ملتا

---

(۱) نواے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ص: ۳۰۶

(۲) نواے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۷۳

(۳) نواے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۶۵

(۴) نواے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۶۹

(۵) نواے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۳۴

ہے، وہ یہ کہ پیچیدہ مسائل اور معاملات میں صحیح راہ عمل کا علم ہوتا ہے اور غیر مشروع طریقوں سے بچ کر شرعی طریقوں پر کار بند ہونے کی ہدایت ملتی ہے۔ دوسرا خاص فائدہ ہے جو اہل علم اور ارباب تحقیق کو حاصل ہوتا ہے۔ جو حضرات مقالات لکھتے ہیں انھیں اپنے موضوع کو سر کرنے کے لیے کافی فکر و تدبر اور غور و خوض سے کام لینا پڑتا ہے، کتابوں کی مراجعت اور تلاش مطلوب کے دوران بہت سے احکام و مسائل نظر سے گزرتے ہیں اور ذخیرۂ معلومات میں گراں بہا اضافہ ہوتا ہے۔ اگر تحقیق و نگارش کی یہ تقریب نہ پیدا ہوتی تو ان مسائل کو دیکھنے یا تازہ کرنے کی طرف توجہ شاید مدتوں نہ ہوتی۔‘‘(۱)

(۵۸)- ’’(مجلس شرعی کے فقہی سیمینار میں) میں مقالات لکھنے اور سیمینار میں شرکت کرنے کے لیے ابتدا ہی سے کچھ جواں سال اور باصلاحیت نئے فارغین کو بھی دعوت دی جاتی رہی تاکہ وہ فقہی تحقیق، جراَتِ اظہار اور سنجیدہ مباحثہ و مناقشہ کے عادی بن سکیں اور آگے چل کر بزرگوں کی نیابت کر سکیں۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ اس کے نتائج و ثمرات بھی حوصلہ افزا ہیں۔‘‘(۲)

(۵۹)- ’’یہ فریضہ ہم پر عائد ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ، مستشرقین اور مشرکین کا جو بھی اعتراض اسلام پر عائد ہوتا ہے اس کا جواب دینے کے لیے انھی کے ذرائع اور اپنی ساری قوتوں کے ساتھ ہم بھی تیار رہیں۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم سب آپس میں متحد ہوں اور اپنے اِفساد کی بجائے اصلاح کی کوشش کریں، اسلام و سنیت کے فروغ و استحکام کو مطمح نظر بنائیں۔‘‘(۳)

(۶۰)- ’’عربی اور انگریزی زبان میں بھی ہمیں قرآن و حدیث، سیرت رسول اور دوسرے دینی عنوانات پر تیزی سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جس کے لیے اچھے اہل قلم کے کئی گروپ بنا کر کام سپرد کرنا ہوگا۔ بعض تنظیموں اور اداروں کی جانب سے کچھ کام ہوا ہے جو قابل

---

(۱) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۳۶

(۲) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۵۶

(۳) نوائے دل، طبع مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۵۸

تحسین وآفریں ہے مگر اسے مزید بڑھانے اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔"(۱)

(۶۱)۔"(کوئی) ادارہ اگر اپنی روش پر جاری ہے، دین متین کی عظیم خدمات انجام دے رہا ہے اس کے باوجود اس کی مخالفت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دینی مرکز کی مخالفت کی جارہی ہے اور عظیم پیمانے پر دین کا جو کام ہو رہا ہے اس کے اندر رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ دنیا کا بدترین کام تو ہو سکتا ہے، لیکن کارِ خیر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔"(۲)

(۶۲)۔"اپنے اسلاف سے وابستگی اور ان کا ذکرِ خیر زندہ قوم کی نشانی ہے۔ اس سے جہاں گزشتہ اکابر کی خدمات کا تعارف ہوتا ہے وہیں موجودہ نسل کے لیے راہِ عمل بھی ہموار ہوتی ہے، ان کی بے لوث اور مخلصانہ سرگرمیوں کو یاد کر کے لوگوں کے دلوں میں گرمی، ارادوں میں پختگی، عزائم میں بلندی اور کاموں میں تیزی آتی ہے۔"(۳)

(۶۳)۔"شعر کی فضا بہر حال نثر سے مختلف ہوتی ہے اور کسی بلند پایہ کلام کو سمجھنے کے لیے خواہ وہ اردو ہی میں ہو وسیع مطالعے، اساتذہ کے کلام سے آگاہی اور صاحبِ کلام کے مزاج و معیار سے کسی قدر آشنائی ضروری ہوتی ہے۔ یوں آپ کسی اعرابی کو کسی استاذ کا علمی وفنی کلام سمجھانے بیٹھ جائیں تو گھنٹوں کی محنت کے بعد بھی اس کے دماغ میں ماحصل کی مقدار بہت کم پائیں گے۔"(۴)

(۶۴)۔"تقریریں کئی طرح کی ہوتی ہیں: (۱) ادق اور علمی جن کو اہل علم ہی سمجھ سکیں۔ (۲) سطحی اور دل چسپ جن کو عوام تو پسند کریں مگر اہل علم حقارت سے دیکھیں۔ (۳) غیر تحقیقی باتوں کی کثرت، علمی وتاریخی لحاظ سے غلط، روایات میں اپنی جانب سے بے جا اضافے، الفاظ کے، جملوں کے، غلط سیاق وسباق کے پیوند پر پیوند مگر بیان میں ایسی چاشنی اور زور کہ عوام وجد میں آ جائیں۔ ایسی تقریروں سے ان خطبا کے کشکول بھرے ہوتے ہیں جنھیں رضائے خدا رسول سے

---

(۱) نوائے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۳۳

(۲) نوائے دل، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد، ۲۰۱۹ء، ص: ۳۰۷

(۳) نوائے دل طبع مصباحی پبلی کیشن محمد آباد، جنوری، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۵۲

(۴) ابتدائیہ، کتاب منظم ترجمہ اکسیر اعظم، المجمع الاسلامی، مبارک پور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص: ۲۳

زیادہ خوش نودیِ عوام عزیز ہوتی ہے اور ثواب آخرت سے زیادہ حطام دنیا جمع کرنے کی فکر لگی رہتی ہے۔ (۴) روایت و درایت اور علم و تحقیق کی رو سے صحیح معلومات کی جامع اور زبان و بیان کے لحاظ سے دل چسپ اور عام فہم جس سے عوام و خواص دونوں نفع اندوز ہوں۔ قسم اول کا دائرہ نفع محدود ہے، قسم دوم وسوم کی کثرت ہے۔ ایسی تقریریں اور ایسے خطبا ہر دور میں عوام کے دل و دماغ پر چھائے رہے مگر صحیح معنی میں خطاب اور خطابت وہی ہے جو چوتھی قسم کے معیار پر کامل ہو۔''[۱]

(۶۵)- ''تجارتی بنیاد پر کام کرنے والے ادارے بھی اگر صبر آزما جذبۂ دینی کو ساتھ رکھیں اور خواص کے لائق ذرا ست رفتار سے نکلنے والی کتابوں کو بھی نکالنے اور پھیلانے کی سعیِ مردانہ جاری رکھیں تو بڑا انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ ہم علمی ترقی کا منظر دیکھنے کے مشتاق ہیں خواہ اس کے پیچھے صالح تجارتی جذبہ یا تجارتی و تبلیغی دونوں سے ملا ہوا جذبہ ہی کار فرما ہو۔''[۲]

یہ افکار حضرت صدر العلماء مدظلہ العالی کی چند کتابوں اور مضامین سے ماخوذ ہیں۔ بہت کچھ باب دوم میں بعنوان ''افکارِ تصوف'' پیش ہو چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں ایک بڑا علمی و تحقیقی تجزیاتی مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔

●●

(۱) شارح بخاری کی جلالت علمی سے میری روشناسی، مقالاتِ مصباحی، غیر مطبوعہ
(۲) مضمون: اہل سنت کی تصنیفی خدمات، مشمولہ مقالات مصباحی، غیر مطبوعہ

کتابیات

(۱) امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، جلد اول

(۲) امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، جلد پنجم

(۳) امام ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد اول

(۴) قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل

(۵) عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، مدارک التنزیل، جلد اول، طبع مکتبہ نزار مصطفی الباز

(۶) علامہ عبد اللہ عزیزی، معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل، رونا ہی فیض آباد، ۲۰۰۴ء

(۷) علامہ ابو الحسن علی شطنوفی، بہجۃ الاسرار [سوانح سید عبد القادر جیلانی]

(۸) شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مکتوبات صدی، اول و دوم

(۹) امام احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، سوم، سنی دار الاشاعت، مبارک پور، صفر ۱۳۸۱ھ

(۱۰) امام احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، مترجم، سوم، رضا فاؤنڈیشن لاہور، اگست ۱۹۹۱ء

(۱۱) امام احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، مترجم، چہارم، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، اگست ۱۹۹۱ء

(۱۲) امام احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، مترجم، جلد اول، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

(۱۳) امام احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، مترجم، جلد نہم، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

(۱۴) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مرتبہ: مولانا حامد رضا قادری، طبع بریلی

(۱۵) مفتی محمد شریف الحق امجدی، فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، جلد پنجم، فروری ۲۰۱۸ء

(۱۶) صحیفۂ مجلس شرعی، جلد دوم، جامعہ اشرفیہ، مئی ۲۰۰۹ء

(۱۷) جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، جلد سوم، ۲۰۱۸ء

(۱۸) مجلس شرعی کے فیصلے، جلد اول، جامعہ اشرفیہ، ۲۰۱۴ء

(۱۹) معارف شارح بخاری، رضا اکیڈمی، بمبئی، جنوری ۲۰۰۰ء

(۲۰) مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، المجمع الاسلامی، مبارک پور

(۲۱) مفتی شاہد علی رضوی، سوانح مولانا ارشاد حسین رام پوری، قادری اکیڈمی، رام پور، ستمبر ۱۹۸۹ء

(۲۲) فروغ رضویات میں فرزندان اشرفیہ کا کردار، پیغام اسلام، اشرفیہ، ۲۰۱۹ء

(۲۳) مولانا افتخار احمد قادری، فضائل قرآن، المجمع الاسلامی، مبارک پور، جون ۱۹۸۱ء

(۲۴) مولانا بدر القادری، بزم اولیا، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۴۱۳ھ

(۲۵) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا، پشت ورق، برکات رضا فاؤنڈیشن، ممبئی، ۲۰۰۷ء

(۲۶) مولانا بدر القادری، اشرفیہ کا ماضی اور حال، شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فروری ۱۹۷۵ء

(۲۷) بیسویں صدی میں علماے اہل سنت کی علمی وادبی خدمات، القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ، دسمبر ۲۰۱۵ء

(۲۸) احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، مترجم عبد الرحمن سورتی، قاری پبلی کیشنز

(۲۹) ڈاکٹر خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۵ء

(۳۰) پروفیسر مسعود احمد، امام احمد رضا اور عالمی جامعات، ادارۂ مسعودیہ، کراچی، ۱۹۹۸ء

(۳۱) ڈاکٹر خالد ثابت مصری، انصاف الامام، دار المقطم، قاہرہ

(۳۲) مولانا ظفر الدین رضوی، حیاتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور

(۳۳) سلیم شہزاد، فرہنگ ادبیات، منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں، ۱۹۹۸ء

(۳۴) مولانا کوکب نورانی، نعت اور آداب نعت، مہر منیر اکیڈمی، پاکستان

(۳۵) صدر العلما محدث میرٹھی: حیات وخدمات، جلد اول، مسجد نور الاسلام، بولٹن، ۲۰۱۰ء

(۳۶) مولانا عبد الغفار اعظمی، فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد، المجمع الاسلامی، ۲۰۰۷ء

(۳۷) مولانا ابو الوفا رضوی، تذکرہ علماے بھیرہ ولید پور، مصباحی پبلی کیشنز، محمد آباد، ۲۰۱۸ء

(۳۸) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء، جلد سوم

(۳۹) انوار مفتی اعظم، مرتبہ: علامہ محمد احمد مصباحی، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۲ء

(۴۰) مولانا مبارک حسین مصباحی، مختصر تعارف الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۱ء

(۴۱) مولانا یٰسین اختر مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ، ایک مختصر اور جامع تعارف، ۲۰۰۰ء

(۴۲) حافظ ملت: افکار اور کارنامے، ادارہ تحقیقات حافظ ملت، اشرفیہ، ۱۹۹۰ء

(۴۳) مولانا بدر القادری، حیات حافظ ملت، المجمع الاسلامی، مبارک پور، مئی ۲۰۰۸ء

(۴۴) ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، مولانا بدر القادری: حیات اور کارنامے، اسلامک اکیڈمی، گھوسی، ۲۰۰۳ء

(۴۵) ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل، عرفان عرب، سلطان شیر شاہ سوری پبلی کیشنز، سہسرام، ۲۰۰۹ء

(۴۶) مولانا نفیس احمد مصباحی، اصول حدیث، مجلس برکات، مبارک پور

(۴۷) مولانا محمد شفیع اعظمی، روداد جامعہ اشرفیہ، اپریل ۱۹۸۵ء-اپریل ۱۹۸۶ء

(۴۸) مفتی عبد المنان اعظمی، روداد انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ، صفر ۱۳۸۷ھ

(۴۹) جہان مفتی اعظم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ء

(۵۰) ڈاکٹر کلیم اللہ برکاتی، اردو ادب کے فروغ میں فرزندانِ جامعہ اشرفیہ کا حصہ [مقالہ قلمی]

(۵۱) مفتی احمد القادری، حالاتِ صدر العلماء [غیر مطبوعہ]

(۵۲) مقالاتِ مصباحی، مرتبہ: توفیق احسن برکاتی [غیر مطبوعہ]

(۵۳) ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، جون تا اگست، ۱۹۷۸ء

(۵۴) ماہ نامہ اشرفیہ، انوار حافظ ملت نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء

(۵۵) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، سیدین نمبر، اکتوبر ۲۰۰۲ء

(۵۶) ماہ نامہ پاسبان، الٰہ آباد، شمارہ جولائی ۱۹۷۹ء

(۵۷) اہل سنت کی آواز، مارہرہ، مطہرہ، اکتوبر ۲۰۱۴ء

(۵۸) تجلیات رضا، بریلی، بحر العلوم نمبر، ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء

(۵۹) سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء

(۶۰) مجلہ جہان ادب، دار العلوم علی حسن اہل سنت، ممبئی، ۲۰۱۴ء

(۶۱) ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۴ء

(۶۲) ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی، شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء

(۶۳) ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۷ء

(۶۴) ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ مارچ ۲۰۰۷ء

(۶۵) ماہ نامہ پیغام شریعت، دہلی، ستمبر ۲۰۱۷ء

(۶۶) ماہ نامہ تحریر نو، نئی ممبئی، اپریل ۲۰۱۱ء

(۶۷) صدر العلماء کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں

(۶۸) صدر العلماء اور دیگر علما کے کئی درجن خطوط

(۶۹) اہل علم وقلم کی چند غیر مطبوعہ تحریریں

(۷۰) ان کے علاوہ ماہ نامہ اشرفیہ کا شمارہ فروری ۱۹۷۶ء، اپریل ۱۹۷۶ء، دسمبر ۱۹۷۶ء، فروری ۱۹۷۷ء، مارچ ۱۹۷۷ء، دسمبر ۱۹۷۷ء، فروری ۱۹۷۸ء، اکتوبر ۱۹۷۹ء، جنوری ۱۹۹۳ء، اکتوبر ۱۹۹۷ء، جولائی ۱۹۸۰ء، دسمبر ۱۹۸۰ء، فروری ۱۹۸۴ء، جون ۱۹۸۶ء، فروری ۱۹۸۸ء، اکتوبر ۱۹۸۸ء، اپریل ۱۹۸۹ء، ستمبر ۱۹۸۹ء، اگست ۱۹۹۶ء، فروری ۱۹۹۷ء، اکتوبر ۱۹۹۷ء، فروری ۲۰۰۰ء، مارچ، اپریل ۲۰۰۰ء، جون ۲۰۰۰ء، دسمبر ۲۰۰۳ء، ستمبر ۲۰۰۴ء، جون ۲۰۰۵ء، نومبر ۲۰۰۵ء، ستمبر ۲۰۰۶ء، جولائی ۲۰۱۲ء، جنوری ۲۰۱۳ء، جنوری ۲۰۱۶ء وغیرہ۔